تذکرہ شعرائے جے پور

احترام الدین احمد شاغل

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

جملہ حقوق محفوظ

بار اول فروری ۱۹۵۸ء

قیمت ~~ساڑھے چھ روپے~~

یونین پرنٹنگ پریس۔ دہلی


اکرام الدین اکرم

یا کریم

اِنتساب

میں اپنی اس ادبی خدمت کو باچشم اشکبار اپنے فرزند ابوالکرم اکرام الدین اکرم عثمانی۔ منشی فاضل کے نام معنون کرتا ہوں جس کو انتہائی ادبی شوق اور شعروسخن کا بے غایت ذوق تھا۔ جو بعمر پچیس سال سنہ ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب میں ۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۴۷ کو ٹرین میں شہید ہوا اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۝

غم نصیب
اشتغل
۳۱ ۹/۵۵

تعارف

اُردو زبان صرف دہلی اور لکھنؤ تک محدود نہیں، یہ سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی شاعری کے چرچے کشمیر سے راس کماری تک اور کلکتے سے کوئٹے تک ہیں۔ پہلے اس کا چلن بازاروں میں ہوا، پھر خانقاہوں تک اس کی رسائی ہوئی۔ اس طرح پر و بال نکال کر یہ درباروں تک پہنچی اور اپنی شائستگی اور لطافت سے اس نے سب کے دلوں کو مسخر کر لیا۔

دہلی، لکھنؤ، عظیم آباد، حیدر آباد، رام پور، لاہور اُردو کے بڑے مرکز رہے ہیں ان کے ساتھ جے پور کا نام لینا بھی ضروری ہے۔ ایک دفعہ جب دہلی لُٹی تھی تو وہاں کے شاعر لکھنؤ پہنچ گئے تھے اور وہاں ایک ادبی ماحول پیدا کر دیا تھا، یہاں تک کہ ناسخ و آتش کے فکر و فن کا اثر خود دہلی پر پڑنے لگا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب دہلی پھر برباد ہوئی تو وہاں کے اربابِ کمال اِدھر اُدھر منتشر ہونے لگے ان میں سے کئی اصحاب جے پور پہنچے۔ وہاں کی حکومت اور عوام نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مشاعروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں ہونے لگیں۔ ادبی نوک جھونک نے ایک دلچسپی اور گرمی پیدا کی۔ رفتہ رفتہ وہاں بھی شاعر پیدا ہونے لگے اور جے پور ایک ادبی مرکز بن گیا۔

جناب احترام الدین شاغل بزرگوں کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں۔ خود اُنکی ساری عمر ادبی مشاغل میں گزری ہے۔ انہوں نے جے پور کی ادبی فضا، وہاں کے مشاعروں، وہاں کی اہم شخصیتوں، ان کی سیرت اور کردار، ان کی تصانیف نظم و نثر، سب کا جائزہ تذکرہ شعرائے جے پور میں سمو دیا ہے۔ شاغل نے برسوں کی محنت سے زبان اور فن کے نکات پر عبور حاصل کیا ہے اور ان کی شاعری میں صحت بیان اور ان کی نثر میں جان ہے۔ یہ تذکرہ پرانی روش کے مطابق حروف تہجی کی رعایت سے مرتب کیا گیا ہے اس لئے تاریخی تبدیلیوں کا اور جے پور کے قدیم و جدید رنگ کا احساس پوری کتاب کو

پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، مگر اس میں کلام نہیں کہ اپنے مواد، اور ترتیب کے اعتبار سے اس میں جے پور کی ادبی تاریخ آگئی ہے۔ شروع میں "ادب جے پور کے ماضی و حال" کے عنوان سے ریاست کی مختصر تاریخ، وہاں کے راجاؤں کی علم دوستی اور ادب پروری اور وہاں کے اہم شاعروں اور ادبی شخصیتوں پر ایک طائرانہ نظر ہے۔ اس کے بعد اصل تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں ظہیر دہلوی۔ انور دہلوی۔ میر مہدی مجروح۔ خواجہ قمرالدین راقم، مرزا عباس بیگ محشر شاگرد شاہ نصیر، تسلیم نارنولی، مائل دہلوی، مبین اور اطہر ہاپوڑی ایسے شاعر ہیں جن کا تذکرہ ادب کی ہر تاریخ میں ضروری ہے موجودہ دور میں بھی وہاں خوش فکر اور خوش گو شعرا کی کمی نہیں اس لئے اس تذکرے سے نہ صرف ہندوستان میں اُردو ادب کی ہمہ گیری اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے، بلکہ اُردو کے کئی اچھے شاعروں اور ارباب فن کی جامعیت اور معیار کے متعلق بھی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

اس تذکرے کی اشاعت میں مختلف وجوہ سے خاصی تاخیر ہوگئی لیکن ادبی کارنامے غیر فانی اور قید زمان و مکان سے آزاد ہوتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ تذکرہ ادبی دنیا میں مقبول ہوگا اور شاغل صاحب کو ان کے خلوص، محنت اور عرقریزی کی داد ملے گی۔

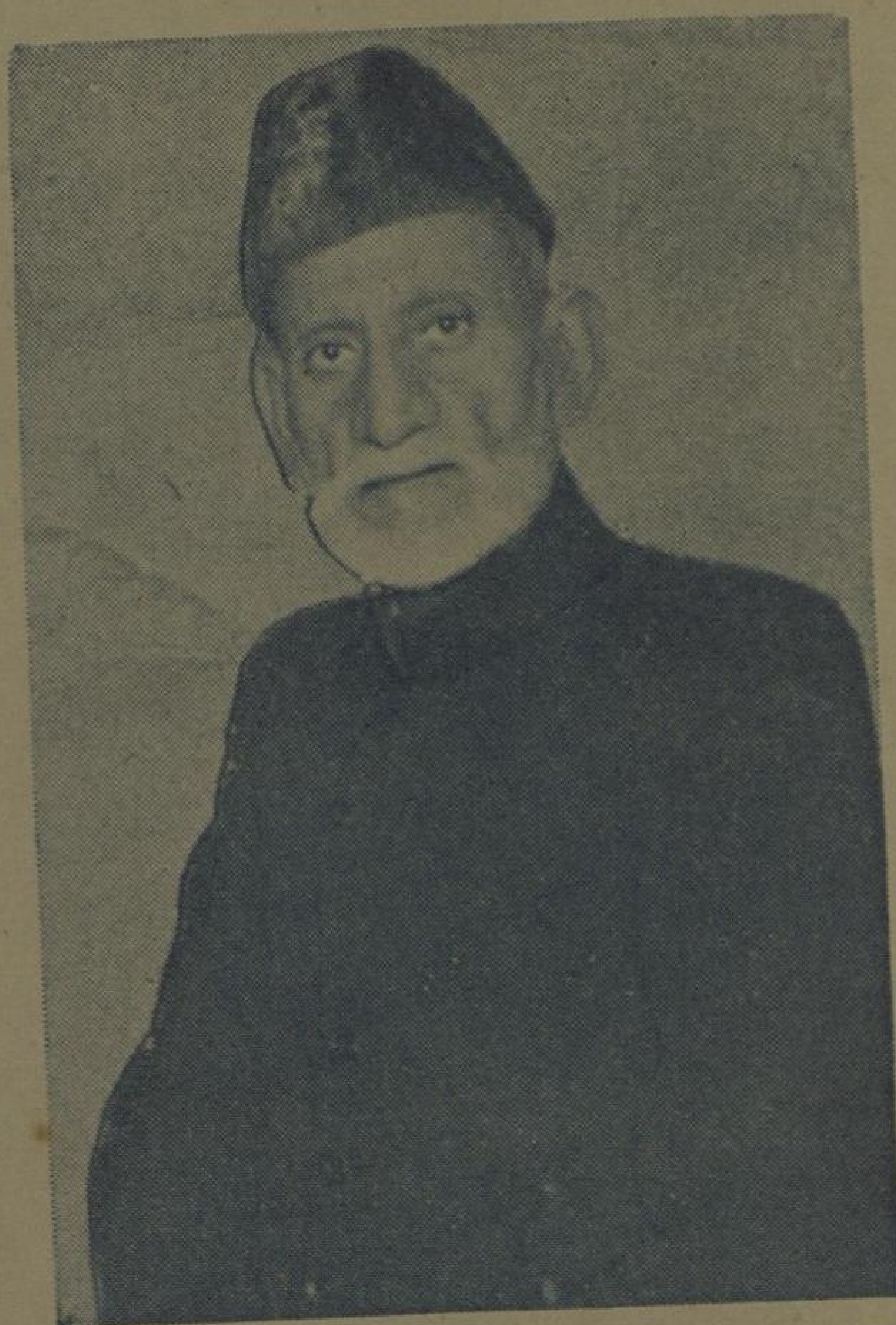
آل احمد سرور

علی گڑھ
۸ر فروری ۱۹۵۸ء

۷۸۶

فہرست مضامین "ادبِ جے پور کا ماضی و حال"

فہرست شعرا بلحاظِ ردیف



مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادبِ جے پور کا ماضی و حال

یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں

(غالب)

راجپوتانہ کی ایک قدیم ریاست کے دارالحکومت جے پور کو جو اب راجستھان کا دارالریاست ہے ادیبوں نے چھوٹی دلی کا خطاب دیا ہے اور سیاحوں نے ہندوستان کا پیرس کہا ہے۔ اُس کی تعریف و توصیف میں معتبر شعراء نے جس قدر کہا ہے اُس کو اگر جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

بانیِ جے پور | اس شہر کا بانی مہاراجہ سوائی جے سنگھ دوم ہے جو ۱۶۹۹ء میں شہنشاہ اورنگزیب کے چالیسویں سنہ جلوس میں ریاست آمیر[1] کا مسند نشین ہوا۔ یہی وہ رئیس ہے جس نے دربارِ شاہی سے "سوائی"[2] کا خطاب حاصل کیا جس کو اس کے جانشین آج تک فخریہ استعمال کرتے ہیں۔

---

[1] آمیر شہر جے پور سے جانب شمال چھ میل پر واقع ہے جو ریاست جے پور کی قدیم راجدھانی تھی ۱۲

[2] بمعنی سوایا یعنی اپنے معاصرین میں سوایا ۱۲

اس رئیس کے ملکی و سیاسی اور فوجی و قومی کارناموں سے قطع نظر، محض علمی و فنی کمالات کے ثبوت میں کتاب "کلیدرم" "جے سنگھ نوگن" اس کا کتب خانہ اور خود اس کے مکتوب بنام رؤسائے ہمعصر، بیّن دلیلیں ہیں۔ علم نجوم میں تو ایسا کمال تھا کہ محمد شاہ پادشاہِ دہلی نے پترے نجوم کی اصلاح اس کو تفویض کی تھی۔

اُس نے حرکاتِ اجرامِ فلکی کا ایک مکمل نقشہ مرتّب کیا جس کا نام "زیچ محمد شاہی" رکھا۔ اُسی کی بنا پر آج تک نجومی حسابات لگاتے ہیں۔ اور پترہ بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی سب سے زیادہ معتبر جے پور ہی کا پترہ سمجھا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اُس کی لیاقت و قابلیت کی شہرت ہندوستان سے گزر کر ایران تک پہنچی۔ چنانچہ مرزا حبیب قاآنی تہران میں بیٹھا ہوا کہتا ہے:۔

تقویم مہ روئی و آویختہ مویت   چوں خطِ جداول بہ رصد خانۂ جی سنگ

یہی وہ حکمراں ہے جس کو فرمانروائی عالم کا خیال پیدا ہوا اور اشومیدیگ[1] کرنا چاہا۔ اگرچہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا تاہم اس کے حوصلہ کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ البتہ یگ شالا[2]۔ ایک عمدہ عمارت تیار ہوگئی۔ جو آج تک موجود ہے۔

تاسیس جے پور | اٹھارویں صدی عیسوی کے شروع میں مہاراجہ سوائی جے سنگھ نے اپنے مشیر باتدبیر۔ ماہر علومِ تاریخ و نجوم، وِدیادھر[3] بنگالی کے مشورے سے شہر جے پور کا سنگِ بنیاد رکھا اور اپنے نام پر اس کا پورا نام "سوائی جے پور" قرار دیا۔

جے پور کی آبادی کی ابتدا | مہاراجہ موصوف کی علوم نوازی اور فن پروری نے بہت سے لائق و ہوشیار لوگوں کو اس کے گرد جمع کر دیا تھا۔ شہر سوائی جے پور کی آبادکاری

---

[1] وہ یگ جس میں گھوڑے کا بلیدان کیا جاتا ہے ۱۲

[2] یہ عمارت آمیر روڈ پر عقب پرسرام دوارہ واقع ہے ۱۲

[3] اس کی یادگار ترپولیہ بازار کی جنوبی لائن میں "ودیادھر کا راستہ" آج تک موجود ہے ۱۲

شروع ہو کر اس کو ریاست کی راجدھانی بنا لیا گیا۔

مہاراجہ سوائی جے سنگھ کے بعد جو چھ رئیس ایسری سنگھ سے جے سنگھ سوم تک یکے بعد دیگرے ہوئے۔ اُن کے عہد کا کوئی علمی و ادبی کارنامہ نہیں پایا جاتا بجز اسکے کہ چند ذی علم بزرگ جے پور آئے اور یہاں متوطن ہو کر بعض نے علمی فیض بھی پہنچایا۔ البتہ ساتواں حکمراں مہاراجہ سوائی رام سنگھ اس کا صحیح جانشین قرار پاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی ایسا ہی قدردان علم و ہنر تھا جیسا کہ مہاراجہ سوائی جے سنگھ دوم۔

مہاراجہ سوائی رام سنگھ | مہاراجہ سوائی رام سنگھ کی عمر ۱۸۳۵ء میں صرف سترہ مہینے کی تھی کہ سایۂ پدری سر سے اُٹھ گیا۔ انتظام ریاست پہلے ہی انگریزوں کی نگرانی میں تھا اب اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ البتہ ذی علم حضرات کا بھی بسلسلۂ ملازمت جے پور میں اضافہ ہوا۔

۱۸۴۵ء میں پنڈت شیو دین[1] کو مہاراجہ کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ جو ۱۸۶۲ء میں وزیر اعلےٰ ہو گئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ باقاعدہ اور مروّجہ تعلیم کی طرف حکمران ریاست کو متوجہ کیا گیا۔

جے پور کالج | اسی سنہ (۱۸۴۵ء) میں جے پور کالج کا اجرا ہوا۔ اور عربی۔ فارسی۔ سنسکرت۔ ہندی۔ اُردو اور انگریزی کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔

کالج کی ترقی کا زمانہ ۱۸۶۷ء سے شروع ہوا جب بنگالی مدرسین اس میں مامور کئے گئے اور اس کے پرنسپلوں کو وزارتیں ملنی شروع ہوئیں۔

اس کالج کی ایک مختصر سی تاریخ سید حیدر حسن زکی و یکتا نے ۱۸۹۳ء میں اس کے پرنسپل بابو ہرداس کا مرثیہ لکھتے ہوئے نظم میں بیان کی ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے :-

---

[1] ان کے نام کا راستہ کشن پول بازار کی غربی لائن میں ہے ۱۲

دوش دیدم عقل را مسند نشین در سرائے زر نگارِ مدرسہ

غدر ۱۸۵۷ء غدر ۱۸۵۷ء کے ملک آشوب ہنگامہ کے باعث جو بقیۃ السیف اہلِ کمال دلی سے جان بچا کر نکلے۔ اُن میں سے زیادہ تر جے پور پہنچے اُن سب کا حال اگر کسی قدر تفصیل سے درج کیا جائے تو ایک جداگانہ رسالہ مرتب ہو جائے۔ ہمارا مقصود چونکہ شعرا کا تذکرہ لکھنا ہے۔ اس لئے ہم اُنھیں حضرات کا ذکر کریں گے جو شاعر تھے۔

سوسائٹی کا قیام اور اخبار و مطبع کا اجرا ۲۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو جے پور میں ترقیِ علوم و فنون کی غرض سے ایک سوسائٹی بھی قائم ہوئی۔ جس کی سرپرستی مہاراجہ نے کی اور مالی امداد دینا بھی منظور کیا۔ اس کے افتتاحی جلسہ میں مہاراجہ اور عمائدین و علمائے ریاست کے علاوہ ایجنٹ گورنر جنرل اور پولیٹکل ایجنٹ وغیرہ نے بھی شرکت کی۔ یہ جلسہ میڈیکل ہال میں منعقد ہوا تھا۔ جلسہ میں قرار پایا کہ پندرہ دن میں ایک بار اس کا اجلاس ہوا کرے جس میں علمی و ادبی تقاریر وغیرہ کی جائیں نیز ایک اخبار اور ایک مطبع بھی جاری کیا جاوے۔ چنانچہ حکیم سلیم خاں خستہ نے "خاورِ نور" نامی مطبع جاری کیا۔ اور "نیرِ راجستھان" نامی اخبار نکالا۔ اجرائے مطبع کی تاریخ مولانا تسلیم نے کہی۔ اس قطعہ کا آخری شعر یہ ہے:-

بے سرِ ہیم بنامش تسلیم یافتم۔ خاورِ نورِ جے پور
۱۲۸۲ھ

یقیناً راجپوتانہ ایجنسی میں یہ پہلا اخبار اور پریس تھا جو جے پور میں جاری ہوا۔

ملازمت جے پور ان وجوہات کے علاوہ ایک سبب اہلِ علم کے یہاں جمع ہونے اور متوطن ہونے کا یہ بھی ہے کہ جو بھی اپنے فن کا کامل یہاں آیا قدر کی نظر سے دیکھا گیا۔ اور کوئی بھی رزقِ مقسوم سے محروم نہ رہا۔ اگرچہ ایک دل جلا شاعر کہتا ہے:-

بایدت چار چیز در جے پور تا شود روزگار خوش اسلوب
عمرِ نوح و خزانۂ قارون صبرِ ایوب و گریۂ یعقوب

مگر یہ شرطیں "خوش اسلوب" روزگار کے لئے معلوم ہوتی ہیں۔ ورنہ آنے والوں میں زیادہ تر ایسے ہیں جو یہیں کے ہو رہے۔ حتیٰ کہ دوسری ریاست و حکومت کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ ملاحظہ ہوں۔ حالاتِ مولانا تسلیم و میرزا کی یکتا۔

جے پور آنے والے علما میں ایک بزرگ حضرت مولانا حافظ محمد رشید الدین فاروقی المتخلص بہ منتظر ثم فائز نارنولی بھی ہیں جو ۱۲۷۰ھ میں جے پور پہنچے اور جے پور کالج کے مدرسِ اول مقرر ہوئے۔ اُن کے بعد ہی ان کے نوجوان بھانجے مولانا حافظ سلیم الدین تسلیم نارنولی بھی جے پور آئے اور مدرسۂ تعظیمیہ کی مدرسی پر مامور ہوئے۔ ان دونوں حضرات سے اہلِ جے پور کو جس قدر علمی و ادبی فیض پہنچا اس کی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔

مشاعرے کچھ اہلِ علم پہلے سے موجود تھے مثلاً میرزا اکبر علی خاں گُل شاگرد میر تقی میر جن کو جے پور کا پہلا شاعر کہنا صحیح ہوگا اور زیادہ تر مہاراجہ رام سنگھ کے زمانہ میں جے پور پہنچے۔ ان سب حضرات میں اکثر شاعر بھی تھے۔ یہ ممکن نہیں کہ شعرا یکجا ہوں اور مشاعرہ نہ ہو۔ لہٰذا جے پور میں مشاعروں کا بھی آغاز ہوا۔

یہ تو تحقیق نہ ہو سکا کہ پہلا مشاعرہ کہاں اور کب ہوا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اُس زمانہ میں گھر گھر ادبی چرچے شروع ہو گئے تھے اور جوق جوق شعر و سخن سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب پائے جاتے تھے۔

حکیم سلیم خاں خستہ کے یہاں مشاعرے ہونا مُسلّم ہے۔ جن کا کچھ انتخاب "نیرِ راجستھان" نامی اخبار میں طبع ہوتا تھا۔ اور مختلف اصحاب کی پوری پوری غزلیں چھپتی تھیں۔ تنقید و تبصرہ بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک بار

حکیم خستہ کے یہاں طرحی مشاعرہ تھا موجود الوقت شعرا میں سے تقریباً سب ہی شریک تھے۔ مرزا مائل نے اپنی غزل شروع کی جب یہ شعر پڑھا۔

جنت کو لے چلے ہیں مجھے کوئے یار سے
ٹوٹے خدا کا قہر فرشتوں کی جان پر

تو میر واجد حسین شگفتہ شاگردِ رشک لکھنوی نے اعتراض کیا کہ "جان پر قہر ٹوٹنا" عورتوں کا محاورہ ہے۔ مرزا صاحب کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ حکیم خستہ نے طراق سے جواب دیا کہ "آپ کوئی مردانہ محاورہ اس کی جگہ باندھ کر دکھائیے تو اعتراض صحیح ہو سکتا ہے" شگفتہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

اسی طرح نواب زادے احمد علی خاں رونق کے یہاں بڑی شان و شوکت کے مشاعرے ہوتے تھے۔ کئی شعرا مثلاً اُستاد انور۔ اور پھر ظہیر تو ان کی سرکار سے متعلق تھے ہی۔ چھیتر مل مجبور بھی اُن کے کارندے تھے اور پیران شاہ صفا بھی متوسل خاص۔ ان مشاعروں کی آب و تاب اور شان و شوکت عجیب ہوتی تھی۔ رئیسانہ انداز کی نہایت پُر تکلف بزم منعقد ہوتی اور بکثرت شعرا و سامعین شریک ہوتے تھے۔ ایک ایک مشاعرے کے لئے کئی کئی طرحیں تجویز ہوتیں۔ اُن میں سے نسبتاً جو آسان ہوتی اُس میں تو مشاعرہ ہوتا اور باقی طرحوں میں خود رونق غزلیں کہتے اور مشاعرے میں سناتے۔

اسی زمانے میں ایک "بزم ادب" بھی قائم ہوئی جس کے صدر مولانا تسلیم تھے۔ اس بزم کے پچیس ٢٥ مشاعروں کا ہمطرح کلام ابتدائے ١٢٨٨ھ مطابق ١٨٧٢ء لغایت ١٢٩٠ھ مطابق ١٨٧٤ء فرحت الشعرا ١٢٩٠ھ نامی رسالے میں منشی کندن لال منشی نے مدون کیا ہے جو میرے پاس موجود ہے۔

انھیں ادبی صحبتوں کا اثر تھا کہ سرکاری کاروبار میں بھی شعر و سخن کا دخل ہونے لگا تھا۔ اور ایسے لوگ بھی مصرع یا شعر موزوں و چست کر دیتے

تھے جو شاعر نہ تھے۔ مثلاً میر عبداللہ سررشتہ دار فوجداری نے ایک مثل پر حکم لکھا
ع ناظر کرے رپورٹ کہ آسامی کیا ہوئی۔ منشی ذکاء الدین ناظر نے رپورٹ کی
ع آئی تو تھی ولے بہ ضمانت رہا ہوئی۔ یا

کسی تعلقہ دار ملازم صیغۂ مال کو پنڈت موتی لال اٹل دیوان ریاست جے پور نے کسی وجہ سے برخاست کر دیا۔ اُس نے اپنی بحالی کی بہتیری کوشش کی مگر اٹل اپنی تجویز سے ٹلنے والے کب تھے۔ اُس کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر منشی ماجد اس میر منشی ریاست کی خدمت میں حاضر ہوا اور امداد کی درخواست کی۔ انھوں نے کہا کہ جب پنڈت جی اجلاس میں آئیں تو بطور درخواست یہ شعر لکھ کر اُن کو دے دینا:-

ماہ سے ماہی تلک بخشش کی تیری دھوم ہے پر نہیں معلوم بندہ کس لئے محروم ہے

اُس نے ایسا ہی کیا۔ پنڈت جی کا دستور تھا کہ ہوا دار میں کچہری آیا کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے تمام درخواستیں لے کر اجلاس میں جاتے اور حکم احکام لکھوا دیتے۔ یہ شعر بھی درخواست ہی سمجھ کر لے گئے۔ جب حکم لکھواتے وقت یہ عجیب عرضی پیش ہوئی تو سائل کو بلایا۔ اور ڈانٹا کہ یہ گستاخی کیسی کی سرکاری معاملات میں شعر و شاعری کا کیا واسطہ۔ وہ خاموش رہا۔ آخر پنڈت جی سمجھ گئے اور دریافت کیا کہ سچ بتاؤ یہ ترکیب تمہیں کس نے بتائی۔ تمہاری خود کی یہ جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس نے ہر چند چھپایا۔ مگر جب یہ کہا گیا کہ صحیح حال نہیں بتاؤ گے تو اس عرضی پر کوئی کارروائی نہ ہو گی، تو مجبور اظہارِ حقیقت کرنا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے کاغذات اُسی وقت نکلوائے گئے۔ اور یوم برخاستگی سے بحال کر دیا گیا۔ نیز اُس شعر کی پشت پر پنڈت جی نے لکھا۔ ع بس نہیں چلتا ہے بھائی ہر جگہ مقسوم ہے۔ اور وہ

کاغذ تعلقہ دار کے حوالہ کیا کہ منشی جی کو دے دینا۔

مولوی امیرالدین خاں شوخ نے یہ حال رسالہ "روشنی" میں درج کیا ہے کہ ایک مشاعرہ خود مہاراجہ رام سنگھ کی جانب سے محلات شاہی میں سنیچری کے چوک میں منعقد ہوا تھا۔ جس کا تمام انتظام مہاراجہ کے طبیب خاص ڈاکٹر عبدالرحیم کے سپرد تھا۔ اور شعرا کی خاطر و مدارات منشی کشن لال چیلہ کے۔ اس مشاعرے میں خود مہاراجہ نے شرکت کی اور انھیں کی غزل سے مشاعرہ شروع ہوا۔ جے پور کے تمام شعرا اور سامعین میں جملہ عمائدینِ ریاست شریک ہوئے۔ مشاعرے کی روداد اور غزلیات نہایت عمدہ خطِ نستعلیق میں لکھی ہوئی ایک گلدستہ کی شکل میں منشی جی مذکور کے پاس مدت تک موجود تھیں۔ مگر اب بے پتہ ہیں۔ مصرعِ طرح تک کسی کو یاد نہیں۔

اس دور کے شعرا میں حسبِ ذیل اصحاب کے نام قابلِ ذکر ہیں:-

(۱) مولانا محمد رشید الدین نارنولی المتخلص بہ منظور و فائز
(۲) مولانا سلیم الدین تسلیم نارنولی
(۳) سید امراؤ مرزا انور دہلوی
(۴) حکیم سلیم خاں خستہ دہلوی
(۵) خواجہ قمرالدین خاں راقم دہلوی
(۶) مولانا سلطان الدین احمد سبین جمالی نارنولی
(۷) حکیم محمود علی خاں محمود دہلوی
(۸) مولوی شیخ عطا حسین شور دہلوی
(۹) سید ظہیرالدین حسین ظہیر دہلوی
(۱۰) مولانا جلال الدین احمد خاں جلالی رامپوری
(۱۱) نواب زادہ احمد علی خاں رونق ٹونکی
(۱۲) میرزا محمد تقی بیگ مائل دہلوی
(۱۳) مولانا شیخ کرامت علی اعجاز نارنولی
(۱۴) سید احمد مرزا خاں آگاہ دہلوی
(۱۵) میر حیدر حسن زکی و یکتا دہلوی
(۱۶) میاں ولایت علی شاہ درویش دہلوی
(۱۷) منشی چھیتر بل مجبور جے پوری
(۱۸) مرزا محمد بیگ محوی ساکن ریواڑی
(۱۹) مولانا حکیم سید سعید احمد اسعد ٹونکی
(۲۰) مولوی میر قادر علی چراغ جے پوری

(۲۱) قاضی محمد حسین رضیؔ سنگھانوی
(۲۲) شیخ علی بخش شہرؔ جے پوری
(۲۳) صاحبزادہ سید زین العابدین خاں عابدؔ رامپوری
(۲۴) منشی چاند خاں عطاؔ جے پوری
(۲۵) منشی پنا لال غنیؔ و ناظمؔ ساکن کوٹھا قاسم
(۲۶) منشی ہیرا لال مونسؔ ساکن کوٹھا قاسم
(۲۷) قاضی فرزند علی فقیرؔ جے پوری
(۲۸) پیراں شاہ صفاؔ دہلوی
(۲۹) حافظ فصیح الدین ساکتؔ نارنولی
(۳۰) مولوی محمد اشفاق رسول جوہرؔ منبتی
(۳۱) قاضی تجمل حسین تحسینؔ سنگھانوی
(۳۲) منشی کندن لال منشیؔ ساکن ریواڑی
(۳۳) منشی منسا رام ہاتفیؔ ساکن ریواڑی
(۳۴) میر واجد علی شگفتہؔ لکھنوی

مذکور الصدر مشاعروں کے بعد ایک مستقل سلسلۂ مشاعرہ محلہ موتی کٹڑے میں چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں شروع ہوا۔ صورت یہ ہوئی کہ حضرت شاہ محمد خلیل الرحمن جمالی سرساوی؄ کے مریدین کی جے پور میں ایک بڑی جماعت تھی اس لئے مہینوں قیام رہتا تھا۔ اور محلہ موتی کٹرہ میں میر عبداللہ سررشتہ صدر فوجداری جے پور کے یہاں فروکش ہوتے تھے۔ شعر و سخن کا ذوق تھا لہٰذا ہر مہینے ایک مشاعرہ ضرور کرتے تھے۔ جس کی کئی طرحیں ہوتی تھیں۔ نعتیہ۔ عاشقانہ اور صوفیانہ نیز فارسی کی طرح مزید برآں۔ شعرا ہر طرح میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ اور یہ مشاعرہ مسلسل کئی کئی رات جاری رہتا تھا۔ منشی نظام بخش عیشؔ جو بہت پرگو تھے بڑی لمبی غزلیں پڑھتے۔ چار چار سو پانچ پانچ سو اشعار پڑھ ڈالتے اُن کو اس کی کوئی پروا نہ تھی کہ داد ملے یا نہ ملے۔ ادھر اُنھوں نے پڑھنا شروع کیا اور اُدھر بزم پر سناٹا چھایا۔

ان مشاعروں کے بند ہونے پر ایک مشاعرہ میر محمد علی جویاؔ مراد آبادی نے کیا وہ بھی اپنی نوعیت کا انوکھا مشاعرہ تھا۔ میر صاحب چونکہ زبردست تاریخگو تھے اس لئے یہ شرط بھی تھی کہ کوئی نہ کوئی مادہ تاریخ طرحی غزل میں ضرور ہو۔ اور

ایک عجیب لطف کی بات یہ کی کہ جو بھی شاعر پہنچا بلا انتظار سامعین اسے پڑھوا دیا۔ یہ بزم اگرچہ کامیاب نہ ہوئی مگر پابندیِ وقت نہ کرنے والے اصحاب پہ ایک ضرب کاری ضرور ثابت ہوئی۔

پھر ایک مستقل سلسلہ شیخ عاشق علی کاکوروی نے اپنے یہاں شروع کیا جسمیں اُردو اور فارسی کی طرحیں ہوتی تھیں۔ یہ مشاعرے بہت دن جاری رہے اور کامیاب بزمیں ہوتی رہیں۔

ان مشاعروں کے بند ہونے پر اغلباً ۱۳۲۱ھ میں مولانا مُبینؔ نے اپنے یہاں مشاعروں کا سلسلہ قائم کیا تو شعرا میں ایک تازہ جوش و ولولہ پیدا ہوگیا۔ نعتیہ طرح بھی عشقیہ کے ساتھ ضرور ہوتی تھی۔ ان مشاعروں کی ایک یادگار مخمس بے مثل ہے۔ جس کا ذکر مولانا کے حالات میں ملے گا۔

مولانا کے یہاں مشاعرے بند ہوجانے پہ ۱۳۲۲ھ ویسے تو شہر میں مختلف مقامات پر وقتاً فوقتاً برابر ہی مشاعرے ہوتے رہے مگر مستقل سلسلہ جون ۱۹۰۶ء سے شروع ہوا۔ یہ مشاعرے موتی کٹڑے میں ہوتے تھے۔ اور انتخاب "الکمال" نامی رسالہ میں چھپتا تھا۔

شہر میں مختلف مقامات پر بھی مشاعرے ہوتے رہے اور ایک مستقل انتظام محمد نور خاں بیدلؔ شمس آبادی ساکن اجمیر کے شاگردوں نے بھی محلہ خرادیاں میں کیا۔ بیدلؔ یہاں مہینوں رہتے تھے ورنہ مشاعرے پر ضرور آجاتے تھے۔ ان بزموں میں بھی ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۳ء تک کافی چہل پہل رہی۔

البتہ جنوری ۱۹۱۴ء سے ایک نیا دورِ سخن شروع ہوا۔ جس کا پہلا مشاعرہ حضرتِ تنویرؔ نے محلہ بساطیان میں برمکان منشی شیخ وزیر علی منعقد کیا۔ طرح تھی:۔

"دل ادھر ہوا میں ہے جگر ادھر ہوا میں" ہَوا قافیہ۔ میں ردیف

جے پور کے تمام شعرا شریک ہوئے۔ اور صبح ہوتے بزم ختم ہوئی۔ اس میں مولانا سخاؔ نے جدید رنگِ شاعری کی تبلیغ کی اور چند شعر اس رنگ کے پڑھے نیز کئی رباعیاں بھی اس تحریک کے سلسلے میں سنائیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:-

گلگشت کو ٹمٹم ہے تگاور کی جگہ اُڑتی ہے برانڈی مے احمر کی جگہ
اب شاعری کا رنگ بھی بدلو ورنہ چھکڑے کو نہ دی جائے گی موٹر کی جگہ

اس کے ساتھ ہی "بزمِ ادب" کو بھی زندہ کیا گیا جو عرصے سے بے روح ہو چکی تھی۔ میرزا مائلؔ مولانا سخاؔ۔ اطہرؔ۔ تسنیمؔ۔ کوثرؔ۔ جوہرؔ۔ سراجؔ۔ تنویرؔ اور سید بسملؔ پر مشتمل ایک انجمن انتخاب بنائی گئی جو ان مشاعروں کی غزلیات کا انتخاب کرتی تھی۔ اور "جوہرِ سخن" نامی رسالہ میں زیرِ ادارت مولانا سخاؔ وہ طبع ہوتا تھا۔

آئندہ مشاعرے کے لئے اسی مشاعرے میں اعلان ہوا کہ منشی ہیرالال موتسؔ کے دولت کدے پر فروری میں منعقد ہوگا۔ طرح تھی:-

خدا رکھے تمہیں تم ہو نظر پڑتی ہے عالم کی۔ قافیہ عالم۔ کی ردیف

اس مشاعرے میں منشی عزیز الحسن خلفِ حکیم خورشید حسن رام پوری۔ تین تخلص اور چار رنگ اختیار کر کے میدانِ بزم میں وارد ہوئے۔ ایک طرزِ مُغلق۔ جس میں اغلبؔ تخلص کیا۔ اور دوسری رنگِ جدید۔ جس میں ہسٹر۔ تیسری جھار شاہی سیاںؔ تخلص کر کے اور چوتھی بالکل سپاٹ۔ یعنی شعر موزوں ضرور اور کوئی نقصِ فن بھی نہیں۔ مگر شعریت مفقود۔ ہر رنگ کا ایک ایک شعر درج کیا جاتا ہے۔

اُس زمانے تک ادب آداب کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا۔ ننگے سر یا صرف کُرتے پاجامے سے کسی بزم میں شریک ہونا معیوب تھا۔ حُقّہ یا سگریٹ بزرگوں کے سامنے پینا ناشائستہ حرکت سمجھی جاتی تھی۔ بیڑی کا تو وجود بھی نہ تھا۔ اسی طرح اپنے سے بڑوں کے سامنے ہنسی مذاق۔ یا خلافِ تہذیب کوئی حرکت کرنا

خلافِ انسانیت تصور ہوتا تھا۔ ترتیب خواندگی گردشِ شمع پر مقرر تھی۔

اغلبؔ کے سامنے جب شمع آئی اور انھوں نے اپنی مُغلق غزل کا مطلع پڑھا تو مولانا سراجؔ جو صدر میں گاؤ تکئے سے کمر لگائے آرام سے بیٹھے تھے سنبھل کر بیٹھے اور فرمائش کی "دوبارہ ارشاد ہو" اغلبؔ نے تعمیل کی تو مولانا مثل سابق آرام کی نشست بیٹھ گئے۔ البتہ شوکتِ الفاظ سے مرعوب ہونے والے سامعین نے خوب داد دی۔ مطلع تھا۔ تقاطع بالمثل بواب بواب بمعانی ہو۔ تفاصل بالقطیعت شرح ہو تشکیک درہم کی دوسری طرز کا شعر ہے:۔

سفید عمامہ واعظ کے چھریرے جسم پر گویا — کہ ہاتھی دانت کا پولا ہو اور لکڑی ہو شیشم کی

بزم خوب زعفران زار بن گئی۔ تیسرا ٹھیٹھ جھاڑ شاہی رنگ ملاحظہ ہو جو جے پور کی مقامی زبان ہے۔ فرماتے ہیں:۔

چھے مھارے ڈیل مائیں بل اُسل کائیں چھپے رستم کی
ہے مرے بدن میں زور اصل کیا ہے
ڈھسے پاتال مائیں مھے جو دیں اوں نے جرا دھکی
گھسے تحت الثریٰ ہم اُس کو ذرا
سپاٹ؎ میاں اغلب میاں اغلب میاں اغلب میاں اغلب
نہیں پروا نہیں پروا نہیں ہمیں غم کی

اصل میں بیچارہ اغلبؔ معمولی لکھا پڑھا شخص تھا البتہ "الفربہ خواہ نخواہ مرد آدمی" یہ ادبی سرمستیاں حضرات نسیمؔ۔ تسنیمؔ۔ کوثرؔ اور تنویرؔ کی جودتِ طبع کا نتیجہ تھیں۔ یہ صاحبان روزانہ مولانا تسنیمؔ کے یہاں بیٹھا کرتے تھے۔ علمی وادبی چرچے رہتے تھے۔ ایک بار یہ بھی سوجھ گئی پھر کیا تھا۔ پچیس ۲۵ پچیس ۲۵ تیس تیس شعر کی غزلیں کہہ ڈالیں اور اغلب جیسا موزوں شخص پڑھنے

؎ یہ لفظ بھی خود اغلبؔ کا تجویز کردہ ہے ۱۲

کے لئے تجویز کر لیا۔ جھاڑ شاہی غزل پڑھتے وقت مشاعرے میں عجب ہو حق کا عالم تھا۔ اس لئے کہ اغلب نے لہجہ بھی جھاڑ شاہی اختیار کیا تھا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مقامی اہلِ زبان بول رہا ہے۔

تیسرا مشاعرہ بماہ مارچ "میرجی کا باغ" میں مولانا بسمل کی طرف سے منعقد ہوا۔ اور رئیسانہ انداز کی بزم منعقد ۱۲۸۶ھ کی گئی۔ جو بہت کامیاب رہی۔ مصرع طرح تھا:- یہ مرا داغِ جگر رشکِ گلستاں ہو گیا

چوتھا مشاعرہ شیخ فدا علی مرحوم کاکوروی کے یہاں ہوا۔ طرح تھی:-

ہمارے حق میں بھی اے شیخ صاحب کچھ دُعا کرنا

اسی مکان میں مولوی ولایت احمد سندیلوی مترجم "قدیم ہندوستان کی تہذیب" بھی رہتے تھے وہ مرزا مائل کے بے تکلف احباب میں تھے اور دونوں میں اکثر ایک دوسرے پہ پھبتی کسنے کا بھی کھاتہ کُھلا ہوا تھا۔ مولوی صاحب شیخ نیاز علی پریشاں کے صاحبزادے تھے اور ابتدائی عمر میں مطمئن تخلص کرتے تھے۔ مگر عرصہ دراز سے شعر گوئی سے نفرت ہو گئی تھی وہ اپنی کوٹھری میں لیٹے رہے۔ ہر چند شریکِ بزم ہونے کی استدعا کی گئی مگر نہ آئے البتہ مشاعرہ سنتے رہے۔ جب صبح ہوتے مرزا مائل نے اپنی غزل میں یہ شعر پڑھا:-

کریمی دیکھنا اُسکی کہ عادت ڈال لی اپنی ؛ درِ میخانہ سے پہلے درِ رحمت کو وا کرنا

تو مولوی صاحب نے وہیں سے لیٹے لیٹے داد دی "ابے واہ بے واہ" مرزا صاحب نے جواب دیا "جوشِ رحمت نے مردے زندہ کر دیئے"!

اس سلسلہ کا ایک مشاعرہ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں حاجی شیخ عاشق علی کاکوروی کی جانب سے شیخ فدا علی مرحوم کے مکان پر ہوا مصرع طرح تھا

ع۔ تنگ آگیا ہوں گردشِ لیل و نہار سے

نواب سائل پہلے بھی ایک مشاعرے میں تشریف لا چکے تھے۔ اور اس مشاعرے میں بھی آئے تھے۔ اس زمانہ میں جے پور میں صرف دو شاعر ایسے تھے جو شریکِ مشاعرہ نہ ہوتے تھے۔ ایک مولانا مُبین جنھوں نے عرصے سے عاشقانہ غزل کہنا چھوڑ دیا تھا۔ صرف نعت لکھتے تھے اور بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ اور دوسرے میاں ولایت علی شاہ درویش یا فقیر جو عزلت گزیں ہو چکے تھے۔ مگر اس مشاعرے میں ان حضرات نے بھی شرکت کی۔ مشاعرہ ٹھیک ۹ بجے شب کو شروع ہوا۔ شعرا میں سے کوئی باشندۂ جے پور نہ تھا کہ شریک نہ ہوا ہو۔ سامعین کی کثرت کا یہ حال تھا کہ رستے تک میں ہجوم تھا۔ صبح تک بھی مشاعرہ ختم نہ ہوا اس لئے نمازِ فجر کے لئے ملتوی کیا گیا۔ اور اس کے بعد پھر شروع ہو کر ۹ بجے دن کو، طرحی مشاعرے کا خاتمہ مولانا مُبین کی غزل پر ہوا۔ مولانا نے سترہ یا اکیس شعر کی غزل زبان میں پڑھی اور زبانی۔ اُس کے تین شعر ملاحظہ ہوں:۔

تسکینِ دل تو ہو کہ نہ ہو وصلِ یار سے
کام آپڑا ہے پہلے مگر جانِ زار سے

آوارگانِ وادیِ وحشت کی بن پڑی
جادو برس رہا ہے نسیمِ بہار سے

نازاں ہوا اپنے زہد پہ زاہد خدا سے ڈر
ڈرتا نہیں ہے غیرتِ پروردگار سے

مرزا مائل نے اپنی پرانی غزل پڑھی جس کا مقطع مشہور ہے:۔

مائل کوئی گناہ نہ رہ جائے دیکھنا
کام آپڑا ہے رحمتِ پروردگار سے

بعد ختم مشاعرہ نواب سائل کی غیر طرحی غزلیں سُنی گئیں۔ جے پور کے بعض عوام کے لئے یہ پہلا موقع تھا اور بعض کے لئے دوسرا کہ انھوں نے مشاعرے میں ترنم سے پڑھتے ہوئے سُنا۔ نواب صاحب کی وجاہت،

کلام اور پھر ترنم ۔ عجب سماں بندھ گیا تھا۔ چند غزلوں کے بعد یہ صحبتِ ادب نہایت گرم رہ کر ختم ہوئی۔

اس کے بعد ہی سے جے پور میں ترنم شروع ہوا۔ تاہم مشاعروں میں پڑھنا پھر بھی معیوب سمجھا جاتا رہا۔ چنانچہ اس مشاعرے کے دو چار دن بعد ہی کا واقعہ ہے کہ چند ادب دوست نوجوان احباب میر بہادر حسین مرحوم کے مکان پر میر جواد علی کے پاس روزانہ بعدِ مغرب جمع ہوا کرتے تھے۔ اور علمی و ادبی و تفریحی مشاغل رہتے تھے۔ منشی فدا حسین فدؔا بھی آیا کرتے تھے۔ دوسری منزل کی چھت پر نشست تھی کہ ایک دن یکایک نیچے سے سائل کے پڑھنے کی آواز آئی انھیں کی غزل "ہوا پر ہو لئے جس دن مری فریاد کے ٹکڑے"۔ وہی دھن اور وہی لہجہ ۔ موجودین چونک پڑے اور دوڑ کر نیچے گئے تو آواز بند اور کوئی نظر نہ آیا۔ لوٹ رہے تھے کہ ایک گوشے سے فدؔا نمودار ہوئے۔ بھر کیا تھا۔ ساتھ لے گئے اور ان کی کئی غزلیں سائلؔ کے ترنم میں سُنیں۔

فدؔا کی موسیقی دانی اور آواز کی دل کشی مُسلّم تھی۔ مگر مرحوم نے کبھی مشاعرے میں ترنّم سے پڑھنا گوارا نہ کیا۔ احباب نے بہتیرا اصرار کیا مگر انھوں نے خلافِ ادب ہی سمجھا۔

افسوس اس مشاعرے کا انتخاب نہ چھپ سکا تھا کہ "جوہرِ سخن" بند ہوگیا۔ رسالہ "قوم" میں اس کی مختصر سی روداد اور چند منتخب اشعار چھپے تھے مگر وہ رسالے اب ناپید ہیں۔ چند نمبر منشی معین الدین قریشی کے پاس نظر پڑے مگر اُن میں وہ نمبر نہ تھا کہ جس میں اس مشاعرے کا حال چھپا تھا۔

ان مشاعروں کا سماں اب تک میرے سامنے ہے۔ کیونکہ ان میں شرکت مجھے بھی نصیب ہوئی ہے۔ حضرتِ مائلؔ کی پُر تاثیر غزل سرائی۔ مولانا جوہرؔ کی

مجاہدانہ رجز نوا شعر خوانی۔ مولانا اظہر کی مجتہدانہ طرزِ ادا۔ قاضی تنویر کے جواہر منظوم کی تابانی۔ مولانا تسنیم کے دل سوز نالے۔ مولانا کوثر کی جگر دوز آہیں۔ منشی لچھمی نراین سخا کا فوجدارانہ کڑکیلا کلام۔ مولانا سخا کے رنگا رنگ اشعار میں زورِ بیان اور ندرتِ انداز۔ مرزا اختر کے بیان کی روانی۔ مولانا بسمل کا عالمانہ طرزِ خواندگی۔ فضا کی تقلیدِ اُستاد۔ فدا کا سقف شکن تحت اللفظ اور بزم میں رزم کا رنگ شریفی کی طولانی غزلیں۔ اساتذہ کا ایک دوسرے سے پہلے پڑھنے پر اصرار۔ مولانا سراج کا مشاعرہ شروع ہونے سے پہلے آنا اور ختمِ مشاعرہ پر جانا۔ نومشقوں کی حوصلہ افزائی۔ مشاقوں کی محنت سرائی۔ اساتذہ کے کمال کی صحیح داد دہی۔ مولانا سُہا کا باوجود گراں گوشی ذوقِ سماعت۔ بڑوں کا ادب و احترام چھوٹوں پر شفقت و اکرام۔ معاصرین میں اتحاد۔ عناد و تنقیص و تعصب کا فقدان۔ بزم و آداب بزم کا پورا لحاظ۔ تہذیب و شائستگی کی پابندی۔ مغرب زدگی سے احتراز۔ مشرقیت کا مظاہرہ۔ محض خدمت زبان کی بنا پر انعقادِ بزم۔ ایسے نورانی مناظر اور پاکیزہ صحبتیں تھیں جنکی تصویر حروف کی سیاہ لوح پر کھینچنا محال ہے۔

یہ سلسلہ اخیر ۱۹۱۸ء تک قائم رہا۔ اساتذہ بھی بزمیں منعقد کرتے رہے اور فرداً فرداً بھی شہر میں مختلف اوقات میں متعدد اصحاب کی جانب سے مشاعرے اور مُناعتے برابر ہوتے رہے۔

مُناعتے | اگرچہ نعت گوئی آسان نہیں۔ بقولِ عرفی

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا ۔ ہُشیار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

تاہم مُناعتے بھی بڑی شان و شوکت اور خلوص و اہتمام سے ہوتے تھے۔ منشی لچھمی نراین سخا کے دو نعتیہ شعر ملاحظہ ہوں :-

عشقِ نبی میں یا رب کیا حال ہے سخا کا ۔ کافر ہے مومنوں میں مومن ہے کافروں میں

صاف آ رہی ہے اس سے صدائے درودِ پاک　　پہچانتے ہیں ہم یہ سخا کا مزار ہے

چنانچہ ایک مناعتہ ۱۳۳۹ھ میں "تسلیم منزل" پر منعقد ہوا جو عیدِ میلاد النبیؐ کی تقریب کے سلسلہ میں تھا مصرعِ طرح تھا:-

عیدِ میلادِ رسول اللہ کا دربار ہے

جے پور کے سارے ہی شاعر شریک تھے بزم نہایت گرم و کامیاب رہی۔ مولانا اطہر کے قصیدے کا مطلع اور دیگر اصحاب کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔ اس مناعتے کا انتخاب مولانا نسیم نے ایک مختصر گلدستے اسمی خزینہ متبرکہ (۱۳۳۹ھ) میں مع رودادِ بزم طبع کرا دیا تھا۔

اطہر　　یہ چراغاں یا فروغِ آتشِ گلنار ہے　　باغ سے تا راغ ہر ذرہ تجلی زار ہے

خنداں　　نذر کا موقع بہت اچھا ہے خنداں لا درود　　عیدِ میلادِ رسول اللہ کا دربار ہے

شوخ　　قصۂ معراج سے موسیٰ سبق حاصل کریں　　بارگاہِ قدس میں شائستگی درکار ہے

مرزا مائل　　مانگ لائیں گے خدا سے وہ بڑی سرکار ہے　　فرشِ مجلس کے لئے اک آسماں درکار ہے

ہم سے دیوانوں کا سمجھانا بہت دشوار ہے　　آنے جانے پر فقط جبریل سے تکرار ہے

پاؤں کیسے یاں جبینِ با ادب درکار ہے　　ہے مدینہ، پر خدا کا کوچۂ دلدار ہے

جان بچنی کفر کی دشوار ہے دشوار ہے　　ابروئے ختم الرسل کھینچے ہوئے تلوار ہے

دوشِ پاکِ مصطفےٰ پر ہیں علیِ بت شکن　　منقبت　　پھر زمیں ساکن نہ ہو کیونکر کہ دونا بار ہے

اسی مضمون کا ایک اور شعر بھی ایک نعت میں مرزا صاحب نے کہا ہے۔ اور اس پوری نعت میں یہ التزام کیا ہے کہ ہر شعر میں نعت بھی ہے اور منقبت بھی۔ اُس کا مطلع اور وہ شعر یہ ہے:-

علیؑ سے ہی ہوگا بیانِ محمدؐ　　علیؑ نے ہے جو سنی زبانِ محمدؐ

علیؑ دوش پر ہیں کہ اک قدِ آدم　　خدا نے بڑھا دی ہے شانِ محمدؐ

"تسلیم منزل" پر بھی عرصہ دراز تک ہر سال مناعتے ہوتے رہے اور "کاکوری ہاؤس" پر بھی کئی برس عید میلاد کے سلسلے میں منعقد کئے گئے۔ چنانچہ ایک طرحی مناعتہ جو ۴ر اپریل ۱۹۴۲ء کو "کاکوری ہاؤس" پر ہوا تھا اس میں جو نعت منشی چند بہاری لال صبا نے پڑھی وہ اس قدر مقبول ہے کہ آج تک اکثر محافلِ میلاد میں پڑھی جاتی ہے۔ اُس کا مطلع ہے:-

تصور باندھ کر دل میں تمہارا یا رسول اللہ ۔۔۔ خدا کا کر لیا ہم نے نظارا یا رسول اللہ

شہر میں مختلف مقامات پر دس ۱۰ پندرہ ۱۵ مناعتے سال بھر میں ہو جانا تو معمولی بات تھی۔

مسالمے محرم میں طرحی و غیر طرحی مسالمے بھی ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک بار اغلباً ۱۹۱۷ء میں مولانا سخا نے ایک مسالمہ کیا تھا۔ جس میں مرزا مائل کا سلام بہت کامیاب رہا۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

گو مرتبہ رسولوں سے کم ہے حسین کا ۔۔۔ دونوں جہاں میں ایک ہی دم ہے حسین کا

دل میں جو ڈھونڈھتا ہوں تو ہوتی نہیں تمیز ۔۔۔ ایمان جلوہ گر ہے کہ غم ہے حسین کا

ہم عاصیوں کا کام پڑا ہے خدا کے ساتھ ۔۔۔ اچھا ہے درمیاں میں قدم ہے حسین کا

شان و شکوہ کیوں نہ پھریرے پہ ہو نثار ۔۔۔ عباس کا ہے ہاتھ علم ہے حسین کا

عرصہ دراز تک ہر سال کئی مسالمے مختلف مقامات پر ہوتے رہے۔ چنانچہ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۴۴ء کو بھی ایک کامیاب طرحی مسالمہ ٹاؤن ہال جے پور میں بڑی شان و شوکت سے ہوا۔ شیعہ و سُنّی اور ہندو و مُسلم نہایت خلوص و محبت اور عقیدت سے شریک ہوئے۔ غیر طرحی مسالموں میں سلام کے علاوہ مراثی بھی پڑھے جاتے تھے۔ چنانچہ حافظ محمد یوسف علی خاں عزیز کے ایک مرثیے کا ایک بند ہے:-

سب نے خدا کی راہ میں بستر لگا دئے ۔۔۔ ایوانِ حق کی نیو میں پتھر لگا دئے

جب پتھروں سے رُک نہ سکا سر لگا دئے اور سر بھی دو پہر میں بہتر[2] لگا دئے
مر مر کے حق پہ دینِ خدا کو جلا گئے
خالی کیا جہان، بھرا گھر لُٹا گئے،

بعض صاحبان کا تو یہ دستور تھا کہ "اربعین" تک غزل کہتے ہی نہ تھے۔ بلکہ مجرا یا سلام لکھتے تھے۔ سید انور علی شاد جب تک جے پور میں رہے ہر سال ایک تاریخی سلام لکھتے رہے یعنی ہر مصرعے یا ہر شعر سے سنہ تصنیف برآمد ہوتا تھا۔ اور پاکستان میں بھی اُن کا یہی عمل ہے باوجودیکہ تندرستی جواب دے چکی ہے۔

اساتذہ کی جانشینی ۲؍ اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء کو مرزا مائل کا انتقال ہوا اور اس کے بعد ہی سے جانشینی و دستار بندی کی بدعت جے پور میں کھیلی۔ اول مولانا کوثر و اطہر نے مرزا صاحب کی جانشینی کے لئے منشی چند بہاری لال صبا کا انتخاب کیا۔ اور ۹؍ اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء کو یہ رسم ادا کی گئی۔

اسی طرح اگرچہ حضرتِ آگاہ کا انتقال سنہ ۱۹۱۸ء میں ہو چکا تھا۔ مگر سنہ ۱۹۳۱ء میں ان کے تلامذہ میں سے کوکب و عزیز کو جانشینی کی خواہش پیدا ہوئی۔ اکثریت کا فیصلہ کوکب کے حق میں ہوا۔ اور بعد دستار بندی اُن کو جانشینِ آگاہ تسلیم کر لیا گیا۔

ان واقعات کے بعد سنہ ۱۹۳۵ء میں جب مولانا جوہر نے انتقال کیا تو اُن کے جانشین اُن کے شاگردِ رشید محمد ایوب خاں فضا قرار پائے جن کو مولانا نے اپنی زندگی ہی میں خلعتِ خلافت عطا کر دیا تھا۔

مگر اس ہمہ ہمی کے باوجود کسی بھی جانشین کی جانب سے نہ کسی اُستاد کی کوئی یادگار قائم کی گئی نہ اُن کا نام زندہ رکھنے کی کوئی تدبیر عمل میں آئی۔

شعرا میں افتراق سنہ ۱۹۳۴ء کے شروع میں "بزمِ ادب" کے دوبارہ زندہ کرنے کا

خیال پیدا ہوا جو ۱۹۱۴ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک کچھ نہ کچھ ادبی خدمت بحیثیت بزم انجام دے کر بے عمل ہو چکی تھی۔ مگر اس کی صدارت کے سوال نے بڑی اہمیت اختیار کرلی اور اس عہدہ کے لئے مولانا اطہر اور قاضی تنویر میں رسہ کشی شروع ہوگئی۔ عام طور پر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ شعرا کے مجمعِ عام میں انتخاب کیا جائے اور کثرتِ رائے کا فیصلہ قابلِ قبول ہو مگر اس طرح مولانا کا کامیاب ہونا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا چند صاحبان نے ایک روز جمع ہو کر مولانا کو صدر منتخب کر لیا۔ اس نوبت پر طرفدارانِ تنویر نے ایک عام بزمِ انتخاب منعقد کی اور بالاتفاق قاضی صاحب کو اپنا صدر بنا لیا۔

اوّل الذکر بزم نے بحیثیت بزم کوئی خدمتِ ادب انجام نہ دی۔ البتّہ موخر الذکر نے مشاعروں کا تانتا باندھ دیا۔

قاضی صاحب نے شاعرگری کا عجب کمال دکھایا یہ کہ اپنے ہر ملنے والے پر جانے کیا جادو پھونکا کہ وہ "انا الشاعر" کا نعرہ لگانے لگا۔

ان مشاعروں کے انتخاب مقامی اخبار "شیر راجستھان" میں بھی چھپنے لگے اور آگرے کے ماہنامہ "شاعر" میں بھی۔ جداگانہ بھی چند گلدستے طبع کرائے گئے جن میں ایک تذکرہ بھی "بہترین تذکرہ" (سنہ ۱۸۹۲ء ف) کے نام سے شائع ہوا۔

جے پور میں پہلا آل انڈیا مشاعرہ | جے پور کی ادبی دنیا میں ۲۰ رتا ۲۲ راپریل سنہ ۱۹۳۵ء تاریخی یادگار رہے گی کہ پہلی بار یہاں آل انڈیا مشاعرہ "رام نواس" جیسے شاداب چمنِ زار واقع "البرٹ ہال" میں ہوا جس میں مقامی و بیرونی ایک سو ستّر شعرا نے چھتیس گھنٹے کی چار نشستوں میں اپنے فیضِ کلام سے تازہ روحِ شعر و سخن پھونک دی اور خوابیدہ جذباتِ ادب کو بیدار کر دیا۔ مصرعِ طرح تھا:۔

آئے نہ بے نقاب وہ میرے خیال میں ۔ خیال قافیہ۔ میں۔ ردیف

عنوان برائے نظم "صبحِ بہار" غزل کے لئے پندرہ شعر کی قید تھی۔ اور نظم کے واسطے پینتیس ۳۵ کی۔

یہ فیصلہ ہوتے ہی کہ مشاعرہ ہو گا اُدھر کارکنانِ مشاعرہ میں ایک خاص جوشِ عمل پیدا ہو گیا اور ادھر خواص و عوام کی دلچسپیاں بڑھ گئیں۔ جہاں سُنئے مشاعرہ کا تذکرہ اور جس سے بات کیجئے اُس پہ قیاس آرائی۔

اس مشاعرے کی صدارت آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو نے قبول فرمائی تھی۔ مگر اتفاق سے اُنہی تواریخ میں موصوف کو انگلینڈ روانہ ہونا پڑا۔ اس لئے مشاعرہ اُن کی صدارت سے محروم رہا۔

۲۰ر اپریل کو ۹ بجے شب "البرٹ ہال" محترم مہمان شاعروں بمقامی سخنوروں اور اہلِ ذوق اصحاب سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا حتیٰ کہ ذرا دیر سے تشریف لانے والے حضرات کو بھی برآمدے ہی میں جگہ مل سکی۔

افتتاحِ بزم کے لئے مہاراجہ سر سوائی مان سنگھ والیِ جے پور تشریف لانے والے تھے۔ دو ایڈی کانگ آ بھی چکے تھے۔ لیکن کسی خاص مصروفیت کے باعث نہ آسکے اور لفٹیننٹ کرنل سر بیچم سینٹ جان وائس پریزیڈنٹ کونسل آف اسٹیٹ جے پور نے بزم کا افتتاح کیا۔ پھر سید احمد علی شاہ جعفری قمرؔ نے بحیثیت صدر استقبالیہ کمیٹی، شعرا و شرکا کا جامع و بالغ الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد باتفاق رائے راجہ امرناتھ اٹل نے مسندِ صدارت کو رونق بخشی۔ اور سب سے پہلے فانیؔ بدایونی نے اپنی غیر طرحی غزل پڑھی۔

فانیؔ کو شہریارِ دکن نے نمائندۂ ریاست کی حیثیت سے سرکاری خرچہ پر یہاں بھیجا تھا۔ اور مہاراجہ سر کشن پرشاد۔ شادؔ نے اپنا کلام دے کر

ماہرالقادری کو پڑھنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ چونکہ مہاراجہ موصوف بزمانہ محرم غزل نہیں کہتے تھے اس لئے اُنھوں نے طرحی سلام عطا کیا تھا۔

اس مشاعرے سے زیادہ نہ کسی اور مشاعرے پر جے پور میں صرفہ ہوا نہ اس مشاعرے کے کارکنوں سے زیادہ سرگرم و ذمّہ دار اصحاب کا مل سکنا ممکن تھا۔ مگر ہوا یہ کہ بزم کی اعلیٰ کامیابی اور ہر جگہ اس کے چرچوں اور اخبار و رسائل میں اس کی تعریفیں چھپنے کے سوا۔ آج مشاعرے کا پورا ریکارڈ تک کہیں محفوظ نہیں۔ بس ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا۔

اس مشاعرے کا یہ اثر ضرور ہوا کہ شہر جے پور اور مضافات میں مشاعروں کا طوفان بپا ہو گیا۔ شہر کے تانگے اور ٹھیلے والوں تک کو اس کے شعر کئی دن تک الاپتے سُنا گیا۔ اور متشاعرین کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہو گیا۔

مولوی امیرالدین خاں نے منتظمینِ مشاعرہ میں سے جن نو اصحاب کو "مشاعرہ کمیٹی کے نورتن" قرار دے کر اُن کی جن الفاظ میں تصویر کھینچی ہے وہ اُسی عبارت میں پیش کی جاتی ہے۔ اسی طرح جن شعرا کا تعارف جس طرح کرایا گیا ہے وہ بھی بجنسہٖ درجِ ذیل ہے۔ البتہ انتخابِ کلام میں صرف مقامی شعرا کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

مشاعرہ کمیٹی کے نورتن | (۱) رائے بہادر پنڈت امرناتھ صاحب اٹل۔ ایم۔ اے۔ صدر ریاست میں فائننس ممبر۔ مشاعرے کی سُرخ مسند پر مرمریں مجسمہ مرکزِ نگاہِ حاضرین مغربی دل۔ مشرقی۔ اور مشرقی، عاشقِ مغربی۔ دیسی لباس میں گویا رئیسِ اعظم راجپوتانہ اور انگریزی لباس میں کوئی دقیع مہمان بکنگھم پیلس سیاسیات و فرائضِ حکومت کی خشک مصروفیتوں میں شعر و سخن سے شاداب دل، دماغِ مشاعرہ کمیٹی، پیکرِ وقار کہ جب نظامِ مشاعرہ میں ذرا اچل ہوئی ایک نظر اُٹھی اور

خاموشی وسکون کا آرڈیننس پاس کر گئی، یہ نظام قائم کر کے ہمارے بزرگوں کی شرافت وروایت کو زندہ کر دیا کہ ہال میں پچھلی صفوں میں میزبانانِ جے پور بیٹھیں اور آگے مہمان۔ لیکن مسندِ صدارت اور تختِ شعر خوانی کے پاس بزرگ و سن رسیدہ وسفید ریش حضرات متمکن ہوں۔

(۲) راؤ بہادر سردار سنگھ صاحب شاغل۔ سرو قامت سانولا رنگ چھریرا بدن۔ متناسب اعضا۔ ادب و آداب میں مہذب ہندوستانی۔ ادائے فرائض میں سخت انگریز۔ مردِ یک جان و ہزار کار۔ احکامِ صدارت کی تعمیل میں فرمان جاری کرتا ہے۔ شاعروں سے تعارف کراتا ہے۔ شاعروں کے مجلسی ناز و نخرے کا خیال رکھتا ہے۔ اچھا شعر سنتا ہے تو تڑپ جاتا ہے۔

(۳) نواب محمد عبد الوہاب خاں صاحب وائس پریزیڈنٹ۔ بیمار نما مردِ ہمت۔ قوی قلب، نحیف، کمزور و نقیہہ۔ مگر جفا کشی کو تیار۔ اجتماعات میں، کمیٹیوں میں، شہرت و نام کے لئے شرکت قبول نہیں کرتا۔ کبھی کبھی جذبات کی رَو میں بہتا ہے۔ خود شاعر نہیں مگر صحبتِ شعر کو نہیں چھوڑتا۔

(۴) پنڈت سروپ کشن زتّو۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ قائم مقام ڈائرکٹر تعلیمات۔ جوائنٹ سکریٹری مشاعرہ کمیٹی۔ متوسّط قد۔ کسرتی بدن۔ بازوؤں کی مچھلیاں کوٹ کی آستینوں سے نکلی پڑتی ہیں۔ بھرا سینہ گریباں پھاڑے ڈالتا ہے۔ آرٹ اور شعر کے متعلق نہایت سلجھا ہوا دماغ اور سلیم مذاق پایا ہے۔ جب وہ اس منزل پر ہوتا ہے کہ

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل

تو تدبّر کا مجسّمہ اور آداب و وقار کا پیکر ہوتا ہے۔ مگر جب

لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے

کا عامل ہوتا ہے تو اس کی ہر بات پیغامِ خندہ اور ہر فقرہ دعوتِ قہقہہ بنجاتا ہے۔
(۵) رائے بہادر ڈاکٹر دلجنگ سنگھ کھنگا۔ صدر فائینس کمیٹی۔ اس کے فن کے متعلق تو کسی بیمار سے پوچھو کہ مسیحا کیسے ہوتے ہیں۔ پہاڑی ساخت۔ گٹھا بدن۔ اب تک عضلات و دست و پا مضبوط۔ خوش چہرہ ایسا کہ باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ خوش گپ ایسا کہ باتیں سُننے میں دل لگتا ہے۔ یورپ کے علوم اور یورپ کی تہذیب کا ماہر۔ برسوں سول سرجن رہا۔ لیکن اپنی دیسی معاشرت کا اس قدر پابند کہ اس کا سر کبھی ہیٹ کے سایہ سے شرمندہ نہ ہوا۔ اور برجیس کے سوا پتلون کبھی پیروں نہ پڑی۔ پروفیسر محمد حسین آزاد کا شاگرد۔ اُس کو بشر کہنا خود اپنے خیال کی توہین کرنا ہے وہ بشر نہیں انسان ہے۔
(۶) سید احمد علی شاہ جعفری۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ صدر مجلسِ استقبالیہ اپنے بڑے بھائی مہکشؔ کا نقشِ ثانی۔ جوانی میں پیرانہ متانت۔ پرانا شاعر مگر مشاعرے کے اسٹیج پر سلور جوبلی کے ساتھ آیا۔ کام کا آدمی بشرطیکہ کوئی کام لینے کے قابل ہو، اُس کی نیچی نگاہوں میں اُس کے بلند حوصلے پنہاں ہیں اور اُس کی کم آمیزی اُس کی خوبیوں کو منظرِ عام پر نہیں آنے دیتی۔
(۷) مولوی محمد اسمٰعیل خاں صاحب رزمیؔ سکریٹری استقبالیہ کمیٹی اور سکریٹری نشر و اشاعت۔ دُبلا پتلا بدن پونے چھ فٹ کے قد میں کہیں نام کو دلکشی نہیں، مگر اچھا شعر پڑھ دیجے پھر اس کا رقص دیکھئے یا خود اُس سے اُس کے شعر سُنئے پھر دل میں رکھ لینے کو جی چاہے گا۔ شاعری کے نئے اسکول کا مستعد طالب علم۔ ہر صنفِ سخن پر قادر۔ مشاعرے کا خیالِ اولیں۔ دیوانۂ شعر

سودائی ادب، ارتقائے ادب وشعر کا مُبلغ و مُناد۔

(۸) شیخ خلیل الرحمٰن صاحب
(۹) سیّد اظہار حسین صاحب ثنائی سکریٹری فائنینس کمیٹی } دونوں مشاعرہ کمیٹی کے دو ہاتھ۔ پہلا

سادہ رو۔سادہ لباس۔نحیف الجثہ۔ دوسرا اپنی شرعی ڈاڑھی اور سوٹ کے باعث وہ خطِ تہذیب جہاں قدیم و جدید طرز کا تصادم ہوا ہے۔ دونوں صاحبِ عزم نوجوان۔ دونوں دوسروں کو اُبھارنے میں خود فراموش۔ دونوں دوسروں کی بلند شہرتی کی فکر میں خود گُم۔ ایک بے نفس ایک بے تعلق نیاز مند۔ دونوں کو ادیب و شاعر بننے کا خواب و خیال بھی نہیں مگر ادبا و شعرا کے انتہائی ناز بردار جس قدر خوشامد میں الفاظ ان لوگوں کو کہنے پڑے ہیں غالباً ذوق اور امیر دونوں کے قصائد سے کہیں زیادہ ہیں۔

مقامی شعرا سے تعارف

مولوی معشوق حسین اطہر | دُبلا پتلا۔ ہڈیوں کی مالا۔ تقاضائے سِن کی وجہ سے قدموں سے سینہ آگے۔ امامِ فن۔ اُردو کا جیتا جاگتا۔ چلتا پھرتا۔ انسائیکلوپیڈیا۔ شاعر ہی نہیں بلکہ شاعر گر۔ شاعری کے قدیم اسکول کا آخری اور تنہا مُسلّم الثبوت اُستاد۔

منشی لچھمی نراین سخا | سینہ تانے ہوئے۔ چُست لباس۔ کھوپڑی شکن ڈنڈا ہاتھ میں۔ آواز میں کڑک۔ غزل پڑھے تو فوجدارِ سخن معلوم ہو (آپ ریاست جے پور میں فوجدار تھے) مصرع اُٹھائے تو خود شاعر پر چھا جائے۔ ہر انتظام کا اہل۔ ریٹائر ہونے پر بھی نئے رنگروٹوں سے زیادہ مُستعد۔ مرنجان و مرنج۔ یارِ شاطر۔ صلح کل کا عامل جب شاعر ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوں تو یہ فریقین کی ٹھوڑیوں میں ہاتھ ڈالے اور منتیں کرے۔ لیکن جب کوئی بزرگوں کی بے ادبی کرے تو آپے سے

باہر ہو جائے۔ شاہ نصیر کی پانچویں پُشت میں۔ الفاظِ شعر میں فارسی ترکیبوں کی دلآویزی۔ معانی میں کچھ مقدس محبّت کی لذّت بخش چاشنی۔

قاضی نور احمد تنویرؔ | جے پور کے مشاعروں کے متعلق اپنا تو یہ عقیدہ ہے:۔

تیرہ و تار ہو وہ بزمِ سخن جس میں شریک
آفتابِ شعرا حضرتِ تنویرؔ نہیں

معاشرت و لباس کے اعتبار سے زمانۂ وسطیٰ کا صحیح نمونہ مسکین لیکن فتنہ ہا در بیاض۔ خاموش مگر ہنگامہ ہا در بغل۔ اُس کے خیر خواہ اُس سے نالاں کہ اپنی صداقت و حق پر اصرار نہیں کرتا۔ اُس کے دشمن اُس سے خوش کہ اُن کی فتح قبول کرنے کو تیار ہے۔ شاعرِ حاتم صفت کہ بہت کہتا ہے اور خوب لُٹاتا ہے۔ استادِ ہزار شاگرد کہ جے پور کو ادب گاہ بنائے جاتا ہے۔

مولوی سید انوار الرحمن بسملؔ | لباس اور انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کی کسی اکیڈمی کا نہیں بلکہ ہارون رشید کی بے تکلف مجلسِ علمی کا کوئی رُکنِ عزیز ہے۔ سُرخ و سفید چہرے پر سفید ڈاڑھی کی شعاعیں بہت عقیدت فریب ہیں۔ آغوشِ تصوّف اور مہدِ علوم کا پرورش یافتہ۔ کسی کا معتقد ہو تو کان بکڑی چھیلی.؏ کسی جگہ بیباک ہو تو ننگا قلندر۔ عربی۔ فارسی کا منتہی۔ اُردو کا ادیب۔ ہر زبان میں نظم و نثر پر حاوی۔ اُس کی پیری کی آغوش میں اُس کا دل ابھی تک نوجوانوں کی طرح مستانہ انگڑائیاں لیتا ہے۔

منشی چند بہاری لال صباؔ | دستار سے جھاڑ شاہی۔ گفتار سے دہلوی۔ رفتار سے لکھنوی۔ مائل کی جائدادِ بُت خانہ و حرمت کا ورثہ دار۔ بڑے مزے کے شعر کہتا ہے مگر صرف دلنواز۔ سامعہ نوازی کی حسرت رہجاتی ہے۔ جے پور کے مشاعروں میں شمع کا مرتبہ رکھتا ہے کہ جبتک یہ سامنے نہ ہو پڑھنے میں لطف نہیں آتا۔

؏ مقامی زبان کا محاورہ ہے۔ چھیلی بمعنی بکری ۱۲

مولوی حافظ محمد یوسف علی خاں عزیز | چوڑا چکلا سینہ اُس پر پھیلی ہوئی ڈاڑھی۔ پیشانی کے بیچ میں الف نما شکن۔ میدانِ شعر میں سپاہی زادہ شاعر۔ ہر بزم میں اپنے لئے امتیازی جگہ نکال لینے پر قادر۔ تاریک خیال حقائق ناشناس گروہ کی نظروں میں مردود۔ لیکن بالغ نظر دقیقہ رس جماعت کے یقین میں محبوب، مردِ کار۔ شاعر کی روایتی بدبختی و نحوست کا واقعی ثبوت۔ کچھ ایسے ستارے پیدا کر رہا ہے کہ جو اس کی شمعِ حیات گُل ہونے کے بعد چمکیں گے۔

وہ کونسی خوبی ہے کہ جو ان میں نہیں ؛ پر عیب یہی ہے کہ ابھی زندہ ہیں

مولوی محمد طٰس ذہین | ڈاڑھی. سر کے بال اور اصطرا خاں نما ٹوپی کے لحاظ سے عہدِ زار کا کاسک سپاہی معلوم ہوتا ہے۔ شاعری کے نئے اسکول کا خوش گو نوجوان ہے۔ گو حیاتِ عمل کے لئے قابلِ افسوس ہو لیکن کائناتِ شعر کے لئے پیغامِ لذّت و کیف ہے کہ وہ ابھی آغوشِ تصوف میں داخل ہوا ہے۔ اُس کا اندازِ حال کچھ شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اب اپنی دُھن میں کسی کا نہیں رہا۔ اگر یہ سچ ہے تو سب اُس کے ہو گئے۔

پنڈت چاندنراین تکّو مہر | اہل مشاعرہ نے کمال کیا کہ فنونِ لطیفہ کو ایک جگہ جمع کر کے پیش کر دیا۔ اپنے حُسنِ صورت. حُسنِ سیرت اور حُسنِ شعر سے جنّتِ نگاہ۔ فردوسِ گوش اور بہشتِ دل۔ عام شکایت ہے کہ شاعر کا ترنم موسیقی کا خون کرتا ہے۔ وہ اس الزام سے پاک ہے۔ شستہ مضامین. چُست بندش۔ کوثر کی دُھلی ہوئی زبان کی بدولت، صحیح معنوں میں طوطیِ مشاعرہ" (ماخوذ از رسالہ روشنی)

شعرائے جے پور اگرچہ بزم گاہ میں پیچھے بیٹھے اور اُن کو اخلاقاً بحیثیت میزبان بیٹھنا بھی پیچھے ہی چاہیئے تھا۔ مگر تختِ شعر خوانی پر پہنچکر مقامی مشّاق شعرا بیرونی مشّاق شاعروں سے اور مقامی اُستاد باہر کے اساتذہ سے مقابلتہً ہرگز پیچھے نہ رہے۔

حضرت سیماب جیسے بزرگ نے اپنے ایک مضمون شائع شدہ رسالہ "شاعر" میں اعتراف کیا ہے کہ "جے پور کے شعرا کی غزلیں نہایت عمدہ اور بلند معیار کی تھیں" علیٰ ہٰذا منشی گوپی ناتھ امن ایڈیٹر اخبار "تیج" نے یہ رباعی کہی، اور اپنے اخبار میں شائع کی تھی :-

اخلاق کی خوبیوں میں مشہور ہے یہ اسلاف کے اوصاف سے معمور ہے یہ

ہر ذرہ ہے جس کا ایک باب تاریخ مشہور جہاں وہ شہر جے پور ہے یہ

ترتیب خواندگی کی فہرست پہلے سے مرتّب کرلی گئی تھی جس میں ہر بات کا لحاظ کرتے ہوئے یہ طریق اختیار کیا گیا تھا کہ اوّل ایک یا دو شاعر جے پور کا پڑھے. اور پھر بیرونی حضرات میں سے ایک یا زائد اپنا کلام سنائیں۔ غرض مشاعرہ شروع ہوتے ہی گرم ہوتا گیا۔ حتّٰی کہ جناب جگر مرادآبادی کو دعوتِ خواندگی دی گئی۔ اُنھوں نے ستم یہ کیا کہ بجائے طرحی غزل کے اپنی بہترین غیر طرح غزل سُنا ڈالی اور بزم کو سر تا سر لوٹ لیا۔ حاضرین کا خیال ایک حد تک صحیح تھا کہ اب کسی کا رنگ جمنا مشکل ہے۔ دیکھیں کون بے جگر اب پڑھنے کی جرأت کرتا ہے اور داد لیتا ہے کہ "معشر الشعرا" منشی فدا حسین فدا جے پوری کو مدعو کیا گیا۔ وہ بے تکلف و تامّل مُعشر الشعرائی کا میڈل زیبِ سینہ کئے ہوئے تخت پر تشریف لے گئے۔

ناظرین اس نادر الترکیب خطاب کی معنویت پر غور کرنے کی زحمت نہ فرمائیں ذرا سی تفصیل سُن لیں تو یہ عُقدہ حل ہوا جاتا ہے۔

ہوا یہ کہ فدا کے دماغ نے یہ "ایجادِ بندہ" فرمائی۔ کہ میر انیس کے سولہ[16] اور مرزا دبیر کے چار مرثیوں کو مُسدّس سے مُعشر کر ڈالا یعنی ہر بند پر اوّل چار چار مصرعے بڑھا کر ہر بند دس مصرع کا بنا لیا۔ اُن کی یہ جُرأت جا ہو یا بے جا اور

عقیدتمندانِ میر و مرزا کو گوارا ہو یا ناگوار بہرحال فدا کی دماغ سوزی و پرگوئی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ درآنحالیکہ بعض مصرعے تو حقیقت میں ایسے ضم کئے ہیں کہ ان کے اضافے سے بند کی خوبی۔ زورِ بیان اور منظر کشی میں بیّن اضافہ ہوگیا۔ اب شعرائے جے پور کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ اس صلہ میں اُن کے لئے "معشر الشعرا" کا خطاب تجویز کیا۔ مگر مُفت نہ دیا بلکہ ۹ رمارچ ۱۹۳۵ء کو اُن سے ایک شاندار مشاعرہ لیا گیا جس کی طرح تھی :-

تم جو آجاؤ تو بیمار بھی اچھا ہوجائے۔ قافیہ۔ اچھا

اس مشاعرے میں اُنھیں سندِ خطاب بھی عطا کی گئی۔ اور تمغہ بھی پیش کیا گیا۔ اس شکریہ میں اُنھوں نے پاؤ پاؤ بھر کا عمدہ لڈو رنگین کاغذ میں لپٹا ہوا۔ ہر شاعر و سامع کو پیش کیا۔

اسی قسم کا ایک اور بھی خطاب "ترہیج الملک" اُن کو دیا تھا۔ وہ اس صلہ میں کہ اُنھوں نے بمطابقتِ اعدادِ بسم اللّٰہ سات سو چھیاسی ۷۸۶ رباعیاں کہی تھیں۔

ان دونوں خطابوں کو وہ فخریہ اپنے لئے استعمال کرتے تھے۔

ہاں تو معشر الشعرا تشریف لائے۔ طرحی مطلع ایسا پڑھا کہ شورِ تحسین سے ہال گونج اُٹھا۔ غزل پڑھی اور خوب پڑھی۔ فدا کا تحت اللفظ جگر کے ترنم سے کم اثر انداز ثابت نہ ہوا۔ کئی شعر کئی کئی بار پڑھوائے گئے۔ اور اساتذہ کی داد پر حسبِ عادت نصف قامت کھڑے ہو کر داد کے شکریہ میں دونوں ہاتھوں سے فدا سلام کرتے رہے۔ غرض کامیابی کے ساتھ رخصت ہوئے۔

مُشاعرہ کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ تیسری نشست تھی کہ صبا کے

پڑھنے کا نمبر آیا اور ان کے عین بعد میرا نمبر تھا۔ یہ بات میرے علم میں آئی۔ تو "احترام" نے ادبِ اُستاد کا ترک کرنا گوارا نہ کیا۔ صبا میرے اُستاد مرزا مائل کے جانشین ہیں۔ میں نے اُن بزرگوں کی وہ صحبتیں دیکھی ہیں جن میں ہر اُستاد دوسرے اُستاد سے پہلے پڑھنے کی کوشش کرتا تھا محض بربنائے ادب واحترام اور خلوص و اتحاد۔ حتیٰ کہ چھینا جھپٹی میں بعض دفعہ غزلیں تک پھٹ جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک مشاعرے میں اساتذہ کی نشست اس طرح تھی مولانا سخاؔ۔ ان کے بائیں جانب اطہرؔ۔ پھر سراجؔ۔ پھر جوہرؔ۔ پھر آگاہؔ اور پھر مائلؔ۔ ترتیبِ خواندگی دورِ شمع پر تھی۔ شمع گردش کرتی ہوئی جوہرؔ کے سامنے آئی تو اُنھوں نے اپنی غزل پڑھ دی۔ اور اب آگاہؔ کا نمبر آیا۔ آگاہ چونکہ معذور و مجبور تھے اس لئے اپنی غزل مولانا جوہرؔ سے پڑھوایا کرتے تھے۔ ادھر آگاہؔ نے اپنی غزل جوہرؔ کو پڑھنے کے لئے دی اور اُدھر مائلؔ نے ہاتھ بڑھا کر شمع اپنے سامنے اُٹھالی۔ آگاہؔ نے کہا "مرزا کیا کرتے ہو نظامِ شمع نہ بدلو"۔ اور شمع واپس اُٹھانے کی کوشش کی تو مائلؔ نے یہ کہتے ہوئے کہ "کسی سے تو مجھے چھوٹا رہنے دو" غزل شروع کردی۔ اسی قسم کے اور بھی کئی واقعات ہیں جن کو بخوفِ طوالت ترک کرتا ہوں۔ اس لئے میں نے درخواست کی کہ یا تو صباؔ سے پہلے مجھے پڑھوادیا جائے۔ یا چھوڑ دیا جائے۔ اُن کے عین بعد نہ پڑھوایا جائے تو بہتر ہے۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ صباؔ اور میں ایک ہی زمانے سے شعر کہتے ہیں۔ اُدھر صباؔ نے اصرار کیا کہ ترتیبِ خواندگی میں ردوبدل نہ کیا جائے۔ مگر مسندِ صدارت کے قریب بیٹھنے والے حضرات نے میرے استدلال کو بنظرِ استحسان دیکھا۔ اور صدر صاحب کی منظوری سے اسی اعلان کے ساتھ مجھے پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

اس واقعے کے لکھنے سے خودستائی ہرگز ہرگز مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مُراد یہ ہے کہ دَورِ حاضرہ میں ایسے کئی برخود غلط اصحاب ہیں جو بعد میں پڑھنا اپنا موروثی حق یا جزوِ شاعری سمجھتے ہیں۔

یہاں ایک بات اور عرض کردوں یہ کہ حضرتِ اطہرؔ و تنویرؔ کے تقدّم و تاخرِ خواندگی کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہاں سوال تھا بزمِ ادب کی صدارت کے اعزاز کا۔ اور بالآخر وہ بھی راقم الحروف ہی کی سعی سے ایک روز منشی لچھمی نراین صاحب سخاؔ کے دولتکدے پر بموجودگی ہردو صاحبان موصوف اس طرح طے ہوا کہ ہر مناعتے کے صدر سخاؔ ہوں۔ اور جب مولانا اطہرؔ کے شاگرد یا خود مولانا مشاعرہ کریں یا اُن کی بزمِ ادب کے ارکان۔ تو آخری غزل حضرتِ تنویرؔ کی ہو اور جب تنویرؔ یا اُن کے ذیل کے لوگوں کی جانب سے مشاعرہ ہو تو آخر میں اطہرؔ پڑھیں۔ غیر جانب دار اصحاب جس طرح چاہیں اوّل و آخر پڑھوائیں۔

اس آل انڈیا مشاعرے میں جے پور کے سب ہی شاعر شریک ہوئے۔ البتہ ایک وارستہ مزاج و آزاد خیال۔ لیلائے سخن کا مجنوں۔ شیریں زبان کا فرہاد۔ عذرائے غزل کا وامق نہ گیا پر نہ گیا۔ اُس کے لئے یہ تو ممکن تھا کہ کسی امیر کی کار اور معزز قاصد اُس کو ڈھونڈھتا پھرے اور وہ ایسا چھپے کہ کہیں نہ ملے مگر یہ دشوار تھا کہ اُس کے احباب اطہرؔ و سخاؔ و تنویرؔ وغیرہ اصرار کرکے اُس سے شرکتِ مشاعرہ کا اقرار لے لیں اور پھر وہ پورا نہ کرے یا اُس کا پچاس برس کا لنگوٹیہ یار کیفیؔ دتاتریہ اس سے ملنے آئے اور وہ منھ چھپائے۔ اور جب وہ مشاعرے میں آنے کو کہے تو انکار بن پڑے۔ لہٰذا بہتر یہی تھا کہ حضرت یعنی مولانا کوثرؔ جے پور کو چھوڑ دیں۔ چنانچہ یہی کیا کہ مشاعرے سے

وہ ایک دن پہلے اجمیر چلے گئے اور جب سب شاعر یہاں سے جا چکے تو تشریف لے آئے۔ ہاں ویسے جی چاہ جائے تو بلا بلائے مشاعرے میں جا پہنچیں۔ چنانچہ ایک عجیب مشاعرہ کا لطیفہ سُنیے:۔

ہوا یہ کہ ایک نوجوان شاعر مظہر حسین شیفتہ۔ یو۔ پی کا رہنے والا جے پور میں آکر ملازم ہوا۔ اور شاعرانہ حیثیت سے یہاں کے نوجوان شعرا سے ربط و ضبط بڑھا لیا شیفتہ کی تحریک پر مشاعرہ ہونا قرار پایا۔ طرح خود شیفتہ نے تجویز کی۔ چنانچہ وقتِ مقررہ پر مشاعرہ ہوا۔ جب شیفتہ کے پڑھنے کا نمبر آیا اور اُس نے غزل پڑھی تو مطلع سے مقطع تک مرصع۔ نہایت عمدہ اشعار ایک سے ایک بہتر۔ تمام بزم میں ہلچل پڑ گئی۔ کچھ ایسا رنگ جما کہ اُس کے بعد کوئی غزل داد ہی نہ پا سکی، حتّٰی کہ مولانا جوہر کی غزل پر مشاعرہ نہایت بے کیف و بے حد سرد ختم ہوا۔ حضرتِ کوثر بھی اس میں اتفاق سے پہنچ گئے تھے اور موجود تھے۔ وہ تاڑ گئے۔ مولانا جوہر سے کہنے لگے آپ اجازت دیں تو ایک غزل نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کی سُنوائی جائے۔ مولانا جوہر نے اقرار کیا تو آپ نے ایک کلاونت کے لڑکے کو اشارہ کیا اور اُس نے غزل شروع کی:۔

اُٹھے نہ چھوڑ کے ہم آستانِ بادہ فروش طلسمِ ہوش رُبا ہے دُکانِ بادہ فروش

اس غزل نے ایسا رنگ دیا کہ تمام کوفت دور ہو گئی اور قرار یہ پایا کہ اس زمین میں مشاعرہ ہو تاریخ وغیرہ مقرر ہو گئی۔ مرزا مائل کہیں باہر تھے جب وہ آئے تو اُن سے بھی یہ ذکر ہوا۔ اُنھوں نے اوّل تو نواب شیفتہ کی غزل پر غزل لکھنے سے انکار کیا مگر زیادہ اصرار پر تیار ہو گئے۔ اور اس زمین میں ''آشیاں'' کا قافیہ خاص طور پر باندھنا قرار پایا۔ مرزا صاحب سے یہ بھی اقرار لیا کہ وہ اُس زمین میں بھی غزل کہیں جس میں مظہر حسین شیفتہ نے بزم لوٹی ہے۔ یعنی ''ہجراں''

قافیہ اور "پر" ردیف - غرض صبا کے یہاں تاریخِ مقررہ پر مشاعرہ ہوا۔ اوّل طرحی غزلیں پڑھی گئیں مولانا جوہر نے آشیاں کا قافیہ یوں باندھا تھا:-

بلند سیر ہے، عنقا صفت، فلک پرواز
ہوا پہ کیوں نہ رہے آشیانِ بادہ فروش

بعد ختم مشاعرہ میر جواد علی نے بے تکلف احباب میں اس پر تنقید کی کہ "میاں! میں تو یہ سمجھا کہ مولانا گھوڑے کی تعریف کر رہے ہیں۔ مرزا صاحب کے یہاں یہ قافیہ یوں تھا:-

بہار آتے ہی بلبل کے چار تنکوں کو
خطاب گُل نے دیا آشیانِ بادہ فروش

آخر میں نواب شیفتہ کی غزل پھر پڑھی گئی۔ اُس کے آخری شعر کو سب اسی طرح پڑھ رہے اور سُن رہے تھے:-

تری شمیم نے گلزار کو کیا برباد
تری نگاہ نے کھولی دُکان بادہ فروش

مرزا صاحب نے بتایا کہ "کھولی" نہیں بلکہ "کھوئی" ہے۔ فی الواقع اب دونوں مصرعے برابر ہوئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہمزہ چھپنا رہ گئی۔ اگرچہ ہمارے پاس جو شیفتہ کا دیوان ہے۔ اُس میں "کھوئی" ہی ہے۔ ایک ہمزہ نے شعر کو کیا سے کیا کر دیا۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے پچھلے مشاعرے کی طرح میں غزل سُنائی۔ اُس کے بھی دو شعر ملاحظہ ہوں:-

مقدر ہو اگر رہبر تو دم لوں آبِ حیواں پر
قدم رکھتا چلا جاؤں شبِ تاریکِ ہجراں پر
پھر اک پرواز میں لے لی اُجڑا آشیاں اپنا
جو تنکا ٹک گیا بلبل کا دیوارِ گلستاں پر

مشاعرہ برخاست ہو کر جب سب روانہ ہوئے تو مولانا جوہر نے صبا سے کہا "میاں! ہم تو عاشقانہ غزل کے مردِ میداں ہیں۔ مگر ہمارے اُستاد کا خلیفہ (مائل) جہاں چاہتا ہے گھوڑا کودا دیتا ہے۔ نعت ہو، منقبت ہو، صوفیانہ ہو۔ فلسفیانہ ہو۔ عاشقانہ ہو یہ کسی میدان میں بند نہیں"۔

مظہر حسین شیفتہ کی کامیاب غزل کا راز بعد میں یہ کُھلا کہ یو۔پی میں کہیں[1] اس زمین

---

[1] حضرت میکش اکبرآبادی سے معلوم ہوا کہ یہ مشاعرہ سکندرہ راؤ میں غالباً ۱۹۲۸ء میں ہوا تھا۔ اور آگرے سے فانی بھی اس میں گئے تھے ۱۲

میں مشاعرہ ہوا تھا۔ اور اساتذہ شریک ہوئے تھے۔ جناب نے اُن کے چوٹی کے شعر منتخب کر لیئے تھے وہ اپنے نام سے سُنا ڈالے۔

حضرت کوثر وہ بزرگ ہیں جو کبھی کوئی پابندی برداشت کر ہی نہیں سکتے۔ بہت سے نوجوانوں نے آپ سے اصلاح لینا چاہا۔ مگر جس کا یہ قول ہو:۔

مجھ کو نہیں دماغ غمِ روزگار کا دیوانہ ہوں کہ کام کروں ہوشیار کا

وہ بھلا ان جھگڑوں میں کیوں پڑے کسی کو مولانا اطہر کی طرف دھکیل دیا۔ اور کسی کو قاضی تنویر کی جانب۔ ہاں، کوئی پارسا قسم کا ڈھیٹ ہی بھوت بن کر پیچھے پڑ جائے تو بات دوسری ہے۔ یا کسی ماہ رُو پر نظرِ مہر ہو جائے تو پھر اُس کے شعر آبِ کوثر سے دُھل کر آبدار اور گلشن فردوس جیسے پُر بہار ہو جانے میں کیا شک ہے۔ چنانچہ ایک بار پنڈت چاند نراین تکو مہر ایک مشاعرے کی غزل پر مولانا اطہر سے اصلاح لے کر آپ کے پاس آئے اور غزل سُنائی۔ مطلع یوں رکھا گیا تھا:۔

بزمِ دشمن سے بھلا کیا ہی سروکار ہے مجھے اتنا مجبور نہ کر حسرتِ دیدار مجھے

کوثر نے کہا "بھئی! تاثیر پیدا نہیں ہوئی۔ مجبور کا لفظ کھٹکتا ہے۔ یوں بناؤ:۔

بزمِ دشمن سے بھلا کیا ہے سروکار مجھے تنگ اتنا تو نہ کر حسرتِ دیدار مجھے

ناظرین اندازہ کریں کہ شعر میں ایک لفظ بدلنے سے کیا اثر پیدا ہو گیا۔ لفظ کیا معنیٰ ایک حرف کا ردوبدل شعر کو کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔

اس زمین میں مرزا مائل کی بھی غزل ہے اُس کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

لَن ترانی، ارِنی دونوں ہیں لب پر میرے لے کے پہنچی ہے کہاں حسرتِ دیدار مجھے

حقیقت یہ ہے کہ بلحاظِ فن شعر میں کتنے ہی صنائع و بدائع ہوں۔ اور کتنا ہی اسقامِ سخن سے پاک ہو اگر تاثیر نہیں تو شعر جسمِ بے روح یا کاغذ کا

پھول ہے۔ غزل کو اگر نظم کے مقابلے میں فضیلت ہے تو صرف یہی کہ اُس کا ہر شعر پُرتاثیر ہونا چاہیئے۔ نظم میں بیان کا تسلسل لابدی ہے جس کی پابندی شاعر پر واجب ہے غزل کا ہر شعر آزاد ہے۔ اور شاعر کو اختیار ہے کہ جس مضمون کو پُرتاثیر طریق پر ادا کر سکے وہ باندھے۔

افسوس! کجا بودم مرکب کجا تافتم

ناظرین انتخاب مشاعرہ ملاحظہ فرمانے کے مشتاق ہوں گے۔ اور میں کچھ اور ہی کہنے لگا۔ لہٰذا اب انتخاب ملاحظہ فرمائیں:-

مقامی شُعرا کے اشعار

مدن گوپال شیون جے پوری:- دل اپنے حال میں ہے جگر اپنے حال میں
کوئی نہیں شریک کسی کے ملال میں

شیخ ساجد علی ساجد " ہوسیٰ نہ تھا جمال وہ برقِ جلال تھی
ہوتی نہیں شرار کی فطرت جمال میں

پنڈت چاند نراین مہر " ڈرتا ہوں تیری شانِ کرم پر نہ حرف آئے
مجھ کو تو کوئی شرم نہیں ہے سوال میں

منشی نذیر محمد آرزو " اے برق تو ابھی سے ہے کیوں اتنی بیقرار
بنیادِ آشیاں تو ابھی ہے خیال میں

سید ذاکر حسین اثر " وہ جذب کی ہیں ہم نے دلِ پائمال میں
جو بجلیاں کہ کوندرہی تھیں جمال میں

منشی فدا حسین فدا " بجلی یہ کونسی ہے تمہارے جمال میں
جس نے لگادی آگ جہانِ خیال میں

منشی محمد عبدالرحمٰن کوکب " میں یا غفور کہہ کے صراحی چڑھا گیا
توبہ دھری ہی رہ گئی جامِ سفال میں

شاغل مؤلفِ ہٰذا " ڈوبوں نہ کس لئے عرقِ انفعال میں
عصیاں بھرے ہوئے ہیں مرے بال بال میں

حافظ محمد یوسف علیخاں عزیز " اُٹھا غبارِ غم دلِ غربت خیال میں
سوجاؤں منہ لپیٹ کے گردِ ملال میں

مولوی عبدالسلام خیال " اے خانماں خراب کہاں جاکے لی پناہ
بجلی کے ڈر سے تنکے بچھائے ہیں جال میں

صبا جے پوری۔ تاثیر اُسکے ہاتھ کشش اُسکے ہاتھ ہے
دستِ دعا میں کچھ ہے نہ دستِ سوال میں

قاضی نور احمد تنویر " یہ چاہتا ہے دیکھئے انساں کا مرتبہ
آجائے وہ نظر جو نہ آئے خیال میں

منشی لچھمی نراین سخاؔ جے پوری ؎ عمریں گزر گئی ہیں فقط اس خیال میں دو چار روز اور ہیں روزِ وصال میں
مولوی معشوق حسین اطہرؔ ؎ کچھ شرم کچھ حجاب کچھ انداز کچھ غرور تنہا کبھی نہ آئے وہ میرے خیال میں

اس مشاعرہ کے باعث گلشنِ سخن پر ایسی بہار چھائی کہ جابجا عنادلِ غزلخواں نغمہ سنج نظر آنے لگیں۔ بقول نواب سائلؔ :-

دو چار رِل کے بیٹھ گئے بزمِ عیش ہے دو چار خُم لنڈھا دئے مے خانہ ہو گیا

جابجا مشاعرے ہونے لگے مثلاً :-

<u>متفرق مشاعرے</u> ایک مشاعرہ تو اس آل انڈیا مشاعرے کے عین بعد مولانا بسملؔ نے اپنے یہاں کیا۔ اور فارسی کی طرح دی۔ ع ز چشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کُن۔

۱۲ مئی ۱۹۳۵ء کو شہنشاہ جارج پنجم کی سلور جوبلی کا جشن مشاعرے کی صورت میں "رام نواس" (باغ) میں منایا گیا۔ مصرع طرح تھا۔

ع مے گلرنگ دے ساقی کہ جشنِ شادمانی ہے۔

ایک تعزیتی مشاعرہ مولانا جوہرؔ کے جہلم پر محمد ایوب خاں صاحب فضاؔ نے کیا جس میں مرحوم کی وفات کے قطعاتِ تاریخ پڑھے گئے۔

دو مُناعتے حاجی شاہ معین الدین صاحب جودھپوری نے منعقد کئے جو <u>مظہرِ معرفت</u> نامی رسالہ مرتبہ راقم الحروف میں طبع ہو چکے ہیں۔

۱۹۳۵ء ایک مُناعتہ تسلیم منزل پر بسلسلۂ جشنِ عیدِ میلاد النبی منعقد ہوا جس طرح کہ گزشتہ برسوں میں مسلسل ہوتے رہے تھے اور ۱۹۴۷ء تک برابر جاری رہے۔

۱۹۳۶ء میں جے پور کے علاوہ سانبھر میں بھی کئی مشاعرے ہوئے جن میں بیرونی شعراء نے بھی شرکت کی اور یکم اکتوبر کو "مائل ڈے" بھی وہیں منایا گیا۔ اس میں جو مشاعرہ ہوا وہ مع روداد و حالاتِ حضرتِ مائلؔ بنام <u>نظم دلپذیر دسرنوشتِ مرزا مائلؔ</u> ۱۹۳۶ء۔ راقم کے مرتبہ رسالہ میں چھپ چکا ہے۔ ۱۳۵۵ھ

اس دوران میں اٹل صاحب کے باغ پر بھی کئی غیر طرحی کامیاب مشاعرے ہوئے جن میں سے ایک یادو میں سر تیج بہادر سپرو آنجہانی بھی شریک ہوئے۔

سنہ ۱۹۳۷ء میں بھی مشاعروں کا کافی زور رہا۔ اور لٹریری کارپوریشن کی جانب سے "نذیر احمد ڈے" مہاراجہ کالج جے پور کے وسیع ہال میں منایا گیا۔ اس کی روداد ومضامین "یادگارِ نذیر" نامی رسالہ میں طبع ہو کر شائع ہوئے۔

۲۴ر اگست سنہ ۱۹۳۹ء کو سانبھر میں زیر سرپرستی الحاج محمد اکرام حسن خاں ناظم سانبھر مہاراجہ مان سنگھ والیِ جے پور کی سالگرہ کے سلسلے میں احاطۂ نظامت میں ایک نہایت شاندار مشاعرہ ہوا۔ جس کی صدارت منشی لچھمی نراین سخاؔ نے کی اور انتخاب "ارمغانِ اکرام" نامی رسالے مرتبۂ راقم میں شائع ہوا۔

اسی سال بموقع عیدِ میلاد النبی ایک مناعتہ تسلیم منزل پر نہایت پُر رونق و گرم ہوا۔ انوار قافیہ تھا اور ختم المرسلیں ردیف۔ شعرائے خاص توجہ سے نعتیں کہیں۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں قصبہ ہنڈون میں ایک یادگار مشاعرہ مہاراجہ جے پور کی سالگرہ کے سلسلے میں نہایت اچھا ہوا۔ اس کا انتخاب شیخ ساجد علی ساجدؔ اسدی نے "نگارِ سخن" نامی گلدستہ میں شائع کیا۔

سنہ ۱۹۴۱ء میں ایک نہایت صاف ستھری اور مخصوص بزمِ سخن خان بہادر الطاف احمد خیری کے دولتکدہ "الطاف منزل" پر ہوئی۔ شعرائے اپنا غیر طرحی بہترین کلام پڑھا۔ سید انور علی شادؔ نے فنِ تاریخ گوئی کا کمال دکھایا۔ ان کی غزل کا ہر مصرع تاریخی تھا جو اسی مشاعرے کے لئے لکھی تھی۔ اصل غزل ان کے حال میں درج ہے۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں بھی مشاعرے، مناعتے اور سالمے برابر ہی ہوتے رہے۔

مشاعرہ جشن ماہتاب | ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو بموقع سرد پونو[۵] مولوی امیر الدین خاں شوخ ثم جوش سکریٹری مسلم مڈل اسکول جے پور نے مدرسۂ مذکور میں نئی شان کا مشاعرہ کیا۔ طرح کے دو مصرعے تھے (۱) چاند ہے پروردگار اور ہے پیمبر چاندنی۔ قافیہ پیمبر۔ (۲) دوسرے کا قافیہ "ناز" اور ردیف "کا" ردیفِ مصرعِ اوّل کی تابانی اگرچہ خیرگی پیدا کرتی تھی۔ تاہم یہ زمینِ سفید نہ تھی۔ مرزا دبیر اس پر ایک عالی شان قصر تعمیر کر چکے ہیں۔ جس کا ایک دریچہ ملاحظہ ہو:-

فاطمہ کی بیٹیاں بیٹھی تھیں فرشِ خاک پر — اس لئے جاتی نہ تھی زنداں کے اندر چاندنی

نواب زادہ احمد علی خاں رونق کا بھی اس زمین میں سہ غزلہ ہے۔ خوب خوب شعر نکالے ہیں ایک مطلع ملاحظہ ہو:-

چاندنی ہے فرقتِ جاناں میں کیونکر چاندنی ؛ برق ہے آتش ہے کیا ہے خاک پتھر چاندنی

تاہم شعرا نے توجہ سے غزلیں کہیں۔ حضرتِ شوخ نے بزم گاہ کو شاندار طریق پر آراستہ کیا تھا۔ اسکول کی وسیع چھت پر مشاعرہ ہوا۔ فرش نہایت سفید۔ در و دیوار تک براق۔ منتظمین نہایت سفید لباس میں ملبوس۔ یہ شوخی کیا کم تھی کہ شعرا و سامعین کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ سفید لباس میں آئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جدھر نظر پڑتی تھی ہر چیز نورانی۔ حضرت شوخ کا قابو چلتا تو

عہ۵ ستی آسوج سُدی پورن ماشی۔ جبکہ قمر بُرج حمل میں ہوتا ہے اور شمس برج میزان میں اور ہر تیسرے سال جب قمر در حوت و شمس در سُنبلہ ہوتا ہے۔ اس وقت اثر نظرات خاص ہوتے ہیں۔ کیونکہ قمر کرۂ ارض کے عین درمیان میں ہوتا ہے اور شمس و قمر کی نظریں بالکل برابر ہوتی ہیں۔ اسی سبب سے چاندنی نہایت شفاف اور تیز ہوتی ہے اور حیاتِ لطیف پیدا کرتی ہے نیز فوری اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی سبب سے اس رات سفید غذا سفید لباس اور سفید فرش و فروش کے ذریعہ یہ امرت حاصل کیا جاتا ہے۔ اور متعدد امراض کا علاج مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے جو اس حیاتِ لطیف کے باعث تیر بہدف ثابت ہوتا ہے ۱۲

جوانوں کے بال اور مردمانِ سیہ چشم کے مردمکِ چشم تک سفید کر ڈالتے سُہانی رات شہر سے باہر مقام کچھ خنکی کچھ اعتدالِ فضا. عجب دلکش سماں تھا. پان آئے تو ورقِ نقرہ چڑھا ہوا. الائچی کے دانے نقرئی ورق میں ملفوف. قوام کی گولیاں سفید. چھالیا تک پر چاندی کے ورق کا قبضہ. مشاعرہ کیا تھا. روم کا حبش پر قبضہ ہو گیا تھا.

۹ بجے شب کو مشاعرہ شروع ہوا. پہلے "چاندنی" کی طرح شروع ہوئی. خوب خوب شعر سننے میں آئے. چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

نعت از شاغلؔ مولفِ ہذا
دو جہاں میں اُن کے سایہ کا پتہ چلتا نہیں — ڈھونڈھتی ہے دھوپ دن بھر اور شب بھر چاندنی
کس طرح آتی شبِ اسریٰ نظر تھی ہی کہاں — بن گئی تھی نعلِ مرکب سب سمٹ کر چاندنی
مصطفےٰ صلِ علیہ خورشید. زہرا اُن کا نور — ماہِ کامل مرتضیٰ شبیر و شبر چاندنی

غزل از شاغلؔ
آسماں والے بلا لیتے ہیں مہماں اپنے گھر — کچھ دنوں آتی نہیں ہے لوں زمیں پر چاندنی
” صباؔ
کیا نہ نکلا ایک بھی تیرا فلک پر قدرداں — جو وہاں سے تو اُتر آئی زمیں پر چاندنی
” ”
چاندنی کا لطف ہی جب ہے اگر سچ پوچھیے — اُن کے رخ پر میرا رخ ہو میرے رخ پر چاندنی
” شاغلؔ
چاندنی پر چاندنی کے پھول ہیں بکھرے ہوئے — چاندنی میں چاندنی ہے چاندنی پہ چاندنی
” صباؔ
جو گنہہ تجھ میں کئے ہیں ہونگے ثابت کس طرح — حشر ہو گا دن میں تو نکلے گی کیونکر چاندنی
” شاغلؔ
میں نے مانا رحمتِ حق کی ہے لیکن یاد رکھ. — فرشِ عصیاں پر کھلیں گے تیرے جوہر چاندنی
” ”
آبِ حیواں کے تجسس میں نہ کھاتا ٹھوکریں — ساتھ لیجاتا اگر اپنے سکندر چاندنی
” صباؔ
شیخ صاحب اپنا تقویٰ ڈھونڈھتے ہیں میکشو — فرشِ میخانہ کی دیکھو تو اُلٹ کر چاندنی

محمد مکرم علیخاں مکرمؔ
عکسِ حُسنِ یار سے ہے نورِ پیکر چاندنی — یہ تماشا دیکھیے ہے چاندنی پر چاندنی
میرے داغِ دل کی اللہ رے ضیا افشانیاں — گھر کے اندر چاند روشن گھر کے باہر چاندنی
رات بھر ٹلتی نہیں ہے آستانِ یار سے — جب کبھی آتی ہے بن جاتی ہے پتھر چاندنی
کیوں نہ ہوں تیری جبین و کاکل و رخ پر نثار — کہکشاں، نورِ سحر، مہتاب، اختر چاندنی

بیٹھے پینے جب بکرم وہ شبِ مہتاب میں خود سمٹ کر بن گئی ہاتھوں میں ساغر چاندنی

یہ دَور ختم ہوا تو بے داغ سفید چینی کی طشتریوں میں نقرئی ورق لگی ہوئی فیرینی مع سفید چمکدار چمچوں کے پیش کی گئی۔ اس کے بعد دوسری طرح میں مشاعرہ شروع ہوا۔ ٹھنڈ بڑھ گئی تھی اس لئے بزم گاہ اسکول کا کمرہ بنا۔ اس طرح میں بھی اساتذہ زورِ طبع دکھا چکے ہیں۔ مرزا مائل کا مطلع ہے:۔

اللہ رے انتظام تری بزمِ ناز کا نالہ نہ جاسکا کسی اہلِ نیاز کا

اب تلامذہ کے لئے کیا گنجائش تھی۔ تاہم دو مطلعے جو یاد آئے درج ذیل ہیں:۔

شاغل کیسے گذر نہ ہو کسی اہلِ نیاز کا ہے عرش ہی تو فرش تری بزمِ ناز کا
صبا در مل گیا ہے سجدہ کو عالم نواز کا ملتا ہے اب مزاج جبینِ نیاز کا

اسی سال ۳۱ر اکتوبر کو مہاراجہ کالج جے پور میں "اردو ڈے" کے سلسلے میں بھی ایک کامیاب مشاعرہ ہوا۔

دوسرا آل انڈیا مشاعرہ جے پور ۲۲ر مارچ ۱۹۴۲ء کو دوسرا آل انڈیا مشاعرہ جے پور میں ہوا۔ بزم گاہ ٹاؤن ہال جے پور جیسا وسیع و عالیشان کمرہ قرار پایا۔ جملہ انتظامات وسیع پیمانے پر کئے گئے تھے۔ دہلی ریڈیو اسٹیشن سے رِیلے (RELAY) کا بھی انتظام کیا تھا۔ بیرونی شعرا بھی کافی تعداد میں آئے اور مقامی سامعین کی کثرت کا تو یہ عالم تھا کہ بزم گاہ میں تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ برآمدہ اور بیرونی چمن لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ مصرعِ طرح تھا۔ کلی کی آنکھ کھل جائے چمن بیدار ہو جائے۔ مشاعرہ ہوا مگر نہایت سرد و بے کیف۔ صبا نے غزل ہی نہ کہی۔ قاضی تنویر نے غزل لکھی مگر پڑھی نہیں۔ چونکہ گلے باز شعرا کا کلام نشر کے لئے منتخب کیا گیا اس لئے دیگر حضرات میں بد دلی پھیل گئی۔ بعض تو بزم ہی سے چلے گئے۔ طرح میں صرف جگر کا یہ مطلع ضرور چمکا:۔

یہ مصرع کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے ۔۔۔ جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے

داد تو کم و بیش سب ہی کو ملی مگر بہت معمولی۔ کوئی شعر مشہورِ عام و عوام نہ ہو سکا غیر طرحی غزلوں سے رنگِ بزم جمانا چاہا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس کی ناکامی کا بڑا سبب طرح کی عدم شگفتگی اور شعرا کی جانبدارانہ کشاکش ثابت ہوئی۔ کسی شاعر کا کوئی اور شعر یاد نہیں اس لئے اپنا ایک شعر ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں:۔

یہ کیا کہتے ہیں اہلِ کارواں راہِ محبّت میں ٭ قدم سے کام تو جب لوں کہ سر بیکار ہو جائے

اس مشاعرے سے بہتر مشاعرہ تو "ممتاز مشاعرہ" رہا جو اسی سال ۱۷ ؍ مارچ کو ہوا تھا۔

ممتاز مشاعرہ | یہ مشاعرہ ۱۷ ؍ مارچ ۱۹۴۲ء کو نواب محمد مکرم علی خاں کی حویلی پر ۹ بجے شب کو منعقد ہوا جو طبع ہو گیا ہے۔

اس سال میں اور بھی متعدد مشاعرے ہوئے جن میں سے ایک کا انتخاب "تنویر سخن" نامی رسالے میں قاضی مسرور احمد توقیر نے طبع کرایا۔

اگست ۱۹۴۷ء تک کم و بیش ادبی دلچسپیاں برقرار تھیں کہ تقسیمِ ملک کا انقلاب آیا۔ اور شیرازۂ کتابِ ادب ایسا پریشان ہوا کہ خدا کی پناہ۔ کسی کو اس طرف مطلق توجہ نہ رہی۔ اکثر مسلمان شعرا پاکستان چلے گئے۔ اور بعض اصحاب نے اُردو دوستی کے الزام سے بچنے کی غرض سے کنارہ کشی اختیار کر لی غرضکہ جے پور کی دنیائے ادب ۱۸۵۷ء میں آباد ہو کر ۱۹۴۷ء میں ختم ہو گئی۔ بزرگوں کا وہ علمی و ادبی سرمایہ جس کو جان سے زیادہ عزیز اور ایمان سے زیادہ محفوظ رکھا جاتا تھا۔ عہ ۱۲ من ردّی کے بھاؤ اس طرح سڑک اور رستوں میں بکا کہ خریدار کم اور فروشندہ زیادہ تھے۔

خدا جانے کتنی غیر مطبوعہ نادر تصانیف اس طرح ضائع ہو گئیں مگر کیا

کیا جائے۔ شائقین پاکستان یا تارکین وطن نے سب سے زیادہ نفع بخش سرمایہ ہی اس کو سمجھا۔

مشاعرہ سلور جوبلی | ۱۷ اردسمبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ مان سنگھ والیٔ جے پور کی سلور جوبلی کے سلسلے میں ضرورتاً مشاعرہ ہوا مگر پھیکا رہا۔

زمانۂ حال کے مشاعرے | مشاعرے اب بھی ہوتے ہیں اور بعض دفعہ تو یہ کثرت ہوتی ہے کہ ایک ایک مہینے میں پانچ پانچ سات سات تک بزمیں منعقد ہو جاتی ہیں۔ مگر دورِ حاضرہ اور دورِ قدیم و وسطیٰ کے مشاعروں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جو باتیں اُس زمانے میں معیوب تھیں وہ آج ہنر ہیں اور جو ہنر سمجھی جاتی تھیں وہ دقیانوسی سمجھی جاتی ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد جو مشاعرے ہوئے اُن میں کامیاب تر وہی ثابت ہوئے جن کی صدارت کسی منسٹر نے کی۔ اور اس کی شہرت قبل از وقت ہو گئی۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ شعر و سخن سے اُن کو ذرّہ برابر بھی لگاؤ ہو یا وہ اردو جانتے بھی ہوں۔ دوم یہ کہ ان میں ترنم سے پڑھنے والے بکثرت ہوں قطع نظر اس سے کہ ان کا کلام کس معیار کا ہے۔ کامیابی اس معنیٰ میں کہ انتظامات اور آرائشِ بزم گاہ بھی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے۔ اور سامعین بھی اس کثرت سے آتے ہیں کہ مشاعرہ گاہ تنگ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حال کے کچھ مشاعروں کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

۱۵ راگست ۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۴ء کو یومِ آزادی کے سلسلے میں انجمن ترقی اردو شاخ جے پور کی جانب سے نواب محمد مکرم علی خاں مکرم کی حویلی واقع ترپولیہ بازار پر دو مشاعرے کئے گئے۔ چیف منسٹر راجستھان کو صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مشاعرہ گاہ کا وسیع کمرہ اُس کے برآمدے سامنے کی نہایت وسیع چاندنی نیچے کی منزل کا صحن۔ دو کانوں کے برآمدوں کی چھتیں۔ حتّٰی کہ جے پور شہر کی جیسی وسیع سڑک سامعین سے بھری ہوئی تھی یہاں تک کہ کچھ دیر کے لئے۔ ٹریفک کو رکنا یا اپنا رستہ بدلنا پڑا۔ بعض معززین نے تو سڑک پر ہی اپنی کاروں میں بیٹھے

ہوئے مشاعرہ سُنا۔

اسی طرح ۳ دسمبر ۱۹۵۳ء کو ایک مشاعرہ بتقریب دیوالی۔ ہندو مُسلم اتحاد کے پیشِ نظر محلہ خرادیان میں ہوا۔ اُس کی صدارت بھی ایک منسٹر صاحب نے فرمائی اور مجمعِ کثیر کی بنا پر وہ بھی کامیاب رہا۔

بڑے عُرسوں کے سلسلے میں بھی فی زمانہ مشاعرے نہایت ضروری ہوگئے ہیں۔ بلکہ عرس کے پروگرام کا جزو لاینفک سمجھے جاتے ہیں۔

ترنم مشاعروں کی کامیابی کا ایک ضامن ترنّم بھی ہے۔ جے پور میں اس کی ابتدا نواب سائل کی تشریف آوری سے ہوئی مگر مشاعروں میں دخل نہ ہوا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ جے پور کے شعرا میں اس کی اوّلیّت کا شرف مولوی امیر الدین خاں کو حاصل ہے جنھوں نے اغلباً ۱۹۲۱ء یا ۱۹۲۲ء سے مشاعروں میں ترنم سے پڑھنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ عام مقبولیت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ اب تو وہ اصحاب بھی ترنم سے پڑھنے لگے جو تحت اللفظ پڑھیں تو بہت اچھا پڑھیں مگر جب ترنم شروع فرماتے ہیں۔ تو بقول سعدی ع ببری رونقِ مُسلمانی۔ کا مصداق بن جاتے ہیں اور کن رسیا سامعین کا اپنا سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔

ترنم کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ سامعین ہمہ تن متوجّہ بھی ہو جاتے ہیں اور داد بھی خوب دیتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ بعض دفعہ نومشقوں کے بے معنیٰ اشعار بھی ترنم کی بدولت بامعنیٰ سمجھ لئے جاتے ہیں۔ بلکہ بعض مرتبہ تو ناموزوں مصرع تک لَے میں موزوں کرلیا جاتا ہے۔

البتہ تحت اللفظ پڑھنے والے ذرا مشکل ہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ اِلّا ماشاءَ اللہ پس یہ کہنا کچھ بے جا نہیں کہ:۔

محفل میں مجھے رنگ جمانا نہیں آتا کہ کرکے نرت بھاؤ بتانا نہیں آتا

اظہر یہ بڑی ایک کمی ہے مجھ میں کہنا تو کچھ آتا بھی ہے گانا نہیں آتا

میں ترنم دشمن نہیں بلکہ میری نظر میں اُن اصحاب کے ترنم کی کافی قدر ہے جو اس کے واقعی اہل ہیں۔ خواہ وہ ترنم نغمہ کی حد تک ہی پہنچ جائے۔ البتہ اُن اصحاب سے مجھے قطعاً اتفاق نہیں ہے جن کو قدرت نے گلے ہی گانے کے لئے نہیں دیئے ہیں۔ یا وہ اصحاب جو اپنا کلام خوش گلو لوگوں سے داد کی توقع پر گواتے ہیں حالانکہ خود تحت اللفظ بہت اچھا پڑھ سکتے ہیں۔

جے پور کے موجودہ شعرا | واقعات مندرجۂ بالا کے بعد بھی ابھی جے پور میں کافی شعرا ہیں جن کے حالات ناظرین اس تذکرے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

جے پور کی ادبی انجمنیں | جے پور میں ادبی انجمنیں بھی کافی قائم ہوئیں اور اُنھوں نے کچھ نہ کچھ کام بھی کئے۔

پہلی انجمن ۲۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو زیر سرپرستی مہاراجہ سوائی رام سنگھ قائم ہوئی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

دوسری "بزم ادب" زیر صدارت مولانا تسلیم۔

تیسری "بزم احباب" اغلباً ۱۸۹۰ء میں قائم ہوئی جس کے سکریٹری مولانا سراج الدین احمد سراج کنتوری تھے۔ اس انجمن کا ایک کتب خانہ بھی تھا جس کا "کتب خانۂ احباب" نام تھا۔ اور علمی و ادبی کتابوں کا بہت کافی سرمایہ جمع کیا گیا تھا علم دوست اصحاب کے لئے یہ کتب خانہ دارالمطالعہ کا کام دیتا تھا۔

۱۹۳۴ء میں "بزم ادب" کی ایک جدا شاخ ہو گئی جو مولانا اظہر کی صدارت میں قائم ہوئی تھی۔

اسی سنہ میں سید ذاکر حسین اثر نے "ادبی سبھا" قائم کی تھی جو ان کے سامنے ہی ختم ہو گئی۔

اسی ۱۹۳۴ء میں بماہ فروری ایک لٹریری کارپوریشن بھی چند نوجوان باعلم وادب اور عمدہ کارکنوں نے قائم کی۔ جس کے صدر قاضی مسرور احمد صدیقی بی۔ اے۔ منشی فاضل المتخلص بہ توقیر تھے۔ اور سکریٹری شیخ مشکور علی برق اس انجمن نے کئی کامیاب ادبی اجتماعات کیئے۔

۱۹۳۴ء ہی میں ایک اور انجمن "ماڈرن یوتھس سوسائٹی" کے نام سے قائم ہوئی تھی۔ اس بزم کی جانب سے ممتاز مشاعرہ بہت اچھا ہوا۔ اب بھی اس کے سکریٹری رشید احمد احمر مشاعرے کرتے رہتے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں ادبی دنیا کا جے پور میں خاتمہ ہو گیا۔ کسی نئی انجمن کے قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اردو سیاست کی لپیٹ میں ایسی آئی کہ جان بچانا دشوار ہو گیا۔ یہ سراسیمگی کئی سال قائم رہی۔ آخر کچھ اصحاب کو اس کا احساس ہوا۔ اور انھوں نے ۲۶ر مارچ ۱۹۵۳ء کو انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) کی شاخ جے پور میں قائم کرکے زبان وادب کی خدمت کا تہیہ کیا۔ اس کے صدر خان بہادر الطاف احمد صاحب خیری منتخب ہوئے۔ اور سکریٹری راقم الحروف۔

اس انجمن نے اگرچہ ضرورتاً بمواقع یوم آزادی دو مشاعرے بھی کیئے مگر اس کا اصل مقصد تعمیری وبنیادی خدمات کرنا ہے۔ مشاعروں کو بھی یہ مُفید ضرور مانتی ہے مگر مفید تر کاموں کو مقدم سمجھتی ہے۔ چنانچہ اس نے شہر جے پور میں کئی شبینہ اسکول بھی جاری کئے۔ جن میں اُردو۔ ہندی اور دیگر مروّجہ مضامین کی تعلیم کا مُفت انتظام کیا۔ اور ایک روزانہ اخبار "نئی روشنی" کا اجرا بھی یکم جنوری ۱۹۵۵ء سے کیا ہے۔

تذکرہ ہذا کا تذکرہ تذکرۂ ہذا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کی ترتیب کی ابتدا ۵ر اپریل ۱۹۵۰ء سے ہوئی۔ بعض صاحبان نے اس کو فعلِ عبث سے تعبیر کیا۔ بعض نے بے وقت کی راگنی بتایا۔ بعض نے شغل بے شغلی کا طعن کیا۔

کسی نے تھینک لیس (Thankless) کہا۔ البتہ بہت سے احباب نے اس کو قدر کی نظر سے بھی دیکھا اور حوصلہ افزائی کی۔ داد سے دل بڑھایا۔ اور ہر امکانی امداد کا وعدہ کیا۔ بعض نے اپنے حالات اور کلام عطا فرمانے میں خاطر خواہ تعاون فرمایا۔ کئی صاحبان نے اس کی طباعت میں مدد کرنے کا بھی اقرار کیا۔ میں اُن سب صاحبان کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں بالخصوص مولانا منظور احمد کوثرؔ کے حافظے سے مجھے بہت فائدہ پہنچا اور اسی طرح منشی چند بہاری لال صبا کی معلومات اور اُن کے کتب خانہ سے میں نے سب سے زیادہ نفع حاصل کیا۔

ترتیب تذکرۂ ہذا میں دشواریاں | تاریخ آغاز سے آج تک بعض ناقابلِ بیان دشواریوں سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ بالخصوص جھوٹے وعدوں اور مغالطہ آمیز واقعات نے زیادہ پریشان کیا۔ بہت سے اصحاب نے اپنے بزرگوں کے حالات وکلام دینے کے وعدے کئے اور اُن کی علمیت وادبی سرگرمیوں کے بے سروپا افسانے بھی سُنائے۔ علمی و ادبی سرمایہ محفوظ ہونے کا بھی یقین دلایا۔ مگر اپنے در پر بار بار حاضری لینے کے باوجود وعدہ شرمندۂ ایفا نہ ہوا اور ثابت یہ ہوا کہ یہ سب کچھ اک دلفریب خواب سے زیادہ نہ تھا۔ بعض حضرات نے اپنے بزرگوں کے حال ظاہر کرنا استخواں فروشی کا مرادف جانا۔ بہت سے ایسے صاحبان بھی ملے جن کو خود ہی کوئی حال معلوم نہ تھا۔ ایسے بھی صاحبان سے واسطہ پڑا کہ جن میں سے کئی نے ازراہِ انکسار اور دو چار صاحبان نے بربنائے نخوت اپنے حالات تک نہ دئے۔ مجبور مجھ سے جس قدر بن پڑا اور جہاں تک ہو سکا حالات بھی فراہم کئے اور کلام بھی بہم پہنچایا۔

اعتراف و معذرت | اس کوشش و دیدہ ریزی کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ بہت سے شعرا کے مُفید حالات اور عمدہ اشعار میں فراہم نہ کر سکا ہوں گا۔

اور ایسے بھی سخن گو ہوں گے جن تک میری نظر نہ پہنچی ہو۔ ممکن ہے تنقید میں بھی مجھ سے غلطی ہوئی ہو اور کہیں تسامح بھی واقع ہو گیا ہو۔ لہٰذا ناظرینِ تذکرہ اگر میری فرو گزاشتوں سے مجھے مطلع فرمائیں گے تو شکر گزار ہوں گا۔

جے پور کے علمی و ادبی اخبار و رسائل | جے پور سے پہلا ہفت روزہ اخبار ۱۸۶۹ء میں "نیرِ راجستھان" نکلا جس کی ادارت حکیم سلیم خاں خستہ کے ذمّہ تھی۔ اب اس کے پرچے نایاب ہیں۔

اغلباً ۱۸۸۷ء میں ماہنامہ "البیان" میرے والد مرحوم کی ادارت میں جاری ہوا۔ اور تقریباً ایک ڈیڑھ سال تک جاری رہا۔ اس کے پرچوں کا دستیاب ہونا بھی اب ناممکن ہے۔

۱۸۹۲ء یا اس سے کچھ پہلے یا پیچھے ایک رسالہ "تفریحِ احباب" نامی بزمِ احباب کی جانب سے جاری ہوا۔ یہ چھپتا نہ تھا بلکہ کئی نقلیں اسکے مضامین کی کرلی جاتی تھیں۔ جو بزمِ احباب کے ممبروں کے پاس تقسیم کردی جاتی تھیں اس کا حلقۂ اشاعت بہت تنگ اور صرف اسکے ممبروں اور چند دیگر اصحاب تک محدود تھا۔

اغلباً ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں ایک رسالہ "المعلومات" مولوی ولایت احمد مترجم "قدیم ہندوستان کی تہذیب" کی ادارت میں جاری ہوا۔ یہ ہر ماہ پابندیِ وقت کے ساتھ شائع ہوتا تھا۔ اور اہلِ علم کو اس سے کافی دلچسپی تھی۔ تقریباً تین چار سال یہ چلتا رہا۔ اس کے متفرق پرچے کہیں کہیں نظر پڑ جاتے ہیں۔

ماہنامہ "قوم" ۱۹۰۱ء میں جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی اساس الدین احمد تسنیم تھے۔ یہ ۱۹۱۹ء تک چلتا رہا اگرچہ درمیان میں کئی بار بند ہوا اور پھر جاری کیا گیا۔ مضامین معیاری ہوتے تھے اور اشاعت بھی خاصی تھی۔ تاہم اتنی نہ تھی کہ اپنا کفیل خود ہو سکے۔ اس کے دو مکمل سیٹ میرے پاس محفوظ تھے ایک کو

میرے ایک عزیز نے ضائع کیا۔ اور دوسرا ایک کرم فرما برائے مطالعہ لے گئے اور ضائع کردیا۔

ماہنامہ "الکمال" اس کا پہلا نمبر جون سنہ ۱۹۰۶ء میں نکلا۔ حکیم سید واحد علیخاں مسیح اور منشی عبدالحمید اخگر اس کے ایڈیٹر تھے۔ اغلباً تین سے زیادہ نمبر اسکے نہ نکلے تھے کہ بند ہوگیا۔

ماہنامہ "جوہر سخن" یکم جنوری سنہ ۱۹۱۴ء سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی سید نظیر حسن سخا تھے۔ یہ رسالہ بزم ادب کا پرچہ تھا۔ مگر سال بھر سے پہلے ہی بند ہوگیا۔

ماہنامہ "شادماں" شاید سنہ ۱۹۲۵ء میں جاری ہوا۔ حکیم نورالحسین صدیقی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سنہ ۱۹۲۶ء یا سنہ ۱۹۲۷ء میں بند ہوگیا۔

اسلامی پنچایت۔ یا انجمن تعلیم المسلمین اور اس کا ماہنامہ روشنی

جے پور کی ادبی انجمنوں کے ذیل میں اس انجمن کا ذکر اوپر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مقصد اُن سے مختلف ہے۔ یہ خالص تعلیمی ادارہ ہے اور وہ بھی مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق۔ یہ انجمن اخیر فروری سنہ ۱۹۲۶ء میں "اسلامی پنچایت" کے نام سے قائم ہوئی۔ اور مسلمانوں میں تعلیم کی عام ترویج کا کام شروع کیا۔ اوّل ایک مکتب کھولا اور چٹکی چٹکی آٹا امداد کے لئے مسلمانوں کے گھروں سے جمع کرکے اس کا خرچہ نکالا۔ اس میں تعلیم کے لئے کسی فرقہ کے بچّوں کی ممانعت نہ تھی۔ مسلم و غیر مسلم سب تعلیم پاتے تھے۔ مکتب سے باقاعدہ لور اسکول ہوا۔ اور لور اسکول سے مڈل اسکول اور سنہ ۱۹۴۵ء میں ہائی اسکول ہوگیا۔ ۸ر مارچ سنہ ۱۹۴۵ء کو اس انجمن کا نام "انجمن تعلیم المسلمین" رکھا گیا۔ یہ تمام سعی و کوشش محض مولوی امیرالدین خاں شوخ کے دلی شوق کے باعث کامیاب ہوئی کہ اس وقت اس انجمن کے ماتحت ایک ہائی اسکول۔ ایک لور مڈل اسکول اور ایک گرلز لور اسکول

کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ اس کے موجودہ صدر :-

خان بہادر الطاف احمد صاحب خیری۔ راجستھان ایڈمنسٹریٹیو سروس (ریٹائرڈ) ہیں۔

اس انجمن کی جانب سے ایک ماہنامہ "روشنی" نامی یکم جنوری ۱۹۳۵ء کو جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی سعید حسین خاں بی۔ اے مولوی فاضل ہیڈ ماسٹر مُسلم مڈل اسکول تھے اور روح رواں مولوی امیر الدین خاں بؔ ۱۹۴۴ء تک اس نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

ایک ماہنامہ "اقبال" نامی۔ بدری نراین عرف بدر الدین گویل نے نکالا تھا۔ مگر اس کا صرف ایک ہی نمبر نکلا تھا کہ بند ہو گیا۔ ۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۶ء میں مولوی محمد طس شاہ ذہین نے ایک ماہنامہ "مشرق" بھی جاری کیا تھا۔ اس کے بھی چند ہی نمبر نکلے تھے کہ بند ہو گیا۔

جے پور کے مطبعے | ادبی سرگرمیوں کے لئے۔ مقامی طور پر مطبع کا ہونا بھی ضروری تر ہے۔ چنانچہ جے پور میں سب سے پہلے ۱۸۶۹ء میں "خاورِ راجستھان" نامی مطبع حکیم سلیم خاں خستہ نے جاری کیا۔ پھر اس کا نام سوسائٹی پریس ہو گیا۔ یہ ۱۲۹۴ھ تک جاری رہا۔ اس کے آخری منتظم مرزا محمد علی بیگ محوی تھے۔

یہ وہی محوی ہیں جن کے لئے غالب نے کہا ہے :-

"محوی نام امروے از خمخانۂ صہبائی نعرۂ مستانہ زد"

محوی مولانا امام بخش صہبائی کے شاگرد تھے۔ کسی مشاعرے میں مرزا غالب کی موجودگی میں غزل پڑھی مرزا کو کوئی شعر پسند آیا تو یہ ریمارک دیا۔

اس کے بعد ۱۳۰۵ھ میں منشی ہیرالال مونس نے ایک مطبع الموسوم بہ مطبع سراج الفیض (یہ تاریخی اور اصلی نام ہے) جاری کیا۔ جو ہیرالال پریس کے

۱۳۰۵ھ

نام سے مشہور ہوا۔ اور ۱۹۱۶ء کے بعد تک جاری رہا۔ اس نے بھی کافی ادبی خدمات انجام دیں۔

ایک مطبع "بال چندر پریس" کے نام سے کشن پول بازار میں جاری ہوا جس میں کچھ عرصے لیتھو کی چھپائی بھی ہوتی رہی۔ مگر اب فارسی رسم الخط کی طباعت کا انتظام نہ لیتھو میں ہے نہ ٹائپ میں۔

"جیل پریس" کے نام سے ایک چھاپے خانہ سنٹرل جیل جے پور میں جاری ہوا۔ شروع میں تو اس کے کاتب بہت ہی اچھے تھے۔ محمد شریف۔ اور پھر عبدالقادر۔ مگر بعد میں اس کی کتابت کا معیار گر گیا۔ اب یہ مطبع گورنمنٹ پریس کے نام سے جاری ہے۔

۱۳۳۲ھ ہجری میں مولوی اساس الدین احمد تسنیم نے اپنا پریس جاری کیا جس کا پورا تاریخی نام تو اصل میں "مطبع مولوی اساس الدین واقع شہر جے پور" تھا۔ مگر قوم پریس کے نام سے مشہور ہوا۔ اس لئے کہ ماہنامہ "قوم" (۱۳۳۴ھ) اسی میں چھپتا تھا۔ یہ پریس مولوی صاحب کی وفات (۲۹ محرم ۱۳۴۳ھ) تک جاری تھا۔ چونکہ مولوی صاحب کو ادب اور کار طباعت سے خاص شغف تھا اس لئے نامساعد حالات و نقصان کے باوجود دس سال تک برابر چلاتے رہے۔

اس کے بعد حکیم شمس الدین نے تجارتی اصول پر ایک چھاپے خانہ جاری کیا اس میں بھی چند علمی و ادبی کتابیں چھپیں۔

ایک پریس "بیگم پریس" کے نام سے بھی جاری ہوا مگر کوئی کام نہ کرسکا۔

ایک پریس "رحیمی پریس" کے نام سے منشی عبدالرحیم خوش نویس نے جاری کیا جو خود بھی کاتب تھے۔ مگر اچھی چھپائی نہ ہونے اور سرمایہ کی کمی کے باعث بہت جلد بند ہوگیا۔

ایک مطبع "مشرق پریس" کے نام سے محمد حنیف پریس مین نے جاری کیا۔ مگر اس کی نہ لکھائی چھپائی کا کوئی معیار تھا نہ صفائی و پابندیٔ وقت کا اس لئے ناکام ثابت ہو کر بند ہو گیا۔

۱۹۴۸ء میں بابو ٹیکم داس سندھی نے شیام لیتھو پریس جاری کیا ہے۔ اس میں صرف لیتھو کی چھپائی کا انتظام ہے۔ مگر کتابت و طباعت تسلی بخش نہیں ہوتی۔

اعتذارِ مؤلف | مجھے افسوس ہے کہ تمہید بہت طویل ہو گئی۔ مگر جے پور کے شعر و سخن کی تقریباً ستانوے سال کی یہ مختصر سی تاریخ ہے۔ اگرچہ صحیح معنے میں اس کو تاریخ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اُس کا ایک دُھندلا سا خاکہ ہے۔ ممکن ہے کہ میری کوتاہیِ نظر کے باعث اُس کے بعض روشن پہلو مجھے نظر نہ آئے ہوں۔ تاہم میں اپنی سعی و محنت ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اب ردو قبول ان کے ہاتھ ہے۔

شاید میرے بعض کرم فرما جو خوش قسمتی یا بدقسمتی سے اپنے کو شاعر سمجھے ہوئے ہیں اپنا حال اس میں نہ پاکر مجھے موردِ الزام قرار دیں میرا مشورہ اُن کی خدمت میں یہ ہے کہ وہ اپنے مخلص احباب سے اپنے کلام کا معیار معلوم کرنے کے بعد اپنی نسبت کوئی رائے قائم کریں۔

میں نے حتی الامکان حالات کے فراہم کرنے اور انتخابِ کلام میں صحت و محاسن کا خیال رکھا ہے۔ تنقید میں احتیاط برتی ہے اور اختصار سے کام لیا ہے۔ تنقیص سے اعراض کیا ہے۔ اور کسی شاعر کی کمزوریاں اُجاگر کرنے کے درپے نہیں ہوا۔

شکریۂ احباب | میں ان احباب کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اِس

تذکرہ کو ملاحظہ فرما کر۔ کتابتی غلطیوں کے دور کرنے میں میری مدد فرمائی اور حالات کی صحت میں بھی رہبری کی ۔

تمہید ختم کی جاتی ہے۔ اب ناظرین شعرا کے حالات و کلام ملاحظہ فرمائیں۔ آخر میں متوقع ہوں کہ :۔

چو من بخیر کنم یادِ رفتگاں، دارم
امید آنکہ مرا ہم بخیر یاد کنند
چو شادمی کنم ارواحِ دیگراں شاید
کساں رسند و مرا نیز روح شاد کنند

تسلیم منزل۔ جے پور
۶؍ جنوری ۱۹۵۵ء
۵ بجے شام

احترام الدین احمد شاغلؔ عثمانی

خدا جانے کہ کیسے کیسے میخوار اُٹھ گئے آکر
کہ ساقی انجمن کو دیکھتا ہے چشمِ عبرت سے
(مائل)

آباد | تخلص، محمد عبدالقادر نام، نارنول کے قریشیان میں سے تھے بتلاشِ معاش میں جے پور آئے اور فنِ کتابت سیکھ کر جیل پریس جے پور میں کاپی نویس ہو گئے۔ ملازمت ختم کر کے پنشن لی۔ حضرت ایمان جے پوری سے تلمذ تھا۔ شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ کہتے بہت تھے مگر معیاری شعر کم ہوتے تھے۔ دیوان مکمل تھا۔ مگر اب پتہ نہیں۔ فارسی کی معمولی استعداد تھی۔ خوش نویس اچھے تھے۔ ساٹھ یا باسٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ یہ شعر آپ کا ہے:۔

بٹھائیں کیوں نہ پہلو میں جگہ دیں کیوں نہ سینے میں
ہم اُن کے ناوکِ دل دوز کو بھی دل سمجھتے ہیں

آرزو | تخلص، نذیر محمد نام، اصل وطن قصبہ ہنڈون علاقہ ریاست جے پور تھا۔ مگر بچپن ہی میں جے پور آگئے تھے اور یہیں تعلیم حاصل کر کے "منشی عالم" کا

امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ سیّد خورشید علی مہرؔ وغیرہ اصحاب کی صحبت سے متاثّر ہو کر شعر کی طرف راغب ہوئے۔ حضرت تنویرؔ کی شاگردی قبول کی اور بہت ہی جلد اُستاد کی توجّہ سے اچھّا شعر کہنے لگے۔ چونکہ طبعاً نہایت متین و سکین۔ فرمانبردار اور ملنسار تھے اس لئے ہر صحبت میں قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ تحصیلِ علم کا شوق خداداد تھا ترنّم سے بہت اچھّا پڑھتے تھے اور خوب داد پاتے تھے۔

۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء کو جو آل انڈیا مشاعرہ جے پور میں ہوا اُس کا حاصل فانیؔ بدایونی نے آپ کے اس شعر کو قرار دیا تھا۔ جو اُن کی ذاتی رائے تھی۔

اے برق تو ابھی سے ہے کیوں اتنی بے قرار
بُنیادِ آشیاں تو ابھی ہے خیال میں

ایک بار جب حضرتِ تنویرؔ کے بعض شاگردوں نے اُن سے بغاوت کی تو اُس سازش میں آرزوؔ کو بھی شریک کرنا چاہا۔ مگر آرزوؔ نے اُن کی یہ آرزو پوری نہ کی اور جواب دیا کہ "گو اُستاد سے بغاوت شاعروں کی سُنّت ہے مگر میرے مذہب میں اُستاد کی فرمانبرداری فرضِ عین اور عینِ شرافت ہے۔" حقیقت یہ ہے کہ یہ جواب ادعائی شرفا کے لئے ایک تازیانۂ عبرت تھا۔ اس لئے کہ آرزوؔ کے خاندان سے جے پور کی علمی دُنیا خوب واقف ہے۔

کلام پر تبصرہ | آرزوؔ نے صرف غزلیں کہیں۔ جن میں جدید رنگ مطلق نہیں ہے۔ قدیم رنگ کے لحاظ سے روانی اور مضمون آفرینی کی کوشش شستہ زبان کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور برشق روبترقی رہی ہے۔

وفات | آرزوؔ نے اپنی عمر کی تیسری دہائی میں قدم رکھا ہی تھا کہ ۲۲ محرم ۱۳۵۷ھ کو عین عالمِ شباب میں داعیِ اجل کو لبّیک کہا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :-

چراغِ حُسن لے کر آئے ہیں وہ میری تربت پر
وہ مجکو اب بھی سوزِ عشق کے قابل سمجھتے ہیں

سمجھتے ہیں فنائے آرزو اہلِ ہوس جس کو
محبّت کی اُسے ہم اوّلیں منزل سمجھتے ہیں

نہ ہونا مطمئن اے رنگِ دُنیا دیکھنے والے
ابھی کچھ اور آگے بڑھ تماشا دیکھنے والے

آغا | تخلص۔ سید آغا حسن نام۔ اصل وطن قصبہ بہادر پور علاقہ ریاست الور تھا۔ اب ۱۹۰۵ء سے مستقل سکونت جے پور میں ہے۔ یہاں محکمہ خاص صیغہ ریونیو میں سررشتہ دار تھے۔ اور اب پنشن پا رہے ہیں مرنجان و مرنج طبیعت پائی ہے۔ ادبیات اور بالخصوص شعر و سخن سے خاص دلچسپی ہے۔ حضرت عزیز جے پوری سے تلمذ ہے۔ نعت۔ سلام اور مرثیے زیادہ کہتے ہیں۔ دیوان تقریباً مکمل ہے۔

کلام پر تبصرہ | روانی، پختگی اور مشاقی کلام سے ظاہر ہے۔ اور رنگ عقیدت غالب۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :-

رباعی

جب جاتا ہی بچپن تو شباب آتا ہے
بعد اُس کے ضعیفی کا خطاب آتا ہے

غفلت میں گنوا کے دن تاسف ہی عبث
کب نہر سے گزرا ہوا آب آتا ہے

شکست فاش دی باطل کو شہ نے محشر تک
اب اس سے بڑھ کے کوئی انقلاب کیا ہوگا

ملے ہوا جو نہ دم بھر تو دم ہوا ہو جائے
مری حیات سے بود احباب کیا ہوگا

شفیع شافعِ محشر ہیں اپنے جب آغا
کسے ہے فکر کہ روزِ حساب کیا ہوگا

آگاہ | تخلص۔ محمد رضا نام، احمد مرزا خاں عرف، سید امیر مرزا ابنِ نواب معظم الدولہ محمد علی خاں مرحوم کے فرزند تھے۔

ولادت اور خاندانی حالات | ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۳۹ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے جو آپ کا اصل وطن تھا۔ مروّجہ تعلیم بقدر ضرورت گھر ہی پر مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ آپ کے جدِ امجد نواب روشن الدولہ سید مظفر، محمد شاہ کے عہدِ حکومت میں بخشی گری کے عہدہ پر

ممتاز اور شاہی جاگیر دار تھے۔ چنانچہ دو موضع صدر پور اور رئیس پور ضلع میرٹھ میں زمانۂ غدر تک آپ کی دادی صاحبہ کی جاگیر میں تھے۔ جن کی سات ہزار روپیہ سالانہ آمدنی تھی، قلعہ معلی کی فضا اور ہم عمر شعرا کی صحبت نے شعر و سخن کی طرف راغب کیا تو مرزا غالب سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا مشقِ سخن کرتے تین چار برس ہی گزرے تھے کہ سنہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ غدر بپا ہو گیا۔ جان بچا کر وطن سے نکلے اور راستے کی سخت تکالیف و مصائب برداشت کر کے جے پور پہنچکر مقیم ہوئے۔ غدر سے پہلے شاہزادہ خضر سلطان ابن شاہ ظفر کے مصاحب ہو گئے تھے، مہاراجہ سوائی رام سنگھ والی جے پور نے ازراہِ شرفا نوازی آپ کا روزینہ مقرر کر دیا۔ اور کچھ عرصہ بعد جب امن و امان قائم ہو گیا تو آپ کو تھانہ دار (سب انسپکٹر پولس) بھی بنا دیا۔ مگر یہ سلسلۂ ملازمت چند ہی سال قائم رہا۔ ذریعۂ معاش روزینہ تھا یا ستطیع تلامذہ مثل راوت آنند سنگھ قمرؔ جاگیر دار ٹھکانہ مہار و راجہ جی نرور وغیرہ کے نذرانے وغیرہ۔ حضرات انورؔ و ظہیرؔ دہلوی سے قریبی رشتہ داری تھی۔

وفات ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد تمام عمر نہایت وضعداری اور قناعت و استغنا کی حالت میں گزاری۔ اغلباً مئی سنہ ۱۹۱۷ء میں اٹھتر سال کی عمر میں جے پور میں انتقال کیا۔

تصانیف آپ نے اپنی ادبی یادگار ایک ضخیم دیوان چھوڑا تھا۔ جس کا چھپنا تو ضرور دشوار تھا مگر افسوس کہ آپ کے ورثا اُس کو محفوظ بھی نہ رکھ سکے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے بعض شاگردوں نے اُس کے حصّے بخرے کر لئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اب بجز اُس کلام کے جو مختلف رسالوں میں چھپ گیا ہے باقی ناپید ہے۔

معاصرین آپ انورؔ۔ ظہیرؔ خستہؔ۔ راقمؔ۔ رونقؔ اور تسلیمؔ نارنولی کے بھی ہمعصر ہیں اور سائلؔ و اعجازؔ و رضیؔ و مبینؔ وغیرہم کے بھی۔

تلامذہ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ کیونکہ آپ کے حلقۂ شاگردی میں

جے پور کے کثیر شعرا ملتے ہیں جن میں سے خاص خاص یہ ہیں :۔
منشی عبد الحمید اخگر۔ زین العابدین خاں عابد۔ منشی فدا حسین فدا۔ راوت آنند سنگھ قمر۔ حافظ محمد یوسف علی خاں عزیز۔ منشی منصور علی خاں بسمل منشی مانگی لال تجلی۔ سید عابد علی ہلال۔ منشی عبد الرحمٰن کوکب۔

کلام پر تبصرہ | فارسی ترکیبیں کم استعمال کرتے ہیں۔ زبان کی صفائی۔ صحتِ الفاظ و محاورہ۔ چُست بندش اور روانی و تاثیر کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ نشستِ الفاظ کا خاص ملکہ ہے۔ بڑھاپے میں جوانی کی اُمنگیں کلام میں ملتی ہیں اور اُستادانہ روش اور بلند پردازی بھی پورے طور پر نمایاں ہے۔ نغز گفتاری بھی پائی جاتی ہے اور مضمون آفرینی بھی۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :۔

عجب انداز کا وقتِ تپیدن رقصِ بسمل تھا
کہ بسمل کی طرح بیتاب خود مقتل میں قاتل تھا

دوئی جب دل سے نکلی کہہ اُٹھا مجنوں انا لیلیٰ
یہی کمبخت پردہ تھی نہ پردہ تھا نہ محمل تھا

عجب انداز سے قاتل نے کی آرائشِ محفل
کہ ارماں کی طرح لپٹا ہوا بسمل سے بسمل تھا

ہزار بار زمانہ کو انقلاب ہوا
تری مثال نہ تیرا کوئی جواب ہوا

غضب ہے پردہ نشینوں کی پردہ داری بھی
اِدھر نگاہ ملی اور اُدھر حجاب ہوا

گھر غیر کا ہو راہ میں یہ بھی مری قسمت
لایا تو اُسے جذبہ محبت کا یہیں تھا

ابر آئے تو اے بادہ کشو کس کی ہے توبہ
توڑ دو اُسے قفلِ درِ میخانہ سمجھ کر

جلوہ ہر جائی جب اُس کا ہو دوئی پھر کیسی
کھینچ دو ایک جگہ دیر و حرم کی تصویر

کاٹیں گے کس اُمید پہ فرقت کا ہم پہاڑ
شیریں نے جب کئے نہ کبھی کوہکن کے بھول

الفت عجیب شے ہے کہ جب کیجئے خیال
آئے نظر ہیں خار بھی اپنے وطن کے پھول

خوگرِ جور ہیں اتنے کہ دمِ مشقِ جفا
جو نہ سوجھے اُسے ہم اور سُجھا دیتے ہیں

شکر ہو کس سے ادا قاتل کی تیغ تیز کا — موت کی دشواریاں دم بھر میں آساں ہو گئیں

غیر تو انجمنِ ناز سے ٹلتا ہی نہیں — یہ بھی کیا دم ہے ہمارا کہ نکلتا ہی نہیں

تم ہمیں دل سے بھلا دو لاکھ بار — ہم نہ بھولیں گے تمہاری یاد کو

اب کہاں آگاہ غالب سا شفیق — روئیے دل کھول کر اُستاد کو

قہر میں لُطف کے آثار! خدا خیر کرے — مہرباں وصل میں ہے یار خدا خیر کرے

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو چکے — تم ہمارے ہم تمہارے ہو چکے

غیر سے آنکھ نہ ملتی تو اثر بھی ہوتا — اب تمہاری نگہِ ناز میں رکھا کیا ہے

ہر وقت تیری یاد فراموش کار ہے — آنکھوں میں تو ہے اور ترا انتظار ہے

شاخِ بُریدۂ چمنِ روزگار ہوں — خوفِ خزاں مجھے نہ اُمید بہار ہے

رنجش میں بھی یہ لطف نہاں ہے کہ پیشِ غیر — میری طرف نگاہ ہے اور بار بار ہے

کُھلیں راز کیونکر مرے رازداں کے — خموشی مزے لے رہی ہے زباں کے

بگولے ہیں پیچھے کہاں کارواں کے — مگر ہوش اُڑے ہیں کسی ناتواں کے

ہلا کیا ہے زندانِ ہستی عدم سے — کہ واں چھوٹتے ہیں گرفتاریاں کے

وہ آگاہ جو کل بڑے پارسا تھے — قدم آج لیتے ہیں پیرِ مُغاں کے

اثر

تخلص، احمد دین نام، وطن و مولد جے پور۔ حافظ قمر صاحب سے تلمذ، والد کا نام رحمت بخش۔ اثر حافظِ قرآن ہیں۔ انٹر اور ادیب ماہر پاس کیا ہے۔ عثمانیہ مڈل اسکول جے پور میں اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اردو کنونیشن جے پور منعقدہ مارچ ۱۹۵۶ء کے آل انڈیا مشاعرے میں میڈل بھی حاصل کیا ہے۔ ابھی مشق کا آغاز ہے۔ آثار اچھے ہیں۔

نمونہ کلام یہ ہے:۔

دُور رہتے ہیں تو رہتے ہیں تصور سے بھی دور — پاس رہتے ہیں تو رہتے ہیں رگِ جاں ہو کر

دل ہے تو یہ لازم ہے کہ ہو داغ بھی اُس میں　　بے داغ زمانے میں کوئی دل نہیں ہوتا
سوزِ فراق، دردِ جگر، شدّتِ الم　　کیا کیا بلا ہے ہم کو تمنائے یار میں

اثر تخلص۔ امین الدین حسین نام، والد بزرگوار کا نام قاضی حکیم نسیم الدین حسین مست نسباً شیخ عثمانی۔

ولادت اور تعلیم آپ کا وطنِ آبائی نارنول تھا۔ ۱۳۱۹ھ میں آپ بمقام حیدر آباد (دکن) پیدا ہوئے۔ ابھی سنِ شعور کو نہ پہنچے تھے کہ سایۂ پدری اُٹھ گیا اور آپ کے چچا قاضی حکیم سمیع الدین آپ کو جے پور لے آئے۔ آپ کے پردادا قاضی حکیم صدر الدین کو "خاں" کا خطاب بھی فنِ طب میں کمال کے باعث دربارِ شاہی سے عطا ہوا تھا۔ اثرؔ نے ابتدائی تعلیم جے پور میں پائی۔ مولانا تسنیم کے پریس کے منیجر بھی ہوگئے تھے۔ اسی زمانہ میں شعر گوئی کا شوق ہوا تو اوّل ثمرؔ تخلص کیا۔ غالباً یہ بے ثمر ثابت ہوا اس لئے اثرؔ کر لیا۔ سلسلۂ تعلیم عرصہ تک جاری رہا۔ مگر کامیابی صرف "ادیب" ہی میں حاصل کر سکے۔ اوّل محکمہ خاص ریاست جے پور میں دفتری کے عہدہ پر ملازم ہوئے پھر ترقی کر کے اہلکار ہوگئے اور آج کل سنٹرل ریکارڈ آفس جے پور میں کلرک ہیں۔

شاعری اور تلمذ ابتداءً مولانا کوثرؔ سے اصلاح لینی شروع کی اور اُنھوں نے اپنے رنگ میں رنگنا شروع کیا۔ چنانچہ مولانا کی اصلاح کردہ ایک غزل کا شعر ہے۔

رہوں تو کاہشِ رشکِ عدو رہنے نہیں دیتی　　اُٹھوں تو خاکِ کوئے یار دامنگیر ہوتی ہے

اس کلام میں بڑی تاثیر تھی۔ مگر نہ معلوم کیوں آپ نے چند ہی غزلیں دکھا کر قاضی تنویرؔ سے رجوع کیا اور اصلاح لیتے رہے۔ اُس کلام میں ایک خاص سادگی روانی اور گھلاوٹ پائی جاتی ہے۔ مگر یہ رنگ بھی آپ کو نا پسند رہا اور حافظ محمد یوسف علی خاں عزیزؔ کے شاگرد ہوگئے جو خود ابتداءً قاضی صاحب کے شاگرد تھے۔ اب تک آپ انھیں کے تلامذہ میں ہیں۔

کلام پر تبصرہ | مشاقی اور کاوش کا اثر کلام پر غالب ہے۔ پہلا کلام پُر تاثیر ہے اور پچھلا پُر شکوہ جس میں رنگ جدید کی بھی کچھ جھلک پائی جاتی ہے :-

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :-

نعت

جبریل کھٹکھٹاتے ہیں دروازہ دیکھنا　　آداب بارگاہ نے انساں بنا دیا
مسیحا جس کو سودا ہو خمِ زلفِ پیمبر کا　　اُسے تو ہی بتا زنجیر پہناتے ہیں دیوانے

غزل

کہے گا اُن سے کچھ مجبورِ اُلفت　　اثرؔ تم بھی ذرا تائید کرنا
دستِ طلب بڑھائے ہوئے میں جدھر گیا　　کچھ کہہ کے سامنے سے زمانہ گذر گیا
مُسکرانا وہ کیا کبھی اے دوست　　جس کو پاسِ نزاکتِ غم تھا
حسرتِ ناکام بس اے حسرتِ ناکام بس　　ہو چکا ہونا تھا جو کچھ عشق کا انجام بس

وہ مست فضائیں کیا کہنا وہ ان کی جوانی کیا کہنا
وہ گیت رسیلے تاروں کے وہ رات سہانی کیا کہنا
میں اک تبسّم وہ چاہتا ہوں اثرؔ میں طالب ہوں اُس نظر کا
غلط جو لطفِ شباب کر دے غلط جو کیفِ شباب کر دے

پوچھئے مجھ سے محبّت کا نہ انجام ابھی　　آندھیوں میں ہے چراغِ دلِ ناکام ابھی

اثرؔ جاتا ہے اُس کی جلوہ گاہِ ناز میں لیکن
نشاں ملتا نہیں ہے اور دن ڈھلتا ہی جاتا ہے

اثر تخلص، ذاکر حسین نام نسباً سیّد نقوی، سید شاکر حسین مرحوم مصنف محیط التواریخ[۵۱] کے فرزند اکبر تھے۔ اصل وطن قصبہ امروہہ (یو۔پی) تھا۔

ولادت اور دیگر حالات آپ اغلباً ۱۸۸۵ء میں جے پور میں پیدا ہوئے، اور اپنے والد بزرگوار سے اردو فارسی کی تعلیم پائی۔ پھر سرکاری اسکول میں میٹرک تک

---

[۵۱] محیط التواریخ تاریخی نام ہے۔ اور یہ آغاز تصنیف کا سنہ ہے۔ سید صاحب نے آفرینش عالم سے اس تاریخ کا آغاز کیا اور اغلباً ۱۳۱۵ھ ۱۹۴۰ء تک کے حالات عالم نہایت شرح و بسط کے ساتھ معیار درایت و صداقت پر کس کر نہایت ذمہ داری اور تحقیق کے ساتھ درج کئے ہیں۔ اس کی متعدد ضخیم جلدیں ہیں۔ اور ہر جلد کے کئی کئی حصّے ہیں۔ مثلاً واقعات کربلا کے متعلق ایک جلد کے دو حصّے ہیں۔ پہلا حصّہ "مجاہد اعظم" کے نام سے چھپ چکا ہے جس کے ۵۱۲ صفحات ہیں۔ اور اسی قدر ضخیم دوسرا حصّہ ہے۔ فاضل مصنف نے جہاں بھی جس واقعہ پر تنقید کی ہے وہ بالکل بے لاگ اور مذہبی اثرات سے بالاتر ہو کر کی ہے۔

مصنف کی پختہ خیالی اور مورخانہ ذمہ داری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کے راوی قاضی سید امداد علی بی۔ ایس۔ سی سابق سکریٹری گورنمنٹ بھوپال ہیں۔ یہ کہ سید صاحب اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں نواب صاحب بھوپال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے نام معنون کرنے اور طبع کرا دینے کی استدعا کی۔ یہ کم و بیش ایک لاکھ روپیہ کا صرفہ تھا۔ نواب صاحب کے حکم سے ایک کمیٹی نے اس تاریخ کو جانچ کر پسند کیا۔ البتہ جو حالات ریاست کے خلاف تاریخی روشنی میں درج کئے تھے اور وہ ریاست پر ایک داغ تھا، اُن کو بدل دینے یا حذف کرنے کی رائے دی۔ منجانب حکمرانِ ریاست یقین دلایا گیا کہ اس تکمیل پر طباعت کا تمام صرفہ ریاست سے دیا جائے گا۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ بات کوئی سچا مورخ گوارا نہیں کر سکتا۔ اور ناکام لوٹ آئے ۱۲

انگریزی بھی پڑھی۔ نیز طبیہ کالج جے پور میں تعلیم حاصل کر کے عمدۃ الحکما کا ڈپلومہ بھی حاصل کیا۔ مگر نہ مطب کیا نہ طب کو ذریعہ معاش بنایا۔ کونسل آف اسٹیٹ جے پور میں سینئر کلرک کے عہدہ پر تمام عمر ملازم رہے اور یہیں اغلباً ۱۹۳۷ء میں انتقال کیا۔

شاعری اور تلمذ آپ نے ۱۹۱۹ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ اول حضرت قتیلؔ پہر سری سے اصلاح لی اور اُن کے انتقال کے بعد ۱۹۲۱ء میں مولانا اطہرؔ کے شاگرد ہوئے۔ ۱۹۳۴ء تک اُستاد شاگرد میں نہایت اچھے تعلقات رہے مگر کسی بات پر اسی سنہ میں ناچاقی ہو کر مخالفت ہو گئی اور آپ نے اپنی اُستادی کا علم بغاوت بلند کر دیا حتےٰ کہ کئی شاگرد بھی کر لئے۔ حسنِ اتفاق سے اُنھیں دنوں میں آپ کا دیوان چوری چلا گیا تو یہ رباعی کہی :-

لو قیدِ تلمذ سے ہم آزاد ہوئے
کہلاتے تھے شاگرد اب استاد ہوئے
منت کشِ اصلاح رہا تھا جو کلام
کھویا گیا اچھا ہوا ہم شاد ہوئے

اس کے بعد بھی بہت کچھ کہا تھا مگر اب وہ بھی نہیں ملتا۔ میں اس سلسلہ میں آپ کے صاحبزادوں سے پاکستان میں ملا اور چاہا کہ آپ کا کچھ کلام مل جائے مگر کامیابی نہ ہوئی اس لئے جو کچھ دستیاب ہو سکا اُسی سے انتخاب کر کے درج کرتا ہوں۔

کلام پر تبصرہ آپ کے کلام میں دو متضاد چیزیں ملتی ہیں۔ شوخی اور سنجیدگی بگردانی و شیرینی میں کہیں کمی نہیں ہوتی۔ مضمون آفرینی کی بھی کوشش کرتے ہیں اور بلند پردازی کی بھی۔ اشعارِ ذیل ملاحظہ ہوں۔

جفائے یار کا شکوہ نہ آئے اے اثرؔ لب پر
ہم اس کو بھی خلاف وضعِ اہلِ دل سمجھتے ہیں

میرے نالوں سے تیری ٹھوکر سے
حشر اُٹھیں گے دو برابر سے

دل لگی دل لگی میں وحشت نے
فارغ البال کر دیا گھر سے

سلسلہ جا ملا محبت میں شامِ فرقت کا صبحِ محشر سے
ہے جنوں بھی عجب سبق آموز کام لیتا ہے پاؤں کا سر سے
کیسی مانوس ہو گئی شبِ غم نہیں جاتی کہیں مرے گھر سے
جان دینا تو غمِ عشق میں کچھ دور نہیں تنگِ ہمت ہو مجھے اس لئے منظور نہیں
آپ رسوائے زمانہ ہوں یہ منظور نہیں ورنہ ہیں ضبطِ فغاں کے لئے مجبور نہیں
دل جگر دونوں ہی نکلے کام کے درد اُٹھتا ہے انھیں کو تھام کے
شکوہ بیداد پر ہنس کر کہا اور ہوتے ہیں حسیں کس کام کے

اثر تخلص۔ محمد علی خاں نام۔ سکونت قدیم جے پور تھی۔ اور یہیں ایم۔ اے پاس کیا۔ شعر و سخن سے خاص دلچسپی ہے۔ جب تک جے پور رہے اکثر مشاعرے کرتے رہے۔ اور سرگرم ادبی کارکن تھے۔ تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ اور ناظم آباد (کراچی) میں مستقلاً آباد ہیں۔ ہنوز کوئی خاص رنگِ کلام قائم نہیں ہوا ہے۔ یہ اشعار آپ کے ہیں:-

نہ ساقی ہو نہ مینا ہو نہ ساغر ہو جہاں میں ہوں ٭ مگر آنکھوں میں اک پُر کیف منظر ہو جہاں میں ہوں
کچھ ایسا حشر برپا ہے کہ دُنیا چونک اُٹھی ہے ٭ مگر سویا ہوا اب تک سخنور ہو جہاں میں ہوں

احسان تخلص، محمد احسان علی خاں نام۔ اور "میاں" عرف عام۔ حاجی محمد علی خاں کے فرزند ہیں اور فصیح الملک حضرت داغ کے نواسے ہوتے ہیں۔

ولادت اور خاندانی حالات آپ کے جد امجد محمد عمر خاں رام پور سے جے پور آئے اور ۵ مئی ۱۸۶۳ء کو روزینہ دار ریاست مقرر ہوئے۔ جو ایک اعزازی صیغہ بلا شرطِ خدمت تھا۔ اور روزانہ کی رقم کے حساب سے روزینہ دار کو ملا کرتی تھی جس کے کچھ نمونے ابھی باقی ہیں۔ آپ کے والد ماجد رام پور میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی۔ جب آپ کے جد امجد کا انتقال ہوا تو جے پور آئے اور اسی سلسلۂ بدری

واستحقاق کی بناپر ۱۲ر جون ۱۸۶۹ء کو ۷۵ روپے ماہوار کے روزینہ دار مقرر ہوگئے۔ ۲۲ر مئی ۱۸۷۰ء کو قانون ساز کمیٹی ریاست جے پور کے سررشتہ دار ہوئے اور اپنی خداداد قابلیت و ذہانت اور حسن کارگزاری کی بنا پر ۶ر جولائی ۱۸۹۲ء کو بمشاہرہ ۷۵ روپے ماہوار محکمۂ محتشمہ عالیہ کونسل ریاست جے پور، صیغہ مال کے ممبر یعنی وزیر مالیات مقرر ہوئے۔ آپ نے اپنے اور اپنے خاندان کے حالات میں ایک کتاب الموسوم بہ "مظہر الاقبال" ۱۳۱۰ھ بھی تصنیف کی ہے جو طبع ہوگئی ہے۔

احسان ۱۱ر محرم ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۰ر اکتوبر ۱۸۸۶ء کو بروز پنجشنبہ جے پور میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی۔

ملازمت اور اخلاق و عادات | آپ کا سلسلۂ ملازمت نائب ناظم سے شروع ہوا اور نائب فوجدار (اسسٹنٹ سٹی مجسٹریٹ) کے عہدے سے آپ نے پنشن لی۔ آپ با اخلاق، احباب نواز، ملنسار اور حد اعتدال تک خوددار و وضعدار ہیں۔ جوانی میں کرکٹ کے بہترین کھلاڑی شمار ہوتے تھے۔ اسی لئے عرصے تک "جے پور کرکیٹ کلب" کے کیپٹن رہے۔ شہ زوری و شہسواری سے بھی خاص دلچسپی تھی اور موسیقی و شعر و سخن سے بھی۔ بقول آپ کے شعر و سخن کا چسکا حضرت داغ نے لگایا۔ اور جو کچھ پایا اُنھیں کے فیض سے پایا۔ گویا آپ حضرت داغ کے تلمذ کا شرف رکھتے ہیں۔ مشاعروں میں پہلے مشاغلِ ملازمت کے باعث بہت کم شریک ہوتے تھے اور اب بوجہ ضعیفی معذور ہیں۔ آپ کی متعدد غزلیں فن کار موسیقی نوازوں کے کمال کو چمکا دیتی ہیں۔ غزلیات ہی آپ نے زیادہ کہی ہیں جو ایک بیاض میں جمع ہیں۔ ضرورتاً دو چار قصیدے اور ٹھمریاں بھی لکھی ہیں۔

کلام پر تبصرہ | زبان شستہ اور انداز بیان صاف ہوتا ہے۔ اور نشست الفاظ مضبوط۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:-

یادِ رُخ و گیسو ہیں جو سودا ہوا سر کو
والفجر پڑھی رات کو واللیل سحر کو

مندر کو کلیسا کو حرم کو ترے گھر کو
چوراہے میں ششدر ہوں کہ اب جاؤں کدھر کو

کیا واعظو رندوں کو نہیں ملنے کی جنّت
نا اہل بھی تو پاتے ہیں میراث پدر کو

بلا سے خون پانی ایک ہو جائے مگر قاتل
مری آنکھوں سے آنسو تری آنکھوں سے لہو برسے

حسینوں میں ہوئی یہ آبروئے آئینۂ دل کی
وہ بولا ہم بھی دیکھیں گے وہ بولا ہم بھی دیکھیں گے

احمر

آپ نے اپنا حال حسب ذیل عنایت کیا ہے :-

"نام رشید احمد۔ والد کا نام شیخ رحمت اللہ۔ تخلص احمرؔ (جب مجھے جب بھی لکھئے، احمر جے پوری لکھئے۔ عزیزی کبھی نہ لکھئے)۔ ۲۵ر دسمبر ۱۹۱۰ء کو جے پور میں پیدا ہوا۔ یہیں پرورش پائی اور یہیں تعلیم حاصل کی۔ جوان ہو کر پی۔ ڈبلو۔ ڈی جے پور میں ملازمت کی۔ ۱۹۳۵ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ ابتدائی زمانے میں حافظ یوسف صاحب عزیزؔ کو کچھ غزلیں دکھائیں۔ شعور آنے پر حضرت عاصمؔ جے پوری کی شاعرانہ و عالمانہ صلاحیتوں سے استفادہ کرتا رہا۔ اور آجکل اُن کے پاکستان چلے جانے کے بعد حضرت میکشؔ اکبر آبادی کی ناقدانہ اور فاضلانہ مشورت سے اکتساب فیض کرتا ہوں۔

میرا رجحان طبع غزلوں کی بجائے نظموں کی طرف زیادہ ہے۔ خاص طور پر آج کل یعنی ۱۹۵۳ء سے نظمیں ہی زیادہ کہتا ہوں۔ جشن آوارہ۔ فاتحان ایورسٹ اُن سے ملئے۔ خوابِ احساس۔ غریب کی عید۔ جشن آزادی۔ ٹیکس۔ اور دوسری کئی نظمیں عوام میں کافی مقبول ہیں۔ غزلوں کے کچھ اشعار بطور نمونہ ارسال خدمت ہیں۔"

کلام پر تبصرہ آپ کے کلام میں زور۔ بلند پروازی، اور شوکتِ الفاظ پائی جاتی ہے غزل سے زیادہ نظم کامیاب ہوتی ہے۔

تاروں کی طرح ڈوب رہا ہے دلِ حزیں
اب ختم ہو رہی ہے شبِ انتظار کیا

کردئے دُور حجاباتِ دو عالم اُس نے پھر بھی کمبخت نگاہوں کی گدائی نہ گئی

ابھی شورِ دیر و حرم میں ہے۔ ابھی نالہ کش ہے جہانِ غم
ابھی حسنِ زیرِ نقاب کو کسی دیدہ ور کی تلاش ہے

اک نظر لے جا رہی ہے سمت گمراہی مجھے رہنما ہے ہر قدم پر اک نظر میرے لئے

حسن مصروفِ خود نمائی ہے آئینہ میں بہار آئی ہے

آج کچھ افسردگی سی حُسن کی محفل میں ہے عشق شاید امتحاں کی آخری منزل میں ہے

اختر تخلص۔ محمد اختر یار بیگ نام، نسباً مغل۔ اور اصل وطن فرید آباد۔ چونکہ مرزا اسد یار بیگ دیوان چھتیس[۳۶] کارخانہ ریاست جے پور کے قریبی عزیز تھے اسی تعلق سے یہاں آئے اور اُنہیں کی حویلی واقع محلہ پیپلی کا ٹھیان میں تمام عمر رہے۔ مختلف محکمات میں ملازمت بھی کی اور یہیں انتقال ہوا۔

وضع وقطع اور اخلاق و احباب دلی کی وضع قدیم کا نمونہ تھے۔ تمام عمر چوگوشیہ ٹوپی نیچے دامن کی اچکن۔ تنگ موری کا پاجامہ اور سلیم شاہی جوتہ استعمال کیا۔

طبیعت میں بے حد انکسار و تواضع اور قدیم رکھ رکھاؤ کی پابندی تھی۔ جن صاحبان سے تعلقات ہوگئے اُن کو آخر دم تک نباہا۔ مولانا کوثر، منشی سرفراز الدین سررشتہ دار میونسپلٹی جے پور اور سید سخاوت حسین سپرنٹنڈنٹ گراس فارم جے پور سے گہرا دوستانہ تھا۔ کاکوری ہاؤس کی نشست مرتے دم تک نہ چھوڑی۔ خاموش طبع، کم آمیز اور مرنجان و مرنج انسان تھے۔ استعداد علمی اچھی خاصی تھی۔

شاعری یہ تو تحقیق نہ ہوسکا کہ شعر و سخن کا چسکا کب سے اور کس طرح لگا۔ مگر یہ تحقیق ہے کہ مرزا مائل کے چہیتے شاگردوں میں تھے۔ جب تک مرزا صاحب زندہ رہے اور آپ مشاعرے میں گئے تو ہمیشہ انھیں کے ساتھ گئے۔ اور اُن کے

بعد کچھ دنوں دیگر احباب کے اصرار پر شریک ہوتے رہے۔ مگر جب بزم مشاعرہ میں دھڑابندی نے زور پکڑا تو آپ نے شریک ہونا ترک کر دیا۔ تاہم خاص اصحاب کے اصرار پر اگر شریک بھی ہوئے تو کسی پارٹی میں شامل ہونا پسند نہ کیا نہ نام و نمود کی خواہش کی۔

زیادہ تر غزل کہتے تھے اور ٹھیٹھ قلعۂ معلیٰ کی زبان استعمال کرنے کے پابند تھے۔ اپنا کلام کبھی محفوظ نہ کیا۔ مشاعرے کی غزل ہوئی تو سنانے کے بعد میر مشاعرہ کے حوالہ کر دی۔ مسودہ چاہے جہاں ڈال دیا۔ نہ کوئی بیاض رکھی نہ دیوان کا کبھی خیال پیدا ہوا۔ کبھی کہیں کلام سنانے پر مجبور ہوتے تو جو کچھ یاد ہوتا زبانی سنا دیتے۔

رنگِ تغزل طبیعت میں ایسا رچا تھا کہ نوحہ لکھتے وقت بھی وہ پھوٹا پڑتا ہے۔ چنانچہ مرزا مائل کے قطعۂ تاریخِ وفات کے اشعار ملاحظہ ہوں جو حقیقۃً مرثیہ ہے مگر شعر کہہ رہے ہیں کہ ہم غزل ہیں۔

کیا مائل سے خالی اس جہاں کو ۔۔۔ نہ آئی موت مرگِ ناگہاں کو
کوئی ایسا سخندان و سخن سنج ۔۔۔ ملے گا اب کہاں ہندوستاں کو
زمانہ ناز کرتا تھا زباں پر ۔۔۔ مگر تھا ناز اُس پر خود زباں کو
دکھاتا خار سے تھا گل کے جلوے ۔۔۔ کوئی قدرت سی قدرت تھی بیاں کو
بیاں سُن کر چمن کا اس سے بلبل ۔۔۔ قفس میں بھولتی تھی آشیاں کو
حرم والے زیارت کے تھے مشتاق ۔۔۔ یہ عظمت اُس سے تھی کوئے بتاں کو
زمینِ شعر کو دے کر بلندی ۔۔۔ دکھا دیتا تھا نیچا آسماں کو
بنا دیتا تھا رشکِ حوضِ کوثر ۔۔۔ وہ اک جامِ شرابِ ارغواں کو
اُسی سے شان تھی شیخ زماں کی ۔۔۔ اُسی پر ناز تھا پیرِ مغاں کو
سمجھتا عیب تھا وہ نکتہ چینی ۔۔۔ کہاں سے لاؤں ایسے نکتہ داں کو

یہ اُس کے خلق کا تھا اک کرشمہ
بنانا مہرباں ، نامہرباں کو

یہ ہمت تھی نہ لایا مرتے دم تک
کبھی خاطر میں جورِ آسماں کو

گزاری خاکساری ہی میں اس نے
وہی سمجھا تھا کچھ اس خاکداں کو

غزلخوانی کے ڈھنگ اب کون سکھلائے
چمن میں عندلیبِ نغمہ خواں کو

بس اب ہے نوحہ خوانی اور اختر
غزل سے کام کیا اس خستہ جاں کو

کہا ہاتف نے یہ مصرع ہے تاریخ
گئے وہ اہلِ فن باغِ جناں کو
۱۳۵۰ھ

معاصرین | آپ کے معاصرین میں خاص خاص اصحاب یہ ہیں :۔
تسنیم ۔ کوثر ۔ تنویر ۔ اطہر ۔ ضیا ۔ محشر ۔ فرحت ۔ مولانا بسمل ۔ ایمان ۔ خیال ۔ شوخ ۔ قتیل اور اخگر وغیرہ ۔

کلام پر تبصرہ | زبان نہایت آسان و شستہ ۔ طرزِ بیان رواں اور سادہ ۔ فارسی ترکیبوں اور پُرشکوہ الفاظ سے احتراز ۔ مضمون آفرینی اور بلند پروازی سے زیادہ تاثیر کا خیال رکھتے ہیں ۔ نشستِ الفاظ پر قدرت ہے بندشیں چُست ہوتی ہیں اور محاورے درست و برمحل استعمال کرتے ہیں ۔ آپ کا کلام بمشکل بہت کم دستیاب ہوا ۔ اُسی کا انتخاب درج ذیل ہے :۔

رُباعی

دل کو غمِ جاناں نے گھُلا کر چھوڑا
جاں کو تپِ ہجراں نے جلا کر چھوڑا

کہتے نہ تھے اختر کہ ہے آزار بُرا
آخر تجھے اس روگ نے کھا کر چھوڑا

اشعار متفرق

لو میرے آگے نام نہ اُس بادہ خوار کا
رہتا ہو جس کو ہوش خزاں کا بہار کا

شاید کہ میکدہ کی ہوا اُس کو لگ گئی
دیوانہ کام کرنے لگا ہوشیار کا

آئی بہار، آئے خوشی کیا بہار کی
انجام جانتے ہیں جو ہو گا بہار کا

نکالوں اک نہ اک پہلو نیا مطلب براری کا
خدا سے گر مجھے آجائے عرضِ مدعا کرنا

مکدر جس سے ہونا صاف اُس کے مُنھ پہ کہہ دینا
محبت جس سے کرنا دل سے کرنا بے ریا کرنا

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ پرسش کس لئے ہو گی
اُسی کے ہاتھ ہے جب رند کرنا پارسا کرنا

آئے تھے لے کے کوڑے محتسب
بن گئے رندوں کے گھوڑے محتسب

توڑ دی ہم نے تو، توبہ، توڑ دی
جوڑ سکتا ہے تو جوڑے محتسب

جو نامہ بر گیا اُسے موت آگئی وہاں
مل جائیں خضر اگر تو انھیں نامہ بر کریں

ہو جائے گی جنوں میں مرے خود بخود کمی
ناصح کا کچھ علاج مرے چارہ گر کریں

آتا نہیں سمجھ میں کہ قبلہ کی شرط کیوں
سجدہ ہم اُس کو کرتے ہیں چاہے جدھر کریں

ہم کو تو اُس کی شانِ کریمی میں شک نہیں
اخترؔ گناہگار ہوں توبہ اگر کریں

ہمارے جذب پنہاں کا اثر دیکھا یہاں تک ہے
کہ کھل جانے پہ آمادہ تمہارا پاسباں تک ہے

اُٹھائے وہ فتنے ترے نقشِ پا نے
زمیں کام کرنے لگی آسماں کے

نہ دنیا ملی اور نہ دیں ہاتھ آیا
یہاں کے رہے ہم نہ اخترؔ وہاں کے

اخگر | تخلص، محمد عبدالحمید نام، حافظ عبدالعزیز کے فرزند دوم۔ اصل وطن فرخ آباد تھا۔ آپ کے والد اورنٹیل کالج جے پور میں مدرس تھے۔

ولادت اور دیگر حالات | اخگرؔ ١٨٧٧ء میں، جے پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اُسی کالج سے "منشی فاضل" کا امتحان پاس کیا۔ بعد ختمِ تعلیم جے پور ہی کے محکمہ سائرات میں ملازم ہو گئے۔ یار باش آزاد منش اور رند مشرب شخص تھے۔ یہیں ١٩٠٨ء میں انتقال کیا۔

شاعری اور دیوان | شعر و سخن کا ذوق بچپن ہی سے تھا۔ سن شعور کو پہنچے تو پہلے چند غزلیں مولوی اشتیاق حسین ناطقؔ کو دکھائیں جو امیرؔ مینائی کے شاگرد تھے

اور اُن کے انتقال پر سید آگاہ کے شاگرد ہو گئے۔ چونکہ طباع و ذہین اور باعلم تھے اس لئے بہت قلیل عرصہ میں پختہ مشق اور بُرگو ہو گئے۔ سید اولاد حسین رسوا جو اُس زمانہ میں یہاں وکالت کرتے تھے بوجہ ہم مشربی آپ کے احباب خاص میں تھے۔ اور اُن میں یہ کمال تھا کہ بے معنی و مہمل اشعار اس قدر جلد فی البدیہہ کہتے چلے جاتے تھے گویا پہلے سے حفظ ہیں۔ اُن کی صحبت نے اور بھی روانیٔ طبع پیدا کر دی۔ رسوا چونکہ بہت ہی شوخ و آزاد واقع ہوئے تھے۔ ہزلیات سے گزر کر فواحشات تک کہنے میں ذرا تامل نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اسی قسم کے فی البدیہہ طرحی فحش گوئی میں اخگر نے ایک بار یہ شعر بھی کہا اس میں "جگر" قافیہ ہے۔

اے کماں دار ترے تیرِ نظر کے صدقے بن گیا ہے مرے ناسورِ جگر کی بتی

مولوی اشفاق رسول جوہر سے بھی اتحاد تھا۔ اور چونکہ ہم محلہ تھے اس لئے شاعرانہ صحبتیں اور ادبی و علمی ذکر اذکار ان سے اکثر و بیشتر ہوتے رہتے تھے۔ اور جب کوئی خاص شعر اپنی پسند کا مشاعرے میں پڑھتے تو مولوی صاحب کو ضرور مخاطب کرتے۔

یہی وجوہ تھے کہ اپنے خواجہ تاشوں سے گوئے سبقت لے گئے۔ حتیٰ کہ حضرتِ آگاہ کے خلیفہ مانے جاتے تھے۔ اور اُن کے نومشق شاگردوں کو اصلاح دینا آپ ہی کے ذمّہ تھا۔

آخری زمانہ میں یہ ایک خاص بات آپ میں پیدا ہو گئی تھی کہ ہر اُستاد کی غزل پر غزل کہتے تھے۔ اپنا دیوان بھی طباعت کے لئے صاف کرا لیا تھا جو فدا اور کوکب کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں ۲۴۳ غزلیات آٹھ رباعیاں دس تضمینیں۔ گیارہ قطعات ایک قصیدہ ایک مثنوی اور چند متفرق اشعار ہیں۔ یقیناً یہ خود کا انتخاب کردہ کلام ہے۔ اس لئے کہ غزلیں طولانی نہیں ہیں۔ یہ دیوان میرے پاس ہے

اور اس کے ملنے کی صورت یہ ہوئی کہ ایک روز اس کے ایک ورق کی پڑیا بندھی ہوئی میں نے دیکھی تو چونکا۔ معلومات پر جس پنساری کے یہاں سے یہ کاغذ آیا تھا اُس کی دوکان پر پہنچا تو دیوان موجود تھا۔ چند پیسوں میں خرید لایا اور جلد بندھوا کر محفوظ کر لیا۔

کلام پر تبصرہ | الفاظ شاندار، طباعی اور کہنہ مشقی آشکار۔ بیان میں زور اور نشستِ الفاظ پر قدرت ہے۔ مگر تاثیر نہیں آورد زیادہ ہے۔ اور آمد کم۔ مضامین زیادہ تر فرسودہ ہیں۔ صنائع و بدائع کی بھی افراط نہیں ہے۔ اساتذہ کی ہمسری نے آورد کو اور بھی نمایاں کر دیا ہے۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:۔

یہ سب نزاع تا بہ نمودِ وجود تھا — جب مٹ گیا نہ ماند رہا اور نہ بود تھا
اُٹھے جو مثلِ آہ تو بیٹھے مثالِ دود — فرقت میں وہ قیام رہا یہ قعود تھا
دمِ نظارہ وہ جلوہ تھا کہ میں حیرت سے — شکلِ آئینہ بھی تھا صورتِ تصویر بھی تھا
ایسے گلشن کا میں طائر ہوں کہ جس کا آخگر — خوشہ چیں، زلہ ربا ذوق بھی تھا تیر بھی تھا

گلے پر خنجرِ بیداد رکھنا — مگر کچھ سوچ کر جلاد رکھنا
وہ صبح وصل اُن کا کل کا وعدہ — مرا گھبرا کے کہنا، یاد رکھنا

کہا میں نے تمہارے سوزِ غم نے اک جہاں پھونکا — تو بولے ہنس کے کیا پھونکا، کسے پھونکا کہاں پھونکا

کیسی طلب، کہاں کا نظارہ، کدھر کلیم — تھا یہ بھی ایک ناز بہانہ تھا طور کا
قیس جذبِ دل اگر کچھ کارفرمائی کرے — چشمِ لیلیٰ خود بنے حلقہ تری زنجیر کا
غیر ممکن ہے خیالِ غیر میرے دل میں آئے — عکس پڑتا ہے کہیں آئینۂ تصویر کا
مٹائے آپ کو جتنا، فروغ انساں کو ہوتا ہے — کہ نام عنقا نے پایا ہے جہاں میں بے نشاں ہو کر
کیسی خلش ہے اپنے دلِ بیقرار میں — ہر دم یہ لو لگی ہے کہ چل کوئے یار میں

ہم کو ملا کے خاک میں ظالم ہوا نہ صاف — لکھا جواب نامہ بھی خطِ غبار میں

کب عکسِ روئے یار ہے جامِ شراب میں — ہے آفتاب جلوہ نما آفتاب میں

بے بس ہوں دل کے ہاتھ سے قابو نہیں مرا — ورنہ میں اور سجدہ بتوں کی جناب میں!

دیکھتے دل کو ہیں اور کہتے ہیں درکار نہیں — یہ بھی اک حسنِ طلب ہے کہ طلبگار نہیں

حشر میں اور تو سب کچھ ہے مہیّا ساماں — چین لینے کو ترا سایۂ دیوار نہیں

اس محبّت کا بُرا ہو ہائے جس نے کھو دیا — ننگ بھی، ناموس بھی، اور عزّت و توقیر بھی

برقِ نگاہِ یار عجب کام کر گئی — بجلی سی کوندتی ہوئی دل میں اُتر گئی

جو ہے شوقِ شہادت سوئے قاتل دیکھتا کیا ہے — لپٹ جا بڑھ کے خود خنجر سے بسمل دیکھتا کیا ہے

پشیماں ہو کے اتنا سوئے مقتل دیکھتا کیا ہے — لگا اک ہاتھ بڑھ کر اور قاتل دیکھتا کیا ہے

سرِ حشر نالے دلِ ناتواں کے — پتے بے نشاں بن کے دیں گے نشاں کے

کیا ضعف نے اتنا لاغر کہ خود میں — لپٹ کر چلا ساتھ اپنی فغاں کے

نفس کی کشاکش نہیں ہے چلا چل — کہ گرمی پہ گھوڑے ہیں عمرِ رواں کے

ارشد تخلص۔ عبدالغفور نام۔ اصل وطن نارنول تھا۔ تلاشِ معاش میں جے پور آئے اور یہیں کے ہو رہے تھے۔ وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ کیا خبر تھی کہ سنہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے ساتھ آپ کی طبیعت بھی منقلب ہو جائے گی۔ اور جے پور جیسے محبوب وطن کو چھوڑ کر حیدرآباد (سندھ) میں جا آباد ہوں گے۔ مجھے افسوس ہوا جب میں نے وہاں درِ عدالت پر آپ کو ایک عرائض نویس کی طرح اس پیرانہ سالی میں بیٹھا پایا۔ اڑسٹھ (۶۸) سال سے متجاوز سن ہو چکا ہے۔ آرام کے دن ہیں مگر آلام سے دو چار ہیں۔ عہد کہولت ہے مگر رنگ طبع جوانانہ ہے۔ ابتدائً میر زکی یکتا سے اصلاح لیتے تھے۔ پھر مولوی اشتیاق حسین ناطق کے شاگرد ہوئے۔ اپنے شعر خود کو بہت یاد ہیں۔ اور غالباً لوحِ دل کے سوا صفحۂ قرطاس صاف ہے۔

میری درخواست پر آپ نے اپنا حال اور کلام عنایت کرنے کا وعدہ کیا مگر وہ شرمندہ ایفانہ ہوا۔ اس لئے صرف ایک شعر بطور یادگار درج کرتا ہوں :-

الٰہی کس بلا کا ناوکِ اندازِ قاتل تھا کہ قابو میں جگر تھا اور نہ پہلو میں مرے دل تھا

اسعد تخلص، سعید احمد نام، نسباً سید، وطن ٹونک، طب میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ اس لئے لفظ حکیم جزو نام ہو گیا تھا۔ علم و فضل میں بھی بلند مرتبہ تھے۔ مولانا تسلیم نارنولی سے تلمذ تھا۔ جے پور کی ادبی صحبتوں میں اکثر شریک ہوتے تھے۔ مائل۔ مبین۔ اعجاز۔ رضی۔ حافظ معزالدین خاں عزیز اور جوہر وغیرہ کے معاصر تھے۔ آپ کے ایک صاحبزادے عیسیٰ میاں بسمل ٹونک کے مشہور شعرا میں ہیں۔ میں نے دو بار اُن سے زبانی عرض کیا اور ایک خط بھی انھیں دہلی بھیجا کہ مولانا کا مفصل حال اور کچھ کلام عنایت فرمائیں مگر انتظار بیکار اور درخواست فضول ثابت ہوئی۔ اسی طرح آپ کے بڑے صاحبزادے حکیم یحییٰ میاں صاحب کو ٹونک لکھا۔ زبانی بھی کہلایا۔ تاکید بھی کرائی مگر سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا۔ میں مولانا کوثر کا ممنون ہوں کہ ایک شعر مجھے ان سے ملا اور اسی طرح الحاج مولانا محمد اللہ امام جامع مسجد جے پور کی عنایت کا شکر گزار ہوں کہ مندرجہ ذیل مقطع اُن کے حافظہ نے مرحمت فرمایا۔

کلام پر تبصرہ اگرچہ بقدر ضرورت کلام مجھے نہ مل سکا تاہم صرف ایک مقطع کے مطالعہ ہی سے ندرت تخئیل، جزالت اور تبحر علمی و روانی بیان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے یقیناً آپ کا کلام کافی ہو گا۔

شعر

اللہ اللہ جلوہ اُس بُت کا کہ جس کو دیکھ کر
مولوی سیّد سعید احمد برہمن ہو گیا[1]

---

[1] کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ہے اور بارہ سال تک آپ معتقد بتکدہ رہے واللہ اعلم بالصواب ۱۲ مؤلف

مُعشّر بر غزلِ حافظ شیراز

محمد شاہ نے بازیچۂ عشرت میں دل ہارا
زوال آنے لگا دولت پہ بگڑا کھیل جب سارا
ہوئے رہزن جو اُس کے ساقیانِ مست و مہ پارا
نہ مانی ایک کی گو ناصحوں نے لاکھ سر مارا
ہوا پامالِ پستی جب عروجِ بخت کا تارا
نہ پایا رہنمائی کا تمیز و عقل نے یارا
نہ پایا جب کوئی اقبال و بخت و جاہ نے چارا
طلب میں شاہ ایراں کے ہوا تب یوں سرود آرا

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

ہُوا آگاہ جب اس حال سے سلطانِ نصرت مند
شہِ نادر لقب گُردِ ہنر بر انداز و دشمن بند
زبس تھا ہند و ایراں میں ہمیشہ سے دلی پیوند
تاسف سے رہا یہ سُن کے نادر شہ غمیں یک چند
لکھا آخر کو اک مکتوب لفظاً زہر معناً قند
بنامِ پادشاہِ ہند عشرت کیش و جم مانند
کئی بھیجے سفیرانِ سخن پرداز و دانشمند
کہا اُن سے زبانی بھی سُنا دینا اُسے یہ پند

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

نہ پایا جب سفیروں نے حضوری کا کوئی اسلوب
مہینوں تک نہ اُن کو ہاتھ آیا دامنِ مطلوب
گئے دہلی سے واپس دیکے صفدر جنگ کو مکتوب
کیا آگاہ حالِ ہند سے آقا کو اپنے خوب
یہاں تھا بادشہ ایسا ہوائے نفس سے مغلوب
کہ جز ذکرِ مے و ساغر نہ تھا کچھ بھی اُسے محبوب
نصیحت کرنے والا جب ہوا کرتا کوئی مغضوب
امیروں کی زباں پر تب یہ آتا نغمۂ مرغوب

فغاں کیں لولیانِ شوخ و شیریں کار و شہر آشوب
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوانِ یغما را

سفیروں کی زبانی جب ہوئی اس حال کی تجدید
تو کی فرماں دہِ ایراں نے عزمِ جنگ کی تمہید
لئے ہمرہ سوار اک لاکھ اور کی کوچ کی تاکید
ہوئے حاضر جلو میں بخت و فتح و نصرت و تائید

اِدھر فکرِ مآلِ کار سے کچھ یاس کچھ امید   اُدھر ہر شب شبِ قدر طرب ہر روز روزِ عید
اِدھر یلغار پر بھی افسرانِ فوج کو تہدید   اُدھر خلوت سرا میں ساقیِ مہوش کو یہ تاکید

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی دید
کنارِ آبِ رکنا باد و گلگشتِ مصلیٰ را

قریں پر آگیا جب طوس سے شاہِ تہور خو   وہاں سے اور خط بھیجا کہ اب ہشیار ہو جاؤ
نہ پایا جب جواب اس کا بھی تب تو سخت برہم ہو   لیا کابل کو اور فرمایا اب لاہور کو بھی لو
وزیروں کو لکھا جب اہلِ سرحد نے کہ اب سنبھلو   کہا سب نے سعادت خاں سے تم عرض خبر کردو
سُنایا حال اُس نے عین روزِ جشن میں شہ کو   کہا یوں بیخودی میں شاہ نے سُن اے نصیحت گو

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

غرض اُس روز کر کے عذرِ مستی شہ ہوا بے غم   کہا کل دیکھ کر لشکر کو دینگے حکم نہضت ہم
سحر قلعہ سے آیا کوٹلہ پر شاہِ رشکِ جم   ہوا آراستہ ہو ہو کے لشکر بیش بیش و کم
چُنے کل تین لاکھ اس نے سوارانِ قضا توام   لئے پیلانِ جنگی دو ہزار اور توپیں اژدر دم
نکل کر دوسرے دن شہر سے باحسرت و ماتم   عزیزِ مصرِ عشرت نے کہا آنکھوں میں لاکر نم

من از آں حسنِ روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

اِدھر غفلت سے شہ کو ایک شب اور خواب میں گزری   اُدھر ملتاں سے بھی والیِ ایراں نے سبقت کی
سُنا جب فوجِ نادر شاہ پانی پت میں آپہنچی   محمد شاہ نے بھی پھر تو بڑھنے کی اجازت دی
مقابل جب ہوئے لشکر تو باہم جنگ کی ٹھیری   زمیں پر تین دن تک برق تیغ و تیر کی چمکی
امیرِ خانِ دوراں خاں کی ہمت اور شجاعت کی   زبانِ خامہ سے تعریف ہرگز ہو نہیں سکتی

ز وصفِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی

آبِ رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

ہوئی جب گرمیِ بازارِ عرضِ جوہرِ ذاتی — جو تھے بد اصل انھوں نے جی چرایا آبرو بیچی
خریدارانِ ننگ و نام نے بیع و شری یوں کی — عوض میں مایۂ جاں کے متاعِ نیکنامی لی
ہوا پامالِ لشکر سے شکست فاش جب پائی — بلا تنہا شہِ ایراں سے جا کر خسروِ ہندی
نہ پایا جب کوئی گستاخیوں کی معذرت خواہی — محمد شاہ نے ہنس کر کہا اے مایۂ خوبی
بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

عیاں ہے پھر جہاں میں صورتِ امن و اماں حافظ — ہوئی شکلِ جدال و قتل عالم سے نہاں حافظ
ہوا اہلِ زمیں سے پھر موافق آسماں حافظ — ہوا سعدینِ برجِ جاہ و حشمت کا قراں حافظ
ہوئے جب دونوں باہم صلح کر کے شادماں حافظ — زبہرِ سیدِ احمد سعید نکتہ داں حافظ
غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخواں حافظ
کہ بر نظمِ تو افشاند فلک عقدِ ثریا را [۱]

اسیر تخلص، منشی سید سجاد مرزا مرحوم خلف الرشید فخر الشعرا مولانا سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر مدظلہ العالی دہلوی۔ ایسے باکمال باپ کے فرزند ارجمند ہونے کے علاوہ خود ہر طرح ذی لیاقت اور صاحبِ ہنر تھے، علوم متعارفہ میں اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی۔ شعر گوئی کی طرف کم توجہ تھی۔ لیکن جب احباب کے اصرار سے کبھی خیال آجاتا تو اپنی طباعی و تیزی فکر سے ایسے ایسے دلنشیں مضامین نکالتے اور اس طرح فی البدیہہ اشعار کہتے کہ لوگ انھیں ان کے عمِ نامدار سید امراؤ مرزا انور مرحوم کی زندہ مثال سمجھتے تھے۔ الغرض بڑے طباع اور ہونہار نوجوان تھے، آپ

۱؎ اس بند کا ایک شعر نہ ملا ۱۲

ریاست جے پور میں تھانہ دار تھے۔ بوجہ تبدیلی مقام کھنڈیلہ میں متعین ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی چند دشمنوں کی شرارت سے ایسا قضیۂ نامرضیہ پیش آیا جس نے آپ کو ۳۴ سال کی عمر میں شربت شہادت پلاکر عزیز و اقارب خصوصاً ان کے ضعیف باپ حضرت ظہیر کو صدمۂ عظیم پہنچایا۔ آپ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے، یہ سانحۂ ہوش رُبا ۱۸۹۹ء میں واقع ہوا[1]۔ کچھ کلام آپ کے والد بزرگوار نے ارسال فرمایا وہ بطور یادگار درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔ چند متفرق غزلیں اور ایک مثنوی آپ کی یادگار ہے۔

گر نہ باتوں میں عدو کی آیئے — آپ اور یوں بزم سے اُٹھوایئے
کیا کبھی منت کشِ ساقی نہ تھے — وعظ میں یہ تو ذرا فرمایئے
گر نہیں ہے آہِ عاشق میں اثر — بے قراری کا سبب بتلایئے
بے تکلف لے چلے گا جذبِ شوق — سختیِ منزل سے کیوں گھبرایئے
جان لیجے یہ عنایت کیجئے — قتل کیجے یہ کرم فرمایئے
سُن رہے ہیں لن ترانی طور کی — جلوۂ حیرت فزا دکھلایئے
ہے خمارِ بادۂ دوشیں عیاں — آپ ہی دل میں ذرا شرمایئے
قتل کیجے زندگی یاں موت ہے — کچھ مسیحائی بھی تو دکھلایئے
کہہ رہے ہیں منعِ ربطِ غیر پر — اپنے دل کو ہی ذرا سمجھایئے

اپنی باتوں سے ہوا پامال یہ
اس دلِ ناداں کو کیا سمجھایئے

(منقول از خمخانۂ جاوید جلد اوّل صفحہ ۳۰۷)

---

[1] آپ کو محرر تھانہ نے کھانے میں زہر دے کر ہلاک کیا تھا ۱۲ مؤلف

اظہر تخلص معشوق حسین نام نسباً سید، والد بزرگوار کا نام سید امداد علی اور جد امجد کا سید ثناء اللہؒ جو ایک عابد شب زندہ دار اور زاہد پرہیزگار تھے، انھیں کی نسبت سے آپ کا خاندان ثنائی مشہور ہے۔

مذہباً سنی حنفی اور مسلکاً نقشبندی و مجددی ہیں۔ "ناظم الملک" خطاب ہے۔ اور ہاپوڑ ضلع میرٹھ وطن،

ولادت تعلیم، اور ابتدائی حالات آپ کی ولادت ۱۰ ر شعبان سنہ ۱۲۹۰ھ مطابق ۳ ر اکتوبر سنہ ۱۸۷۳ء موافق ۱۲ ر آسوج سمت ۱۹۳۰ کو بمقام ہاپوڑ ہوئی۔ بارہ سال کی عمر تھی کہ سایۂ پدری اُٹھ گیا۔ بڑے بھائی سید اشفاق حسین نے پدرانہ شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم و تربیت اپنے ذمہ لی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم وطن ہی میں پائی اور سنہ ۱۸۹۶ء میں لاہور میں مولانا اصغر علی روحی سے عربی کی چند کتابیں پڑھیں۔ پھر مولانا امیر حسن سُہا محدث دہلوی سے سنہ ۱۹۱۴ء میں بمقام جے پور مشکوٰۃ شریف اور دیگر کتب متداولہ کا درس لیا۔

شاعری سنہ ۱۸۸۸ء میں آپ بمقام قائم گنج ضلع فرخ آباد میں مولوی قمرالدین قمر ساکن سوراں، کے زیر تعلیم تھے کہ شاعری کا شوق پیدا ہوا۔

صاحب "خمخانہ جاوید" نے آپ کو پہلے ناظر کا اور پھر جلال کا تلمیذ درج کیا ہے، مگر آپ کو اس سے انکار اور اس واقعہ کی تکذیب پر اصرار ہے۔

آپ کی نومشقی کا زمانہ تھا کہ ایک مشاعرے کی طرح ہوئی جس میں "ہیں" (بکسر میم)، ردیف تھی۔ آپ نے غزل پڑھی تو کسی شعر میں "ہیں" اور کسی میں "ہَیں" (بفتح میم) باندھا تھا۔ ہَیں کی ردیف کا جب شعر پڑھا تو طنزیہ داد کا شور ہوا۔ پہلے تو آپ کچھ نہ سمجھے مگر جب زیادہ وضاحت ہوئی تو میر مشاعرہ سے پوچھا کہ "کیا ہَیں یہاں غلط ہے؟" مرزا ارشد گورگانی نے جواب دیا کہ "صاحبزادے

ہمارے لئے تو غلط ہے مگر تمہارے واسطے جائز ہے" تب سمجھے کہ غلطی ہوئی۔

بزمانہ قیام رام پور۔ مرزا کمال الدین سنجر ژند ایرانی کو ایک فارسی مثنوی جو مولانا طرزی کے قصائد کی تقریظ تھی بغرضِ اصلاح دکھائی۔ مگر انھوں نے جو ترمیم و تنسیخ کی وہ پسند نہ آئی۔ مثلاً ایک مصرع میں لفظِ عرفی کا عین تقطیع میں گرتا تھا۔ اس قسم کے اسقام پر آپ نے مرزا سے گفتگو شروع کی تو مباحثہ کا رنگ پیدا ہو گیا۔ مرزا کے متبنّٰی نذر محمد نے آپ سے کہا کہ "آپ اہلِ زبان سے بحث کرتے ہیں" تو آپ نے جواب دیا کہ "اہلِ زبان اور زباں داں ہونا امرِ آخر ہے۔ فن کے متعلق تو وہی کتابیں ہم نے بھی پڑھی ہیں جو مرزا صاحب نے" اس کے بعد کوئی کلام اُن کو نہ دکھایا۔ مگر اس صحبت کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت پر فارسیت غالب ہو گئی، اُس زمانہ میں لکھنؤ سے "پیامِ یار" نامی رسالہ نکلا کرتا تھا جس میں طرحی غزلیں طبع ہوتی تھیں۔ آپ نے بھی اپنا کلام بھیجنا شروع کیا تو ہر وہ شعر نظری ہو جاتا تھا جس میں نامانوس الفاظ یا فارسیت کا غلبہ ہوتا تھا۔ مشکل سے دو۔ تین شعر منتخب ہو کر چھپتے تھے۔ بعد غور آپ نے یہ راز پایا۔ اور صاف و آسان اردو زبان استعمال کرنا شروع کیا تو پوری پوری غزلیں طبع ہونے لگیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

جو نامانوس ترکیبیں غزل میں نظم کرتے ہیں   انھیں اردو زباں اطہر نہ آئی ہے نہ آئے گی

آپ نے اپنی شاعری کو اپنے عمیق مطالعہ اور کثرتِ مشق کی بدولت عروجِ کمال تک پہنچایا۔ اور ہمیشہ اعتراض کرنے اور خود پر اعتراض سُننے کو بہترین ذریعۂ معلومات سمجھا۔ اس لئے آپ کی یہ صفت طبیعت ثانیہ ہو گئی کہ بلا اعتراض کسی کو نہیں چھوڑتے۔ اور خود پر جو اعتراض ہوتے ہیں ان کو فوراً تسلیم نہیں کرتے بلکہ پہلے معیارِ تحقیق پر کستے ہیں اور پھر فیصلہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں

اکثر احباب سے شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے مگر آپ اس کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ آپ کی نظر محاسن سے پہلے معائب پر پڑتی ہے۔ آپ کا قول ہے کہ "جب تک اعتراض نہ ہو بصیرت پیدا نہیں ہوتی۔"

چونکہ علم عروض و قافیہ میں آپ کو کمال حاصل ہے۔ اور تحقیق الفاظ و محاورات آپ کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ یہ انعام ایزدی ہے کہ باوجود پیرانہ سالی و نقاہت، علم تازہ و مستحضر ہے اور حافظہ قوی پایا ہے۔ اس لئے۔ بے تامل بحث و مباحثہ کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ بلکہ جب کوئی مسئلہ زیر بحث نہیں ہوتا ہے تو اپنی طرف سے از راہ شوخیٔ طبع نیا سوال کھڑا کر دیتے ہیں۔ مثلاً جے پور کے ایک مشاعرے میں آپ نے یہ طرحی مطلع پڑھا۔

آنچل میں پھول ہیں جو نسیم بہار کے   تربت پہ یہ چڑھیں گے کسی بادہ خوار کے

تربت کو مذکر باندھنے پر اعتراض ہونا ہی تھا۔ آپ تک جب بات پہنچی تو کہا کہ "پہلے آتش پر اعتراض کر لو جو کہتا ہے:۔

معرفت میں اُسکی ذاتِ پاک کے   گم ہوئے ہوش و حواس ادراک کے

پھر مجھ سے بات کرنا۔"

اگرچہ "تربت" کے بجائے غزل میں "مرقد" لکھا ہے مگر پڑھا "تربت" تاکہ اعتراض ہو۔ آخر تلامذہ نے پوچھا تو سمجھایا کہ "جب مؤنث کی ضمیر اپنے مرجع سے دُور جا پڑتی ہے تو اس کو اہلِ زبان مذکر بھی باندھ دیتے ہیں۔"

ماہِ اپریل سنہ ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے کہ میں آپ کی تازہ تصنیف نظم لیلۃ الاسریٰ ۱۳۶۷ھ جو واقعۂ معراج کے متعلق مثنوی ہے۔ دیکھ رہا تھا اور جو شعر مجھے پسند آ رہے تھے اُنھیں سُنا کر داد بھی دے رہا تھا۔ ایک شعر کا قافیہ گلخن بھی تھا۔ مولانا کوثر بھی تشریف فرما تھے، میں نے وہ شعر بآوازِ بلند پڑھا۔ اور عمداً گلخن (بکسر کاف فارسی

کہا مولانا کوثر نے اپنے خاص انداز میں "اُوں ہوں" کہہ کر ٹوکا تو میں نے کہا کہ پھر کیا گُلخن ؟ (بضم کاف فارسی) تو کہا "ہوں"۔ اس نوبت پر مولانا اظہر نے کہا کہ (نہیں گلخن صحیح ہے) "(بکسر کاف فارسی) بحث شروع ہوئی۔ فوری جس قدر لغت دستیاب ہوئے سب میں گُلخن[1] کو صحیح مانا گیا ہے۔ اور تشریح بھی ملی۔ مگر مولانا اظہر مطمئن نہ ہوئے اور مزید تحقیق کر لینے پر بحث کا خاتمہ ہوا۔

خوش طبعی آپ کی طبیعت میں حد سے زیادہ شوخی تھی اب بھی کبھی کبھی اُس کا ظہور ہو جاتا ہے کیونکہ نرینہ اولاد تو کوئی آپ کے تھی ہی نہیں۔ دو صاحبزادیاں تھیں بڑی سیّد شفیق حسین ڈپٹی ڈائریکٹر پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف کراچی سے منسوب ہیں۔ چھوٹی کی شادی سیّد اظہار الحسن سے ہوئی تھی۔ اُن سے آپ کو بے حد محبّت تھی۔ اُن کا انتقال جے پور ہی میں ہوا۔ اُس وقت سے آپ اکثر افسردہ و مغموم رہتے ہیں۔

آپ کی زندہ دلی کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ۱۹۱۴ء میں جو مشاعرے جے پور میں ہوتے تھے اُن کا انتخاب ایک ادبی کمیٹی کیا کرتی تھی۔ آپ بھی اُس کے ممبر تھے۔ ایک بار طرح ہوئی :-

یہ مرا داغِ جگر رشکِ گلستاں ہو گیا۔ گلستاں قافیہ

بعد مشاعرہ جب غزلیں انتخاب کے لئے پیش ہوئیں۔ تو اُستاد ناسخ کی غزل بھی جو اس زمین میں ہے "عبداللہ خاں ہاتفی ساکن ہنڈون" کے فرضی نام سے آپ نے شامل کر دی اور مولانا تسنیم و کوثر سے سازش کر لی کہ وہ کچھ نہ بولیں۔ ناسخ کی غزل تھی نہایت سرد۔ جب انتخاب ہوا تو سارے شعر کٹ گئے۔ اس نوبت پہ آپ بولے۔ "ہیں یہ کیا غضب کیا یہ تو ناسخ کی غزل ہے"۔

---

[1] بضم کاف فارسی ۱۲

اسی سنہ کا پہلا مشاعرہ تھا۔ طرح تھی :۔

دل اور ہوا میں ہے جگر اور ہوا میں قافیہ ہوا۔

مولانا سخاؔ جدید رنگِ شاعری کے محرک ہوئے اور مشاعرے سے پہلے اُنھوں نے اپنے اس رنگ میں آپ کو یہ شعر سنائے۔

کیونکر نہ ہو تاثیر مری آہ و بُکا میں | بے تار خبر جاتی ہے امواجِ ہوا میں
ریکارڈ میں حالِ دلِ بیتاب بھرونگا | بدنام کروں گا میں تمھیں خلقِ خدا میں

آپ چونکہ اس رنگ کے خلاف تھے۔ غزل سُن کر کہنے لگے کہ ابھی محلہ کا لڑکا اس رنگ میں غزل سُنا گیا ہے۔ ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔ کہتا ہے :۔

دل خوش ہے مرا عشقِ مسِ ہوشربا میں | بیلون مرا اُڑتا ہے یورپ کی ہوا میں

مولانا سخاؔ سمجھ گئے اور خاموش ہو کر چلے گئے۔

ایک بار مولانا کوثرؔ سانگانیر دروازے رستے میں ملے اور بدورانِ گفتگو اُنھوں نے ذکر کیا کہ مرزا مائلؔ نے ایک بالکل نئی زمین نکالی ہے اور نہایت اچھے شعر کہے ہیں۔ دو چار شعر بھی جو یاد تھے سُنائے۔ آپ ہوں ہاں کر کے خاموش ہو گئے۔ جب دونوں صاحب جُدا ہوئے تو آپ نے اُس زمین میں پوری غزل کہہ لی۔ مرزا صاحب اُس زمانہ میں داخلِ شفاخانہ تھے۔ آپ سیدھے اُن کے پاس جا پہنچے۔ بعد مزاج پرسی وغیرہ تازہ کلام کی فرمائش کی تو اُنھوں نے وہی غزل سُنائی۔ آپ کہنے لگے اس زمین میں تو میری بہت پُرانی غزل ہے۔ سُنیئے۔ اور تازہ تصنیف سُنا کر باور کرا دیا کہ یہ زمین تو میں نے نکالی ہے۔

معاصرین سے نوک جھوک | دہلی میں مشاعرہ تھا، بیرونی اساتذہ بھی شریک تھے۔ بزمؔ اکبر آبادی نے غزل پڑھی۔ ایک مصرع کا ٹکڑا تھا "نامہ بہ عنقا ہوا" تقطیع میں عین گر جاتا تھا۔ آپ کے برابر مہاراج نراین برقؔ بیٹھے ہوئے تھے

آپ نے اُن سے کہا کہ "عنقا کا عین گر گیا ہے" برق نے داد دی "سبحان اللہ بر نقا۔ کے کیا کہنے"! بزم بھی سمجھ گئے۔ مگر داد اس طرح قبول کی گویا داد ہی دی گئی ہے۔

مولوی عبد السلام خیال جے پور میں سب جج تھے، ایک مشاعرہ میں وہ صدر تھے۔ اُنھوں نے خود سے پہلے آپ سے پڑھنے کی استدعا کی۔ تو آپ نے فرمایا پہلے آپ پڑھئے مشاعرہ مجھ پر ختم ہوگا۔ مولوی صاحب نے یہ کہتے ہوئے کہ "جے پور والوں نے آپ کو بڑا مان لیا ہے اس لئے میں پڑھے دیتا ہوں۔" اپنی غزل پڑھی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

دوبارہ پھر وہیں (مشن ہائی اسکول جے پور) مشاعرہ ہوا، مگر مولوی صاحب کچھ علیل تھے یا کوئی مصلحت تھی اُنھوں نے آخرِ وقت تک شریک رہنے کی معذرت چاہی۔ اور سب سے پہلے اپنی چند رُباعیاں سُنا کر تشریف لے گئے۔ مولانا اطہر کہتے ہیں "میں نے اُسی وقت اُن رُباعیوں کو تاک لیا تھا"۔ مشاعرہ ختم ہو گیا۔ دوسرے روز مولوی صاحب کے اجلاس میں مولانا پہنچے اور وہ رباعیاں عنایت کرنے کی استدعا کی۔ چنانچہ دوسرے دن مولوی صاحب گھر سے رباعیاں نقل کر کے لے آئے اور دے دیں۔ مولانا نے اپنے گھر پہنچ کر ایک بڑے کاغذ پر ایک ایک مصرع ہر رباعی کا لکھا اور اس کی تقطیع کر کے اس کا تجزیہ کیا۔ ہر رباعی میں کوئی نہ کوئی مصرع ایسا تھا جو بحرِ رباعی سے خارج تھا اور اس کی اصلاح بھی سامنے ہی لکھ دی اور دوسرے ہی دن مولوی صاحب کو اجلاس میں جا کر دیدی۔ اُنھوں نے دیکھا اور گھر لے گئے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو خیال ان کا آپ کی نسبت قائم ہو گیا تھا وہ بدل گیا اور پھر اپنے سے پہلے پڑھنے پر کبھی اصرار نہ کیا۔

حضرتِ تنویر اور مولانا اطہر میں تو تقدم و تاخرِ خواندگی پر ہمیشہ ہی جھگڑا رہا۔

حتیٰ کہ ایک بزم میں دونوں کو کسی طرح پڑھوا دینا ممکنات سے نہ تھا۔ اور یہ کہ اسی سبب سے ایک بزم کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔

جے پور میں نواب احمد سلطان ایک خضر صورت وکیل تھے جنھوں نے آخری تاجدارِ اودھ کی ادبی صحبتوں میں بھی شرکت کی تھی اور درباریوں میں بھی تھے۔ نہایت وجیہہ و شکیل بوڑھے آدمی، حکّامِ وقت ان کا بڑا ادب و لحاظ کرتے تھے۔ مگر مولانا اطہر اور منشی ظہور محمد وکیل جنھوں نے سررشتہ داری صدر فوجداری سے پنشن لے کر وکالت شروع کردی تھی، اور پنجابی سوداگران میں سے تھے۔ نواب صاحب کو چھیڑا کرتے تھے۔ ادبی نوک جھوک ہوتی رہتی تھی۔ نواب صاحب ایسی کھری سُناتے تھے کہ دونوں صاحبان کے مزاج درست کردیتے تھے۔ مگر یہ کبھی ماننے والے نہ تھے۔ یہ ادبی و مہذّب چِھڑیں حکّامِ وقت تک پہنچ جاتی تھیں اور وہ بھی لطف اُٹھایا کرتے تھے۔ منشی گوبند سرن جو نہایت ذی لیاقت ادیب تھے۔ اور مولوی رفیع الدین جن کے توسّل سے مولانا اطہر جے پور آئے تھے ہم جلسہ سرداران اپیل یعنی سشن جج تھے۔ ایک روز اُن کے اجلاس میں منشی ظہور محمد نے نواب صاحب کی شان میں بطور پھبتی کوئی شعر پڑھا۔ وہاں کب تاب تھی فوراً یہ شعر فی البدیہہ کہہ سنایا۔

سُوکھ کر ہو گیا چپاتی ہے ، تو تو بگڑا ہوا بساطی ہے

منشی صاحب واقعی بہت لاغر اندام اور مُنحنی تھے۔ شعر برجستہ ہوا اور چسپاں بھی ہو گیا مگر مولانا اطہر نے جو منشی صاحب کے طرفدار تھے اعتراض کیا کہ "ت" اور "ط" کا قافیہ کیسے ہوا۔ نواب صاحب نے تڑاق سے جواب دیا جیسے تمہارے چچا کے یہاں

الٰہی بحقِ بنی فاطمہ ، کہ بر قول ایماں کُنی خاتمہ (سعدی)

اُس کے بعد ایک شعر فوراً مولانا کی شان میں بھی کہہ ڈالا۔

ساری محنت تری اکارت ہے
تو تو اطہر نہیں طہارت ہے

مشاہیر شعراسے تعلقات | ہندوستان کے مشاہیر شعرا سے مولانا کے تعلقات ہمیشہ رہے۔ چنانچہ ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۱ء تک مین پوری میں محسن کاکوروی۔ طاہر فرخ آبادی اور حیات بخش رسا کے ہم صحبت رہے۔ ۱۸۹۵ء سے ۱۸۹۹ء تک علی گڑھ میں علامہ شبلی و حالی کی ہم نشینی کا موقع ملا۔ ۱۸۹۸ء میں امیر مینائی سے رام پور جاکر ملے۔ کلام سنایا اور داد پائی۔ چنانچہ کہتے ہیں :-

اطہر یہ وہ غزل ہے مری، مجکو جس کی داد
ہر شعر پر ملی ہے جناب امیر سے

۱۹۰۲ء میں بموقع دہلی دربار مرزا داغ سے دلی میں ملے اور اُن کی فرمائش پر اپنی غزل سنائی جس کا مطلع ہے :-

شب فراق یہ عالم تھا میرے نالوں کا
کلیجہ ہاتھوں اُچھلتا تھا سُننے والوں کا

مرزا صاحب نے داد دی کہ بہت بے تکلف مطلع کہا ہے۔

اس زمین میں نواب داغ کا مطلع یہ ہے :-

گیا ہے عرش معلیٰ پہ شور نالوں کا
خدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا

۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۶ء تک رام پور میں وکالت کی اور حکیم جلال لکھنوی سے تعلقات بھی خوش گوار رہے اور فنی مباحثے بھی ہوتے رہے، منشی امیر اللہ تسلیم سے مخلصانہ صحبتیں رہیں۔ اور شعر و سخن کے خوب چرچے رہے۔

۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۰ء تک گوالیار میں بحیثیت وکیل رہے اور مضطر خیر آبادی کے ہم سخن بنے۔

اگست ۱۹۱۰ء میں جے پور آئے اور وکالت شروع کی ۱۹۲۵ء میں منصف ہوگئے اور ۱۹۳۰ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ اس سے

سبکدوش ہوکر پھر وکالت شروع کردی اور ٹونک چلے گئے۔ وہاں دادِ سخن دیتے رہے۔ ۱۹۳۴ء میں واپس جے پور آگئے۔ اور ۱۹۴۷ء تک یہیں مقیم رہے۔

ایک بار ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء میں رام پور میں ایک خاص مشاعرہ تھا اساتذۂ عصر جلالؔ و تسلیمؔ تک شریک تھے اس میں آپ نے یہ مقطع پڑھا۔ اور کسی صاحب کی جانب سے کوئی اعتراض نہ ہوا۔ اور پھر جب نواب سائلؔ جے پور آئے۔ اور مولانا سراجؔ کے یہاں ایک خاص صحبت سخن ہوئی تو بھی یہی غزل سنائی۔

مجھے تحقیقِ فن میں مانتے ہیں آج سب اطہرؔ یہ جتنے لکھنؤ والے یہ جتنے دلّی والے ہیں

ایک بار دہلی میں پنڈت امرناتھ ساحرؔ کی جانب سے سالانہ مشاعرہ تھا ہندوستان کے مشہور و مستند شعرا سب ہی شامل تھے چند ہی غزلیں ہوئی تھیں کہ حضرت بیخودؔ جانشینِ داغؔ نے غزل پڑھنا چاہا۔ میر مشاعرہ نے عرض بھی کیا کہ بزم بگڑ جائے گی آپ کے بعد رنگ جمنا معلوم، مگر اُن کو کوئی ضروری کام تھا۔ اس لئے وہ نہ مانے۔ اُنھوں نے غزل پڑھی اور داد پائی۔ مگر اُن کے بعد جس سے بھی کہا گیا اُسی نے انکار کردیا۔ آخر مولانا نے جھلاّ کر کہا کہ "آخر کوئی پڑھے گا بھی" تو میر مشاعرہ نے کہا "پھر آپ ہی ارشاد فرمائیں" یہ کہنا تھا کہ آپ ڈائس پر تشریف لے گئے۔ بیخودؔ اُٹھ کر جانے لگے تو آپ نے اُن کا دامن جھٹک کر کہا کہ اب غزل سُن کر جانا ہوگا۔ لہٰذا وہ ٹھہرے۔ اب جو آپ نے غزل شروع کی تو مطلع سے مقطع تک ایسی داد ملی کہ بقول مولانا پوری کی پوری غزل حاصلِ مشاعرہ معلوم ہوتی تھی۔

اغلباً ۱۹۱۸ء میں علی گڑھ میں آل انڈیا مشاعرہ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے تھا۔ جے پور سے مولانا کے علاوہ مولانا جوہرؔ، مولانا بسملؔ اور مولوی پادشاہ حسین رعناؔ بھی شریک ہوئے تھے۔ لکھنؤ سے حضرات ثاقبؔ و محشرؔ بھی

آئے تھے۔ اور مرزا یاسؔ یگانہ بھی مدعو تھے اور آ گئے تھے۔ ثاقبؔ و محشرؔ وغیرہ کا جرگہ چونکہ بڑا تھا اور یگانہؔ کے سخت خلاف، اس لئے انھوں نے طے کر لیا تھا کہ جس طرح الہ آباد کے ایک مشاعرہ میں یگانہؔ کو نہیں پڑھنے دیا تھا یہاں بھی وہ نہ پڑھے۔ مرزا یاسؔ مایوس ہو کر مولانا سے ملے اور یہ حال ظاہر کیا۔ آپ نے امداد کا وعدہ کیا۔ دو پہر کے کھانے پر جب سب شعرا جمع ہوئے تو آپ نے یہ سوال اٹھایا۔ اس کی صحت ظاہر ہونے پر آپ نے ان حضرات سے کہا کہ "بھئی یہ تو پھر بزمِ سخن نہ ہوئی۔ اجلاف کی پنچایت ہو گئی کہ حقہ پانی بند کر دو"۔ نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور یاسؔ کے پڑھنے پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔

اسی روز شام کو جب ثاقبؔ و محشرؔ وغیرہم مولانا کی قیام گاہ پر ملنے کو تشریف لائے تو حضرتِ ثاقبؔ کا ایک شاگرد بھی غزل لے کر آیا کہ اس کو بنا دیجے۔ انھوں نے کہا کہ "میاں! اب رات کو تو مشاعرہ ہی تم اس وقت غزل لے کر آئے ہو اتنی جلدی کس طرح بن سکتی ہے۔ وہ کچھ مایوس ہوا تو مولانا نے کہا۔ "بھائی کیا ہے ابھی دیکھ ڈالو" اور شاگرد سے کہا پڑھو۔ اس نے پڑھنا شروع کیا۔ مولانا نے اور حضرت ثاقبؔ نے چند منٹ میں اصلاح دے کر فارغ کر دیا۔

اس مشاعرے کی دو طرح تھیں:۔ مصرع طرح تو کچھ اور تھے مگر زمین یہ تھی:۔

(۱) دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر — قافیہ خوار

(۲) تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں — قافیہ یاد

شب کو مشاعرہ ہوا۔ مولوی حبیب الرحمٰن شروانی صدر تھے۔ جو بھی شاعر آتا وہ پہلے ایک طرح میں غزل پڑھتا اور پھر دوسری میں۔ چند غزلیں ہوئی تھیں اور رنگ نہ جم سکا تھا کہ مولانا نے باوازِ بلند کہا کہ "یہ کیا مشاعرہ

ہو رہا ہے اندازۂ کلام ہی نہیں ہوتا" مولوی صاحب نے پوچھا کہ پھر کیا ہونا چاہیئے آپ نے کہا کہ پہلے ایک طرح کا مشاعرہ ختم ہو پھر دوسرا شروع کیا جائے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ "اچھا تو آپ میرے پاس آجائیے" آپ نشستِ صدارت کے قریب جا بیٹھے اور اسی طریق سے دونوں مشاعرے پڑھوائے۔ یہ کل حالات مجھے خود مولانا سے معلوم ہوئے ہیں۔

خطاب | "ناظم الملک" کا خطاب آپ کو کسی حکومت کی جانب سے نہیں ملا ہے بلکہ آپ کی ایک نظم چھاپتے وقت "لاہور پنچ" اخبار نے یہ لفظ اوّل استعمال کیا تھا جو مشہور و مقبولِ عام ہو گیا۔ اس سلسلے میں ۱۸۹۹ء میں کلکٹر میرٹھ سے یہ شکایت بھی باقاعدہ کی گئی کہ یہ نواب بنگالہ کا خطاب ہے۔ اطہر ناجائز طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مگر بعد تحقیقات کاغذات داخل دفتر ہوئے اور آپ سے کوئی مزاحمت نہ کی گئی۔

آپ کی صحبت میں ادبی باتیں زیادہ تر موضوعِ بحث رہتی ہیں۔

ایک بار ایک صاحب نے کہا کہ جے پور کے دفترِ حضوری میں کچھ فرامین شاہی ایسی فارسی میں لکھے ہوئے ہیں کہ اُن کو یا تو حکیم واحد علی خاں مسیح ہی پڑھ کر سمجھا سکتے تھے یا اب ایک اُن کے تیار کردہ شاگرد۔ مولانا نے کہا۔ "میاں! معلوم ہے۔ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ وہ فرامین میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ اِن کی کنجی یہ شعر ہے۔ اس کو یاد رکھو اور فرفر پڑھتے چلے جاؤ۔"

کم صلا اوحط لہ، در سع   حرفِ منقوط را بجا اُش دع

حروفِ مہملہ میں کاف کی جگہ میم اور میم کی جگہ کاف استعمال کرو۔ اور اسی طرح دیگر حروفِ غیر منقوطہ کو بدل کر استعمال کرو۔ صاد کی جگہ لام الف اور اس کے برعکس وقس علیٰ ہٰذا۔ منقوطہ حروف کو اُن کی جگہ بدستور رکھو۔

مثلاً "دلم رفت" لکھنا ہو تو "رہک دفت" لکھ دو۔

جے پور سے ترکِ سکونت | ۱۹۴۷ء میں تقسیمِ ملک پر آپ بادلِ ناخواستہ ترکِ سکونت کر کے پاکستان چلے گئے۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر جو سلام آپ نے جے پور والوں کو بھیجا ہے اُس سے آپ کے جذبات کا اندازہ ہوگا۔ یہ سلام جب جے پور آیا اور ایک بزم میں پڑھا گیا تو آپ کے احباب بے حد متاثر تھے۔

جے پور، تجکو تیرے چمن زار کو سلام
ہر باغ و راغ و وادی و کہسار کو سلام

رستے ہیں صاف ستھرے دکانیں ہیں خوشنما
تیرے ہر ایک کوچہ و بازار کو سلام

ہر بام بامِ طور ہے ہر قصر قصرِ نور
آباد رہ ترے در و دیوار کو سلام

علم و ادب کی صحبتیں وہ تیری بزمِ شعر
ہر قدر دانِ ندرتِ افکار کو سلام

کوثر، صبا و مہر و زری، عاصم و ذہین
زیب و شمیم نادرہ گفتار کو سلام

کوکب، سخا و ماہرِ و فاضل، وفا، فضا
تاجِ سخن کے ہر دُرِ شہوار کو سلام

تنویر و شاغل و قمر و ناظم و عزیز
شیرازہ بندِ دفترِ اشعار کو سلام

عشقی و عارف، احمر و طالب، اثر، شفیق
ہر شعر و شاعری کے علمدار کو سلام

بادِ صبا کچہری میں جا کر تو عرض کر
میرا ہر اک وکیل کو مختار کو سلام

آخر میں صدق دل سے نہایت خلوص سے
اطہر کا ہر محبّ و وفادار کو سلام

میں نے اپنی ایک تالیف "گلدستۂ بلاغت" ۱۹۵۲ء آپ کی خدمت میں پاکستان بھیجی تو جو خط اُس کی رسید کا آیا اُس کے الفاظ یہ ہیں :-

"مضامینِ کتاب سے زیادہ مسرّت مجھے احباب کی تصاویر دیکھ کر ہوئی۔

دل تڑپ جاتا ہے رہ جاتا ہوں ہو کر بیتاب
یاد جب آتے ہیں جے پور کے احباب مجھے"

معاصرین و تلامذہ | جے پور میں آپ کے خاص خاص معاصرین یہ ہیں :- مرزا مائل۔ جوہر۔ مولانا سخا۔ منشی سخا۔ آگاہ۔ کوثر۔ تسنیم اور تنویر وغیرہ۔

اور خاص شاگردوں میں :-

مولوی بادشاہ حسین رعنا۔ سید اثر۔ رعنا رسول پوری۔ پنڈت مہر۔ شجاعت علی کوثر نفیس سندیلوی۔ شیخ افتخار علی شمیم۔

نثر نگاری | مولانا کو نثر نگاری کا بھی شروع ہی سے شوق رہا ہے۔ آپ کے مضامین ہمیشہ فنی، تنقیدی اور تحقیقی ہوتے ہیں۔ مثلاً

رسالہ "ہمایوں" لاہور بابت سنہ ۱۹۲۲ء کے ذریعہ آپ نے اُن اعتراضات کا جواب دیا ہے جو علامہ شبلی نے شعر العجم میں امیر خسروؒ پر کئے ہیں۔

رسالہ "شادماں" جے پور بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۲۵ء میں ایک تنقیدی مضمون بعنوان "ترجمہ رباعیاتِ عمر خیام از آغا شاعر دہلوی" شائع ہوا ہے۔

اسی رسالہ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۵ء میں ایک مبسوط و محققانہ مضمون بعنوان "معارف و زمیندار میں معارضہ عروضی" بالاقساط جون سنہ ۱۹۲۵ء تک چھپتا رہا ہے۔

اسی طرح رسالہ "خیال" ہاپوڑ۔ "کلیم" دہلی۔ "اردو" دہلی۔ اور "نیرنگِ خیال" وغیرہ میں مختلف مضامین طبع ہوتے رہے ہیں۔

اپنے کلام پر خود کی رائے | مولانا کی اپنے کلام کے متعلق یہ رائے ہے :-

کلامِ حضرتِ اطہر سنا ہے
زباں دلی کی ہے فن لکھنؤ کا

ماہرینِ فن میں گو اطہر نہ ہو میرا شمار
مدتوں روئیں گے لیکن اہلِ فن میرے لئے

تم اس زمانہ میں اطہر کو مغتنم سمجھو
یہی بزرگوں کی اک یادگار باقی ہے

تصانیف | مولانا کی اب تک حسب ذیل تصانیف ہیں :-

(۱) خمستانِ اطہر دیوانِ اوّل ۱۳۶۸

(۲) مجموعہ غزلیات و قصائدِ فارسی

(۳) مجموعہ قطعات و رباعیاتِ اردو، ہر قطعہ یا رباعی میں ایک مسئلہ شعری نظم کیا ہے۔

(۴) مجموعہ قصائد اردو
(۵) اردو قطعات تاریخ۔ رباعیات، مراثی اور سلام
(۶) رسالہ تحقیقات الفاظ
(۷) اظفار اللغات مشتمل بر دو حصّہ
(۸) نظم لیلۃ الاسریٰ
(۹) مکتوبات شعری
(۱۰) مجموعہ مضامین متفرق

کلام پر تبصرہ | مولانا کے کلام میں زورِ بیان۔ لطفِ زبان۔ قادر الکلامی۔ محاکات، صفائی۔ روانی۔ بے عیبی، اور تاثیر کے بکثرت نمونے ملتے ہیں۔

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

کرشمہ دیکھو مری شرمِ نارسائی کا
وہ عذر خواہ ہے میری شکستہ پائی کا

شوق پیدا کر دیا، ارمان پیدا کر دیا
زندگی نے موت کا سامان پیدا کر دیا

صانعِ قدرت کا حسنِ آفرینش دیکھئے
حور کی صورت کا اک انسان پیدا کر دیا

کسی کو خم ملا ساقی کسی کے ہاتھ جام آیا
مری قسمت کہ تیرے میکدے سے تشنہ کام آیا

تیرِ نگاہِ یار عجب کام کر گیا
آنکھوں کی راہ سے مرے دل میں اتر گیا

ٹیڑھی ہوئی نگاہ تو قسمت بگڑ گئی
سیدھی ہوئی نظر تو مقدّر سنور گیا

غضب کی شوخیاں کرتا ہوا انکا شباب آیا
ادائیں ساتھ ساتھ آئیں کرشمہ ہمرکاب آیا

قیامت ساتھ لے کر خوبرویوں کا شباب آیا
کہ شرم آئی، حیا آئی۔ ادا آئی۔ حجاب آیا

یہ کہنا تھا کہ آنکھیں کھول دیں بیمارِ الفت نے
کہ وہ پیغامبر لے کر ترے خط کا جواب آیا

ہمارے داغِ جگر کا جواب کیا ہوگا
جب آفتاب نہیں، ماہتاب کیا ہوگا

جو مانگا دے دیا ساقی! جو مل گئی پی لی
یہی حساب ہے اور اب حساب کیا ہوگا

سوزِ دل سے ہے یہ عالم گرمیِ تقریر کا
دودِ آتش بن کے رنگ اڑنے لگا تحریر کا

ہم سے پھرنا تجھے اے بخت سزاوار نہ تھا
تو دلِ یار نہ تھا کچھ نگہِ یار نہ تھا

وحشی کو کب نصیب ترے، پیرہن ہوا
مر بھی گیا تو جامۂ ہستی کفن ہوا

آخر تری کدورتِ خاطر نہ چھپ سکی
دل کا ترے غبارِ جبیں کی شکن ہوا

وہ رہ نوردِ عشق بڑا خوش نصیب ہے
جس کا کفن سپیدیِ صبحِ وطن ہوا

پیرِ مغاں کی دل شکنی بھی گناہ ہے
میں اس ثواب کے لئے توبہ شکن ہوا

اماں دشوار تھی صید افگنوں سے اس زمانے میں
اگر ہوتا بھی دیوارِ حرم پر آشیاں میرا

نگاہیں جذب ہوتی ہیں اسی کے حسنِ دلکش میں
کسی جانب پھر اس کو دیکھ کر دیکھا نہیں جاتا

یارب تجھی کو رہروِ الفت کی شرم ہے
منزل سرک گئی ہے گراں بار دیکھ کر

زاہد یہ میکدہ ہے کوئی خانقہ نہیں
تعظیم کا مقام ہے ہشیار، دیکھ کر

مرنے کا ہے خیال کہ جینے کا ہے ملال
کس فکر میں ہو حالتِ بیمار دیکھ کر

عمر غربت میں گزاری ہے وطن یاد نہیں
مرغِ گم گشتۂ نشیمن ہوں چمن یاد نہیں

کعبے میں دعا مانگتے ہو وصلِ صنم کی
اطہر بڑے گستاخ ہو درگاہِ خدا میں

آزاد بھی ہوں اور علائق میں مبتلا
نظمِ جہاں میں میں بھی گریزِ قصیدہ ہوں

میری خوشی ہے رنج کا پہلو لئے ہوئے
مانندِ صبحِ عید گریباں دریدہ ہوں

دشمن ہوں دشمنوں کا تو ہوں دوستوں کا دوست
تیغِ کشیدہ اور کمانِ خمیدہ ہوں

فنا کی منزلیں طے کر رہا ہوں
ابھی جیتا ہوں لیکن مر رہا ہوں
کوئی کہہ دے یہ جا کر بجلیوں سے
کہ تعمیرِ نشیمن کر رہا ہوں

یہ سنتے ہی ترا محوِ خیال چونک پڑا
وہ آنے والے ہیں، آتے ہیں، آئے جاتے ہیں

پرسش کسی کی کیا ہو تری بارگاہ میں
شوخی ٹھہرنے دے بھی کسی کو نگاہ میں

توبہ کا فصلِ گل میں بھلا کیا پتہ چلے
شاید کہیں ملے تو ملے خانقاہ میں

اللہ میرے عجز کا مجھ کو ملے صلہ
وہ شے ہے یہ، نہیں جو تری بارگاہ میں

نہیں ہے تابِ تماشا اگر مجھے تو نہ ہو
تمہاری انجمنِ ناز طور بھی تو نہیں

ہم سا بھی بد نصیب نہ ہوگا زمانے میں
دو دن بھی چین سے نہ رہے آشیانے میں

بے تابیوں سے ہم نگہِ شوخ بن گئے
تم اپنی شوخیوں سے دلِ بیقرار ہو

اطہر تم اور مشغلۂ شاہد و شراب
سیّد ہو، مولوی ہو بڑے دیندار ہو

اُس بادہ کش کو کیا غمِ روزِ نشور ہو
ساغر میں جس کے لکھا ہوا "یا غفور" ہو

ہمارے دل کو تم اپنی پناہ میں رکھو
بہت شریر ہے اس کو نگاہ میں رکھو

ہمارے کام کی توبہ نہیں رہی زاہد
اسے سنبھال کے تم خانقاہ میں رکھو

آرزو، منتظرِ وعدۂ فردا ہے ابھی
واپس اے پیکِ اجل کچھ مجھے جینا ہے ابھی

سُنی قفس میں کسی نے نہ داستاں میری
درِ قفس کی طرح بند ہے زباں میری

مرا نصیب کہ صیاد ہی کے قدموں پہ
گری ہے ٹوٹ کے خود شاخِ آشیاں میری

یہ عجیب شعبدہ ہے یہ عجیب ماجرا ہے
کہ جس آنکھ میں ہے شوخی اسی آنکھ میں حیا ہے

اطہرِ زار کا اب حال نہ پوچھو ہم سے
جھلملاتی ہوئی شمعِ سحری دیکھی ہے ٭

اعجاز

تخلص، کرامت علی نام۔ اصل وطن نارنول، مولوی حافظ حاجی امام علی کے فرزند چہارم تھے۔ نسباً شیخ فاروقی الاسدی۔ اور مذہباً سُنّی حنفی تھے۔

ولادت و تعلیم آپ کی ولادت ۱۲۶۱؁ھ میں بمقام نارنول ہوئی۔ ہوش سنبھالتے ہی شغلِ آبائی یعنی تحصیلِ علوم میں مشغول ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد بزرگوار اور دیگر بزرگوں سے پڑھیں اور پھر جے پور پہنچکر علومِ عقلی و نقلی کی تکمیل مولانا تسلیم نارنولی سے کر کے دستارِ فضیلت حاصل کی جن سے آپکی قرابت بھی تھی۔

ملازمت ۱۲۸۵؁ھ میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد فکرِ ملازمت ہوئی۔ اوّل بزمرۂ اطبا سرکاری فوج میں ملازمت کی کیونکہ آپ نے طب کی سند بھی حاصل کرلی تھی۔ پھر ۱۷ ؍ دسمبر ۱۸۶۹؁ء میں نوبل اسکول جے پور میں مدرس ہو گئے۔ اور چند ہی

٭ افسوس! یہ شمع بجھ گئی۔ یعنی ۲۵ ؍ فروری ۱۹۵۷؁ء کو مولانا نے کراچی میں انتقال کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ۳۔۵۔۵۷ شاغل

سال بعد مہاراجہ اورنٹیل کالج جے پور میں فارسی و عربی کے پروفیسر، نیز بعدِ وفات مولانا تسلیمؒ مفتیِ ریاست مقرر ہوئے اور تا دمِ واپسیں یہ دونوں خدمات انجام دیتے رہے۔

مشاغل و اخلاق | درس و تدریس آپ کی طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی۔ باوجودیکہ خود عالمِ جیّد اور مسلّم الثبوت فارغ التحصیل تھے مگر جب تک مولانا تسلیمؒ بقیدِ حیات رہے، اُن سے سبقاً سبقاً کچھ نہ کچھ پڑھتے ہی رہے۔ مولانائے موصوف کی تصانیف کے مسودے لکھنا اور پھر اُن کو صاف کرنا بھی آپ ہی کے ذمّہ تھا۔ چونکہ آپ بہت زود نویس بھی تھے اس لئے مولانا روانی کے ساتھ بولتے جاتے اور آپ قلمبند کر لیتے۔ آپ کے قلمی مسودات کا ایک انبار اب تک محفوظ ہے جو بہت مشکل سے پڑھنے میں آتا ہے۔ البتہ صاف شدہ کتب نہایت صاف و نستعلیق لکھی ہوئی ہیں۔

اسی طرح منتہی طلبا کو تمام عمر مفت درس دیتے رہے۔ اُس زمانہ میں اونچے درجے کے علما کوئی معاوضۂ تعلیم لینا نہایت معیوب سمجھتے تھے۔

طبعاً نہایت با اخلاق و منکسر المزاج اور خاموش طبع تھے۔ ہمدردی اور احباب نوازی آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔

تلمذ و شاعری | فنِ شعر میں بھی آپ کو مولانا تسلیمؒ ہی سے تلمذ تھا۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے اور دونوں پر پوری قدرتِ کلام حاصل تھی۔ عالمانہ وقار کے ساتھ فن کو بحیثیتِ فن استعمال کرنے کا خاص ملکہ تھا۔ کبھی کسی امیر و رئیس کی شان میں کچھ نہیں لکھا۔

وفات | آپ نے ۸ محرم ۱۳۱۴ھ مطابق ۲۰ جون ۱۸۹۶ء کو بعمر ترپن[۵۳] سال وفات پائی۔

معاصرین | جے پور میں آپ کے خاص خاص معاصر حسبِ ذیل ہیں:-

آگاہ، امانت، امین، تحسین، جنون، جویا، چراغ خستہ، راقم، رضی، ساکت، صفا، عطا، فقیر، مائل، مبین، مجبور، محوی، منشی، مونس، ناظم، ہاتف اور ہیرالال یکتا وغیرہ۔

تصانیف | مولانا اعجاز کی حسب ذیل تصانیف ہیں :-

(۱) حفظ السیر۔ فارسی مثنوی۔ متعلق سیرت پاک مطبوعہ ۱۹۲۰ء

(۲) رسالہ کرامت۔ نثر اردو مطبوعہ ۱۳۰۴ھ

(۳) دیوان فارسی

(۴) دیوان اردو

(۵) مناظرۂ عقل وہوس نثر فارسی مصنفہ ۱۲۸۶ھ

(۶) رسالہ مولد۔ نثر عربی۔ مرتبہ ۱۲۹۰ھ

(۷) رسالہ میلاد شریف۔ اردو نثر مرتبہ ۱۲۹۰ھ

(۸) رسالہ در حالات شہدائے کربلا

(۹) آثار سہیلی اردو ترجمہ انوار سہیلی

(۱۰) آوان الاذان فی اوقات الاذان، فارسی نثر۔ مرتبہ ۱۳۰۲ھ

(۱۱) شرح دیباچۂ بوستاں۔ اردو نثر

(۱۲) شرح عربی کورس مولوی فاضل۔ اردو نثر

(۱۳) رسالہ در بیان جمعہ۔ فارسی نثر

اولاد | آپ کے دو صاحبزادے ہوئے مولوی شیخ عابد علی عابد۔ جن کا ذکر اس تذکرے میں ہے اور دوسرے شیخ حامد علی جنھوں نے لاولد وفات پائی۔

کلام پر تبصرہ | زبان کی صحت، مضمون کی بلندی، خوبصورت تراکیب، روانی کے ساتھ مضمون آفرینی، اور تاثیر کا لحاظ آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :-

اِک جہانِ قلق و حسرت و ارماں دیکھا
مختصر یہ کہ تمہارا غمِ ہجراں دیکھا

دورِ گردوں میں کہاں رنگ طرب ہے ہم نے
نام لینے کے لئے برق کو خنداں دیکھا

عدو کے طعن تمہارے ستم غموں کے بار
اُٹھائے ایک مری جانِ ناتواں کیا کیا

رکھا نہ دین کا اعجاز کو نہ دُنیا کا
کرے گی اور ہوا داریٔ بتاں کیا کیا

اے خواہشِ پیمانِ وفا تیرا بُرا ہو
وہ ضد سے مری آہی گئے اپنی نہیں پر

سر پہ فلکِ فتنہ گر اک اور بنایا — کیا کم تھے بتانِ ستم ایجاد زمیں پر

ہاں اُلفتِ اغیار کا انکار مُسلّم — آیا ہے عرق شرم سے میری ہی جبیں پر

جاتی ہے کوئی رونقِ بازارِ کائنات — اچھا نہ ہوں بلا سے اگر ایک ہم نہیں

اعجاز کیا ہوا یہ، غضب چپ لگی تمہیں — کیوں آج لب پہ زمزمۂ یا صنم نہیں

تسکیں کہاں اُمید کہاں وعدے نے ترے — مرنے بھی تو دیا نہ مجھے انتظار میں

ہم بھی کریں کچھ آرزوئے مدّعا اگر — ہے ہی کہاں بقدرِ طلب روزگار میں

کچھ آپ کی ہی خاطرِ نازک کا پاس ہے — ورنہ ہمارا نالۂ دل اور رسا نہ ہو

مُفت ملتا ہے کہیں ذوقِ خلش دیوانے — گر نہ ہو دل میں مژہ پا میں سرِ خار تو ہو

پھر رہائی کی تمنا ہو تو ہم ضامن ہیں — زاہد اس دامِ محبت میں گرفتار تو ہو

مجکو ملے تو تم، سو بلا کے ستم شعار — کہیے مجھے شکایتِ تقدیر کیوں نہ ہو

حسرت کشِ ستم ہوں تمنّا پرستِ یاس — مُجھ سا کوئی ملے تو سہی روزگار کو

ہیں اگر گرمِ روِ شوق تو کیا ٹھیریں گے — باغِ فردوس ترا سایۂ دیوار سہی

یہ تو کہیے کہ یہاں بُت میں ہی کس کا جلوہ — زاہد و خلد میں اللہ کا دیدار سہی

میں جان و دل کو ڈھونڈھ رہا تھا کہ کیا ہوئے — پایا نگاہ سے کہ کبھی کے فنا ہوئے

سیاہ کاریاں میری اگر پسند نہیں — تو اے خدا نہ دیا ہوتا اختیار مجھے

کیا درِ دیر پہ اب تک بھی نہ پہنچا ہوگا
مُدّتیں ہو گئیں اعجاز کو گھر سے نکلے

افضل

تخلص، افضل حسین نام، جے پور وطن۔ یہاں کے مشہور وکیلوں میں تھے۔ جوانی میں بہت خوش پوش و خوش گزران تھے۔ اوّل سید اولاد حسین رسوا سے اصلاح لی پھر مولوی عبد الحی بیخود بدایونی سے، اور آخر میں مولانا اطہر کو اُستاد بنایا۔ بہت ملنسار اور خلیق انسان تھے۔ شعر و سخن کا

ذوق عنفوانِ شباب سے تھا۔ ہمیشہ غزل کہتے تھے۔ تقریباً پینسٹھ سال کی عمر میں اغلباً سنہ ۱۹۴۴ء میں جے پور ہی میں انتقال ہوا۔ ایک اچھا خاصہ ضخیم مجموعہ کلام چھوڑا تھا۔ مگر اب وہ نایاب ہے۔

کلام پر تبصرہ | سلیس زبان اور سادہ طرزِ بیان آپکے کلام کی جان ہے۔

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے :-

گزرا جو انتظار میں دن انتظار کا
نقشہ بدل گیا دلِ امیدوار کا

نیند آئے گی وہ آئیں گے یا موت آئے گی
کس کس کا انتظار کریں ہم اگر کریں

وہ ہیں فلک ہے غیر ہیں اور انکے ہمنشیں
کس کس کے دل پہ نالے ہمارے اثر کریں

جا سکتا کب ہے جامۂ ہستی اُتر کے ساتھ
سب چھوڑنے پڑینگے ہمیں عمر بھر کے ساتھ

افضل

تخلص، ابوالوفا کنیت۔ عبدالمجید خاں نام، ڈاکٹر زاہد خاں کے صاحبزادے اور نسباً ناغڑ افغان۔ اصل وطن قرولی (اسٹیٹ)

ولادت و تعلیم | آپ سنہ ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی طالب حسین طالبؔ قرولوی سے بھی تعلیم حاصل کی اور حکیم سید محمد عبدالرزاق قرولوی سے بھی علمی استفادہ کیا۔ آپ بظاہر پنجاب یونیورسٹی کے "منشی فاضل"۔ اور انگریزی میں میٹرک پاس ہیں۔ ضرورتاً اُردو اعلیٰ قابلیت کا امتحان بھی راجپوتانہ بورڈ سے پاس کر لیا ہے۔ مگر بلحاظِ معلومات آپ کا مبلغِ علم بہت بلند ہے۔ جو آپ کی ذاتی کوشش، عمیق و وسیع مطالعہ اور طبعی طور پر ذوقِ علمی کا نتیجہ ہے۔ فارسیت آپ کی طبیعت میں رچ گئی ہے۔ صحتِ الفاظ و محاورات پر خاص طور پر نظر رکھتے ہیں۔ حافظہ نہایت قوی ہے۔ اس لئے اساتذہ کے صدہا اشعار بطور نظیر ازبر ہیں۔

اخلاق و عادات | آپ ایک خوددار و مستغنی المزاج اور راسخ العزم انسان ہیں۔

خلیق و متواضع اور مخلص بھی ہیں مگر غیور و حساس بھی۔ احباب کی جانب سے ذراسی فروگزاشت یا کم التفاتی آپ کی نظر میں بہت بڑا مسئلہ اور اہم سوال بن جاتی ہے۔

ملازمت | آپ شہر جے پور میں بھی کئی ہائی اسکولوں میں اُردو فارسی کے مدرس رہے اور علاقہ جے پور کے مدرسوں میں بھی۔

ترکِ وطن | تقسیمِ ملک کے بعد آپ پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں جیمس آباد کے مدرسہ میں مدرس ہیں۔

شاعری | شاعری کا ذوق آپ کو ۱۹۱۸ء سے ہے مگر اُردو کم کہتے ہیں اور فارسی کچھ زیادہ۔

ایک بار آپ مرزا مائل کی مزاج پُرسی کے لئے سانبھر گئے کہ جہاں وہ علیل تھے۔ مرزا صاحب نے آپ کو دیکھتے ہی یہ مطلع کہا:-

اِدھر کو جو آنا تمہارا ہوا مِری زندگی کا سہارا ہوا

اور فرمائش کہ میں بھی اس زمین میں غزل لکھتا ہوں آپ بھی ضرور لکھئے، "تارا" قافیہ مخصوص کیا گیا۔ دوسرے روز آپ نے غزل سُنائی مرزا صاحب نے بھی کہہ لی تھی۔ آپ نے اس قافیہ کو یوں باندھا تھا:-

وہ بلبل ہوں ٹپکا جو آنسو مرا گلستاں کی آنکھوں کا تارا ہوا

مرزا صاحب کا شعر تھا۔

شرربار نالہ جو میرا گیا فلک پر وہ دُمدار تارا ہوا

مرزا صاحب نے فیصلہ کیا کہ آپ کا قافیہ بڑھ گیا۔

فارسی کلام میں آپ کو دقت پسندی پسند ہے اور اُردو میں سلاست۔ تبرکاً بطور نمونہ ایک شعر درج کرتا ہوں۔

غزل گوئی کہاں جے پور میں اب ہم کچھ جو کہتے ہیں　　وہ اپنا مرثیہ یا نوحۂ ماتم سمجھتے ہیں

اکرم | تخلص، ابوالاکرم کنیت۔ اکرام الدین نام۔ مولفِ ہٰذا کے فرزند اکبر۔ اور نسباً شیخ عثمانی تھے۔ وطن جے پور تھا۔

ولادت و تعلیم | ۳۰ ر اگست ۱۹۲۲ء کو بمقام ریواڑی پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے "منشی فاضل" اور انٹر پاس کیا۔ اُردو اور مذہبیات کی تکمیل گھر پر کی تھی۔

شاعری | شاعری کا ذوق بچپن سے تھا۔ حضرت تنویرؔ سے اصلاح لینے لگے۔ طبیعت میں تنقیدی و اصلاحی مادہ چونکہ کچھ غیر معمولی تھا اس لئے تھوڑے ہی دن میں آثارِ ترقی نمایاں ہو گئے۔ چنانچہ جے پور کے مشاعروں میں دادیں ملنے لگیں۔ ایک بار جب ۱۹۴۷ء میں بمقام دہلی تراہا بہرام خاں میں مشاعرہ ہوا تو آپ کی اور آپ کے بہنوئی شیخ ساجد علی ساجدؔ کی غزلیں بے حد پسند کی گئیں بلکہ حاصلِ مشاعرہ مانی گئیں۔ وہ متعدد رسائل میں طبع بھی ہوئیں اور رئیس امروہی نے رسالہ "انصاری" میں ایک تعریفی نوٹ کے ساتھ ان کو شائع کیا۔ شعری بھوپالی کی مشہور غزل ہے :-

ہمیں تو شامِ غم میں کاٹنی ہے زندگی اپنی　÷　جہاں وہ ہوں وہیں اے چاند لیجا چاندنی اپنی

اس کے جواب میں غزل لکھی۔ اور بڑے رنگین اشعار نکالے تھے۔ مگر اب وہ ناپید ہیں۔ ایک شعر شیخ ساجدؔ کو یاد تھا جو درج کرتا ہوں :-

گزشتہ چاندنی راتوں کی باتیں یاد آتی ہیں　÷　خدارا چاند مجھ سے دور لیجا چاندنی اپنی

یہ وہ زمانہ ہے جب آپ بسلسلۂ ملازمت شیخ ساجدؔ کے ساتھ دہلی میں رہتے تھے اور اس معیت نے بادۂ سخن کو دو آتشہ کر دیا تھا۔

ملازمت | آپ سنٹرل ایکسائز ڈپارٹمنٹ گورنمنٹ ہند میں کلرک تھے۔ انبالہ اور دہلی تعینات رہے۔

شہادت ابھی عمر کی صرف پچیس[25] بہاریں دیکھی تھیں کہ گلشنِ حیات پر خزاں آگئی۔ ملک کا تقاسمہ ہوا۔ ملازمان کو بھی تقسیم کیا گیا۔ دلّی کے ماحول اور تعصّب کی آندھیوں نے چراغِ امن گل کر دیا۔ مجبوراً آپ نے پاکستان جانا منظور کیا۔ حکومتِ ہند کے اس اعلان پر کہ رستے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور فوجی دستہ حفاظت کے لئے ساتھ ہوگا۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۴۷ء کو دہلی سے اُسی محفوظ ٹرین میں سوار ہوئے۔ سہارنپور تک تو بخیریت پہنچ گئے۔ لاہور جا رہے تھے۔ مگر جب "بیاس" کے اسٹیشن پر اسپیشل پہنچی ہے تو محافظین نے عمداً گرگ بہ پیشہ چوپانی کا ثبوت دیا۔ اور انسان نما خونخوار درندوں نے بے گناہوں کے خون کو اپنی آتشِ انتقام فرو کرنے کے لئے ضروری سمجھا۔ ساری ٹرین کے مسافر کاٹ ڈالے گئے۔ اس طرح مرحوم نے تو حیاتِ جاوید اور جنّت الفردوس پائی۔ البتہ بوڑھے والدین اور نوجوان بہن بھائیوں پر جو قیامت گذری اس کو وہی جانتے ہیں جن پر گزری۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

اسی حادثہ میں مرحوم کا کلام بھی غارت ہوا۔ صرف تین شعر بطور یادگار درجِ ذیل کرتا ہوں۔

آساں ہے کاٹنا تو شبِ انتظار کا — مضمون لکھنے بیٹھ گئے زُلفِ یار کا

آئی خزاں نہ فصلِ بہاراں گئی کہیں — گلشن اُڑا کے لے گیا نغمہ ہزار کا

رشک بیجا نہیں مرغانِ چمن کا مجھ پر — آشیانہ ہے مرا رونقِ آغوشِ بہار

امانت تخلص، میر امانت علی نام، میر کرامت علی ناگوری کے فرزند۔ جوانی میں کرنل سکنر صاحب کے رسالہ میں سوار تھے۔ بعد برخاستگی رسالہ، جے پور آکر ملازم ہوگئے اور یہیں دارِ فانی سے عالمِ جاودانی

کو سدھارے۔ نتیجۂ فکر ملاحظہ ہو:۔

دیکھا نہ حور کو بھی امانت نے آنکھ اٹھا ۔۔۔ مارا ہوا تھا کس کے خدنگ نگاہ کا
اللہ رے رسائی دست جنوں کہ اب ۔۔۔ دامن کی راہ لی ہے گریباں کے چاک نے

امین تخلص، امان علی نام۔ نسباً سید تھے۔ نارنول وطن تھا۔ مولانا تسلیم سے تلمذ تھا۔ جے پور کی پلٹن میں ملازم تھے۔ اور محوی۔ عطا۔ اعجاز۔ تحسین۔ رضی اور ساکت وغیرہ کے ہمعصر، کلام میں پختگی، زور، شوخی، اور روانی پائی جاتی ہے۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:۔

کیونکر رہوں میں تم ہی کہو اختیار میں ۔۔۔ میرا دلِ رمیدہ نہیں ہے قرار میں
یاں پاسِ وضعِ رشک وہاں اختیارِ غیر ۔۔۔ کس طرح سے گزر ہو مرا کوئے یار میں
گھر پوچھتے ہیں مجھ سے مگر میرا گھر کہاں ۔۔۔ صحرا کو گھر بتاؤں تو دیوار و در کہاں
شکوہ بہار کا نہ شکایت سحاب کی ۔۔۔ نخلِ امید ہی جو نہ ہو تو ثمر کہاں
قاصد کے قتل کرنے کا واں حکم عام ہے ۔۔۔ خط تو لکھیں ہم اُن کو مگر نامہ بر کہاں
اے رشک کس سے ہو کے یہ آیا ہے ہمکلام ۔۔۔ قاصد گہر فشاں دمِ تقریر کیوں نہ ہو

امین تخلص، امین الدین نام۔ نسباً شیخ قریشی۔ والدِ بزرگوار کا نام شیخ امام الدین تھا۔ جو غدر کے زمانہ میں جے پور آئے اور ریاست کی پلٹن میں ملازم ہو کر میجر ہو گئے تھے۔ اصل وطن برناوہ ضلع میرٹھ تھا۔

ولادت۔ تعلیم اور ملازمت شیخ امین اغلباً ۱۸۶۱ء میں بمقام برناوہ پیدا ہوئے ہوش سنبھالتے ہی جے پور لے آئے گئے۔ کچھ عرصے مولانا رشید الدین فائز سے پڑھا۔ پھر تکمیل فارسی مولانا مبین سے کی اور عربی کی ابتدائی کتابیں بھی انھیں سے پڑھیں۔ مولانا شوکت عثمانی سے جن کا ذکر اس تذکرہ میں ہے بالکل برادرانہ تعلقات تھے۔

۱۹ ستمبر ۱۸۸۳ء کو اوّل ناظر محکمہ کوتوالی جے پور ہوئے۔ پھر ترقی کر کے سررشتہ دار نظامت (ڈسٹرکٹ کلکٹری) ہوگئے اور عرصۂ دراز تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ ۴۲ سال سرکاری ملازمت انجام دے کر پنشن لی اور خانہ نشین ہوگئے۔ نہایت مشہور و ممتاز اور ہوشیار و کارگزار اہلکار مانے جاتے تھے اور اپنے کام پر خوب حاوی تھے۔

اخلاق و عادات اور وفات | خلوص و صاف گوئی اور وضعداری آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ مزاج میں تیزی اور غصہ ذرا زیادہ تھا۔ اس لئے آپ کے افسران تک آپ کے مزاج سے تو گھبراتے تھے۔ مگر کام کے سبب سے بہت قدر کرتے تھے ۱۳ نومبر ۱۹۲۴ء کو جے پور میں انتقال ہوا۔

شاعری | آپ کی شاعری کا عجیب واقعہ ہے۔ تقریباً پچاس سال کی عمر تک آپ کو شعر گوئی کا مطلق شوق نہ تھا۔ آپ کے صاحبزادے غلام زین العابدین میرے والد مرحوم کی نگرانی میں جے پور میں تعلیم پا رہے تھے اور ہمارے یاں ہی رہتے تھے۔ وہ بھی مولانا مبین سے تعلیم پاتے تھے اور میں بھی۔ اس زمانہ میں شعر و سخن کا ذوق تو عام تھا ہی طلبہ کے لئے بیت بازی بھی ایک جزو تعلیم و تربیت سمجھی جاتی تھی۔ غلام زین العابدین مرحوم جن کا عرف "کلو" تھا۔ بلا کے طباع تھے۔ شعر تو نہیں کہتے تھے مگر اساتذہ کے کئی ہزار اشعار انکو ازبر تھے۔ افسوس کہ عین جوانی میں اُن کا انتقال ہوگیا جبکہ وہ فارغ التحصیل بھی نہ ہوئے تھے۔

ہاں تو۔ بیت بازی میں وہ بہت تیز تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ ہر شبِ جمعہ کو بزرگوں میں سے کوئی بھی صاحب توجہ ہو جاتے اور طلبہ کی دو پارٹیاں "فریقین" سامعین" انیکسس" کا حکم رکھتے تھے "عطائی نامہ"۔ "محمود نامہ" صدہا متفرق

اشعار اور بہت سی پوری غزلیات و قصائد ہم لوگوں کے رٹے ہوئے تھے۔ بعد نمازِ عشا یہ بیت بازی شروع ہوکر اگر ۱۲ بجے شب تک ختم نہ ہوتی تو آئندہ شبِ جمعہ پر فتح و شکست ملتوی کردی جاتی۔ اس طرح یہ سلسلہ بعض دفعہ مہینوں میں جاکر ختم ہوتا تھا کیونکہ ایک ہفتہ میں اور تازہ اشعار یاد کرلئے جاتے تھے اس لئے کہ ایک بار پڑھا ہوا شعر دوبارہ نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اور ناموزوں یا مہمل بیت الفظ ہو جاتی تھی۔ ایک بار اتفاق سے میں اور مرحوم بالمقابل تھے، شاید اس سلسلہ کو جاری ہوئے پانچواں ہفتہ تھا۔ میں ہر شعر کو "نون" کی ردیف پر ختم کر رہا تھا۔ اور ۱۲ بجنے میں چند ہی منٹ باقی تھے۔ مرحوم کے پاس نون کی ردیف کے شعر ختم ہو چکے تھے۔ اور اُن کو مات ہونے ہی والی تھی کہ اُنھوں نے یہ شعر تصنیف کر کے سُنایا:۔

نام تھا زین العابدیں میرا — مجکو کلّو بنا دیا کس نے

میں نے بھی فوراً ایک بیت موزوں کر کے پڑھی:۔

یہ کہاں کی شاعری ہے کہ گھڑا ہی شعر تم نے — کوئی شعر تر سُناؤ تو ہم اعتبار کرلیں

چونکہ وقت ختم ہوگیا تھا اس لئے آئندہ ہفتہ پر جلسہ ملتوی ہوکر ختم ہوا۔

اُس زمانہ میں حضرتِ آمین غالباً نظامت مال پورہ میں تعینات تھے نہیں معلوم کس طرح یہ حال اُن کو بھی معلوم ہوگیا۔ چند ہی روز کے بعد پندرہ بیس غزلیں ایک خط کے ذریعہ بغرض اصلاح حضرت مبینؔ کی خدمت میں آئیں۔ خط میں لکھا تھا کہ "مجھ تک "کلّو" کا یہ شعر پہنچا۔ نہیں معلوم کیوں طبیعت شعر گوئی کی طرف راغب ہوگئی۔ اس لئے چند غزلیات بغرضِ اصلاح ارسالِ خدمت ہیں۔" مولانا مبینؔ نے بعد اصلاح وہ واپس بھیجدیں۔ یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ تھوڑے ہی دن میں ایک ناتمام سا دیوان تیار ہوگیا جو

آپ کے صاحبزادے معین الدین قریشی کے پاس محفوظ ہے۔

کلام پر تبصرہ بلند پروازی، شوخی اور مضمون آفرینی کی سعی آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:۔

نام لیناہی بے وفائی کا اِک سبب بن گیا جُدائی کا
دل ہیں آکے کسی کے رہ جانا اس پہ دعویٰ ہو پارسائی کا
زمانہ کی نیرنگیاں دیکھ کر خیالات کو کچھ بدلنا پڑیگا
پئے نکہتِ گُل چمن کی طرف نسیمِ سحر تجکو چلنا پڑیگا
گو خاک ہوں اور خاک ہی سے ہیری بِناہو مسجودِ ملائک ہوں تماشا نہ سمجھنا
ناز بردار رہا۔ یارِ وفادار رہا کونسی بات سے تیری مجھے انکار رہا
جبکہ مرتا ہو طلب میں تری سارا عالم بُت پرستی سے بچا کون سا دیندار رہا
بدمزاجی کی تری سخت شکایت ہو ہمیں اپنی عادت سے تو مجبور مرے یار رہا
کیا دیدیا ہے مجکو کیوں ہو یہ ناز تجکو پیرِ فلک نہیں ہوں میں کچھ غلام تیرا
گو کبھی نکلی نہ گھر سے فاقہ مستی ایک دن شکر ہو دیکھی نہ ہم نے تنگدستی ایک دن

انور تخلص۔ شجاع الدین نام۔ امراؤ مرزا عرف اور سلطان الشعرا لقب تھا نسباً سیّد تھے۔ سیّد جلال الدین حیدر۔ "مرصع رقم" خوش نویس کے جو ابوظفر بہادر شاہ ظفر کے استادِ خوشنویسی تھے فرزند دوم۔ اور حضرت ظہیر کے برادرِ خُرد تھے۔ وطن دہلی تھا۔

ولادت اور مختصر حالات دہلی میں ۱۲۶۴؁ھ ہجری یا اس کے قریب پیدا ہوئے۔ خطاطی میں اپنے والدِ بزرگوار کے شاگرد تھے اور بہت تھوڑے عرصہ میں اس فن میں کمال حاصل کرلیا تھا۔ دہلی ہی میں تعلیم حاصل کی اور نمایاں استعدادِ علمی حاصل کرلی۔ قدرت نے آپ کو غیر معمولی ذکاوت وطباعی عطا کی تھی۔

زمانہ کے ہاتھوں آپ کو بہت تکالیف اُٹھانی پڑیں، حتیٰ کہ دستبُردِ غدر سے پریشان ہو کر وطن کو خیرباد کہا اور جے پور چلے آئے۔ یہاں بھی خاطر خواہ سکون و اطمینان اور فارغ البالی نصیب نہ ہوئی۔ مرزا مائل کہتے تھے کہ "آپ پر سانحۂ غدر کا اس قدر اثر تھا کہ تمام عمر کبھی مُسکراتے تک نہ دیکھا"۔ جے پور میں کاپی نویسی کے ذریعہ گزر معاش کرتے تھے یا نواب زادہ احمد علی خاں رونق کی سرکار سے کچھ امداد ہو جاتی تھی۔ جے پور سے بارہا دہلی بھی گئے اور وہاں کے مشاعروں میں بھی شریک ہوئے۔ تفکرات اور معاشی پریشانیوں کے باعث آخرِ عمر میں مزاج میں شورش پیدا ہو گئی تھی چنانچہ اپنے دو دیوان چاک کر ڈالے۔ لالہ سری رام مصنف "خمخانۂ جاوید" نے جو دیوانِ انور چھپوایا ہے وہ اگرچہ تمام کلام کا آٹھواں حصہ کہا جا سکتا ہے تاہم اُن کا یہ احسان ادبِ اردو پر کم نہیں ہے کہ دیوان طبع تو ہو گیا۔ جے پور میں آپ سے بہت لوگوں نے فنِ شعر میں بھی استفادہ کیا۔ مثلاً رونق۔ مائل، اور جوہر وغیرہ۔ اور خوشنویسی میں بھی متعدد صاحبان شاگرد تھے۔

تلمذ اور رنگِ طبع اوائل مشق میں حضرت ذوق سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد مرزا غالب سے مشورہ لیتے رہے۔ طبیعت نہایت دقت پسند اور مضمون خیز پائی تھی اس لئے۔ ذوق و غالب اور مومن کا رنگ سمو کر اپنا ایک خاص رنگ اور ایک مخصوص طرز اختیار کی تھی جو مقبولِ خواص و مرغوبِ عوام ہوئی۔ جو شعر دیکھو پھڑکتا ہوا۔ جس غزل پر نظر ڈالو کامیاب۔ حسنِ خیال اور بلندیٔ مضمون کو دیکھو تو ایک حیرت انگیز کیفیت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس قدر دقت پسندی اور نازک خیالی کے ساتھ مشاقی کا یہ عالم ہے کہ کیسی ہی سنگلاخ زمین ہو اشعار کی تعداد میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ پُر گوئی کا یہ رنگ کہ مشاعروں میں سہ غزلہ اور چو غزلہ تک کی نوبت آجاتی تھی۔ ساتھ ہی

ایک ایک قافیہ کو کئی کئی طرح باندھتے تھے اور آمد و زور بدستور قائم رہتا تھا۔ بقولِ صاحبِ "خمخانۂ جاوید" غدر سے دس برس بعد جو مشاعرے دلّی میں ہوئے اُن کی روحِ رواں انھیں کو سمجھنا چاہیئے۔ داغ۔ ظہیر۔ حالی۔ مجروح۔ سالک۔ عزیز اور ارشد ان مشاعروں میں شریک ہو کر دادِ سخن دیا کرتے تھے بگر ثقات کا قول ہے کہ "اکثر تو یہی ہوا کہ ان کی غزل سب پر فوق لے گئی"۔

وفات | صرف اڑتیس ۳۸ سال کی عمر تھی کہ اس سلطان الشعرانے ۱۳۰۲ھ میں بحالتِ شوریدگی دِلّی میں انتقال کیا۔

کلام پر تبصرہ | بلا کا زورِ بیان، اعلےٰ قدرتِ زبان۔ نازک خیالی۔ بلند پروازی مضمون آفرینی۔ دقت پسندی۔ جذبات کی عکاسی اور مناظر کی نقشہ کشی متین و شگفتہ انداز میں آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

خدنگِ نگہ دل کشا ہو گیا ستم قابلِ مرحبا ہو گیا
بشر ہوں نہ کھاؤں تو کیونکر جیوں غم و غصّہ میری غذا ہو گیا

نظر ملتے ہی وہ کچھ ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا پشیماں ہو رہا ہے دیدۂ انجام بیں کیا کیا
کیا غماز اپنا ہم نے پیدا ہاتھ سے اپنے زباں بن کر کہے دیتا ہے چاکِ آستیں کیا کیا

نہ لب پہ ہو ذکرِ مہرِ کیں کا نہ دیکھے اک اشک مُنھ زمیں کا
وہ ضبط ہو عاشقِ حزیں کا یہ ربط ہو چشم و آستیں کا

نظر ہی یاں تیرے اوج و شاں پر فغاں سے برپا کیا ہے محشر
کہ سر پہ کوچہ ترا اُٹھا کر بنا دیا آسماں زمیں کا

دیکھا جو بعدِ مرگ تو مر نازیاں نہ تھا بدلے فنا کے مُلکِ بقا کچھ گراں نہ تھا
کیا جانے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ ساقی وظیفہ بند نہ کر بادہ خوار کا

ہائے کیا کیا نہ وہ اس گریہ پہ نازاں ہوگا
جس کی آنکھوں پہ ترا گوشۂ داماں ہوگا

نظر آئے کیا مجھ سے فانی کی صورت
کہ پنہاں ہوں دردِ نہانی کی صورت

ہمارے گلے پر تو چلتی دکھاؤ
کہاں تیغ میں ہے روانی کی صورت

گدازِ دلِ تشنگاں غضب ہے
وہ خنجر نہ بہہ جائے پانی کی صورت

وہاں بدگمانی کی تعریف کیا ہو
یقیں ہو جہاں بدگمانی کی صورت

دوزخ پہ کیوں رکھی ہے سزائے صنم پرست
گرمی بتوں کے حسن میں کیا اے خدا نہیں

قہر کا ظلم قیامت کا ستم کرتے ہیں
وہ خدا سے نہیں ہوتا جو صنم کرتے ہیں

کچھ کچھ وہ چھیڑ لطف کی کم کم عتاب میں
جی ہے امید و یاس سے کس کس عذاب میں

کیا غم درازدستیِ نارِ سعیر کا
دامن کو لے چلا ہوں بھگو کر شراب میں

خوں فشانی مری داخل مرے نقصاں میں نہیں
اب تو دامن میں ہے وہ کچھ جو بدخشاں میں نہیں

مجھ سا دیوانہ و ہشیار ہوا امکاں میں نہیں
خاک اڑاتا ہوں مگر کوچۂ جاناں میں نہیں

ہے تذبذب کہ انھیں دیکھ کے کچھ کہہ نہ اٹھوں
گرچہ اب تک کوئی لغزش مرے ایماں میں نہیں

مرا اور اس بتِ مخمور کا ہے ایک سا عالم
جو واں لغزش قدم میں ہے تو یاں ہے پائے ایماں میں

وہ چشمِ مدعا بینِ سکندر پر ہوئی پردہ
اڑائی خاک جتنی جستجوئے آبِ حیواں میں

اگر مدِ نظر ہے زینتِ بزمِ فراموشی
لگا دو نقشِ یادِ مدعی تم طاقِ نسیاں میں

جب تواضع سے جھکے خجلت سے دشمن کٹ گیا
تیغ کا خم جانتے ہیں ہم خمِ تسلیم کو

ملیں گے تم سے یہ کیونکر گماں ہو
گماں جس جا نہ پہنچے تم وہاں ہو

اے جانِ زار کچھ تو رہے پاسِ ہمدمی
لب تک تو آ وصالِ صنم کی دعا کے ساتھ

بھولے ہیں کس خیال میں زہاد و پارسا
رشتہ نہیں ہے داورِ روزِ جزا کے ساتھ

مے بے طلب ملی تو ہوئی یار کی تلاش
بندوں کے ناز بھی ہیں نرالے خدا کے ساتھ

کم بخت کوئی دم تو رہے گا نظر سے دور
خوش ہوں جو ان کے در پہ عدو پاسباں ہے

مٹی خراب ہے ترے کوچہ میں ورنہ ہم　　ابتک تو جس زمیں پہ رہے آسماں رہے
نہیں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے　　پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے
اِدھر لاؤ ذرا دستِ حنائی　　پکڑ دیں چور ہم دل کا یہیں سے
خدا کی بے نیازی مانتا ہوں　　ذرا پُرسش نہیں نازِ بتاں کی
گیا اس کی ہے خوشی کہ وہ رُخ بے نقاب ہے　　اِک میرے ساتھ چشمِ جہاں کامیاب ہے
اور کچھ دنیا سے کھنچ جا اور بڑھ جا سوئے حق　　تیر جتنا کھنچ گیا پلہ میں اُتنا دُور ہے
سوزِ کافر خوئے بدگو دفع دونوں کا محال　　وہ جگر میں داغ ہے اور دل میں یہ ناسُور ہے
کاتبِ اعمال جو چاہیں لکھیں کچھ غم نہیں　　ہے نظر اُس پہ کہ جس سے قہر کوسوں دُور ہے
وہ گنہہ کرتا ہوں اب جی کھول کر جو رہ گئے　　جانتا ہوں خیر مجھ سے قہر تجھ سے دُور ہے
کچھ نہیں سُنتے کسی سے ہم کہ ہے واں رنگ کیا　　کیا زباں بندی تمہاری بزم کا دستور ہے
اُس مقامِ لاالتعیّن کا حصول انور کہاں　　آکے منزل پر جہاں سُنتے کہ دلّی دُور ہے
لوٹتا کیا ہم نوایانِ وطن کی یاد میں　　خیر ہے انور یہ کچھ دلّی نہیں جے پور ہے

اس زمین میں صفحہ ۱۰۴ لغایت ۱۰۸ دیوانِ انور پر دو غزلیں مخلوط کر دی گئی ہیں۔ چونکہ بحر و قوافی ایک ہیں شاید اس لئے یہ غلطی ہوئی ہے۔ بنظرِ غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک کا قافیہ "دور" اور "ہے" ردیف ہے۔ جس کے اشعار اوپر درج کئے گئے۔ اور دوسری کا قافیہ "نظر" اور "سے دُور ہے" ردیف ہے اُس کے چار شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

آپ جس جا ہیں یہ پہنچا واں نظر سے دُور ہے　　اُڑ کے جانا طائرِ بے بال و پر سے دُور ہے
سامنے ہے جلوہ اور کوسوں نظر سے دُور ہے　　تم کو پانا کس قدر فہمِ بشر سے دُور ہے
منزلوں مجھ سے جُدا کوسوں نظر سے دُور ہے　　راہ اپنی دُور ہے اور دُور تر سے دُور ہے
یوں دکھاتا ہے تماشا وہ امید و یاس کا　　میرے دل کے پاس ہے میری نظر سے دُور ہے

ایمانؔ تخلص، اور محمد علی خاں نام تھا۔ شکار پور ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے اور جے پور کی افواج میں طبیب۔

تلمذ اور اخلاق حضرت ایمانؔ اپنے کو حکیم مومن خاں مومنؔ کا شاگرد کہتے تھے مگر یہ صحیح نہ تھا۔ یار لوگوں نے اُن کے اس قول کو اُن کے وطن سے منسوب کیا اور یہاں تک پہنچا کیا کہ اُن کے سروس رول موجودہ محکمہ افواج سے اُن کی تاریخِ ولادت اور مومنؔ کی تاریخِ وفات معلوم کرکے اس قول کی تردید کی بعض کہتے ہیں کہ بوجہ ہم پیشگی یعنی طبیب ہونے اور ایماںؔ و مومنؔ کی نسبت سے ایسا کہتے ہوں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے شعرا میں بھی "ادبیہ طریقہ" ہو جس طرح اس زمانہ کے ایک شاعر کالے خاں جانبازؔ فرماتے ہیں :۔

مرا اُستاد ہے دیوانِ مومنؔ

طبعاً خوش اخلاق، آزاد منش۔ یار باش اور رنگین طبع واقع ہوئے تھے۔

ایک مشاعرہ کا واقعہ سنہ ۱۹۱۴ء کا پہلا مشاعرہ ماہ جنوری میں تھا۔ طرح تھی۔

دل اور ہوا میں ہے جگر اور ہوا میں

آپ بھی شریک تھے۔ جب آپ نے پڑھنا شروع کیا تو ایک دو مطلع کے بعد ہی ایک مطلع جو پڑھا تو ایک مصرع میں لفظ ہیں۔ اور دوسرے میں ہَیں بفتح ہیم ضمیرِ واحد متکلم ہولانا جوہرؔ نے داد دی سبحان اللہ! ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا ہیں۔

اب ایمانؔ کا خمار اُترا تو سنبھلے اور کہنے لگے دراصل دو غزلیں مختلف ردیف میں لکھی تھیں اُن کے شعر مخلوط ہو گئے۔ مگر مزے دار بات یہ تھی، کہ مطلع ذو ردیفین تھا۔ اس کے بعد کئی مشاعروں میں حکیم ایمانؔ نہ آئے۔ آخر احباب کے اِصرار پر شریک ہونے لگے۔

معاصرین اور تلامذہ آپ کے معاصرین میں۔ اخترؔ۔ اخگرؔ۔ ارشدؔ۔ بیدلؔ۔ حلیمؔ۔ شریفیؔ

فرحت۔ قتیل۔ محشر اور نظیر وغیرہ تھے۔ رنگِ مومن کے دلدادہ تھے کئی نوجوانوں کو آپ سے تلمذ بھی تھا۔ مثلاً آباد۔ شفیق وغیرہ۔

شاعری آپ ایک پُر گو اور خوش فکر شاعر تھے۔ رنگینیٔ طبع اپنا رنگ دِکھا جاتی تھی۔ دیوان تقریباً مکمل تھا مگر کچھ پتہ نہیں کہ اب کہیں ہے بھی یا نہیں۔ صاحبِ "خمخانۂ جاوید" نے آپ کے حسبِ ذیل دو شعر درج کئے ہیں:۔

مٹا دو ہمارے نشانِ لحد کو نہ چھوڑو زمیں پر نشانی ہماری
مٹا دیں تجھے دل سے کیا داغِ ہجراں وہ پوچھیں گے کیا کی نشانی ہماری

کوشش کرنے پر آپ کی چند غزلیات ملیں اُنھیں میں سے کچھ شعر بطور نمونۂ کلام درج کئے جاتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ آپ کے شاگرد شفیق صاحب نے بھی باوجود اقرار آپ کا کوئی کلام عنایت نہ کیا۔

نکلا ہے پتہ او لامکاں والے ترے گھر کا مراد و دِ فغاں چڑھتا ہوا زینہ ہی جگر کا
اپنی آنکھوں میں وہ جادو کا اثر رکھتے ہیں دیکھتے ہیں جسے اپنا اُسے کر رکھتے ہیں
بیخودی میں بھی ہے یہ پاسِ ادب مستوں کو پاؤں سے پہلے ترے کوچہ میں سر رکھتے ہیں
کس لئے دیتا ہے بیخواروں کو طعنے زاہد عیب بھی رکھتے ہیں جو لوگ ہنر رکھتے ہیں
کم سنی میں بھی ستم کی ہے شرارت اُن کی شمع پر دوڑ کے پروانوں کے پر رکھتے ہیں

یہ تو اے حضرتِ ایماں درِ میخانہ ہے
آپ سر سجدے میں واللہ کدھر رکھتے ہیں

برق تخلص۔ سورج نراین نام۔ نسباً کایستھ ماتھر۔ بی۔ اے۔ پاس تھے۔ اور محکمہ شفاخانجات جے پور میں ہیلتھ آفیسر، دوسہ کے علاقہ میں سفر کرتے ہوئے کسی ندی میں غرق ہو جانے سے جاں بحق تسلیم کی۔ قومی اصلاحی جذبہ وافر تھا۔ چنانچہ ایک مسدس الموسوم بہ "جے پور کی جونار" لکھا جس میں آخر میں

اس فضولیات کے ترک کرانے اور تعلیم کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی تھی۔ یہ نظم چھپ گئی تھی مگر اب دستیاب نہیں ہوتی۔ اس میں جونار[1] کی نقشہ کشی خوب کی ہے۔ جس کے شاذ و نادر مناظر اب بھی نظر آجاتے ہیں۔ ایک سے ایک بند اچھا ہے۔ بطور نمونہ پانچ بند ذیل میں درج ہیں :۔

کیوں بند ہیں جے پور کے یہ کوچہ و بازار　　کیوں آمد و شد بند ہے کیوں راہ ہے دشوار
گلیوں میں یہ کیوں شور ہے کنگلوں کی ہے بھرمار　　کیا پوچھتے ہو یار؟ ہے جے پور کی جونار
لو آؤ ذرا دیکھو تو کیا شانِ خدا ہے
اک طرفہ تماشا ہے عجب اس میں مزا ہے

کیا ڈھنگ ہے دعوت کا یہ کیا طرزِ ستیں ہے　　ہیں مرد و زن اک صف میں ذرا فرق نہیں ہے
کیا سادہ روی ہے کہ کہیں اور نہیں ہے　　اوپر ہے فلک نیچے فقط فرشِ زمیں ہے
وہ خاک جہاں لوٹتے ہیں کتے بآرام
دعوت کے لئے فرشِ مکلف ہے وہ بے دام

اب آتے ہی تیاریاں اڑنے لگی خوشبو　　سب دوڑتے ہیں ٹوکری لے لے کے ہر سو
دیتا ہے کوئی پوری۔ کچوری کوئی خوش خو　　لاتا ہے کوئی گھول۔ لے آیا کوئی لڈو
بس آتے ہی لڈو کے ہوئی عقدہ کشائی
ہر پیر و جواں کی جو تمنا تھی بر آئی

ہوتے نہیں لڈو تو وہاں ہوتا ہے شیرہ[2]　　حلوے کا پسر ہے تو ملیدے کا نبیرہ
ہے مخزنِ شیرینی حلاوت کا ذخیرہ　　صورت میں ہے نوشیدنی تمباکو خمیرہ
شیرے کی خبر پائیں تو سو کوس سے دوڑیں
ہمشیرہ کو دیں چھوڑ مگر شیرہ نہ چھوڑیں

---

[1] دعوت طعام ۱۲　[2] مقامی زبان میں بمعنی حلوہ ۱۲

لڈو ہو کہ شیرہ ہو بہت کھاتے ہیں اس کو
دو ہاتھوں سے ہی کھاتے اگر ہوتے دہن دد
کچھ بھنگ کی امداد ہی کچھ بھوک ہی یارو
اس وقت تو کھا لیتے ہیں پھر چاہے جو کچھ ہو

کھا کھا کے چلے گھر کو تو رفتار ہے مشکل
لینا جو پڑا سانس تو اب بار ہے مشکل

برق تخلص۔ عبدالشکور خاں نام۔ اجمیر کے باشندے۔ والد کا نام امام علیخاں تھا۔ کچھ عرصہ اجمیر میں وکالت کی۔ پھر ٹونک چلے گئے اور وہاں وکالت کرتے رہے۔ اغلباً ۱۹۰۴ء میں جے پور آکر مستقلاً سکونت اختیار کی اور ٹھکانہ کھیتڑی کے وکیل ہو گئے۔ تعیناتی جے پور ہی میں رہی اور یہاں کی ادبی صحبتوں میں شریک ہوتے اور مشاعروں میں دادِ سخن دیتے رہے۔ افگر۔ مسیح۔ اختر منشی لچھمی نراین سخا اور رسوا وغیرہ آپ کے معاصرین تھے۔ ۱۹۱۳ء میں بمقام اجمیر انتقال کیا۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

پاسبانوں کی نگاہوں سے تو بچ جاتا ہوں
خود ہیں وہ اپنے نگہبان بڑی مشکل ہے

زباں دے گیا ہی کوئی جب سے ہم کو
مزے لے رہے ہیں کسی کی زباں کے

نشاں ہی یہ مرقد کسی بے نشاں کا
نشاں رہ گئے ہیں کسی بے نشاں کے

کیا ڈھونڈھتے ہو تم مرے پہلو میں بار بار
دل ہے مگر ستم زدۂ روزگار ہے

برق تخلص۔ محمد ظہور علی خاں نام۔ شاہجہاں پور (یو۔ پی) کے رہنے والے، اور جے پور پولس میں محرر تھانہ تھے۔ نہایت مسکین و منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ اچھا کہتے تھے اور خوب سمجھتے تھے۔ شعرا کے تذکرے پڑھتے رہنا اور اساتذہ کا کلام جمع کرنے کا خاص شوق تھا۔ کوئی تذکرہ۔ دیوان یا کلیات کہیں چھپے آپ بالضرور خریدتے تھے اور جو قیمتاً نہ مل سکتا اس کی نقل کر لیتے۔ اس طرح شعر و سخن کا سرمایہ آپکے پاس اس قدر تھا

کہ یقیناً جے پور میں کسی کے پاس نہ ہوگا۔ ولی سے اپنے زمانہ تک کے شعرا کا کلام بھی منتخب کرکے ایک ضخیم کتاب کی صورت میں جمع کیا تھا اور چاہتے تھے کہ چھپ جائے مگر موت نے مہلت نہ دی۔ پینسٹھ یا ستر سال کی عمر میں انتقال کیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ آپ کی عمر بھر کی کوشش و محنت کا کوئی پتہ چلے مگر بجز مایوسی کچھ حاصل نہ ہوا حتیٰ کہ خود کا کلام بھی نہ مل سکا۔ صرف "شاہدِ غم" نامی رسالہ میں ایک قطعہ تاریخ وفات مرزا مائل ملا جو بطور یادگار درج کرتا ہوں۔ آپ کوثر۔ تسنیم۔ اختر۔ رسوا۔ ایمان۔ جوہر۔ آخگر اور تنویر وغیرہ کے معاصر تھے۔ اغلباً ۱۳۵۴ھ میں آپ کا شاہجہاں پور میں انتقال ہوا۔

میرے مخدوم حضرتِ مائل شاعری میں جنھوں نے نام کیا
برق جب میں نے انکی رحلت پہ سالِ رحلت کا اہتمام کیا
ناگہاں آئی یہ صدا دل سے
گلشنِ خلد میں قیام کیا
۱۳۵۰ھ

برق تخلص۔ مشکور علی نام، والد کا نام شیخ بقی الدین، نسباً شیخ عثمانی۔ آپ کے بزرگ کڑا مانک پور سے نارنول آئے اور وہاں سے جے پور پہنچ کر متوطن ہوئے۔

ولادت و تعلیم | برق جے پور ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم پائی۔ پنجاب یونیورسٹی سے "منشی فاضل" کی سند حاصل کی۔ اردو میں اعلیٰ قابلیت کا امتحان پاس کیا اور انگریزی میں میٹرک۔

ذوقِ علم و ادب | علم و ادب کا ذوق آپ کو بچپن سے ہے اور تعلیم و تعلم کا شوق۔ سکریٹری ایٹ راجستھان میں کلرک ہیں۔ فرائض منصبی کی انجام دہی میں کافی وقت صرف ہوتا ہے۔ تاہم ادبی ذوق مشاعروں وغیرہ میں لے آتا ہے۔

تلمذ اور معاصرین | آپ کو حضرت تنویر سے تلمذ ہے۔ اور آپکے معاصرین۔ قاضی امین الدین اثر ناظم۔ توقیر۔ ساجد۔ احمر اور مہر وغیرہ ہیں۔

کلام پر تبصرہ | آپ کے کلام میں مضمون آفرینی و بلند پروازی کی سعی پائی جاتی ہے۔ مگر ہنوز محتاجِ مشق و تشنۂ پختگی ہے۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:۔

ہائے ناکامیِ قسمت وائے مجبوریِ عشق
کیا دعا مانگی تھی میں نے کیا اثر ہونے لگا

پاس تھا دل تو کوئی دل کا خریدار نہ تھا
اب نہیں دل تو ہے اک بھیڑ خریداروں کی

ترے جلووں کی اس ہنگامہ آرائی سے گھبرا کر
رہِ دیر و حرم جانے کہاں سے چھوڑ دی میں نے

بسمل

تخلص۔ انوار الرحمٰن نام۔ نسباً سید، سید عبد الرحمٰن مرحوم منتظم محکمہ سائرات جے پور کے خلف الصدق۔ مذہباً سنی الحنفی اور مسلکاً نقشبندی، مجددی اور نیازی تھے۔

ولادت و تعلیم اور خاندانی مختصر حالات | آپ کے جد امجد میر قربان علی ؒ ۱۸۶۸ء میں بعہد مہاراجہ رام سنگھ جے پور آئے اور مناصبِ جلیلہ پر فائز رہے، حتےٰ کہ رائل کونسل جے پور کے ممبر (وزیر ریاست) ہو گئے، اور حسنِ کارگزاری کے صلے میں ریاست سے دیہات انعام میں حاصل کئے۔

حضرت بسمل ۲ رجمادی الثانی ۱۳۰۳ھ مطابق ۷ اپریل ۱۸۸۶ء کو بمقام جے پور پیدا ہوئے۔ امیرزادوں اور مشائخ زادوں کی طرح آپ کی پرورش و پرداخت ہوئی۔ قابل تعلیم ہونے پر منتخب و ممتاز علماء سے علوم متداولہ کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ میٹرک تک انگریزی بھی پڑھی۔

فریضۂ حج | فارغ التحصیل ہونے کے بعد فریضۂ حج بھی ادا کیا۔

ملازمت | حج کی واپسی پر آپ کی ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اوّل جے پور میں

نائب ناظم (اسسٹنٹ کلکٹر) مقرر ہوئے پھر ترقی کر کے نائب فوجدار (اسسٹنٹ سٹی مجسٹریٹ) ہو گئے۔ مگر طبعاً ملازمت کی قید و بند سے کچھ خوش نہ تھے۔ حتیٰ کہ ایک خاص واقعہ کی بنا پر ہمیشہ کے لئے ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کر کے تمام عمر علمی و ادبی مشاغل اور تصنیف و تالیف میں گزار دی۔

اخلاق و عادات | عالم و صوفی اور امیر ابن امیر ہونے کے باوجود نہایت زندہ دل اور آزاد منش تھے۔ غیور و خوددار اس درجہ تھے کہ ناواقف شخص کو آپ کی نسبت متکبر ہونے کا شبہہ ہوتا تھا۔ بزرگوں کا ادب و احترام اور خوردوں پر لطف و شفقت آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ قدیم رکھ رکھاؤ اور حفظِ مراتب کا خیال ہر وقت رہتا تھا۔

شوق خاص | شعر و سخن اور تصنیف و تالیف کے علاوہ اگر کوئی شوق تھا تو سیاحت یا سینما بینی کا۔ تقریر و تحریر پر فاضلانہ قدرت حاصل تھی۔ تصوّف تک کے مسائل نہایت آسان و دل نشیں انداز میں بیان کرتے تھے اور پیچیدہ مسائل کو سیدھے سادے الفاظ میں سمجھا دیتے تھے۔ خواجہ حسن نظامی نے آپ کو "بولتا عرفان" سے تعبیر کیا ہے۔

شاعری | شعر و سخن کا ذوق تو بچپن ہی سے تھا مگر اس کا باقاعدہ آغاز تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ہوا اسی لئے آپ کی شاعری کسی ایک زبان یا ایک رنگ کی پابند نہیں۔ آپ نے عربی میں بھی طبع آزمائی کی۔ فارسی اور اُردو میں بھی اور ہندی میں بھی۔ انگریزی الفاظ کا استعمال بھی برمحل کر سکتے تھے۔ اسی طرح جہاں آپ کے کلام میں رنگ تغزل ہے وہاں تصوّف بھی ملتا ہے۔ اخلاقیات بھی۔ فلسفہ بھی۔ مذہبیات بھی۔ محاکات اور شوخی و سرمستی کا جوش و خروش بھی۔ قومی رنگ بھی ہے اور مصلحانہ انداز بھی۔ آپ ایک باعلم و مشاق اور کہنہ مشق سخنور تھے اور ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔

تلمذ و معاصرین | آپ کو مولانا سراج کنتوری سے تلمذ تھا اور آپ کے معاصرین میں شوخ۔ جوش۔ فدا حسین فدا۔ فضا۔ بیدل۔ تسنیم۔ عابد علی عابد۔ فرحت۔ اختر۔ کوثر۔ اخگر۔ خیال۔ بادشاہ حسین رعنا۔ منصور علی خاں بسمل اور حافظ عزیز وغیرہ ہیں۔

وفات | آخری زمانۂ حیات میں حضرت بسمل متعدد امراض میں مبتلا ہو گئے تھے مگر ہر تکلیف بخندہ پیشانی برداشت کرتے تھے۔ اور یہ شعر اکثر وردِ زبان رہتا تھا۔

می نہم پیشِ تو شمشیر و کفن　　می نہم پیشِ تو۔ گردن را، بزن

وقتِ وفات تک ہوش و حواس بالکل بجا تھے۔ اور چار پانچ دن پہلے یہ شعر کہا تھا جس پر آخر وقت تک قائم رہے۔

بیماریوں میں یاس میں بھی بولتے رہو　　بسمل یہ ساری صوت و صدا تین دن کی ہے

تذکرۂ بسمل | آپ کے کسی قدر تفصیلی حالات آپ کے خلف الصدق مولوی سید مصباح الرحمٰن بخاری نے ایک رسالہ الموسوم بہ "تذکرۂ بسمل" میں درج کئے ہیں جس میں حضرات ذہین۔ تمام۔ قمر۔ جوش۔ رزمی اور مولوی سعید حسین خاں وغیرہ کے مضامین شامل ہیں۔

تصانیف | آپ کی حسب ذیل تصانیف آپ کی حیات ہی میں طبع ہو چکی تھیں۔ البتہ کلیات اب تک نہیں چھپا۔

(۱) تذکرۃ الرسول۔ آنحضرت صلعم کی مفصل سوانح عمری
(۲) سرداراں باپ اور سردار بیٹے۔ آل عبا کی مفصل سوانح عمری
(۳) ائمۃ الہدیٰ۔ مع جزو دوم۔ ائمہ اہل بیت اور سادات صوفیہ کی سوانح عمریاں
(۴) قوسین فی فضائل الشیخین۔ موضوع نام سے واضح ہے
(۵) مثنوی فیضِ مدینہ
(۶) آدابِ سماع
(۷) الروح۔ متعلق مسائلِ تصوف
(۸) صلوٰۃ الاعتصام۔ کلماتِ شوقیہ بحضور سرورِ کائنات صلعم

(۹) یادگارِ طفلی۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم
(۱۰) تذکرہ میر قربان علیؒ۔ مفصل سوانحعمری
(۱۱) مقاماتِ مقدسہ (مصوّر) سفرنامہ
(۱۲) شجرۃ الجامعہ۔ بزرگانِ دین کے نام اور تواریخ وصال
(۱۳) خمسۂ عشرہ۔ خواجہ حافظ کی دس غزلوں کی تضمین
(۱۴) فغانِ آرزو۔ اردو قصیدہ
(۱۵) خیر مقدم۔ فارسی قصیدہ
(۱۶) کشف المبشرات۔ حالاتِ وصال شاہ محی الدین احمد بریلویؒ
(۱۷) کحل الجواہر

ان کے علاوہ مختلف مضامین ہیں جو وقتاً فوقتاً رسالوں میں چھپے ہیں۔

کلام پر تبصرہ اس بابت بذیلِ "شاعری" لکھا جا چکا ہے۔ مزید یہ کہ بیان میں روانی اور صحتِ زبان و محاورات کا پورا خیال رکھتے تھے۔ تاثیر بھی ہے۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :-

جو ہٹائے گا جہانِ عشق میں نام و نشاں
بے نشاں ہو کر نشانِ بے نشاں ہو جائیگا

اٹھاتی ہیں تری نیچی نگاہیں سینکڑوں فتنے
اگر اٹھیں تو کیا دشوار ہے محشر بپا کرنا

تمنائیں برآئیں کل شہیدِ ناز کی کیا کیا
کہ اس کا ہاتھ تھا محشر میں اور دامانِ قاتل تھا

زبانِ بے بصر سے وصفِ حسنِ یار ناممکن۔
جو نظارہ زباں رکھتا تو ہاں کچھ اسکے قابل تھا

ٹپک پڑے وہیں آنسو کسی نے جب چھیڑا
جوابِ ساغرِ مے دیدۂ پُرآب ہوا

وہ جگر تھامے چلے آئیں تو کچھ دور نہیں
لیکن اس طرح بلانا مجھے منظور نہیں

لن ترانی ہیں، ترانی کی بہاریں لوٹیں
مجھ سے کہئے تو ذرا آکے سرِ طور نہیں

تہی لایا ترے در پر گریباں، آستیں دامن
سخی لیجاؤں گا بھر کر گریباں آستیں دامن

سرِ شوریدہ و دستِ جنوں میرے سلامت ہیں
خرد لاتی رہے سی کر، گریباں، آستیں، دامن

حصولِ آرزو کو لوگ کچھ اچھا سمجھتے ہیں
ہم اپنے دامنِ ہمت پہ اک دھبا سمجھتے ہیں

میری تصویر سے مجکو تو یہ امید نہ تھی
اتنی بڑھ جائے گی رونق ترے کاشانے میں

بھولے سے چلے آئے ہیں بتخانہ میں واعظ
ظاہر ہے کہ رہتے ہیں بہت یاد خدا میں

دل میں عکسِ رُخِ جانانہ نظر آتا ہے ہم بھی اک آئنہ اے آئنہ گر رکھتے ہیں
شکوہ کروں جو ہجر کا ہیں خوگرِ خیال پہلو میں دیکھ لوں کوئی بیٹھا ہوا نہ ہو
بس چل سکے اگر، تو بہت کچھ حیا کرے اے چشمِ فتنہ زا تری شوخی کو کیا کرے
ایسے کسی پہ تجکو خدا مبتلا کرے جو اس غرورِ حُسن کی ہستی فنا کرے
اس حال میں تو مجھ سے مشکل ہے ترکِ دنیا دنیا تمام تیرا آئینہ بن گئی ہے
ہر تمنا کو فدائے ذوقِ حرماں کیجئے دل کو گر آباد کرنا ہے تو ویراں کیجئے
یوں چھپ گئے ہیں وہ کہ مجھے دیکھتے ہیں سب گویا کہ اپنے آپ کو کھویا مرے لئے
مٹے ہیں جسم وجاں دونوں مگر میں اب بھی باقی ہوں خدا جانے فنا کی آخری منزل کہاں تک ہے
تو محوِ خوابِ ناز ہو اور بے حجاب ہو میری نگاہِ شوق تری پاسباں رہے

یہ بے قراریاں ہی تو وجہ قرار ہیں
بسمل کو ہو قرار تو بسمل کہاں رہے

بسمل تخلص، منصور علی خاں نام۔ والد کا نام عبدالرحمٰن خاں۔ آپ کے بزرگ بسلسلۂ تجارتِ اسپاں، افغانستان سے وارد ہندوستان ہوئے۔ کچھ عرصہ دہلی رہے پھر جودھپور چلے گئے۔ وہاں سے جے پور آکر مستقل سکونت اختیار کی۔ آپکے والد پولس جے پور میں تھانہ دار تھے۔

ولادت و تعلیم اور ملازمت جنابِ بسمل کی ولادت جے پور ہی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مولوی اشتیاق حسین ناطق سے حاصل کی۔ پھر فارسی مولانا مبین سے پڑھی۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں آپ کے والد کا انتقال ہونے پر محکمہ پولس میں نوکر ہوئے مگر تھانہ داری نہ ملنے سے بددل ہو کر یہ ملازمت چھوڑ دی اور محکمۂ سائرات (کسٹم) میں داروغہ ہو گئے۔ ملازمت ختم کر کے پنشن لے لی اور گوشہ نشین ہو گئے۔ اب بجز ادبی مشاغل اور کسی کام سے سروکار نہیں رکھتے۔

اخلاق و عادات | طبعاً خلیق و متواضع اور منکسر المزاج ہیں۔ آپکو پرانے ادب آداب اور رکھ رکھاؤ کا ایک نمونہ کہا جائے تو بے جا نہیں۔ ستر سال سے عمر تجاوز کر چکی ہے۔ مگر جوانی کی اُمنگیں کلام میں باقی ہیں۔

تلمذ اور شاعری کا آغاز | شعر و سخن کا ذوق تو بچپن ہی سے تھا۔ مگر جب ذرا ہوش سنبھالا تو حضرت آگاہ سے تلمذ اختیار کیا اور مشقِ سخن کرنے لگے۔

کلام پر تبصرہ | آپنے جے پور کے بہت سے قدیم اساتذہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا ہے۔ اور صدہا ادبی صحبتوں میں شرکت کی ہے۔ اس لئے وہی رنگِ قدیم آپ کے اشعار میں بکثرت ملتا ہے اور انکے دادا اُستاد مرزا غالب کی دقت پسندی بھی پائی جاتی ہے۔ کہنہ مشقی اور پختگی بالکل عیاں ہے۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

خیالِ وحشتِ ہنگامہ کار کر نہ سکا　　جنوں کی نذر گریباں کا تار کر نہ سکا
اُٹھائی آنکھ تو بجلی سی ایک کوند گئی　　نظر بھی میں سوئے ابرِ بہار کر نہ سکا
ترے شباب کی رعنائیاں خدا کی پناہ　　برابری چمنِ روزگار کر نہ سکا

بعدِ مُردن سوزشِ غم رنگ لا کر ہی رہی　　خاک پروانہ سے اشکِ شمع ہم آغوش تھا
ہوش میں تو منزلِ الفت کسی نے طے نہ کی　　آخرش بے ہوش ہونا ہی مآلِ ہوش تھا
ہستیٔ بسمل پہ گر کر تو بھی بسمل ہو گئی　　اے نگاہِ ناز کچھ اپنا بھی تجکو ہوش تھا

اُجڑ جانے پہ بھی گلشن میں بلبل کے نشیمن پر　　تصدق ہو رہی ہیں بجلیاں پروانہ وار اب بھی
جو پہلے ہی سے تھا وقفِ غمِ شام و سحر یارب　　اُسے چکرا رہی ہے گردشِ لیل و نہار اب بھی
بجائے نامۂ اعمال ٹکڑے میں تو رکھ دوں گا　　تری رحمت کے آگے حشر میں دامانِ عصیاں کے

چمن سے بوئے گل لائی مگر اے وائے ناکامی
صبا ٹکرا کے اُلٹی پھر گئی دیوارِ زنداں سے

بسمل تخلص ۔ منموہن لال نام ۔ والد کا نام (رائے صاحب) چھیتر پال المتخلص بہ شمیم ۔ جد امجد کا اسم گرامی "ہیجر" دیبی داس ۔ نسباً کایستھ سکسینہ ۔ قدیم وطن قصبہ اٹاوہ (یو۔ پی) اور موجودہ بھرت پور (راجستھان) ہے ۔

ولادت و تعلیم بسمل ۲ فروری ۱۸۹۲ء کو غازی آباد میں پیدا ہوئے ۔ گھر پر اور اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور بھرت پور ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا ۔

ملازمت ۱۹۱۴ء سے سلسلۂ ملازمت شروع ہوا ۔ اوّل ریاست بھرت پور میں سروس کی ۔ مگر وہ پسند نہ آئی تو گورنمنٹ ہند کی سروس اختیار کر لی ۔ اس ملازمت کے سلسلہ میں آپ دیولی ۔ جودھپور ۔ آبو اور جے پور وغیرہ تعینات رہے ۔ سب سے زیادہ عرصہ قیام جے پور میں رہا ۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء میں آپ نے کونسلر راجستھان کے آفس سپرنٹنڈنٹ کے عہدے سے پنشن لی ہے ۔

اخلاق و عادات آپ نہایت خوش طبع ۔ پابند وضع ۔ ملنسار ۔ خلیق اور متواضع ہیں ۔

تلمذ و شاعری آپ نے باقاعدہ کسی سے تلمذ اختیار نہیں کیا ۔ مولوی امداد حسنین پہرسری کا فیض خدمت تھا کہ بچپن ہی سے شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل ہو گئی ۔ گھر میں والد بزرگوار بھرت پور کے مشہور شعرا میں سے تھے ۔ علاوہ ازیں اس زمانے میں بھرت پور بھی شعر و سخن کا مرکز بنا ہوا تھا ۔ اکثر مشاعرے ہوتے تھے ۔ اور مقامی شعرا کے علاوہ ۔ آگرہ ، متھرا ، فتح پور ، علی گڑھ اور دہلی سے اہل سخن تشریف لاتے رہتے تھے ۔ اس ماحول کا بھی طبیعت پر گہرا اثر تھا ۔ پہلی غزل ۱۴ برس کی عمر میں مشاعرہ میں پڑھی ۔ اور پھر برابر مشاعروں میں شریک ہوتے رہے ۔

معاصرین آپ کے جے پور کے معاصرین ہیں ۔ رزمی ۔ عاصم ۔ قمر ۔ صبا ۔ تجلی ۔

زیبؔ اور عزیزؔ وغیرہ ہیں۔

کلام پر تبصرہ شگفتگی، روانی، پختگی وصفائی۔ ندرت آفرینی اور زبان کا چٹخارہ آپ کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

دل دیا ایسے کو جو دل لے کے دشمن ہو گیا
کیسی نادانی ہوئی کیسا لڑکپن ہو گیا

اب تو چین آیا نہ رکھی دید کی صورت کوئی
در پہ دربان رکھ دیا روزن میں پتھر رکھ دیا

جاتے جاتے دے گئے مٹی وہ اپنے ہاتھ سے
چلتے چلتے اور یہ چھاتی پہ پتھر رکھ دیا

سُدھرتی عاقبت، جنت کے بدلے
بنا لیتا اگر شداد دُنیا

غلط ہے خوابِ آزادی غلط ہے
نہ پہلے تھی نہ اب آزاد دنیا

گُل و گلچین وصبا، شبنم و صیّاد و نسیم
چین سے کوئی نہ دو روز گلستاں میں رہا

شفق بن کر ابھی تو آسمانوں پر یہ چھائیگا
ابھی تو دیکھنا خونِ شہیداں رنگ لائیگا

ڈھونڈھنا بیکار ہے آلہ اُسے تخریب کا
جس پہ سایہ پڑ گیا بسملؔ نئی تہذیب کا

معلوم ہیں حقیقتیں مجنوں کے عشق کی
اُٹھا نہ بارِ عشق تو دیوانہ بن گیا

دردِ دل مٹتا نہیں امید بر آنے کے بعد
کچھ خلش رہتی ہی ہے کانٹا نکل جانے کے بعد

پاسِ ادب ہے، ہاتھ لگاتا نہیں ہوں میں
ورنہ نہ جانے پردۂ محمل کو کیا کروں

آنکھیں نہیں ہیں گیسو و رخسار کے قریں
دو جام لا رکھے ہیں شبِ ماہتاب میں

صورت کسی کی دل میں ہے ایسے چھپی ہوئی
کیفِ شراب جیسے چھپا ہے شراب میں

لڑتے ہیں دیر و کعبہ پہ کیوں شیخ و برہمن
وہ بتکدہ نہیں تھا کہ یہ بتکدہ نہیں

تشنہ جو چلا آیا وہاں جا کے سکندر
آتی تھی نظر موت اُسے آبِ بقا میں

خدا رکھے شہیدانِ نظر کو
یہ سب بے موت مارے جا رہے ہیں

جاتے ہوئے شباب یہ پیری سے کہہ گیا
میں نے سرور دیکھا ہے تو اب خمار دیکھ

زندگی کا موت ہے پیری جوانی کا بدل
اک خزاں ہر فصلِ گُل کو گلشنِ ہستی میں ہے

دیر میں تو ہم نے کچھ دیکھا ہی شیخ
بس حرم میں تو خدا کا نام ہے

وہ بُت حیا سے بن گئے، ہیں رعبِ حُسن سے
پتھر کو لا کے رکھ دیا پتھر کے سامنے

راستہ خالی اندھیری رات ہے
خود چلے آئیں تو اچھی بات ہے

کم دیکھے ہونگے تم نے صورت شناس ایسے
صورت کو میری دیکھا اور کہہ دیا کہ "پی" ہے

کام کیا باقی رہا پھر اور شیطاں کے لئے
موت بن جائے اگر انسان انساں کے لئے

موسیٰ سے ذکرِ آگ نہ لانے کا کیا کریں
بس اتنا پوچھنا ہے کہ حضرت کہاں رہے

کس لئے غمگیں ہو تم بسملؔ جفائے دہر سے
آدمی پیدا ہوا ہے رنج و غم کے واسطے

بقا تخلص۔ ابتدا میں مضطر تخلص کرتے تھے۔ محمد بقا۔ نام نسباً شیخ صدیقی ہیں۔ اصل وطن کاکوری من مضافات لکھنؤ ہے۔ مگر۔ آپ کی تعلیم و تربیت جے پور ہی میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اور یہیں مہاراجہ کالج جے پور میں ملازم ہوئے۔ عرصۂ دراز تک ہیڈ آف دی پرشین ڈپارٹمنٹ رہے۔ چنانچہ آپ ہی کے نام پر اس کالج میں طلائی تمغہ "بقا میڈل" جاری تھا۔ جس کا آخری پانے والا راقم الحروف کا فرزند ابو الفضل عثمانی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) ہوا۔ یہ اُس طالب علم کو ملتا تھا کہ جو بی۔ اے میں بمضمونِ فارسی امتیازی نمبر حاصل کرے۔ اب چونکہ اس کالج میں فارسی ہی نہ رہی میڈل کیسا۔

اخلاق و عادات حقیقت یہ ہے کہ مولانا بقا۔ باقیات الصالحات کا صحیح نمونہ اور قدیم اہل علم بزرگوں کی واحد یادگار ہیں۔ بہایت خلیق و شفیق اور بیحد متین و متواضع۔

ادبی خدمات مولانا کی تمام عمر علمی و ادبی خدمات میں بسر ہوئی ہے اور اب بھی باوجود نقاہت و عوارض جسمانی ہر علمی و ادبی خدمت میں شرکت سے گریز نہیں فرماتے۔

عرصہ دراز تک "بزمِ احباب جے پور" اور "کتب خانۂ احباب" کے نائب سکریٹری رہے اور "بزمِ ادب جے پور" کے عرصہ دراز تک رکن رکین متعدد درسی کتابیں تصنیف کیں۔

آپ کو نظم و نثر دونوں پر پوری قدرت حاصل ہے ایک نثر کا نمونہ ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

نمونۂ نثر | یہ عبارت مولانا تسنیم کے مصنف رسالہ "معلومات السنین" کے لئے ۱۹۱۵ء میں تحریر کی تھی جو اس میں چھپ چکی ہے۔

"محبی تسنیم السلام والتسلیم

آپ کا رسالہ "معلومات السنین" میری نظر سے گزرا۔ ماشاء اللہ آپ کی ذکاوت ایک صفتِ خدا داد ہے اور طبیعت گنجینہ آباد۔ یہ کتاب اگرچہ لاجواب ہے مگر آپ کو اس سے کچھ فخر نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کو آپ کی ذات پر ناز ہو تو بجا ہے۔ (الخ)

اغلباً ۱۹۱۳ء کا واقعہ ہے کہ مہاراجہ کالج جے پور میں بابو میگراج وائس پرنسپل تھے، اور منشی لکھن لال ایم۔ اے جو بابو جی کے شاگرد تھے ڈائرکٹر آف ایجوکیشن۔ بابو جی کو کالج سے الوداعی پارٹی دی گئی تو اس میں آپ نے ایک قصیدہ اسی موضوع پر پڑھا تھا۔ جس کی عوام و خواص نے متفقہ داد دی تھی۔ اُس کے دو ۲ شعر یہ ہیں:۔

ڈائرکٹر ہیں جو اب سر رشتۂ تعلیم کے — منشی لکھن لال ایم۔ اے صاحبِ عالی وقار
آپ ہی کے خوشہ چینِ خرمنِ تعلیم ہیں — آپ ہی کے فیض سے ہیں فیض یاب و کامگار

شاعری | اگرچہ شعر کہنے پر مولانا کو پوری قدرت ہے مگر کہتے بہت ہی کم ہیں۔ اور وہ بھی کسی خاص ضرورت اور موقع پر۔ آپ کے کلام میں اخلاقیات کا رنگ نمایاں اور تصوّف کی ہلکی سی جھلک ہوتی ہے۔ تین شعر بطور نمونہ ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

مرا حسرت بھرا دل جس کو تم ویرانہ کہتے ہو
اسی کو عاشقِ بے دل بھری محفل سمجھتے ہیں
خدا والے بآسانی گزر جاتے ہیں دُنیا سے
حریصانِ جہاں اس کو بڑی مشکل سمجھتے ہیں
بقا اور شاعری! کیا خوب، اُسکو اس سے کیا نسبت
مگر مشکل یہ ہے احباب اُسے کامل سمجھتے ہیں

بہادُر تخلص۔ اوتار نراین نام۔ بہادر موروثی خطاب بھی ہے جو آپ کے بزرگوں کو شاہانِ مُغلیہ کے دربار سے شجاعانہ خدمات کے صلہ میں عطا ہوا تھا۔ "راؤ بہادر" خطاب ہے۔ کشمیری الاصل پنڈت ہیں۔ آپ کے والد ماجد رائے بہادر پنڈت سروپ نراین بہادر ابتداءً پشاور، بنوں، اور کوہاٹ میں سرکاری اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہے۔ اور پھر راجپوتانہ کی متعدد ریاستوں میں معزز عہدوں پر۔ حتیٰ کہ پرائم منسٹری کا اعزاز بھی حاصل کیا۔

ولادت و تعلیم بہادر سنہ ۱۹۰۱ء میں موضع ہری پورہ صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے۔ گھر پر اور مقامی ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کر کے "فارمن کرسچین کالج لاہور" کے بی۔اے کلاس میں تعلیم پا رہے تھے کہ ایک انعامی مشاعرہ کالج میں ہوا۔ طرح تھی:-

خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

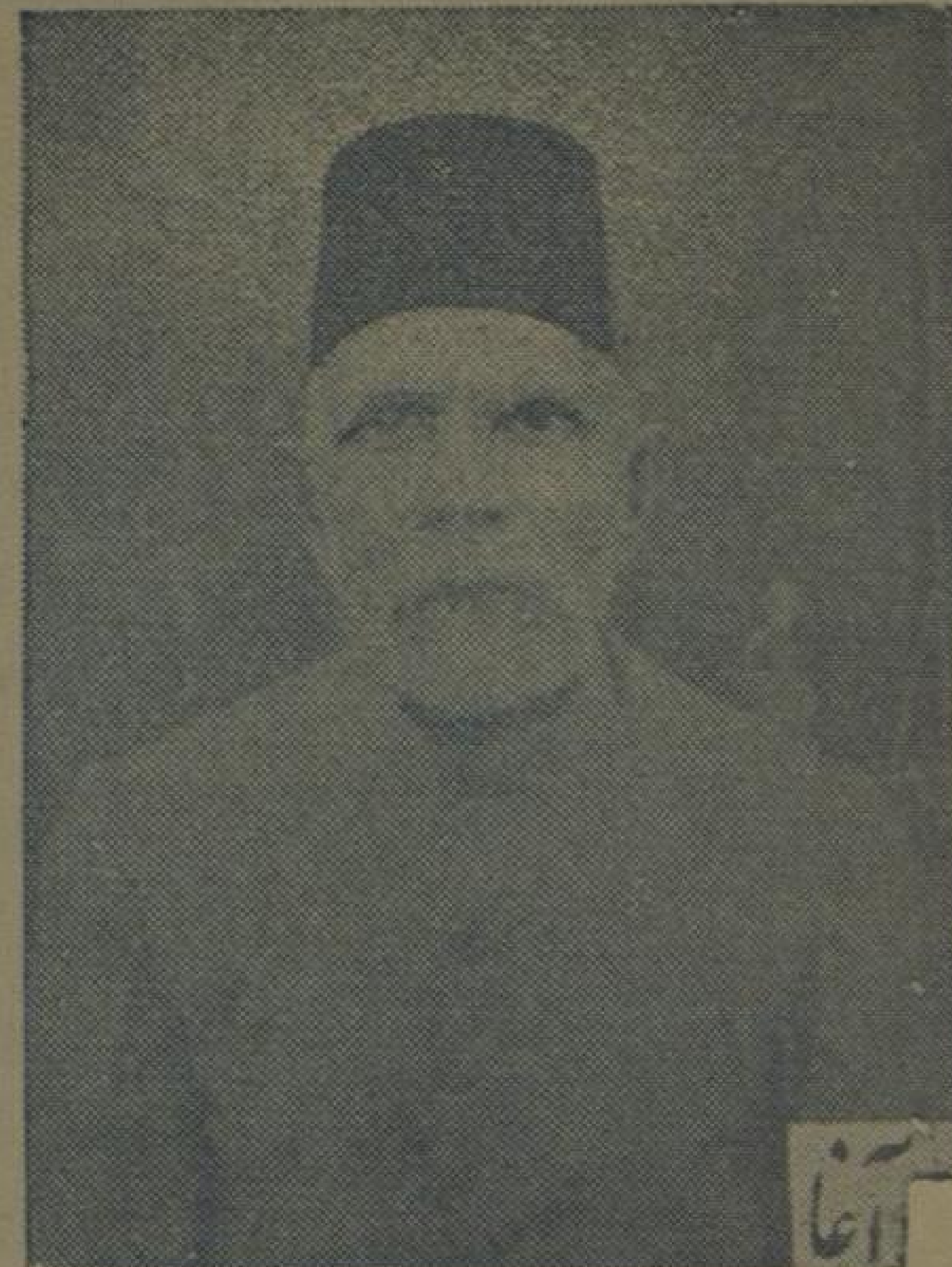
آپنے بھی غزل کہی اور گرہ بھی لگائی۔ مقامی شعرا شریکِ بزم تھے۔ مگر آپ کا حسبِ ذیل شعر حاصل مشاعرہ رہا۔ اور گرہ کی بھی کافی داد ملی چنانچہ پہلا انعام آپ ہی نے حاصل کیا۔

شعر حاصل مشاعرہ:-

نگاہ نے آنسوؤں نے خامشی نے اُنکی محفل میں ؛ کہی جو داستانِ غم کہے گی کیا زباں میری

گرہ:- غزلخوانی فقط احباب کی خاطر سے کی ورنہ ؛ خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہو زباں میری

مگر راقم الحروف کے عندیہ میں یہ تو حضرت بہادر نے کچھ انکسار ہی فرمایا۔ یا ممکن ہو طالب علمی کے زمانہ میں یہ حالت ہو۔ ورنہ اب تو بہادر۔ ہر ادبی صحبت


آغا


اثر

احمد دین


اطہر


برق

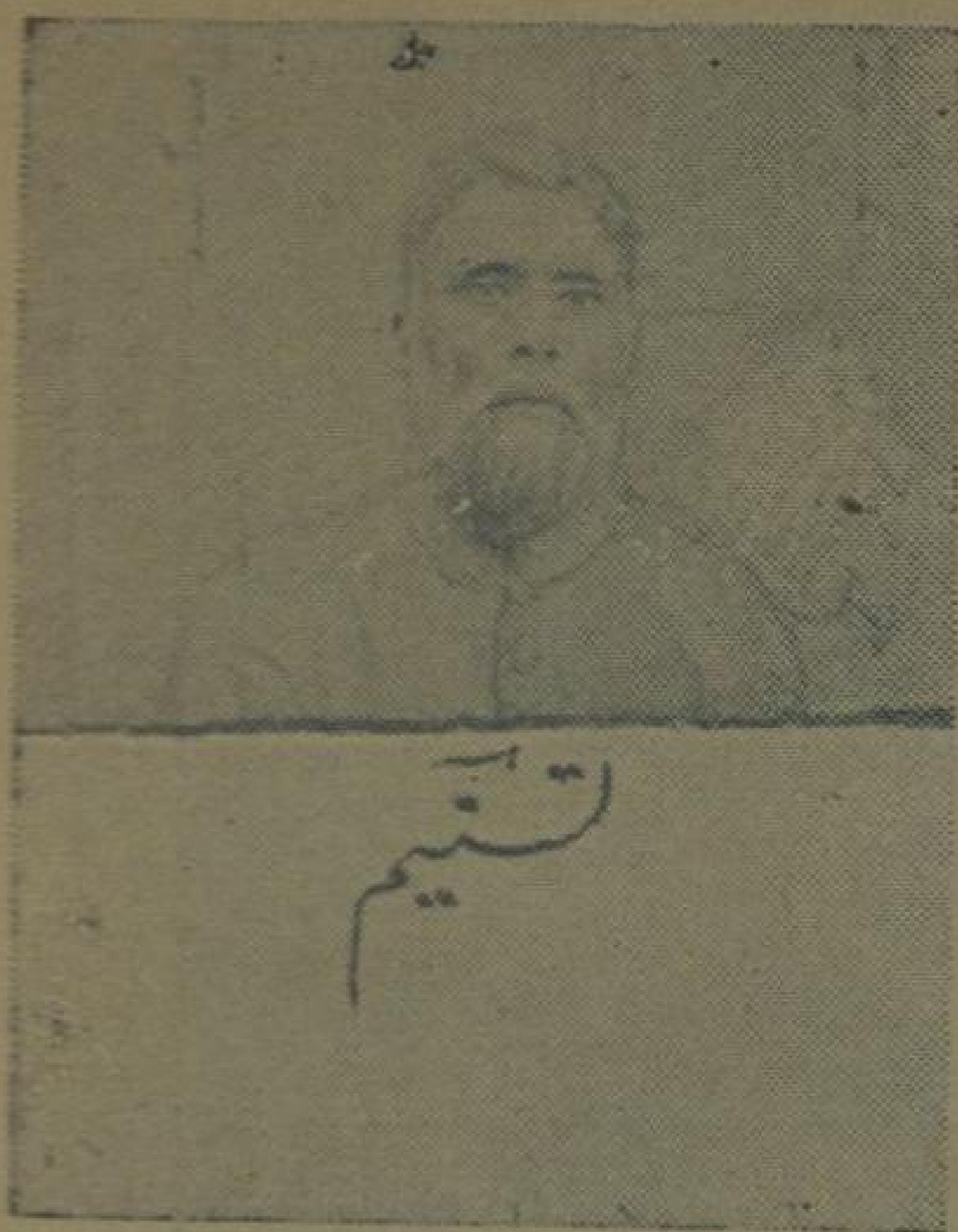
مشکور علی

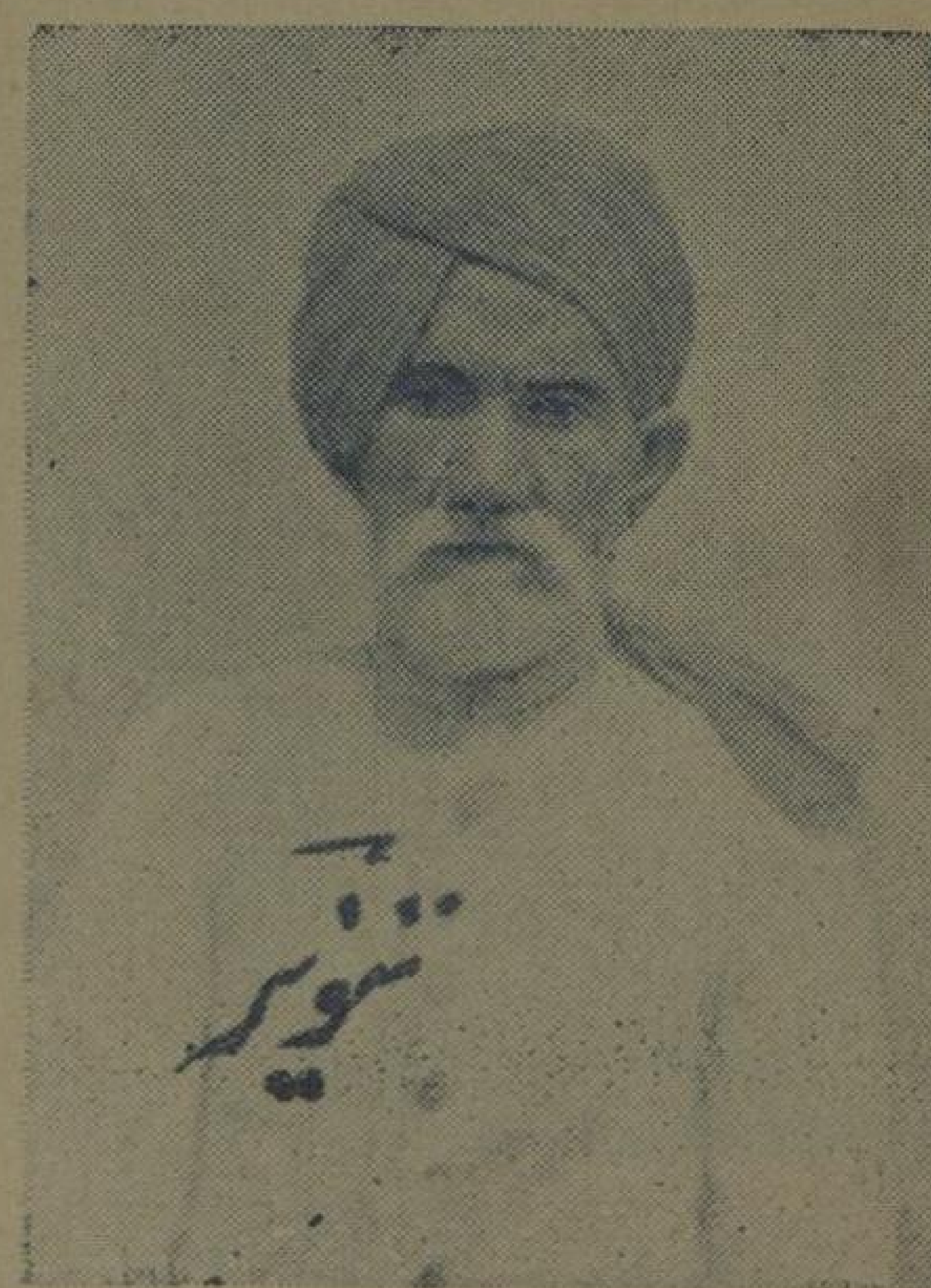
من موہن لال

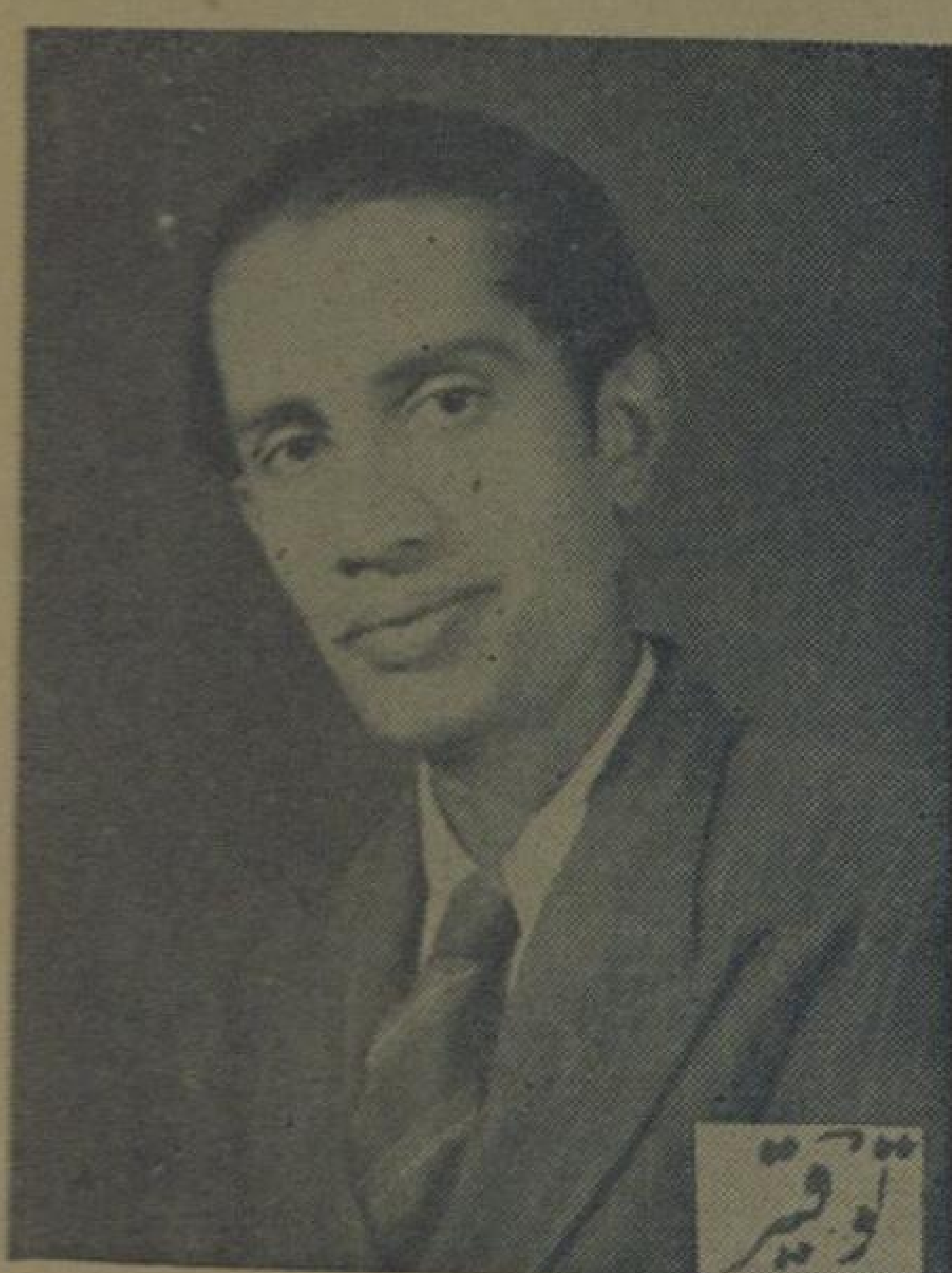







تسنیم


تنویر


توقیر





میں متانت و سنجیدگی کے ساتھ مزاح و ظرافت کے ایسے بے بہا دُر لٹاتے ہیں کہ حاضرین کو شکوہ کوتاہیِ داماں ہو جاتا ہے۔

ملازمت آپ کی ملازمت کا آغاز ریاست جے پور میں صیغہ کلکٹری میں ہوا۔ اور بہت قلیل عرصہ میں خداداد قابلیت و ذہانت کی بدولت برابر ترقی کرتے رہے۔ عرصہ تک کلکٹر بھی رہے۔ اب پنشن پا رہے ہیں۔

اخلاق و عادات آپ وسیع المشرب، عمیم الاخلاق۔ فراخ دل و فراخ حوصلہ خوش گفتار و خنداں رو ہیں۔

ذوقِ سخن طالب علمی کے زمانہ سے تو ذوقِ سخن ہے ہی۔ مگر ملازمتی مصروفیات نے اس میں بجائے کمی اور اضافہ کر دیا۔ اب ذوقِ سخن اس قدر غالب ہے کہ جہاں جاتے ہیں بزمِ شعر ضرور سجاتے ہیں۔ جب تک قصبہ ہنڈون میں رہے اس دہقاں کدہ کو کاشانۂ ادب بنائے رکھا۔ سوائی مادھو پور میں کلکٹر رہے تو اُس کوہ زار کو ادب کا گلزار بنا دیا۔ بیکانیر گئے تو اُس ریگستان کو گلستانِ سخن بنایا۔

کلام پر تبصرہ موصوف خوش طبعی کے لئے شعر نہیں کہتے بلکہ خوش طبعی شعر بن جاتی ہے۔ خاص کر جب کہ اکبر الہ آبادی کا رنگ اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:۔

حُسن اس کا لازوال اور بے زوال اپنا شباب ناز اُس کو پاؤڈر پہ ہے مجھے فیضِ خضاب
ہوا ارشاد، ہو نغمہ سرائے بزمِ شعر آکر جسے رونا نہیں آتا اُسے گانے کو کہتے ہیں

اسی کے ساتھ دوسرا رنگ بھی ملاحظہ ہو:۔

ہماری جانماز یں دل کے ویرانہ میں بچھتی ہیں عبادتگاہ مسجد کو نہ بتخانے کو کہتے ہیں

غزل کے علاوہ آپ نظم بھی کامیابی کے ساتھ کہتے ہیں۔ آپ کے کلام میں شوخی بھی ہے اور متانت بھی۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:۔

یوں تو نغمۂ خوش گلو کا خوب دل آویز ہے
عرش پیما تب ہوا جب درد شامل ہوگیا

حاسدوں کے ہاتھ کیا آیا مری تخریب سے
میں جو کھو بیٹھا ہوں کیا وہ اُنکو حاصل ہوگیا

اللہ اللہ بڑھ گیا کتنا مرے دل میں غرور
یہ مرا سر اور ترے سجدے کے قابل ہوگیا

وہ دل کے مکیں ہو کر کیوں مجھ سے یہ کہتے ہیں
اس سمت کو کعبہ ہے اس سمت کو بتخانہ

مرے فنِ تعمیر کی شان دیکھو
بنایا جسے بُت خدا ہو رہا ہے

نقاب اپنا اُٹھے گے محشر سے پہلے
یہ کیا کر رہے ہو یہ کیا ہو رہا ہے

بیدل تخلص۔ محمد نور خاں نام، شمس آباد کے رہنے والے تھے، پھر اجمیر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حکیم بہاءالدین خاں بہا سے تلمذ تھا۔ جے پور میں آمد و رفت بہت تھی۔ مہینوں یہاں قیام رکھتے تھے اس لئے کہ آپکے متعدد شاگرد مثل چھوٹے لال نظمی۔ وزیر خاں وزیر وغیرہ اکثر مشاعرے کیا کرتے تھے۔ اور آپ کے باعث شعر و سخن کا کافی چرچا رہتا تھا۔ آپ کا کلام بہت تھا۔ اور ممکن ہے کہ کہیں اب بھی محفوظ ہو۔ مگر جے پور میں باوجود کوشش و تلاش نہ مل سکا محض ایک شعر اور ایک قطعہ تاریخ دستیاب ہوا۔ جو درج کرتا ہوں۔ آپ کا شمار یہاں اساتذہ میں کیا جاتا تھا۔ اور حکیم ایمان و آخگر کے مرتبے کے شاعر سمجھے جاتے تھے:۔

شعر
اندوہ والم میں مرتا ہوں مشکل سے بسر بھی کرتا ہوں
ہے ایسی بھی کیا یہ بے خبری فریاد سنو۔ امداد کرو

قطعہ
انورِ خوش خصال کا جبکہ کلام چھپ گیا
دل کو ہر ایک شخص کے کیسی ہوئی مگر خوشی

طبع کا اُسکے جو ہوا بیدلِ زار کو خیال
ملہم غیب نے کہا۔ لوحِ کتاب خرمی
۱۳۱۷ھ

پارسا تخلص۔ اصل نام بندو خاں۔ مگر آپ کے اُستاد مولانا کوثر نے عبدالرحمٰن تجویز کیا۔ اور بہ تعمیلِ حکم آپ نے قبول کر لیا۔ لہٰذا اب اسی

نام سے مشہور ہیں۔ وطن جے پور ہے۔ آپ کے بزرگ سپہ گری پیشہ تھے۔ شاہی فوج میں "کوٹ قاسم" کے پرگنہ میں تعینات ہوئے۔ اور وہاں سے جے پور چلے آئے یہ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے کا واقعہ ہے۔

تعلیم و پیشہ | آپ ابتدائً نگینہ سازی کرتے تھے۔ شعر و سخن کا چسکا نہیں معلوم کیوں لگا۔ حالانکہ تعلیم کچھ نہ تھی۔ اب بھی معیاری اُردو لکھ پڑھ نہیں سکتے۔

شاعری | شاعری کا شوق ہوا تو اصلاح کے لئے مولانا کوثر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے شعر گوئی سے منع کیا۔ اور اصلاح دینے سے انکار کر دیا۔ مگر ایسا ضدی شاعر بھی شاید ہی کوئی ہو کہ آٹھ سال تک مولانا کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر مولانا نے توجہ فرمائی اور اصلاح شروع ہوئی تو اس شان سے کہ شاید اپنی غزل کو بھی شاعر اس توجہ سے نہ بناتا ہو۔ یعنی ایک، ایک غزل کی اصلاح ہفتوں میں پوری ہوتی ہے۔ پارسا۔ جاڑا ہے تو کمبل اوڑھے اور گرمی ہے تو چادر لپیٹے ہر جگہ مولانا کا سایہ بنا ہوا ساتھ۔ اب کوثر کی موج ہے۔ جہاں چاہے اور جب تک چاہے بیٹھا رہے۔ ٹہلتا رہے۔ راستہ ہو۔ دوکان ہو۔ گورستان ہو یا مکان جہاں چاہا اور جب تک جی چاہا۔ رہے۔ کوئی مصرع بنا دیا تو بنا دیا۔ اور اگر ذرا سی بھی خلش رہی تو بار بار پڑھا اور پڑھوایا۔ جب تک آبِ کوثر سے دھو کر پُر آب شعر نہیں کر دیا پیچھا نہیں چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ پارسا نے کئی انعامی مشاعروں میں انعام اور ایک تمغہ بھی حاصل کیا ہے۔

اخلاق و عادت اور ذریعۂ معاش | انکسار میں اُستاد کے نقشِ قدم پر گامزن، افلاس میں اپنی مثال آپ پیشہ صرف شعر گوئی۔ آثار اچھے تھے اور ابھی کچھ باقی ہیں۔ کاش برعکس نہند الخ کا مصداق نہ بنتے یا رند تخلص کرتے۔ ذوقِ شرب بادۂ کوثر تک محدود رکھتے تو بہتر تھا۔

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے :-

تارِ نفس تو ہے ابھی اے پنجۂ جنوں — دامن نہیں تو کیا جو گریباں نہیں تو کیا

داغِ دل، داغِ جگر، داغِ تمنا لے کر — ہم چلے انجمنِ یار سے کیا کیا لے کر

اب در و دیوارِ زنداں تھام لینا تم مجھے — پھر جنوں کا جوش ہے پھر آگئی فصلِ بہار

ہے مجھ سا سوختہ ساماں کہاں زمانے میں — لگا دی میں نے خود آگ اپنے آشیانے میں

ابھی سے دشتِ جنوں مت اُلجھ گریباں سے — ابھی تو دیر ہے فصلِ بہار آنے میں

نہیں معلوم کیا تکلیف ان کو اُن سے پہنچی ہے — جو عقل و ہوش کی صورت سے گھبراتے ہیں دیوانے

کر دیا تو نے خیالِ یار اس قابل مجھے — جس طرف جاتا ہوں آتی ہے نظر منزل مجھے

آگیا تھا راہِ الفت میں اِک ایسا بھی مقام — ڈھونڈھتا پھرتا رہا منزل کو میں منزل مجھے

کبھی ستم بھی خوشی سے اُٹھا لئے ہم نے — کبھی کرم بھی تمہارے بہت گراں گزرے

پروین تخلص، بڑی بیگم لقب۔ اُمِ مشتاق کُنیت۔ مولوی سید غضنفر علی خاں دہلوی کی صاحبزادی۔ مولانا سخاؔ و سہاؔ کی خواہر۔ حاجی میر قربان علیؒ کی اہلیۂ دوم اور مولانا بسملؔ کی جدہ محترمہ (حقیقی نہیں) تھیں۔

ولادت و تعلیم آپ کی ولادت ۱۱ر دسمبر ۱۸۶۶ء مطابق ۱۰ر رمضان ۱۲۸۳ھ یوم پنجشنبہ کو دلی میں متصل کلاں محل ہوئی۔ بسم اللہ خوانی کے بعد اپنے بزرگوں سے قرآن شریف پڑھا۔ اور اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اپنے نانا سے جو مستند طبیب تھے طب کی تکمیل کی۔ نجوم و رمل میں بھی مہارت حاصل کی۔ اور مستورات کا معالجہ بھی کرتی تھیں۔ شہ سواری اور بندوق و تمنچے سے نشانہ لگانے میں بھی اچھا ملکہ تھا۔ شادی کے بعد اپنے شوہر حاجی صاحب موصوف سے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اور مثنوی مولانا روم سبقاً سبقاً پڑھ کر مسائلِ تصوف سے بھی واقفیت حاصل کی۔ تعبیر خواب بتانے کا خداداد ملکہ تھا۔ صوم وصلوٰۃ کی سختی سے پابند تھیں۔

حج بیت اللہ کا بھی شرف حاصل کیا۔

شاعری | شعر گوئی کا شوق بچپن سے تھا۔ مولانا سحاؔ دشہباؔ سے اصلاح لیتی رہیں۔ جب کافی غزلیں وغیرہ جمع ہوگئیں تو دیوان طبع کرا کر نواب میر عثمان علی خاں والیٔ دکن کے نام معنون کیا۔ اور نواب صاحب نے بمدِ خلعت و تواضع مبلغ پانچسو روپے عطا کئے۔ اُس کا دوسرا ایڈیشن بھی باضافہ کلام تازہ مع تقریظ سرکشن پرشاد۔ شادؔ۔ و حالاتِ مرحومہ عزیزی پریس آگرہ میں چھپ چکا ہے۔

وفات | آپ نے جے پور ہی میں وفات پائی اور "میر جی کے باغ" میں اپنے شوہر کے احاطۂ مزار کے ایک گوشہ میں آسودہ ہیں۔

کلام پر تبصرہ | آپ کے کلام میں صفائی۔ لطفِ زبان۔ برجستگی اور متانت کے ساتھ شوخی پائی جاتی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:-

جب سے آئینہ کو رخسار نے دی صاف شکست
مُنھ دکھانے کو نہ دُنیا میں سکندر آیا

اللہ کرے عطا قناعت
نسخہ ہے عجیب کیمیا کا

نماز پڑھنے سے مُنھ پہ جو نور آنے لگا
مُصلّیوں کی ہر عادت غرور آنے لگا

جو دیکھا دل نہیں پہلو میں تو وہی مانگا
سوال کر کے مجھے خوب لاجواب کیا

خوش ہوں کہ خفا، آپ بھی لیلوٹ ہیں واللہ
یہ کیا کہ پلٹ کر دلِ ناکام نہ دینا

کچھ ہو تو کرامات جو دل دیتے ہیں تم کو
ناقص ہو تو یہ شرط سہی دام نہ دینا

تبرک تھے مری توبہ کے ٹکڑے
بجائے نقل محفل میں بٹے ہیں

سُنتے سُنتے واعظوں سے ہجو مے
ضعف سا کچھ آگیا ایمان میں

قیامت سے بدتر ہے اُن کا بگڑنا
خدائی اِدھر سے اُدھر ہوگئی

ہائے میری بیقراری اور اُن کا اضطراب
اور چلتے وقت کی باتیں وہ گھبرائی ہوئی

عشق بازی اور شے ہے فسق ہے کچھ اور چیز
نیکنامی کو نہ کہہ پروؔیں کہ رسوائی ہوئی

پھسڈی

سُبحان اللہ! تمام روحِ کلام جسمِ تخلص میں کھنچ آئی ہے۔ اور رنگِ سخن تخلص سے پھوٹا پڑتا ہے۔ غالب نے تو رہزنِ تمکیں "مطرب بنغمہ" کو قرار دیا تھا۔ مگر جناب نے یہ کام تخلص سے لیا ہے۔ اُردو کے شعرا اپنا تخلص ہمیشہ عربی یا فارسی سے مانگتے ہیں۔ مگر آپ نے یہ اُردو نوازی فرمائی ہے کہ اُس کا لفظ اپنے لئے پسند کیا۔ اگرچہ بظاہر پھسڈی مگر حقیقتاً میری سے بہتر!!

آنند نراین نام "پنڈت" اور "کول" اعزازِ نسبی۔ والد کا نام پنڈت بشن نراین کول۔ کشمیری الاصل ہیں۔ فروری سنہ ۱۹۰۳ء میں بمقام الور پیدا ہوئے۔

شاعری اور ادبی ذوق | شاعری کا شوق آپ کو زمانہ طالب علمی سے ہی جو الہ آباد سے شروع ہوا۔ (فی الواقع سرزمینِ الہ آباد ہی اس زعفران زارِ کشمیر کے لئے موزوں تھی) حضرت اکبر الہ آبادی اور ظریف لکھنوی کے کلام سے استفادہ کیا۔ اور خداداد ذہانت و قابلیت کی بدولت اپنا خاص رنگ قائم کر لیا اور اس رنگ کی اُستادی کے لئے آپ نے ایک اشتہارِ عام بھی دے دیا تاکہ دیکھیں موجودہ زمانہ کے ادعائی اساتذہ میں سے اس فخر کا ذمہ کون مائی کا لال لیتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

کول بزمِ شاعری میں کیوں پھسڈی رہ گئے ۔۔۔ سخت لعنت آپ پر اور آپ کے اُستاد پر

ادبیات سے آپ کو خاص دلچسپی رہی ہے۔ الہ آباد کے اکثر مشاعروں میں شرکت کی اور بحیثیت سکریٹری مشاعرہ۔ ہندو بورڈنگ ہاؤس الہ آباد میں متعدد مشاعرے بھی کئے۔

الور میں قیام کے زمانہ میں تقریباً سنہ ۱۹۴۳ء سے وہاں کی "بزمِ ادب" کے صدر تھے اور اب جے پور کے خاص مشاعروں میں شرکت فرماتے ہیں۔

ملازمت | راجستھان بننے سے پہلے الور میں سلسلہ ملازمت شروع ہوا۔ اور سنہ ۱۹۴۱ء میں وہاں ڈسٹرکٹ جج ہو گئے۔ پھر سنہ ۱۹۴۷ء میں الور، متسہ اور راجستھان ہائی کورٹ کے جج۔ آجکل کہ سنہ ۱۹۵۸ء ہے۔ جے پور اور ٹونک کے ڈسٹرکٹ سشن جج

ہیں۔ اور جے پور آپ کا صدر مقام ہے۔

کلام پر تبصرہ عیاں راچہ بیاں۔ ع حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:۔

ترانے نغمۂ الفت کے کیوں بگڑیں فغاں ہو کر
صدائیں ہجر کی راتوں میں نکلیں ٹھمریاں ہو کر

نظامِ خانگی کچھ ہو گیا زیر و زبر ایسا
میاں ہیں بن کے بیوی اور بیوی ہیں میاں ہو کر

بگولہ میری آہوں کا جو اٹکا اس کے چکر میں
شکم پھٹ جائیگا چرخِ کہن کا دھجیاں ہو کر

تمہاری زلف ہے یا ایک لشکر کنکھجوروں کا
پھنسا گر ان کے پنجوں میں نکالوں دل کہاں ہو کر

نہ قابو کچھ حسینوں پر نہ پنجہ مہ جبینوں پر
پھسڈی فی الحقیقت تم نے جھک مارا جواں ہو کر

زندگی وہ جو وقفِ خدمت ہو
وہ جیا جو شہیدِ دنیا ہے

جذبۂ دل پہ حرف آ نہ سکے
بات تب ہے وہ آ کے جا نہ سکے

اپنی کمزوریاں کہ جا نہ سکے
ان کی مجبوریاں کہ آ نہ سکے

دورِ فلک سے ہم بخدا تنگ آ گئے
جتنے ملے حسین وہ انگوٹھا دکھا گئے

شاعر بچے کھچے جو رہے غم سے عشق کے
غلوں کے نرخ، پیٹ کے غم انگو کھا گئے

یہ ہے فیصلہ میری تاکید کا
شبِ وصل ہی التوا ہو گئی

سنا ہے کوڑل بھی اب شاعری کی ٹانگ توڑینگے
مگر یہ کام مشکل ہے پھسڈی اور کاہل سے

پیام تخلص، تقی حسین نام، نسباً سیّد۔ وطن جے پور۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں یہیں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم پا کر رجسٹری میں ملازم ہو گئے۔ سنہ ۱۹۵۱ء سے شعر کہتے ہیں۔ استاد کامل کی تلاش میں ہیں۔ فی الحال اپنے محبِ خاص احمر جے پوری سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ نومشقی کا زمانہ ہے۔ کوئی شاعر گر استاد کامل مل گیا تو ترقی کر جائیں گے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

ہم بے خودیِ شوق میں پہنچے کہاں کہاں
بزمِ جہاں سے دُور، کبھی لامکاں سے دُور

نہ نیاز و ناز سے کچھ غرض نہ وصال و وصل سے واسطہ
ترے حُسن کو بھی خبر نہیں جو مری نظر کا مقام ہے

چند پیمانے ہی ٹوٹے ہیں ابھی تو ساقی
خون برسے گا کسی دن ترے میخانوں سے

تجلّی

تخلص۔ مانگی لال نام نسباً ماتھر کایستھ، اصل وطن قصبہ کانٹی علاقہ نارنول ہے۔ جے پور میں سلسلۂ ملازمت شروع ہوا۔ مختلف عدالتوں میں سررشتہ دار رہ کر پنشن لی۔ اور یہیں انتقال ہوا۔ پہلے حضرت آگاہ سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے بعد سے حافظ عزیز سے مشورہ کرتے رہے۔
نمونۂ کلام ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

نہیں ہے مانعِ بیداد، میری داستاں سُنکر
وفا چاہو وفا کرنا جفا چاہو جفا کرنا

صدا یہ آرہی ہے کشتگانِ کوئے قاتل کی
کبھی تھے ہم بھی دل والے ہمارے پاس بھی دل تھا

شمار کر نہ سکا اُن کا کاتبِ اعمال
مرے گناہ کا جب حشر میں حساب ہوا

کیا بے خبری ہے سئے اندوہ رُبا میں
سر کا بھی مجھے ہوش نہیں لغزشِ پا میں

تحسین

تخلص، تجمل حسین نام۔ اصل وطن قصبہ سنگھانہ ضلع شیخاواٹی تھا۔ نسباً شیخ صدیقی سنگھانہ کے قاضی صاحبان میں سے تھے اور قاضی محمد حسین رضی کے چھوٹے بھائی، فارسی کی استعداد بہت اچھی تھی۔ کچھ عربی بھی جانتے تھے۔ غدر کے بعد وطن سے جے پور آئے۔ اور یہاں کی فوج میں کسی عہدہ پر ملازم رہ کر پنشن لے لی تھی۔ مولانا تسلیم سے تلمذ تھا، اغلباً ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء میں یہیں انتقال کیا۔ اُس وقت ساٹھ سال سے زیادہ عمر تھی۔ آپ کا دیوان بالکل مکمل تھا۔ جس میں تمام ردیفیں تھیں۔ اور غزلیات کے علاوہ اور بھی اصنافِ سخن تھے، دیوان تقریباً ۲۶×۲۰/۸ سائز پر بارہ تیرا جز کا تھا

جو ۱۹۴۷ء تک تو محفوظ تھا میں نے بھی دیکھا تھا۔ اب خدا جانے کہاں ہے۔

کلام پر تبصرہ | جدّت طرازی، مضمون آفرینی، اور صفائیِ زبان آپکے کلام کی خصوصیات ہیں۔ نمونۂ کلام ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

وہ آئیں گے تو غیر بھی ہوں گے ضرور ساتھ
باز آئے ایسی آہِ رسا کے اثر سے ہم

منّت کشِ مسیح نہ ہونا پڑے کبھی
یارب ملے وہ درد کہ جس کی دوا نہ ہو

قاصد جواب نامہ تو لایا ہے دیکھئے
ڈرتا ہوں میرے طالعِ بد کا لکھا نہ ہو

روزِ محشر میں عبث طولِ سخن ہے واعظ
خیر، ہوگی کوئی وہ بھی شبِ ہجراں، سمجھے

میں کبھی تجھ کو نہ سمجھوں گا مسلماں تحسینؔ،
کوئی کافر بھی تو کافر کو مسلماں سمجھے

گر یہی لب تشنگی ہے زخمِ تیغِ ناز کی
مجکو تسکیں ہو چکی آبِ دمِ شمشیر سے

کیا ہوا گر دیکھتے ہیں دل کی تسکیں کے لئے
حسرتِ نظارہ جاتی ہے کہیں تصویر سے

تجھے صبر مرحوم لاؤں کہاں سے
وہ ظالم اب آمادۂ امتحاں ہے

نہ پوچھو مری جان و دل کی حقیقت
اِدھر یہ رواں ہے اُدھر وہ رواں ہے

فلک کہہ رہے ہو فلک کون، کیسا
مرے نالۂ آتشیں کا دھواں ہے

مُسلماں ہوئے کس توقع پہ تحسیںؔ
بُتوں کی خدائی بتوں کا جہاں ہے

تسکین

تخلص۔ علی عباس نام نسباً سیّد۔ والدِ بزرگوار کا نام سید باقر حسین تھا جو بہترین تحت اللفظ مرثیہ خواں تھے، اصل وطن قصبہ بہرسر علاقہ بھرت پور تھا۔ آپکے والد جے پور آئے۔ میر تسکین کی تعلیم و تربیت جے پور ہی میں ہوئی۔ اور یہیں ملازمت شروع کی۔ "منشی فاضل" تک آپنے تعلیم حاصل کی تھی۔ مختلف مدارس میں اُردو۔ فارسی کے مدرّس رہے۔ اور سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو جانے پر "مسلم ہائی اسکول جے پور" میں کچھ عرصے مدرّس رہے۔ آخرِ عمر میں بہت ضعیف ہوگئے تھے عمر ستر سال کے لگ بھگ تھی۔ مگر جب

مشاعرے میں غزل پڑھتے تھے تو آواز میں جوانی کی کڑک ہوتی تھی۔ تحت اللفظ خوب ہی پڑھتے تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی قتیل بھی شاعر تھے۔

میر تسکین اوّل سیّد اولاد حسین رسوا سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے بعد آگاہ کے شاگرد ہوئے۔ اور بعدِ انتقالِ آگاہ کسی کو کلام نہ دکھایا۔ مشاعروں میں طولانی غزلیں زیادہ پڑھتے تھے۔ انتقال کو تقریباً تین سال ہو گئے۔

نمونۂ کلام یہ ہے:۔

گریباں دھجّیاں ہے چاک داماں ہے جہاں میں ہوں
مرے غم کی کہانی کا یہ عنواں ہے جہاں میں ہوں

اوروں کی تو کیا تاب کہ دیکھیں ترا جلوہ
جب دیکھنے والوں ہی نے صورت نہیں دیکھی

فرقت میں تڑپتا ہی رہا صورتِ بسمل
تسکین نے تسکین کی صورت نہیں دیکھی

تسلیم تخلص۔ محمد عثمان نام۔ ابو البیان کُنیت۔ سلیم الدین عرف۔ والد کا نام مولوی حافظ قاضی حبیب الدین۔ دادا کا نام قاضی نظام الدین نسباً شیخ عثمانی۔ چونتیس واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امیر المومنین عثمان غنیؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ مولوی درویش محمد بدایوں میں مفتی تھے۔ اُن کے فرزند مولوی امین الدین ۱۱۶۴؁ھ میں نارنول کے قاضی مقرر ہو کر وہاں پہنچے۔ جن کی مددِ معاش کے لئے سرکار سے روزینہ اور بصیغہ معافی و انعام زرعی و سکنی جائداد فرمانِ شاہی کے ذریعہ عطا ہوئی۔ مفتی صاحب موصوف کے دوسرے صاحبزادے مولوی معین الدین بدایوں میں رہے جن سے وہاں نسل جاری ہے۔

ولادت و تعلیم مولانا تسلیم کی ولادت ۱۲۵۶؁ھ میں بمقام نارنول ہوئی۔ قدرت نے ذہانت و حافظہ غیر معمولی عطا کیا تھا۔ اپنے ماموں مولانا ابو السلام محمد عمر رشید الدین فاروقی المتخلص بہ منتظر و فائز سے تعلیم حاصل کر کے بارہ ۱۲ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

حافظہ قوتِ حافظہ اس قدر قوی تھی کہ جو کتاب ایک بار پڑھ لیتے تھے اُسکی اصل عبارت تک اکثر حرف بحرف یاد رہتی تھی۔ اپنی تصانیف میں جب کسی کتاب کا حوالہ دیتے تو اُس کی عبارت بلا کتاب دیکھے بجنسہٖ لکھاتے چلے جاتے۔ آپ کے شاگرد مولانا اعجاز جو آپ کی تصانیف کے مسودات لکھ کر صاف بھی کیا کرتے تھے اپنا شک رفع کرنے کو اصل عبارت سے حوالہ دی ہوئی عبارت کو مطابق کرتے تو مطلق فرق نہ ملتا۔

اکثر بعد عشاء، یا بعد تہجد فکرِ سخن کرتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ پورا قصیدہ یا غزل یا مثنوی کہہ لی مگر یادداشت کے طور پر کہیں کچھ نہیں لکھا۔ دوسرے دن جب مولانا اعجاز حاضر ہوئے تو پورا کلام ان کو لکھوا دیا۔

حفظِ قرآن آپ کے نارنول سے جے پور آنے اور ملازم ہو جانے کے بعد کا واقعہ ہے کہ:۔ آپ کا دستور تھا کہ رمضان کا چاند ہونے سے ایک دو روز پہلے نارنول پہنچ جاتے تھے۔ اور دیگر عزیز و اقارب بھی چھٹیاں لے کر وہاں آجاتے تھے۔ اُس زمانے میں نارنول میں ریل کا تو کوئی وجود ہی نہ تھا۔ اور سفر کے لئے اور بھی آسانیاں نہ تھیں۔ تاہم رمضان وطن میں کاٹنا اُس زمانے کے دستور کے مطابق کچھ ضروری سا تھا۔ مولانا رشید الدین بھی پہنچ جاتے تھے۔ تراویح مولانا تسلیم کے مردانے مکان میں بھی ہوا کرتی تھیں۔ مقامی حفّاظ کے علاوہ مختلف مقامات سے بھی حافظ نارنول پہنچ جاتے تھے اور متعدد مساجد وغیرہ میں محراب سُناتے تھے۔ مولانا رشید الدین خود حافظ تھے مگر بوجہ ضعف محراب نہ سُنا سکتے تھے۔ اغلباً ۱۲۸۶ھ یا ۱۲۸۷ھ کا یہ واقعہ ہے کہ چاند رات کی دوپہر تک کسی حافظ کا انتظام مولانا کے یہاں تراویح کے لئے نہ ہو سکا۔

مولانا رشید الدین نے مولانا تسلیم سے کہا "میاں سلیم! اب کے حافظ کا

کوئی انتظام نہیں ہوا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہماری زندگی میں یہاں تراویح نہ ہوں جیسے بن پڑے حافظ کا انتظام کرو۔"

مولانا تسلیم۔ "بہت اچھا" کہہ کر چلے آئے۔ وقتِ مقررہ پر جب نمازی جمع ہوئے اور حافظ کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا کہ انتظام ہو گیا ہے۔ قرآن مجید ختم ہوگا انشاء اللہ۔ پوچھا گیا کہ حافظ کون ہے تو کہا کہ میں ہی سُنا دوں گا۔ کیا یہ کہ اُسی روز ظہر سے عصر تک ایک پارہ حفظ کیا اور محراب سُنانے کھڑے ہو گئے۔ اسی طرح سَوا۔ ڈیڑھ پارہ روزانہ حفظ کرتے اور شب کو سُناتے۔ اس طرح ایک مہینہ کے اندر پُورا کلامِ پاک حفظ کر لیا۔

تلمّذ | آپ کو مولانا رشید الدین موصوف سے تلمّذ تھا۔

جے پور میں آمد | مولانا رشید الدین غدر سے پہلے جے پور آچکے تھے۔ بعد غدر مولانا تسلیم بھی اغلباً ۱۸۵۸ء میں بتلاشِ معاش جے پور آئے اور یہیں کے ہو رہے۔

ملازمت | آپ کی ملازمت کا سلسلہ ۱۸۵۸ء کے آخر سے شروع ہوا۔ اوّل آپ صدر فوجداری جے پور میں نائب ناظر ہوئے۔ اور ایک سال کے اندر ہی سررشتۂ تعلیم میں تبدیل ہو کر اورنٹیل کالج جے پور میں مدرّسِ اوّل مقرر ہوئے۔ اور دو ایک سال بعد ہی مدرسۂ تعظیمیہ کے استاذ مقرر کر دیئے گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد مفتی ریاست جے پور بھی مقرر ہو گئے۔ آپ کی علمی قابلیت کا سِکّہ حکام پر جم چکا تھا چنانچہ آپ کے زمانے میں جب کسی شخص کی علمی قابلیت کی جانچ مقصود ہوتی تھی تو امتحاناً آپ کے پاس امیدوار کو بھیجا جاتا تھا اور آپ کا فیصلہ تسلیم ہوتا تھا۔ ایسے صدہا واقعات ہیں مگر بخیالِ طوالت درج نہیں کئے جاتے تمثیلاً صرف ایک واقعہ درج ذیل ہے:۔

منشی چند بہاری لال صبا۔ بحوالہ بیان مولوی سید الطاف حسین مرحوم پروفیسر عربی و فارسی مہاراجہ کالج جے پور راوی ہیں کہ مولوی صاحب کہتے تھے۔

"میں جب وطن سے بتلاشِ معاش جے پور آیا تو بہت کم عمر تھا۔ مہاراجہ کالج میں بھی ملازمت کے لئے درخواست دی تو پرنسپل نے ایک چپراسی کے ساتھ مجھے مولانا سلیم الدین کے پاس بھیج کر زبانی کہلایا کہ ان کا امتحان لے کر بتائیے کہ کیسی قابلیت ہے۔ چپراسی مجھے آپ کے کمرے میں لے گیا جہاں مولانا درس دے رہے تھے اُنھوں نے مجھے غالباً کوئی طالب علم سمجھا۔ اس لئے پڑھاتے رہے۔ جب چپراسی نے پیام دیا تو مجھے بٹھایا اور جو کتاب پڑھا رہے تھے (کتاب کا نام صبا کو یاد نہ رہا) اُسی کا ایک مقام بتا کر کہا کہ یہاں سے پڑھ کر معنیٰ و مطلب بیان کیجئے۔ میں نے تعمیل کی تو ایک فقرے کی طرف اشارہ کیا کہ اس کی تحلیل صرفی و ترکیب نحوی ادا کیجئے۔ میں نے وہ بھی کر دی تو چپراسی سے کہا کہ" پرنسپل صاحب سے کہنا انھیں ضرور رکھ لیں۔ اچھے اُستاد کے پڑھائے ہوئے ہیں۔" چنانچہ میں ملازم ہو گیا۔

خود نوشت حالات | مولانا نے اپنی ایک تصنیف تُربات الکربلاء (۱۲۸۸ھ) میں اپنے حالات بقلمِ خود تحریر کئے ہیں۔ جو ذیل میں اس لئے درج کئے جاتے ہیں کہ مولانا کی طرزِ نگارش بھی سامنے آجائے۔ اور مزید حالات بھی معلوم ہو جائیں۔ وَھُوَ ھٰذا۔

ہر دمے چوں گُہریں نکتہ تر می گویم — سخن از آلِ شہِ جن و بشر می گویم
تا نہ گوئی ز کجا و ز چہ سر می گویم — بارہا گفتہ ام و بارِ دِگر می گویم

کہ خمیرِ گِلِ من مہرِ خداوندِ من است

مجھ سے ہر دَم جو نکلتے ہیں یہ دُرِّ مکنوں — پوچھتے کیا ہو کہ یہ شوق ہے کیا روز افزوں
کیا کہوں آلِ محمدؐ کا ثنا سنج ہوں کیوں — مہرِ ایشاں دو دہ قدسی ست خمیرم بدروں

می ترا دد چہ کنم اُنچہ درآوندِ من است

فقیر، ہیچ میرز، ہیچ مداں، محمد عثمان، ابوالبیان سلیم الدین تسلیم عاملہ اللہ بلطفہ القدیم کہ قرشی عثمانی النسب سنی نعمانی المذہب ہے۔ کما یقول فی رباعیۃ۔

تسلیم نسب میں خاص عثمانی ہوں — اور سنئ آبائی و نعمانی ہوں
اور آلِ نبی کا ہوں دل و جاں سے غلام — کیا جامعِ ارکانِ مسلمانی ہوں

وفی اُخریٰ

خدا کا بندۂ امیدوار ہوں تسلیم — نبی کا امتیِ خاکسار ہوں تسلیم
خلل نہیں ہے مرے اعتقاد میں زنہار — غلامِ پنجتن و چار یار ہوں تسلیم

وفی اُخریٰ

تسلیم کمیں بندۂ باری مائیم — در راہِ نبی بجاں سپاری مائیم
با سوئے عقیدہ کارِ ما نیست مباد — چوں پنجتنی و چار یاری مائیم

اور بدایونی المحتد والوطن نارنولی المولد والمسکن ہے اور فی الاصل گازرونی المحط ہے اور شیرازی المسقط کما یقول فی رباعیۃ :۔

فارغ ز ہوائے امن و ہول آمدہ ایم — غافل ز ریائے صمت و قول آمدہ ایم
ما را ز حق آتشیں زبانیست عطا — تسلیم ز خاکِ نارنول آمدہ ایم

وفی اُخریٰ

ما کز غم و شادی دو کون آزادیم — شیراز نہاد و گازروں بنیادیم
در ہند رسیدیم و بدایوں زادیم — زانجا بسوادِ نارنول افتادیم

اور مدرسِ اول مدرسۂ تعظیمیہ جے پور ہے۔ عمائد زادگانِ ریاست کی تعلیم پر مامور ہے۔ کما یقول فی رباعیۃ :۔

تسلیم ظہورِ صنع را تسلیم — سرتا پا مشقۂ امید و بیم
ناکردہ درست ابجدِ عجز ہنوز — تعلیم گرِ مدرسۂ تعظیم

احبابِ صحیح الاعتقاد اور منصفانِ صافی نہاد کی خدمت میں گزارش کرتا ہے کہ اس قلیل المتاع کو بدوِ شعور سے مُطالعہ کتبِ سیر و احوالِ فیض اشتمالِ حضرتِ خیر البشر اور آل و اصحاب کے آثارِ مُعتبر کی طرف شغفِ مفرط رہا چنانچہ وقائعِ مُعتبرہ ولادتِ باسعادت اور معراج وغیرہ مدارج۔ اور وفات کے ایک مجموعہ میں جمع کئے اور عقودِ ثلٰثہ اُس کا نام رکھا۔ اور فضائلِ احوالِ

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کیلئے ایک رسالہ قرار دیا۔ اور مثاب الخلفا ۱۲۸۵
اسکا تاریخی نام مقرر کیا۔ اور حضرتِ بتولِ زہرا و حسنِ مجتبیٰ کے مآثر مبارکہ کو ایک
مختصر میں مرقوم کیا اور باسم تاریخی ذوالفتحین موسوم کیا۔ مجموعِ ائمہ اثناعشرہ رضوان اللہ ۱۲۸۵
علیہم کے مناقب کے لئے ایک سفینۂ منظومہ مرتب کیا۔ اس کو ذات البروج ملقب کیا۔
رہے واقعِ کربلا۔ خصائصِ حضرتِ سید الشہدا حسین ابن المرتضیٰ علی جدہ وعلیہ الثنا۔
تو نہ پوچھو۔ آہ آہ۔ واشوقاہ۔

وہ حسین ابنِ علی اور وہ کریم ابنِ کریم مظہرِ رمزِ خطابِ شرفِ ذبحِ عظیم
وہ محیطِ نسبِ فاطمہ کے دُرِّ یتیم می چکد آبِ حیات از دہنِ من تسلیم
نامِ جاں بخش کہ یارب بزبانم آمد

اس باب میں تو فقیر کا عجب حال ہے۔ عجب حال ہی غضب حال ہے
حضرتِ سلطانِ کربلا کی جناب میں ابتدا ہی سے کچھ اس طرح کی ایک نسبتِ عقیدت
درست ہے کہ اُس کی نازش سے میرے بالائے کلام پر تشریفِ قبول چست ہی۔
میں نہیں کہتا یہ کیا ہے۔ میں کون ہوں۔ اور کیا عطا ہے۔ ہاں ہاں تسلیم فضلِ خدا
ہے۔ کیا خوب دولتِ خداداد ہے کہ ہر لحظہ سبطِ رسول کی یاد ہی۔ کما اقول فی رباعیۃ۔

عُبّاد جو ہیں ذکرِ جلی کرتے ہیں زہاد جہادِ عملی کرتے ہیں
تسلیم جدا ہے سب سے اپنا مشرب ہم یادِ حسین ابنِ علی کرتے ہیں

وفی اخریٰ

تسلیم خدا سے ہم دُعا مانگیں گے پر تجکو خبر بھی ہی کہ کیا مانگیں گے
نے ثروتِ دنیا نہ نعیمِ عقبےٰ خاکِ درِ شاہِ کربلا مانگیں گے

شعر

یاربّ صَلِّ عَلَی النَّبِیِّ وَآلِہٖ بِجَلَالِہٖ وَجَمَالِہٖ وَنَوَالِہٖ

اور اسی نسبتِ عالیہ کے فیضان سے فقیر کو ابتدا سے آپکے شرائفِ مآثر کے

ضبط کی حرص مُضطر رہی ہے۔ ۱۲۶۸ھ ہجریہ میں کہ سنین عمر خاکبوس اثنا عشری تھے فقیر نے بقیۃ المتکلمین خاتم المحدثین آیۃ اللہ فی الارضین مولانا عبدالعزیز الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالۂ عربیہ سرّ الشہادتین کو نظمِ مثنوی اُردو میں ترجمہ کیا اور اُس کا تاریخی نام زینۃ الشہادتین قرار دیا۔ تین سال بعد ۱۲۷۱ھ میں اسی ترجمہ کو اور قالب میں منظوم کیا اور نامِ تاریخی عشق الشہادتین ۱۲۶۸ھ سے موسوم کیا۔ دو سال بعد جو عقیدتِ ولولہ انگیز نے سلسلۂ شوق بڑھایا۔ خیال آیا کہ کوئی کتاب جامع جمیع احوالِ برکت اشتمال ۱۲۷۱ھ مرتب کی جائے اور اس کی مجالس عشرہ کی ترتیب دی جائے۔ بعد تامل و تفحص ایک سفینۂ ضخیمہ قریب سو جزو کے اردو میں مرتب ہوا اور اس میں سید الانبیاء سے لے کر حضرتِ سید الشہدا تک سارے وقائع ولادتوں اور شہادتوں کے بموجب روایات معتبرہ بالتفصیل مندرج ہوئے۔ اور شہادت العاشقین ۱۲۷۳ھ اس کا تاریخی لقب ہوا۔ اور اصناف رجز و مراثی وغیرہ کا تینوں زبان عربی و فارسی و اُردو میں التزام رہا۔ ہنوز نظرِ ثانی پوری نہ ہو چکی تھی کہ شعبدۂ قیامت آشوب جسے غدر کہتے ہیں آشکار ہوا۔ وہ سفینہ اُس ہنگامۂ آشوبناک میں دست بردِ غارتِ روزگار ہوا۔ جی کی جی میں رہ گئی۔ محنت کی کرائی گئی۔

اوائل ۱۲۸۱ھ ہجری میں جو ورودِ وطن کا اتفاق ہوا۔ حضرت ملاذی و اُستاذی جامع العلوم لامع الفہوم ذو العلم الحاوی و الفضل الحائز مولانا ابو الکلام محمد عمر رشید الدین المنتظر ثم الفائز الفاروقی النارنولی رزقنا اللہ رشادہٗ الفعلی و القولی۔ ع کہ بادا سایۂ او بر سرم دیر۔ مجھ سے فرمانے لگے۔ ”ان لیالیِ مبارکہ میں کچھ ذکرِ شہادت حضرتِ امام کا ہونا چاہیے۔“ میں نے عرض کیا ”کوئی کتاب ایسی موجود نہیں“ فرمایا:۔ ”لکھ لو“ یہ کلمہ حضرت کا توسنِ طبع کو تازیانہ ہو گیا۔ اسی عشرۂ مبارکہ میں

بموجب روایاتِ صحیحہ ایک مجموعۂ حاویہ جمیع وقائع کربلا مشتمل بردہ مشہد مرتب ہوا۔ صبح سے شام تک ہر روز ایک مشہد لکھا جاتا تھا۔ وہی شب کو پڑھا جاتا تھا۔ یہ سفینہ زبانِ اردو میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ مشتمل بر اشعار پیش خوانی ورجز ومراثی فارسی واردو تیار ہوا اور اس کا اسم تاریخی ضریح المشاہد قرار پایا۔ ازانجا کہ فقیر بمقتضائے عقیدت واتباعِ سنت لیالی عشرۂ محرم میں وقائعِ شہادت بیان کیا کرتا ہے۔ اور ہر واقعہ کو بطریق استنباط لطیف کسی آیتِ قرآنی سے لیا کرتا ہے۔ اور اس کے ضمن میں کچھ نکات و لطائف بھی بیان ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ وہ مقیدِ کتاب نہیں ہوتے پھر زبان وگوش کو حسرت رہ جاتی ہے۔

اب کے برس ان دنوں میں کہ ماہ محرم ۱۲۸۸ھ ہے جی نے یوں چاہا کہ واقعِ شہادت کو بحذفِ زوائد قالبِ استنباطِ قرآنی میں ادا کیا جائے۔ اور بمرادِ قبولِ خاطر کہیں کہیں حسبِ موقع بعض مطالبِ و قائع کو نظمِ مسدس میں کہا جائے۔ اور ہر محل و مقام پر حسبِ موقع کوئی حدیث بھی تطبیقاً وارد ہو۔ اور ورائے اس کے جابجا رعایت تلطیف موارد ہو۔ اب بحول اللہ وقوتہ وحرمتِ نبیہ وعترتہ۔ میں باستعانتِ ارواح طیبہ شہدا۔ اس کام کو اپنے سر لیتا ہوں اور اس سفینہ کو کہ باسم مواقع النجوم من عنداللہ موسوم ہے اور تربات الکربلاء اس کا تاریخِ آغاز مفہوم ہے ۱۲۸۸ھ ایک عتبہ بجائے مقدمہ اور دس مشہد اور ایک حریم بجائے خاتمہ پر ترتیب دیتا ہوں۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ وَبِہٖ اِسْتَفْتِحُ وَاسْتَعِیْنُ ٥"

اس کتاب کے بارہ سَو سے زیادہ صفحات ہیں اور تین جلدیں ہیں۔

حلیۂ لباس | مولانا کی تصویر کا ہونا تو ناممکنات سے ہے۔ اس لئے کہ وہ خالص

مذہبی پیشوا اور مکمل طور پر متبع شریعتِ غرا تھے۔ حلیہ بھی بتانے والا اب کوئی باقی نہ رہا لہٰذا جو کچھ ان ہستیوں سے سُنا ہے کہ جنھوں نے مولانا کو دیکھا اور اُن سے فیض اُٹھایا تھا وہ ذیل میں درج کرتا ہوں :۔

اوسط قد مائل بہ درازی بہتوسط اندام مگر جسم گٹھیلا اور سڈول۔ سر پر پٹے اور اکثر کاکل بدوش۔ کشادہ پیشانی۔ بڑی اور پر نور روشن آنکھیں۔ ستنی ہوئی ناک۔ رخسار کی ہڈیاں کسی قدر اُبھری ہوئیں کھلتا ہوا گندمی رنگ تراشیدہ بروت۔ گنجان و دراز مگر مقطع ریش۔ دائیں آنکھ میں ایک ہلکا سُرخ و نیلگوں عجیب قسم کا حلقہ تھا جس سے خوبصورتیِ چشم میں اضافہ ہوگیا تھا۔ فراخ سینہ۔ پر گوشت شانے۔ کسی قدر لمبی گردن۔ دراز و پُر گوشت مگر پتلی اُنگلیاں۔

لباس نہایت سادہ مگر بہت صاف و پاکیزہ اور معطر ململ کا سفید یا ملاگیری عمامہ۔ یا گھر میں استعمال کے لئے چار کلی کی گول ٹوپی ململ کی۔ قالب پر چڑھی ہوئی۔ سفید لٹھے کا ایک پاٹ کا غرارہ۔ سفید ململ کا نیچا دیسی کاٹ کا کُرتہ۔ گرمی میں نین سُکھ کا سفید انگرکھا اور چوغہ۔ جاڑے میں کسی صوفیانہ ہلکے رنگ کا روئیدار انگرکھا اور فرغل یا گرم چوغہ۔ سانگانیری لمبا رومال۔ دیسی۔ نری کا سلیم شاہی جوتہ۔ باہر جاتے وقت عصا در دست تسبیح ہر وقت پاس رہتی تھی۔ اور پڑھتے رہتے تھے۔

اخلاق و عادات | باوجود عزتِ نفس اور تبحرِ علمی طبیعت میں انکسار و فروتنی چھوٹوں پر انتہائی شفقت۔ احباب سے مخلصانہ اور عزت افزا برتاؤ۔ بزرگوں کا بے حد ادب و احترام اور ان کی فرماں برداری تا حدِ امکان ضروری سمجھتے تھے۔ سخت خلافِ طبع واقعہ پر بھی غضبناک نہ ہوتے تھے۔ چھوٹے سے چھوٹے

شخص کو بھی ہمیشہ لفظ "آپ" ہی سے مخاطب کرتے تھے۔ اپنے معاصرین سے چشمک گوارا نہ کرتے تھے۔ اگر علمی و ادبی کوئی اختلاف ہوتا اور اس کا اظہار ضروری سمجھتے تو تعریض کا رنگ تنقیدی ہوتا تھا تنقیصی نہیں۔ مولانا حالی کی شاعرانہ خامیاں جس انداز میں ظاہر کی ہیں وہ "حدیقۃ المذہب" کے دوسرے حصے میں موجود ہیں۔ سرسید کے بعض عقائد کے سخت خلاف تھے۔ اور اُن کی بعض تفسیری عبارتوں کو گمراہ کُن سمجھتے تھے۔ اگرچہ انگریزی تعلیم کے خلاف نہ تھے اور انگریزی پڑھنے کو کُفر بھی نہ سمجھتے تھے۔ تاہم قرآن کو سائنس کے مطابق ثابت کرنے کی دُھن میں جو دور از کار تاویلات سرسیدؒ نے کی ہیں۔ اُن کو دیانتِ علمی کے خلاف اور اُن کی ستائش کو اس سے زیادہ معیوب جانتے تھے۔ کسی پالیسی یا وقت و موقع شناسی کا دخل۔ مذہبیات میں ہرگز گوارا نہ تھا۔

اساتذہ کا ادب اور ان کا اعترافِ کمال تلامذہ کے لئے بمنزلۂ فرضِ عین سمجھتے تھے۔ چنانچہ صباؔ بحوالۂ بیان مرزا آئلؔ راوی ہیں۔ کہ:۔

ایک تعطیل کے دن صبح کو حسبِ معمول چند احباب مولانا تسلیمؔ کے یہاں آئے اس وقت مولانا کچھ وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ جو صاحب آتے تھے بیٹھتے جاتے تھے۔ مرزا آئلؔ بھی آئے اور بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہی میرزکیؔ بھی تشریف لے آئے۔ میرؔ صاحب اور مرزا صاحب میں نوک جھوک رہتی تھی۔

میر صاحب خطِ آفتابی کے بہترین خطاط تھے۔

میر صاحب کے ہاتھ میں رومال میں لپٹا ہوا ایک چوکٹا تھا۔

مرزا صاحب نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اُنھوں نے اسے کھولا۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ لو دیکھو کیا ہے۔ مرزا صاحب کے حوالہ کیا۔ وہ کسی رئیس کا مدحیہ قطعہ یا قصیدہ میر صاحب کا مُصنفہ و محررہ تھا۔ مرزا صاحب نے بعد ملاحظہ،

اشعار اور خط کی داد، دی۔ مگر میر صاحب کے لئے وہ کافی نہ تھی۔ فرمانے لگے "خط کی یہ شان آپ کے اُستاد کو بھی نصیب نہ ہوئی" یہ اشارہ تھا سید امراؤ مرزا انور کی جانب جن سے مرزا صاحب اوّل اصلاح سخن لیتے تھے۔ مرزا صاحب کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ اور بات یہاں تک بڑھی کہ "جدالِ سعدی با مدعی" کا منظر پیش آنے کا اندیشہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ حاضرین کو بیچ بچاؤ کرنا پڑا اور میر صاحب اُٹھ کر چلے گئے۔

مولانا جب وظیفے سے فارغ ہوئے تو مرزا صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "آپ دونوں صاحبان نے جو کچھ باہم کہا سنا۔ وہ میں نے سُنا۔ اگرچہ حدِ انسانیت سے تو آپ دونوں صاحبان ہی گزر گئے۔ البتہ اگر آپ کی جانب سے اپنے استاد کی طرفداری میں یہ حرکت نہ ہوتی تو میں آپ سے کہہ دیتا کہ میرے در پر آئندہ نہ آئیے۔"

قناعت و ہمدردی، تقویٰ و تبحر علمی اور اعانت مستحقین و فیض رسانی علمی۔ مولانا کے صحیفۂ اخلاق کے روشن ابواب ہیں۔

قناعت | چونکہ عمائد زادگانِ ریاست کی تعلیم و تربیت آپ کے ذمّہ تھی اور اُن پر بے حد شفقت و توجہ آپ فرماتے تھے اس لئے متعدد جاگیرداروں نے چاہا کہ بطور انعام کچھ اراضیات مع چاہ آپ کو دیں مگر آپ نے منظور نہ کیا۔ حتیٰ کہ ایک بار خود مہاراجہ رام سنگھ والیِ جے پور نے ایک سالم گاؤں بطور معافی آپ کو عطا کر کے اس کا پٹہ پشت در پشت کے لئے بھجوا دیا۔ تو آپ نے شکریہ کے ساتھ پٹہ واپس پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ "مجھے جو کچھ (تنخواہ) مل رہا ہے وہ میرے لئے بہت کافی ہے۔ رہے اعزّہ تو وہ اگر کسی قابل ہوں گے تو اس انعام کی اُن کو احتیاج نہ ہوگی۔ اور اگر نالائق ہوئے تو کتنا ہی سرمایہ و جائداد ہو رکھ نہیں سکتے۔ شاہانِ مغلیہ نے تو اپنے ورثاء کے لئے ہندوستان کی سلطنت چھوڑی تھی! اُس کا حشر سامنے موجود ہے۔ اس لئے مجھے اس عطیے سے معاف

رکھا جائے کیونکہ اس سے میرے سکون و اوقات میں خلل واقع ہوگا۔" کہا جاتا ہے کہ نواب فیض علی خاں وزیر اعظم جے پور اور نواب زادہ احمد علی رونق نے بھی مہاراجہ کے حکم سے آپ کو سمجھایا مگر آپ نے قبول نہ کیا۔

اسی طرح خلیفہ محمد حسین خاں وزیر اعظم ریاست پٹیالہ نے جن سے آپکی خط و کتابت تھی ایک بار لکھا کہ آپ یہاں چلے آئیے۔ فی الحال تین سو روپیہ ماہوار علاوہ خدام و قیام گاہ وغیرہ آپ کو ملیں گے اور پھر ترقی کی بہت امید ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے بہت سے عزیز و اقارب۔ دوست و آشنا میری وجہ سے جے پور میں پڑے ہیں اور اُن کے روزگار لگے ہوئے ہیں اُن کو چھوڑ کر چلا آنا میرے لئے دشوار ہے۔ خلیفہ صاحب نے لکھا کہ آپ اپنے جملہ متوسلین کو اور سارے اعزہ و اقارب کو اپنے ساتھ لے آئیے سب کو خاطر خواہ ملازمتیں دی جائیں گی۔ مگر آپ کو تو جانا ہی نہ تھا۔ گئے ہی نہیں۔

حد تو یہ ہے کہ نارنول میں جو بزرگوں کے زمانے سے معافی کی زمینوں وغیرہ کی آمدنی چلی آرہی تھی اس کو بھی کبھی اپنے کام میں نہ لیا۔ فرماتے تھے کہ "بلا خدمت کوئی حق جائز نہیں۔ اور مذہبی خدمت کا اجر مخلوق سے لینا ناجائز۔ اس لئے یہ آمدنی میرے کام کی نہیں۔"

جن والیانِ ملک کی شان میں قصائد وغیرہ لکھے ہیں اُن سے مقصود یا تو اپنا اظہارِ کمال ہے اور شعرائے قدیم کی سنت، یا اُن کے واقعی مدّھم جوہروں کو مجلّی کر کے اس لئے ظاہر کرنا کہ مخلوق کو اُن سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔ اسی لئے کبھی کسی مدحت کا کوئی صلہ نہ لیا۔ بلکہ اپنا ادبی احسان برقرار رکھا۔ یہ ضرور ہے کہ اس سبب سے تعلقات اس درجہ بہتر ہو گئے تھے کہ جس کسی شخص کی آپ جو کچھ سفارش کر دیتے تھے وہ کبھی رد نہ ہوتی تھی۔

تمام عمر بقدرِ نصاب زکوٰۃ بھی آپ کے پاس روپیہ جمع نہ ہوا۔

سفارشات | مولانا کے پاس سفارشات کے لئے اکثر اہلِ حاجت آیا کرتے تھے۔ مقدمات میں آپ کبھی سفارش نہ کرتے۔ البتہ اگر صریحاً کسی پر ظلم ہو رہا ہے تو حاکم متعلقہ کو توجہ دلاتے کہ انصاف سے نہ گزرو اور ظلم سے بچو۔ ہاں ملازمت کے لئے بے دریغ ایک چھوٹے سے پُرزے پر سفارش لکھ دیتے تھے جو نسخہ تیر بہدف ثابت ہوتا تھا۔ اس لئے کہ مکتوب الیہ یا آپ کے احباب میں ہوتا تھا یا تلامذہ میں یا احسان مندوں میں۔ یا قدردانوں میں۔ اسی طرح غیر شرعی سفارش کو کبھی قبول نہ کرتے تھے۔ مثلاً

حیدر خاں نامی کلاونت جو مولانا کا ہمسایہ بھی تھا اور اپنے فن میں باکمال ہونے کے باعث مہاراجہ رام سنگھ کے مقربینِ خاص میں شمار ہوتا تھا۔ اُس کے کوئی صُلبی اولاد نہ تھی۔ اس نے کسی لڑکے کو اپنا متبنّیٰ بنا کر اپنی کل جائداد کا وارث اس کو بنانا چاہا۔ دیگر رشتہ دار اس بات کے خلاف تھے۔ چونکہ حیدر خاں حضور رس تھا اس لئے معاملہ مہاراجہ تک پہنچا۔ مخالفین نے بھی مضبوط و معقول عذر کئے۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ مولانا سلیم الدین سے فتویٰ لے لیا جائے اور بموجب شرعِ شریف فیصلہ کر دیا جائے۔ مولانا کے پاس استفتا آگیا۔ اور چونکہ حیدر خاں کی رعایت مہاراجہ کو منظور تھی۔ اس لئے اپنے ایک معتمدِ خاص کے ذریعہ مولانا کو کہلایا کہ فتویٰ حیدر خاں کے موافق آنا چاہیئے۔ یہ صاحب جب مولانا کے پاس پہنچے اور حکمرانِ ریاست کا منشا ظاہر کیا تو مولانا نے "مُہرِ مفتی" بکس سے نکال کر ان کے حوالہ کی اور کہا کہ "شریعت میں تبنیت کی کوئی اصلیت نہیں۔ جو کوئی آپ کی مرضی کے مطابق فتویٰ دے یہ مُہر اس کے حوالہ کیجئے۔ مجھے نہیں چاہیئے۔" اور حیدر خاں کے خلاف

بموجب احکامِ شرعِ شریف فتویٰ لکھ کر بھیج دیا۔

مہاراجہ تک جب کوئی بات مولانا کو کہلانی ہوتی تو منشی رام جی داس میر منشی (منشی صبا کے دادا) کو ذریعہ مولوی میر امیر علی جو مولانا کے خواجہ تاش تھے اور میر منشی صاحب کے وکیل اور صبا کے اُستاد، کہلا دیتے۔ اسی طرح منشی صاحب مہاراجہ کا پیغام پہنچا دیتے۔ منشی صاحب اور مولانا میں مخلصانہ و برادرانہ تعلقات تھے۔

زہد و ورع | قرآنِ شریف کی ایک منزل روزانہ ختم کرنا اور پابندی کے ساتھ تہجد ادا کرنا آپ کے معمولات میں تھا۔

بزرگانِ دین سے عقیدت | بزرگانِ دین سے خاص عقیدت تھی۔ حضرت شاہ حبیب الرحمٰن جمالی سرسادی اولادِ چہار قطب ہانسوی رح سے بیعت تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں:-

تعالی اللہ تعالی اللہ چہ عالی یافتم شانے
کہ دارم پیر چوں حضرتِ حبیبِ پاکِ رحمانے

یکم محرم سے ۱۰ر تک اور یکم ربیع الاول سے ۱۲ر تک علی الترتیب مجالسِ عزا اور میلاد شریف بھی آپ کے مکان پر ہوتی تھیں جن میں مولانا خود تقریر فرماتے تھے۔ بحمد اللہ کہ یہ سلسلہ ۱۲۷۷ھ سے ابتک کہ ۱۳۷۶ھ ہے قائم ہے۔

منشی شجاع الدین مرحوم راوی تھے کہ ایک روز بعدِ نمازِ فجر مولانا تلاوت میں مشغول تھے اور میرے سوا کوئی اور نہ تھا کہ یکایک نہایت تیزی سے قرآن مجید کو جزدان کیا اور اپنی نشست گاہ سے جو تیسری منزل پر تھی، بہت ہی سُرعت سے روانہ ہو گئے۔ مکان سے باہر پہنچے تھے کہ صدر دروازے کے سامنے والے چوک میں حضرت شاہ خلیل الرحمٰن جمالی رح خلف و سجادہ نشیں حضرت شاہ حبیب الرحمٰن جمالی رح مع سامان و خادم تشریف لے آئے۔ جو

بلا اطلاع وطن سے تشریف لا رہے تھے۔ نہیں معلوم یہ کونسا وائرلیس تھا کہ جس سے مولانا کو اطلاع ملی اور وہ پیشوائی کو پہنچ گئے۔ اہلِ تصوّف کی اصلاح میں تو اس کو "کشف" کہتے ہیں۔ جا بجا روشنی سے منور دماغ جو بھی کچھ کہیں۔ حضرت شاہ حبیب الرحمن رح کی منقبت میں مولانا کی متعدد غزلیات وغیرہ بھی ہیں۔

علمی و ادبی مشاغل | مذہبی و منصبی فرائض کی ادائگی کے بعد مولانا کا تمام وقت علمی و ادبی مشاغل ہی میں صرف ہوتا تھا۔ اور آپ کا وہ دولتکدہ جو اب تک "تسلیم منزل" کے نام سے مشہور ہے ہر مفسّر و محدّث اور فقیہ و متکلم کے لئے بھی مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ اور شعرا و ادبا کیلئے بھی اظہارِ فن و کمال کا مستقر سمجھا جاتا تھا۔ وہ "سلم الثبوت" "دار القضا" بھی تھا اور اہلِ علم کے لئے "دار الاسناد" بھی۔ وہاں تشنگانِ علوم کی سیرابی کے لئے علمی نہریں بھی بہتی تھیں۔ اور "دار الضرب علم و ادب" بھی مشہور تھا۔ منتہی طلبہ کو خود مولانا درس دیتے تھے اور دوسروں کو آپ کے شاگرد۔ اسی طرح مشاق شعرا کو اصلاح خود دیتے تھے اور نومشقوں کو کسی شاگرد کے سپرد کر دیتے۔

تسلیم منزل ہی پر مولانا کے اور مولانا جلال الدین خاں جلالی رامپوری کے منطقی مباحث ہوا کرتے تھے۔ یہیں کے تاثرات کا اظہار ایک جگہ تو مولانا حالی یوں کرتے ہیں:۔

جوشِ خم بادہ جامِ خالی میں ہوا — پھر ولولہ پیدا دلِ حالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ اس طرح دادِ سخن — مجھ کو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا

اور دوسری جگہ کہتے ہیں:۔

دل کہتا ہے حالی سے کہ پچھتایئے گا — جے پور میں ٹھہرنے کی نہ ٹھیرایئے گا
جس طرح کہ غربت میں وطن کی ہے یاد — غربت کو وطن میں یاد فرمایئے گا[۱]

---

[۱] یہ رباعی مطبوعہ رباعیات میں نہیں ہے مگر ہے مولانا حالی کی جو بزمانہ قیام جے پور جبکہ وہ قاضی فرزند علی فقیر کے یہاں فروکش تھے تسلیم منزل کی ادبی صحبتوں میں شریک ہونے کے بعد کہی تھی ۱۲

یہیں میر حیدر حسن زکی ویلکتا۔ دہلوی اور ملک الشعرا مرزا کمال الدین سنجر ژند ایرانی کے شعری و عروضی ولسانیاتی مباحثے ہوئے جن میں مولانا حَکَم کا حُکم رکھتے تھے۔

یہیں شہیدی کا مشہور شعر:-

شب روز اُنکے صاحبزادوں کا گہوارہ جُنباں تھا　　عجب ڈھب یاد تھا روح الامیںؑ کو بھی خوشامد کا

ہفتوں معرکتہ الآرا مبحث بنا رہا۔ ایک فریق کا قول تھا کہ ایسا کہنا حضرت جبرئیلؑ کی بے ادبی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ جبریلیئے مشہور ہو گئے تھے۔ دوسرا فریق کہتا تھا کہ حضرات حسنینؑ کا واقعی ایسا ہی مرتبہ ہے اور سرور کائنات علیہ افضل التحیات کے مرتبہ کا اندازہ تو ہو ہی کیا سکتا ہے۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اس فریق کو سبطینی کہا جاتا تھا۔ روزانہ بعدِ مغرب سے عشا تک یہی بحث جاری رہتی تھی۔ شیعہ و سُنّی ہر دو فریق بحث ومُباحثہ میں برابر کے شریک ہوتے تھے بلکہ غیر مُسلم باعلم حضرات بھی۔ عقلی و نقلی دلائل فریقین ایسی سنجیدگی و متانت اور ذمہ داری سے پیش کرتے تھے کہ گویا کسی رُکنِ مذہب پر بحث کر رہے ہیں۔ آخر مولانا تسلیم کا فیصلہ فریقین کے لئے قابلِ قبول ہوا جس کو مرزا محمد بیگ محوی نے فارسی میں نظم کر کے چھپوا بھی دیا تھا مگر وہ نظم اب نایاب ہے۔

یہیں انوری کے قصیدے۔ عرفی کے قطعے اور سودا وغیرہ کے قصیدوں کا جواب ایک شب میں تیار کیا جا کر پیش کیا گیا۔ جس کا حال مولانا مبین کے ذکر میں درج ہے۔ انوری کا مطلع ہے۔

جرم خورشید چو از حوت در آید بحمل　　اشہب روز کند ادہم شب را ارجل

معمول تھا کہ مولانا کے یہاں مغرب کے بعد سے ڈیڑھ۔ دو پہر رات گئے تک علمی وادبی صحبت رہتی اور تعطیل کے دن صبح کو بھی۔

اصلاحِ تلامذہ | تلامذہ کو اصلاح دینے کا بالعموم یہ طریقہ تھا کہ ظہر کے بعد وہ اپنا کلام

لے کر حاضر ہوتے اور مولانا سنتے جاتے۔ اور جہاں ضرورت ہوتی اصلاح بھی فرما دیتے اور وجہ بھی بتا دیتے۔ نیز کوئی ادبی واقعہ یا لطیفہ بھی اگر اس کی بابت ہوتا تو بیان کر جاتے۔ البتہ مولانا مبین اس کلیہ سے مستثنیٰ تھے۔ وہ اپنا کلام اپنے چچازاد بھائی مولوی مظہر الدین کی معرفت مولانا کی خدمت میں بھیج دیتے اور مولانا کسی بھی وقت بعد اصلاح انھیں کے ذریعہ واپس کر دیتے۔ بھائیوں میں ادب کا یہ عالم تھا کہ مولانا کے بھائی بلا اشد ضرورت بات کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

ایک بار مرزا مائل نے اپنی غزل اصلاح کے لئے پیش کی مقطع تھا:۔

مائل کوئی گناہ نہ رہ جائے دیکھنا بحث آپڑی ہے رحمتِ پروردگار سے

مولانا نے فرمایا۔ مرزا "ادب" "بحث" کی جگہ "کام" بناؤ۔

ع۔ کام آپڑا ہے رحمتِ پروردگار سے

مرزائے موصوف کہتے تھے کہ میں نے "شعر العجم" کی ساری جلدیں اور موازنہ انیس و دبیر نہایت شوق سے اس لئے پڑھا کہ فنِ شعر کے متعلق کوئی نئی بات معلوم ہو۔ مگر ایک بھی نکتہ ایسا نہ نکلا کہ جو مجھے مولانا نے نہ بتا دیا ہو بلکہ بعض نکات اس سے زائد مجھے سمجھائے ہیں۔

وقتِ درس | مولانا کا معمول تھا کہ منتہی طلبہ کو بعد ظہر سے عصر تک درس دیا کرتے تھے۔ یا وقت ہوتا تو بعد مغرب بھی عشا تک۔

عقیدتِ تلامذہ | مولانا کے شاگردوں کو ان سے ایسی عقیدت تھی جیسی خوش عقیدہ مریدوں کو اپنے پیر سے ہوتی ہے۔ چنانچہ جنوری ۱۸۸۷ء میں جب آپ زیادہ علیل ہو کر وطن کے لئے روانہ ہوئے۔ تو چونکہ نقیہ بہت ہو گئے تھے، اس لئے مکان سے ریلوے اسٹیشن جے پور تک جس کا فاصلہ تقریباً دو۲ میل ہے۔ آپ کو

پالکی میں لے جایا گیا۔ شاگردوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ مولانا کی پالکی مزدور اُٹھائیں بلکہ اپنے کاندھوں پر اسٹیشن تک لے گئے۔

وفات | نارنول پہنچ کر اوّل تبدیلِ آب ہوا کا اثر خوشگوار رہا۔ اور طبیعت کچھ سنبھلی مگر چند ہی روز بعد مرض میں شدت ہو گئی۔ اور ۲۵ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۰۱ھ مطابق ۲۲ اپریل سنہ ۱۸۸۴ء بہ یوم سہ شنبہ بوقتِ ظہر پینتالیس سال کی عمر میں عالمِ فانی سے مُلکِ جاودانی کو رحلت فرمائی اور مَوْتُ العَالِمِ مَوْتُ العَالَم کا منظر سامنے آگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ عثمانیوں کے گورستان میں بمقام نارنول آپکی قبر ہے۔

معاصرین | مولانا کے خاص خاص معاصرین حسبِ ذیل اصحاب تھے:۔
انور۔ ظہیر۔ آگاہ۔ شور۔ چراغ۔ راقم۔ خستہ۔ صفا۔ رونق۔ محوی۔ یکتا۔ شرر۔ عطا۔ عابد۔ فدا حسین فدا۔ فقیر۔ محمود۔ جویا۔ مونس۔ ناظم اور ہاتفی وغیرہ۔

اولاد | مولانا کے صرف ایک صاحبزادی تھیں جو مولانا تسنیم سے منسوب ہوئیں اُنھوں نے یکم صفر سنہ ۱۳۳۶ھ کو جے پور میں انتقال کیا اور کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

تلامذہ | مولانا کے کُل شاگردوں کا معلوم ہو سکنا تو اب دشوار ہی۔ البتہ خاص خاص اصحاب یہ ہیں:۔ مولانا مبین۔ مولانا اعجاز۔ قاضی رضی۔ مرزا مائل مولانا اسعد تحسین۔ امین۔ مجبور۔ عزیز۔ شوکت۔ ساکت۔ کلیم اور سلیم۔

تصانیف | مولانا کی جملہ تصانیف کا شمار کرنا اس لئے مشکل ہے کہ اب تلف شدہ کتابوں کا معلوم ہو سکنا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ ایک ضخیم تصنیف شہادات العاشقین ۱۲۷۳ھ کا ذکر تو اوپر آچکا ہے۔ باقی محفوظ تھیں۔ اور سنہ ۱۹۱۲ء میں اُن کی طباعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ تین تصانیف "مطبع مولوی اساس الدین واقع شہر جے پور" میں طبع ہو کر شائع بھی ہوئیں۔ باقی کا اشتہار منجانب مالکِ مطبع "حدیقۃ المذہب" کے آخری صفحات میں دیا جا چکا تھا کہ عنقریب شائع ہو جائیں گی۔ مگر ہوا یہ کہ اوّل تو

ایک بزرگ موقع پاکر پورا ایک بستہ ہی پریس کے دفتر سے اُڑا لے گئے۔ جن میں متعدد تصانیف صاف شدہ بھی تھیں اور اُن کے مسودات بھی۔ اُن میں سے صرف حسبِ ذیل کے نام معلوم ہو سکے۔ اگرچہ سارق صاحب کا علم تھا اور بازیابیِ کتب کی انتہائی کوشش کی گئی۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر ۱۹۴۷ء میں پاکستان جاتے وقت جب اُن کے ورثا اپنا تمام سرمایہ ۱۲ عـ۵ من کے حساب سے خفیہ طریق پہ کباڑیوں کو بیچ کر چلے گئے تو تلاش کرنے پر صرف ایک تصنیف "دفتر الشعرا" دستیاب ہو سکی۔ جس کا ذکر آگے کیا جاتا ہے۔

بہرحال ضائع شدہ تصانیف میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

(۱) تکمیل العینین	عربی	مناظرہ مذہبی
(۲) تبصرۃ العمین ۱۲۹۳ھ	"	"
(۳) حاشیہ مختصر المعانی	"	علم بلاغت
(۴) مجموعہ خطبِ آدینہ وعیدین	"	
(۵) شرح دیباچہ گلستاں	فارسی نثر	ادبیات
(۶) مناب الخلفا ۱۲۸۵ھ	اُردو نثر	بحالات خلفائے راشدین
(۷) ذوالفتحین ۱۲۸۵ھ	" "	بحالات حضرت سیدۃ النسا و حسن مجتبیٰ ؑ
(۸) ذات البروج	" "	بحالات ائمہ اثنا عشرہ
(۹) لوائح البدائح	فارسی نظم	ادب
(۱۰) زینۃ الشہادتین ۱۲۶۸ھ	اُردو نظم	سیر
(۱۱) عشق الشہادتین ۱۲۷۱ھ	"	"
(۱۲) مکاتیب منظوم	" "	ادب۔ احباب کے نام جو خطوط واقعی لکھے گئے تھے ان کا مجموعہ تھا۔

موجودہ تصانیف حسب ذیل ہیں :-

فارسی نثر :-

(۱) ملفوظۂ کبریٰ ۱۲۹۳ھ ۔ حضرت شاہ محمد حبیب الرحمٰن جمالی رح کے ملفوظات۔
مطبوعہ سوسائٹی پریس جے پور۔

(۲) حقیقۃ العشق ۔ مختصر کتابچہ ۔ لفظ عشق کی تحقیق لغوی کے بیان میں ۔
مطبوعہ مولوی اساس الدین پریس جے پور۔

(۳) خرز الامانی ۔ دعائے حرز الیمانی کی مفصل شرح ہے مع تحقیق لفظی ۔
غیر مطبوعہ ضخامت ۸۲ صفحات ۔

(۴) محو المحوی ۔ حکیم خاقانی کے ایک شعر کے معنیٰ مع شرح ضخامت ۱۰۸ صفحات ۔

(۵) شرح سکندر نامہ ۔ غیر مطبوعہ ۔

(۶) قدرۃ الاتقان ۱۲۸۷ھ ۔ فاضلانِ اثنا عشرہ میں سے کسی صاحب نے مولانا
شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح پر کچھ اعتراضات کئے
تھے اُن کے جوابات ہیں ۔ غیر مطبوعہ ضخامت ۱۰۱ صفحات۔

(۷) تحفۂ قادریہ ۔ کسی بزرگ شیخ ابو المعالی محمد کے نام سے یہ کتاب بحالات حضرت
غوث اعظم محی الدین عبد القادر گیلانی لکھی گئی ہے ۔ غیر مطبوعہ ضخامت ۱۴۰ صفحات

(۸) جواب فقہی ۔ ایک مسئلہ فقہ کا جواب ہے جو ۱۲۹۹ھ میں لکھا گیا ہے ۔ غیر مطبوعہ ضخامت ۵۵ صفحات

(۹) مجموعہ متفرق مضامین ۔ غیر مطبوعہ

(۱۰) مجموعہ مکاتیب ۔ ان میں بعض مکتوب تو اس قدر طویل ہیں کہ ان کو مستقلاً ایک
ایک رسالہ کہا جائے تو بیجا نہیں ۔ مع تاریخ تحریر و نام
مکتوب الیہ ضخامت ۵۰۶ صفحات فلس کیپ سائز۔

(۱۱) دافع البلاء ۔ شرح درود تاج ۔ غیر مطبوعہ ضخامت ۸۵ صفحات

(۱۲) مجموعہ تقاریظ غیر مطبوعہ ضخامت ۴۰۱ صفحات

نثرِ فارسی پر تبصرہ | مولانا کی فارسی نثر پر عربیت کا غلبہ ہے۔ البتہ باوجود اطناب و کثرتِ لغات۔ روانی و شگفتگی اور زورِ بیان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ نثر میں نظم کو کثرت سے استعمال کرتے ہیں جس میں علمی ادق مسائل کے ساتھ، ادبی لطائف بھی ہیں۔ اور اظہارِ خیال کے انوکھے انداز بھی۔

نمونجات نثرِ فارسی | (۱) "روزے سخن در ذکرِ قلبی می گزشت، خواجہ شرف اللہ اسمہٗ گفت دل برنگِ آہن و ذکر ہمچو آتش است ہمانا ہر قدر کہ آتش را برافروزی دہد می و آہن را در وے بگدازی و بکوبی پاک تر و تابناک تر بر آید ہمچنیں بر انمایہ کہ ذکر پیش گیری۔ ہنگامہ گرم کنی و دل را تب و تابے دہی روشنی برافزودہ و زنگہا زدودہ گردد۔

ہر کرا شعلہ تیز و آتش گرم ہمہ کارے بسازد آہن نرم

آنگاہ گفت مرد باید کہ ہمت بلند و حوصلہ فراخ دارد و دل را از ضربِ ذکرے معطل نہ گزارد۔ ع گر سنگ خارہ ایست شود نرم تر زآب۔ تقریباً پرسیدم کدام ذکر می باید پیش گرفت۔ گفت ہر ذکرے کہ باشد و دل را خوش افتد بس است۔ اما اکثار می باید کرد تا پختہ گردد و جاری شود۔ کہ چوں جاری شد ہمہ کارہا ساختہ و زنگہا پرداختہ است عقدہا کشادہ و پردہا برانداختہ"

(منقول از ملفوظہ کبریٰ صفحہ ۲۹)

(۲) "سپس مرا گفتنی است و ہمہ را شُفتنی کہ تا نقشِ ہستی رنگِ نمائش گرفتہ ہمانا سنت اللہ بر آں رفتہ کہ ہر خوبے را در پے آشوبے باشد۔

آنجا کہ گل است نیز خار است وانجا کہ مُل است ہم خمار است

نہ بینی کہ آدم صفی را چوں بصفوت برداشتند ابلیسِ لعین را در برابر داشتند۔

نوح را کہ بر سر قومے برسالت فرستادند از دست ایناں بروئے درہائے آزار کشادند، تا آتشِ نمرود نسوختند روئے خلیل بر نیفروختند، تا فرعون را دست و زباں نکشادند کلیم را دست و زباں ندادند۔ ہوائے دمے کہ مسیح را در کار بود پایۂ سرسبزی نہال دار بود۔ از خاتم المرسلیں مپرس آں ہمہ گوئے و ایں مپرس۔ طرفے ابوجہل در اُردک پرانی سوئے ابولہب درہوشک دوانی. زمانے مشرکین را باد و ے رگِ گردن چوں شراکِ نعل درشت، وقتے منافقاں را باد و ے چوں گلشن گل در دامن و خار در مُشت لختے عتبہ ابی وقاص را بغبار عتبہ اش ہم سنگ، بر سر و ہم در دست سنگ۔ گاہے ابن ابی سلول را تیغے مسلول در کف چوں نہنگ۔ تخمیس

سلطان عرش کوکبہ آتش رمہ   از خوئے خوب او چہ دہم عرض زمزمہ
رہطِ قریش از رہِ تزویر و دمدمہ   می ریختند در رہِ او خار باہمہ
چوں گل شگفتہ بود رخِ دلستانِ او

ہم از پیش فرمودہ اند اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ و می تواں عرض داد وَالشُّعَرَاءُ مِنَ الْعُلَمَاءِ۔ (منقول از محو المحوی صفحہ ۳)

(۳) بمقتضائے عالمِ آب، غزلے مرصع ذوالفکرین از بندہ تسلیم و مشفقی شیخ عطا حسین شور ناظر عدالت فوجداری بطریق سوال و جواب بدیں نمط کہ یک مصرع از جانبِ من و گاہے از جانبِ او سر بر زدہ و ترتیب یافتہ چنانچہ برائے تفنن طبع آں ذوفنون رختہ می آید۔ و علامت بودن مصرع از من یا از شیخ مذکور ہر دو تخلص آمد کہ بہ ہمیں و بسیارِ مصارع تعبیہ کردہ می شود و علامت ابتدائے سوال از جانبِ من یا او ہندسہ یک است و علامت جواب ہندسہ دو۔ و ترتیب ایں ہمہ غزل جدید الاتحاد در عین ہنگامۂ محکمۂ فوجداری و تگاپوئے و چقاقِ کساں، صورتِ انتظام گرفتہ چنانچہ مرقوم می گردد:۔

۱ تسلیم امسال کہ تا ماہ ز ماہی ہمہ آب است — گر دست دہد از ہمہ بہ جام شراب است شور ۲
۲ تسلیم ایں کشتیِ آب و گلِ تن مثلِ حباب است — تا چشم بہم بر زنی ایں خانہ خراب است شور ۱
۱ تسلیم گریاں بود ابر از فلک و خندہ زاں برق — شادی و غم جملہ جہاں نقشِ بر آب است شور ۲
۲ تسلیم آنانکہ پئے دولتِ بیدار نخوابند — در دیدۂ بیداری شاں پردۂ خواب است شور ۱
۱ تسلیم دل سرد ہم از مہرِ تو دارد دلِ گرمی — کز آتشِ رخسار تو بریاں چو کباب است شور ۲
۲ تسلیم از رفعتِ شاں اشکِ خجالت ہمہ ریزد — از گریہ چشم بفلک گرچہ سحاب است شور ۱
۲ تسلیم چوں شمع ازاں شمع صفت سوزم و گریم — آمیختہ در طینتِ من آتش و آب است شور ۱
۲ شور زاہد چو کند عیب بترِ دامنیِ ما — خاکش بسرای بادہ کشاں عالم آب است تسلیم ۱
۱ تسلیم بر صافدلاں خستگیِ شاں نبود عیب — در نقصِ قمر چشم فراوانیِ تاب است شور ۲
۲ تسلیم در چشمِ کسانیکہ بجاں تشنۂ مرگ اند — سرچشمۂ حیواں بہ نظر موجِ سراب است شور ۱
۲ تسلیم در بزم مے از رائحہ گیسوئے مشکیں — غیرت دہِ صد نافہ جبیں خونِ کباب است شور ۱
۱ شور بر زمی ظاہر نتواں خورد فریبے — شق ساختنِ سنگ نہ خاصیتِ آب است تسلیم ۲
۱ تسلیم خالی بودش کیسہ ہر آنکس کہ کریم است — پیوستہ ز تردستیِ خود خشک سحاب است شور ۲
۲ تسلیم می داں کہ دریں گرد سواریست اگرچہ — از حلقۂ خطِ حسن بتاں پا برکاب است شور ۱
۱ شور جز حرفِ خموشی نہ بود چارۂ دیگر — آں را کہ دلے پر بمقالے چو کتاب است تسلیم ۲
۲ شور شد مست بیک بوسہ ازاں شور چو تسلیم — لعلِ نمکیں را اثرِ بادۂ ناب است تسلیم ۱

دیگر افسانہ ایست سنجیدنی و لطیفہ ایست پسندیدنی کہ دریں روزہا بتقاضائے آشوبناکیِ طبع و بیباکی فکر۔ ایں مصرع بخاطر تراوید ع خامش بود اگرچہ ہمہ تن زباں بود ۔ در عین ہنگامۂ بے ہنگامیِ کچہری نوشتہ پیش مشفقی شیخ عطا حسین شور فرستم و مترصد جواب و ترتیب غزل ہم بریں نمط شدم دو سہ روز رفت کہ ازاں سو صدائے بر نیامد مجبور ایں قطعہ بدیہہ نوشتم و پیشِ شیخ مذکور فرستادم :-

کردم رقم بخدمتت ایں مصرعِ شگرف		خامش بود اگرچہ ہمہ تن زباں بود
آں فالِ من بگر پئے خدام حال شد		البتہ حالِ اہلِ عمل ہم چناں بود
ناچار من نوشتمش ایں مصرع درجواب		چوں شور ہر کہ شاعرِ شیریں زباں بود

شیخ روزِ دوم جواب قطعہ مع جواب مصرع بدینگونہ نوشت :-

در مصرعِ جناب کہ تاکیدِ خامشی است		تعمیلِ حکم چوں نہ بود گرچناں بود
ایں رو جوابِ مصرعِ سامی نہ شد رقم		ایں امر کے بہ نہفتہ بچشم کساں بود
اکنوں کہ خود جواب زسویم نوشتہ شد		ممنوں چساں نہ خادم ازاں مہرباں بود
لیکن جوابِ مصرعِ تر کردہ شد رقم		شاید پسندِ خاطرِ آں نکتہ داں بود

چوں موج ہر کہ طبع صفائیش رواں بود
خامُش بود اگرچہ ہمہ تن زباں بود

شیخ طرحِ سوال وجواب نینداخت ورنہ غزلے ترتیب می یافت اکنوں طبع ایں شوریدہ مزاج می خواہد کہ بمصرع بپیوندی آہ ونالہ غزلے بریں مصرع زینت دہد و پیش کش آں نکتہ داں پیش نہد :-

اے عشق بیا و یاوری کُن		دے فیض بیا و رہبری کُن
مطلع۔ خامش بود اگرچہ ہمہ تن زباں بود		مانندِ شمع ہر کہ زِروشندلاں بود"

(منقول از مکاتیب تسلیم)

(۴) "سفینہ الیست گہر بستہ از تسلیمِ شکستہ مُدبّج و مختوم پر از منثور و منظوم پیش کشِ نواب فلک جناب قمر رکاب عطارد قلم ناہید خدم خورشید منظر مریخ لشکر مشتری عنواں۔ کیواں ایواں شعر

دریائے کمال و صدفِ کوکبہ اُدر		نواب زماں کلبِ علی خانِ بہادرُ

اَدَمَ اَیَّامَہٗ وَ قَامَ اَعْلَامَہٗ کہ بشمارہ حروفِ اسمِ سامیِ ممدوح نہ فصل است

مرشح و ہر فصلے نہ شعری بہماں شمارہ باجزائے اسم موشح۔ سر مصرعہائے ہر فصلے کہ بہم آری نام نامیش را برفراز رقم آری و با ایں ہمہ ہر یکے از نہ شعر ہر نہ فصل کہ در بلاغت بالغ و در براعت کامل است ہر یکے را از گوہر آمیغیِ عقل و عرش و نجم و قمر و نار و ہوا و ماء و ارض حامل است و خاتمہ مدحت ایں قصیدۂ گوہر آگیں کہ بنام تاریخی ہم نظام السحر ست (۱۲۹۰ھ) و ہم سحر النظام (۱۲۹۰ھ) سہ صد شعر دارد و نہ مطلع۔ ہر مطلعے موشح بحرفے از نام و گزارشِ پسیں بنالیش قرین۔"

(منقول از دیباچہ "رقم نذر")

فارسی نظم:-

(۱) نوادر النظم (۱۲۸۲) - ایک ضخیم مثنوی علم ادب میں جس کے آٹھ ہزار نو سو چھیالیس (۸۹۴۶) اشعار ہیں اور شروع میں ایک مبسوط دیباچہ ہے اور آخر میں ایک طویل خاتمہ جن کے تینتالیس (۴۳) صفحات ہیں۔ غیر مطبوعہ

(۲) لیلی مجنوں۔ یہ بھی علم ادب میں ایک ضخیم مثنوی ہے جس کے اب نو ہزار سات سو ستانوے (۹۷۹۷) اشعار ہیں اور ابتدائی و آخری اشعار نہیں ہیں یقیناً ضائع ہو گئے۔ غیر مطبوعہ

(۳) مثنوی بلانام۔ یہ بھی علم ادب میں ایک ضخیم نا تمام مثنوی ہے۔ موجودہ اشعار کی تعداد ایک ہزار سات سو ساٹھ ہے۔ غیر مطبوعہ

(۴) تسمیۃ الرقم (۱۲۸۱)۔ یہ نواب محمد علی خاں والی ٹونک کی مدح میں ایک مثنوی ہے۔ جس میں عجیب و غریب صنائع و بدائع سے کام لیا گیا ہے۔ اوّل ایک دیباچہ اور آخر میں خاتمہ نثر میں ہے جن کے صفحات کی تعداد چالیس ہے۔ ان میں بھی کثرت سے مختلف اصناف میں اشعار ہیں۔ مثنوی کے شعروں کی تعداد تین سو اکسٹھ (۳۶۱) ہے۔

اس کے صنائع و بدائع کا حال خود مولانا کے الفاظ میں حسبِ ذیل ملاحظہ ہو :-

"نوا با مستطابا عالی جنا با گزیں خطا با۔ من با آنکہ نچنانم کہ گویم آنم. خسروِ اقلیم بیانم و صاحبِ خاتم نگین زباں. صورت را پیرایہ ام و معنیٰ را دایہ فکرت را مایہ ام و بنیش را پایہ روئے علم را غازہ ام و گوشِ فہم را آوازہ کتابِ عقل را شیرازہ ام و میزانِ فکر را اندازہ خاکی نژادم اما آتشیں زباں، قطرہ نہادم اما دریا بیاں، کالبدم روحانی ست و پیکرِ نورانی ہرچند سبک تراز خزفم از ہمسنگی گوہر گرانم۔ اگرچہ بے مایہ تراز صدفم از ہمگوہریِ دُرِ پُر گرانم خاکم باسماں رسیدہ، داغم از آفتاب دمیدہ از خود چہ ستایم و چوں دانمایم کہ سخن سنجِ اکبری بہ فیضِ ضمیرِ مُنیر تو پیشیں بچندیں سال از زبانِ من گفتہ و در سُفتہ :-

والا گہرم بقیمتم دار ارزش نگر و غنیمتم دار

باہمہ آسماں تازی اخترم بخاک برابراست و باچنیں ثریا پردازی طالعم از تحتِ ثریٰ کمتر، عمرہا دودِ چراغ خوردم و ہماں گرم آہم شبہا بروز آوردم و ہماں بروزِ سیاہم جانہا کاستم........ معنیہا آراستم........ نامہ ہا سیاہ کردم و سپید نشدم پاہا بُردم و درِ امید نزدم

....

ایں نامہ را کہ بنامت گفتہ ام نہ بخود کہ بہ یمنِ دست دُربار تو گوہر سفتہ ام۔ چہ جگرہا کہ خوں نہ کردہ ام و چہ لعلہا کہ بروں نیاوردہ، چہ نسیمہا کہ نوزانیدہ ام و چہ گلہا کہ نخندانیدہ۔ اساسِ

ایں کاخ گوہریں بنا کہ ہمہ از گوہر گراں بہا پُر است نام نامی تو.
نواب محمد علی خاں بہادر است بطباق شمارۂ حروفش بر نوزدہ
داستاں موزوع و ہر داستان بر نوزدہ شعر موضوع ہر شعر را
ہر یکے از حروفِ این نام سرِ آغاز است و ایں اسم سامی از ہر
داستاں بطریقِ توشیح جلوہ طراز باین اعتبار گوئی سلسلۃ العلم
است نام تاریخیش تسمیۃ الرقم ۔ ہمانا اگرچہ بالغ باقصائے
بیتہا است ہنوز باعتبارِ شمارۂ نوزدگانہ بسملۂ کتاب ثنا است.
و با ایں ہمہ التزامے دیگر بکار رفتہ کہ در ہر داستان نوزدہ گوہر
ہستی طراز را یکے عقل و عرش و نجوم و شمس و قمر و نار و ہوا و آب
و ارض و معدنی و نباتی و حیوانی و طیر و انساں و روح و نفس
و ایمان و عشق و خرد باشد. ہر یکے در شعرے انتظام گرفتہ ازیں
راہ کہ مدحت محیط ایں نوزدہ گوہر است گوئی ہمہ عالمت ثناگر است
و نیز صنعتے دیگر بر روئے کار آمدہ کہ دہ داستانِ میانہ بعددِ حروفِ
اسمِ صرف تو باشتمال مدائحِ ملک و حسن و ملت و دولت و علم
و لب و یمن و خلق و ایثار و نصرت کہ از صفاتِ تو عشرۂ کاملہ است
و با وصافِ دگر شاملہ و سرِ آغاز ہر یکے با ہر حرفِ اسم مطابقت
دارد. ہر یکے بہر یکے پُر نگار آمدہ ۔ قطعہ :-

مشحونِ صنائعِ عجیبہ است　　نظم است کہ مظہر العجائب
مملو بہ بدائعِ غریبہ است　　شعر است کہ مجمع الغرائب

اکنوں اے داورِ حق شناس و منصفِ بلند قیاس انصاف از تو
توقع دارم تو خود بفرمائے کہ آں دشواری و ایں ہمواری نہ کاریست

کہ تواں کرد۔ چناں التزام وچنیں انتظام نہ بار یست کہ تواں آورد
ہمانا سخنم چوں شگفتہ فیاضی از زبان من گفتہ :-

این کار نیست کارکس نیست — اندازۂ اختیار کس نیست

اگر کسے از سخن طرازانِ پیشیں ایں بیراہہ روی آوردہ باشد بیار
یا دیگرے از ہمنوایانِ حال ایں راہ سپردہ باشد بسپار سخن پناہا
بدیع لگو ابداع است اطراداں اختراع است ہمانا زبانم
زبانِ فیضی است کہ می گوید :-

طرزِ دگراں وداع کردم — طرزِ دگر اختراع کردم

ایں راہِ دشوار گزار بدیں آساں خرامی رفتن پائے کیست
وایں بام وہم برکنار بدست بستہ خیال گرفتن جائے کہ :-

برنام تو نامۂ نہادم — گنج گہر از قلم کشادم
ہر چند کہ خواہشم سزا نیست — اکنوں صلام بجز صلا نیست

(۵) رقم نذر۔ مثنوی۔ نواب کلب علی خاں والی رام پور کی مدح میں حسبِ ۱۲۹۰ھ
شرح بالا۔ دیباچہ و خاتمہ کے ۴۰ صفحات اور تعداد اشعار مثنوی
۳۶۱ - غیر مطبوعہ

(۶) تحفۃ الشیون۔ مثنوی۔ مہاراجہ مہندر سنگھ والی پٹیالہ کی تعریف میں ۱۲۸۵ھ
نثر کے صفحات ۱۱۔ تعداد اشعار مثنوی ۸۲ غیر مطبوعہ

(۷) مثنوی۔ "حسن بن منصور حلاج"
"
(۸) مثنوی۔ "فاتحہ منظوم"
"
(۹) مثنوی۔ "شجرۂ منظوم"
"
(۱۰) مجموعہ مثنویات متفرق۔
"

(۱۱) نظام السحر ۱۲۹۰ - قصیدہ حسب شرح بالا — غیر مطبوعہ

(۱۲) قصیدہ در مدح مہاراجہ پٹیالہ - تعداد اشعار ۳۰۱ — "

(۱۳) مجموعہ قصائد متفرق — "

(۱۴) دیوانِ تسلیم — "

(۱۵) مجموعۂ رباعیات — "

(۱۶) مجموعۂ قطعاتِ تاریخ و دیگر قطعات — "

(۱۷) مجموعۂ مخمسات — "

(۱۸) مکاتیب منظوم مشتمل بر مختلف اصناف سخن — "

(۱۹) لمعات - یہ ایسی غزلوں کا مجموعہ ہے جن کا ایک مصرع تسلیم کا ہے، اور ایک شور کا - غیر مطبوعہ

(۲۰) مجموعہ متفرق کلام - اس میں متفرق اشعار اور دیگر اصناف سخن شامل ہیں - غیر مطبوعہ

فارسی کلام پر تبصرہ | مولانا کے کلام میں بلا کا زور اور غضب کی آمد ہے - قادر الکلامی کا یہ عالم ہے کہ ایک ایک قافیہ کو کئی کئی طرح باندھتے ہیں اور ہر جگہ مضمون نیا اور طرزِ ادا نرالی ہوتی ہے - اسی طرح ہر موضوع پر اس قدر لکھتے ہیں کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے - جزالت اور صحتِ الفاظ کا خاص اہتمام کرتے ہیں - نامانوس لفظ اس وقت لاتے ہیں جب اُن کا مفہوم ادا کرنے والا کوئی دوسرا لفظ نہیں ملتا - مگر اس طرح نظم کرتے ہیں کہ نامانوس معلوم نہیں ہوتا - بلندیٔ فکر و ندرتِ بیان کے ساتھ رنگینیٔ مضمون آفرینی و روانی اور ادبی سرمستیاں بدستور برقرار رہتی ہیں - نہ زورِ بیان میں کمی ہوتی ہے نہ تاثیر میں - معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت ایک ذخار دریا ہے جو رُکنا نہیں جانتا یا اشہب قلم سمند بر ابھرتا ہے کہ جوں جوں گرم جولاں ہوتا ہے تیز تر ہوتا

جاتا ہے. صنائع و بدائع لفظی و معنوی کی کثرت ایک حیرت و استعجاب پیدا کر دیتی ہے۔ عربی جملے اور مقولے اس خوبی سے نظم کرتے ہیں کہ گویا وہ فارسی کا جزو لاینفک ہیں مصرعے کے مصرعے اور بعض جگہ عربی شعر کے شعر ضم کرتے چلے جاتے ہیں. باوجودیکہ کلام میں بے حد سنجیدگی و متانت اور شانِ علم و فضل بدرجۂ اتم موجود ہے تاہم شوخی بھی ملتی ہے اور یبوست مطلق نہیں. کنایت کو ہر جگہ صراحت پر ضروری سمجھتے ہیں. مختلف اساتذہ کے رنگوں کو سمو کر اپنا ایک نیا رنگ پیدا کر لیا ہے۔ اس لئے صحیح معنٰی میں آپ جنیدؒ الرویہ بھی ہیں. اور رہبر سخن بھی۔ ایرانی شعرا میں سے اکثر کی اور ہندوستانیوں میں سے خسروؔ و فیضیؔ اور غالبؔ کی پسندیدہ زمینوں میں بھی کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔ اور خود بھی کئی زمینیں تجویز کر کے انھیں سرسبز و شاداب کر دکھایا ہے۔ ہمواری کلام مزید براں۔

فارسی کلام کا نمونہ

(۱) اے نامِ خدا چہ نام والا — مَا اَحْسَنَ اِسْمَہٗ تَعَالٰی
حق کردہ خطابش از پئے ما — یُعْطِیْ لَکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی
گردش برہ قبول نزدیک — مستقبلی لَسَوْفَ یُعْطِیْکَ
بر اوجِ ثنائے او منور — وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی چو اختر
بنمود پئے رہِ ثنایش — سرمنزلِ اَنْتَ ھَادِ جایش
در منزلِ او براہ آیت — مَا ضَلَّ وَمَا غَوٰی ہدایت
ادنٰی صفتش الٰہ کونین — گفتہ ست فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْن
خُلقش گُلِ یاسمینِ یٰسٓ — لفظش دُرِ طاس چین طٰسٓ
حُسن حمائلِ حسامش — نٓ آمدہ تیغ بے نیامش
قٓ افسرِ فرقِ تقویِ او — صٓ ... رقِ دعویِ او

خالق کہ درِ ثنائے او سُفت — مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا گفت
شد جامہ اش اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ — زد خطِ اُتو بُرُدُ وَ رَتِّلْ
وصفش چہ کند زبانِ انساں — حق گفتہ بمدح اوست قرآں
یَا رَبِّ عَلَیْہِ بِالدَّوَام — خَیْرُ الصَّلَوٰتِ وَالسَّلَام

(منقول از مثنوی بلا نام منجملہ اشعار نعت)

(۲) امشب چو فرازِ سطح خفتم — افسانۂ عاشقی شنفتم
در گوشِ دلم ترانہ افتاد — در جاں ز زباں زبانہ افتاد
آمد بدرونِ من خروشے — در سینہ ز دل رسید جوشے
با شور چکیدنی برآمد — گلزار دمیدنی برآمد
برقم بگلیمے آشنا شد — کوکب بہ ادیمے آشنا شد
گل از چمنم شگفتہ شد باغ — افتاد بلالہ آتشیں داغ
بوئے ز کبابِ دل شنیدم — پرجوش شدم فرو چکیدم،
بالینِ سرم ز طور کردند — داغم ز چراغِ نور کردم

(منقول از نوادر النظم)

(۳) کیم من کہ جانے بجاناں فرستم — مگر برگِ کاہے بہ بستاں فرستم
دل آنمایہ ارزش ندارد کہ اورا — بلاگردِ زلفِ پریشاں فرستم
سر آنگونہ شایستہ نبود کہ اورا — بداغِ جبینِ فروزاں فرستم
خم سجدہ چنداں نیرزد کہ عجزش — بمحرابِ ابرو سر افشاں فرستم
شکیبے چناں آشکارا ندارم — کہ نذرِ نظرہائے پنہاں فرستم

یہ قصیدہ "نظام السحر" نواب کلب علی خاں والیِ رامپور کی مدح میں ہے۔ اسی زمین میں مرزا غالب نے نواب یوسف علی خاں والیِ رامپور کی مدح میں قصیدہ کہا ہے جس کا مطلع ہے :-

ہمانا اگر گوہرِ جاں فرستم — بہ نواب یوسف علی خاں فرستم

(۴) سپیدہ دم کہ صبا راہِ مغزِ جاں گیرد — بیک نفس ہمہ اقلیم بوستاں گیرد
وزد نسیم بداں دلکشی کہ عاشق را — دل از ہوائے خرامِ سہی قداں گیرد
رسد شمیم بداں دلبری کہ یوسفِ مصر — بموئے نفحہ سرِ راہِ کارواں گیرد
فلک بگریۂ شبنم دہد طراوتِ خاک — زمیں بخندۂ گل چترِ آسماں گیرد
نظر ز رنگ بموجِ بہار غوطہ زند — نفس ز بوئے رہِ خلدِ جاوداں گیرد

یہ قصیدہ مہاراجہ مہندر سنگھ والیِ پٹیالہ کی تعریف میں ہے۔ اسی زمین میں مرزا غالب نے راجہ نرندر سنگھ کی مدح میں قصیدہ کہا ہے جس کا مطلع ہے:-

سحر کہ بادِ سحر عرضِ بوستاں گیرد — دہد بہ نکہتِ گل حکم تا جہاں گیرد

(۵) رباعیات۔ امروز کہ نرخِ ہیزم و عود یکیست — ہم مرتبۂ خلیل و نمرود یکیست
در گوشِ کسانیکہ ز دولت مستند — آوازِ خر و نغمۂ داؤد یکیست

دانا محکومِ حکمِ ناداں ستم است — در زیرِ خسوفِ ماہِ تاباں ستم است
گر کور کمر بباغبانی بندد — او را چہ زیاں، برگلِ ریحاں ستم است

(۶) غزلیات
بنامی زد نقابِ حسن کردن روئے زیبا را — بدیں خوبی نمودن پردۂ چشمِ تمنا را
کریماں را نباشد تابِ رنجِ ہمدماں یکدم — کہ در شور آورد چینِ جبینِ موج دریا را
سرِ موئے ندارد پاسِ دلہائے سیہ روزاں — سیہ کاری چہ قدر آموختی زلفِ چلیپا را
یا رب چنانکہ جان و دلِ من تمام سوخت — ایں روئے آتشینِ تو سوز د نقاب را
کے خالِ بیتِ ابروت از راز خالی است — نقطہ نشاں بود سخنِ انتخاب را
چند بدیدہ درکشی سرمۂ خوابِ ناز را — رخصتِ نیم باز دہ نرگسِ نیم باز را
قبلۂ عشق کوئے تو کعبۂ صدق روئے تو — روئے نہ کردہ سوئے تو من چہ کنم نماز را
گر نیست باورت بہ یقیں انتظارِ ما — بنشیں بچشمِ ما و بہ بیں انتظارِ ما

زمن در پردہ بودن لازم است آں چشم پُرفن را
کہ جز پوشیدگی راہے نباشد دزد رہزن را

پناہِ سرکشاں از سر فرو افگندگاں باشد
زبادِ تند غم نبود چراغ زیر دامن را

بسعی ہیچ کس برکندہ نتواند شدن ہرگز
دریں منزل اگرچوں ہور سازی پست مسکن را

ارباب ہوس کامروا، سادہ دلاں شاد
ایوائے کہ یا ئیم از ینہا نہ از آنہا

اے ز زلفت شانہ ہارا در جگر صد خارہا
در رخت آئینہ ہا را پشت بر دیوار ہا

افسردگاں حریف کریماں نمی شوند
آبِ گہر بخاطرِ دریا گراں بود

درسالہا خمیدہ نگردد نہالِ سرو
آزاد اگرچہ پیر شود ہم جواں بود

من و عشقِ نگارمن تسلیم
دیگرے درجہاں ندانم من

اُردو نثر

(۱) کشف فیوض ۱۲۹۶ھ یا رادالغین ۱۲۹۶ھ - یہ تردید ہے ایک فتوے کی جو علمائے دہلی نے صفر ۱۲۹۶ھ میں اس بابت شائع کیا تھا کہ قبور سے استفاضہ نہیں ہوتا۔ مطبوعہ

(۲) فرائض کی ضروری کارآمد باتیں۔ ذو الفروض کے متعلق ضروری مسائل فقہ۔ نہایت مختصر و جامع عبارت ہیں۔ مختصر رسالہ۔ مطبوعہ

(۳) مجموعۂ مضامین۔

(۴) تشریح القرآن۔ مکمل تفسیر قرآن مجید چار جلد ہیں۔ تعداد صفحات سولہ سو ننیانوے ۱۶۹۹ دیسی کاغذ پر جو فلس کیپ سے ذرا بڑی سائز ہے یہ تفسیر صرف پانچ چھ ماہ کے عرصہ میں اس طرح تیار ہوئی ہے کہ نمازِ عصر کے بعد سے مغرب تک مولانا تسلیم نہایت تیزی سے لکھواتے جاتے اور مولانا اعجاز جو بہت زود نویس تھے لکھتے جاتے تھے اور پھر اس مسودے کو صاف کرلیتے تھے۔ غیر مطبوعہ

(۵) تربات الکربلاء۔ حسب شرح بالا تین جلد صفحات بارہ سو تیس ۱۲۳۰۔ غیر مطبوعہ

(۶) ضریح المشاہد۔ بحالات شہدائے کربلا۔ تعداد صفحات دو سو چھبیس ۲۲۶ ۱۲۹۹ھ غیر مطبوعہ

(۷) عقود ثلثہ۔ سیرت پاک، صرف عقد اول محفوظ ہے۔ پچھلے ۲ دو حصے ضائع ہو چکے۔ اس کے ایک سو چالیس صفحات ہیں۔ غیر مطبوعہ

(۸) احمد التواریخ۔ بحالات شہدائے کربلا۔ تین سو تین صفحات غیر مطبوعہ

(۹) دفتر الشعرا ۱۳۰۱ھ ۱۲۸۶ھ۔ علم بلاغت میں ایک مبسوط تصنیف ہے۔ یہ کتاب اُن تصانیف میں سے ہے جو پریس سے چوری گئی تھیں۔ بازیاب اس حالت میں ہوئی کہ ابتدائی ۳۳ صفحے غائب ہیں اور آخر کے تین سو تیرہ ۳۱۳۔ باقی چار سو چون ۴۵۴ محفوظ ہیں۔ اسکے کُل صفحات آٹھ سو تھے۔ غیر مطبوعہ

(۱۰) احتشام الجمعہ۔ مختصر رسالہ فقہ میں۔ غیر مطبوعہ

(۱۱) وقایۂ تامہ۔ بجواب "بداہتہ عامہ" مصنفہ مولوی نجف علی خاں جھجری۔ جس میں اُنھوں نے افضلیۃ مطلقہ محمدیہ کی نفی کی تھی۔ غیر مطبوعہ

نثر اُردو پر تبصرہ | روانی و فصاحت کے ساتھ علمی و ادبی نکات بکثرت درج کرتے ہیں۔ طرزِ نگارش قدیم ہے۔ اور فارسیت کا غلبہ ہے۔ نثر میں نظم بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ مسجع و مقفیٰ عبارت زیادہ ہے۔ اور بے تکلف لکھتے چلے جاتے ہیں۔

نمونہ نثر اُردو | "مولوی ابوالحسن عظیم آبادی ایک فاضل معتبر ہیں۔ سات برس ہوئے کہ اس شہر میں وارد ہوئے تھے۔ فقیر بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتفاقاً لیٹے ہوئے تھے اُٹھ بیٹھے۔ میں نے بعد ادائے مراسم ابتدائیہ ملاقات پوچھا۔ حضرت کا قیام یہاں کب تک ہے۔ کیا فرماتے ہیں۔ "اب تو قعود ہے" یعنی تو نے قیام کیوں کہا قعود کہنا چاہیئے تھا۔ فقیر سمجھا کہ مولوی صاحب کی خوئے طالب علمانہ ابھی نہیں گئی۔ تب تو میں بھی سنبھلا اور عرض کیا کہ

"حضرت قعود بھی نہیں یہ تو جلوس ہے کہ بعد الاصطلاح ہے۔ آپ لیٹے ہوئے اُٹھ بیٹھے ہیں۔ اگر کھڑے ہو کر بیٹھتے تو قعود تھا۔ فرمانے لگے۔ "استعمالاً قعود و جلوس متحد ہیں۔ میں نے عرض کیا سبحان اللہ! حق بر زبان جاریست۔ قیام و اقامت میں بھی اتحاد شائع ہے۔ قامت السوق۔ قام الامر کہتے ہیں۔ "نہایہ" و "قاموس" اور تفاسیر میں موجود ہے۔ قیام بمعنی ثبات اکثر جگہ مشہور ہے۔ میں نے اگر قیام کہا اور اقامت کا ارادہ کیا تو کیا خطا کی۔ مولوی صاحب زہر خند سا کرنے لگے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دو کتاب آپ کے سامنے دھری ہوئی ہیں ایک مجلّد جس میں کہ اس کو میں تقطیع و ضخامت سے جان گیا کہ بلاشبہہ "قاموس" ہے۔ دوسری مجزیٰ اس کے عنوان پر "قصائد بدر چاچ" بقلم سپید جلی منقوش ہے۔ میں نے اس مجزیٰ کتاب کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ حضرت یہ کیا کتاب ہے۔ فرمانے لگے۔ بابا تحصیل حاصل۔ ظاہر ہے کہ قصائد "بدر چاچ" لکھا ہوا ہے۔ دور سے نظر آتا ہے۔ اس کتاب مجلّد کو پوچھنا چاہیئے تھا۔ جس کا نام اندر لکھا ہوا ہے"۔ میں نے عرض کیا۔ آپ کا ارشاد بجا ہے۔ مگر اس مجلّد کو تو میں قرینے سے جانتا ہوں "قاموس" ہے۔ فرمایا چھپی ہوئی کو جانتے ہو۔ اور ظاہر کو نہیں دیکھتے" میں نے عرض کیا کہ وہ مخفیِ ظاہر ہے اور یہ ظاہرِ مخفی۔ اس کتابِ مجلّد کی تقطیع اور آپ کے پاس ہونا شاہد ہیں اس امر پر کہ یہ قاموس ہے مگر اس کتابِ مجزیٰ کا آپ کے پاس ہونا موجبِ حیرت ہے! اگر قصائدِ بدر چاچ ہیں تو آپ کے پاس کیوں؟ آپ کو اس سے کیا علاقہ؟ فرمایا "کیوں؟ یہ تو بہت خوب کہتا ہے"۔ میں نے عرض کیا "شعرا کے نزدیک ٹکسال باہر ہے۔ فرمایا "کون سے شعرا" میں نے عرض کیا جن کا شعر معتبر ہے۔ فرمایا

"اچھا ہم اُس کا شعر پڑھتے ہیں. اس میں کچھ جرح تو کرو" میں نے گستاخانہ عرض کیا بسم اللہ۔ اتفاقاً جوں ہی کتاب کھولتے ہیں یہ مصرع نکلا :۔

چوں بگرید در فراقت چشم لولو بارِ من

میں نے عرض کیا آپ زیادہ تکلیف نہ اُٹھائیں للّٰلہ براہِ انصاف فرمائیں "لُولُو بار" کیا ابلق ترکیب ہے۔ "لولو" عربی اور ایسی عربی کہ سوا قرآن کے یا امرالقیس کے دیوان کے اور کہیں نہ کھپ سکے۔ "بار" فارسی۔ یہ بھی کوئی ترکیب ہے۔ فرمایا پھر کیا کہتا۔ میں نے عرض کیا۔ گوہر بار، دونوں لفظ فارسی ہیں۔ ترکیب سبک ہے۔ فرمایا صحیح تو یہ بھی ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ فصیح ہو تو صحیح ہو شعرا کے یہاں صحیح وہی ہے جو فصیح ہے۔ پھر اور گفتگو بڑھ گئی مولوی صاحب بحث فی الخارج کرنے لگے آخر یہ کہہ چھوٹے "بابا یہ شعر و شاعری تم لوگ ہی جانو۔ ہم تو ان بکھیڑوں سے بری ہیں میں نے عرض کیا آپ بیشک فاضل ہیں۔ عالم ہیں۔ رشک سیبویہ غیرتِ زمخشری ہیں مگر شعر کی تمیز و تفرقہ کو مہارت اس فن کی ضروری ہے۔ شعرا آپ کا ننگِ مرتبہ ہے۔ اس طرف توجّہ کرنا آپ کی شانِ علمی کے خلاف ہے۔

فاضلی و فقیہ و دانشمند — ہمہ حکمِ تو معتبر باشد
لیک در شاعری ہیچ ہیچ، — شعر را عالمِ دگر باشد (منقول از دفتر الشعرا)

اُردو نظم

(۱) حدیقۃ المذہب ۔ بجواب "مسدس حالی" اس کے پہلے حصّہ میں تمہید اُ چند
۱۳۰۰ھ
فرقہ ہائے اسلام کے حدوث و شیوع کا مختصر حال بیان کرکے اُن کے عقائد باطلہ کا جواب دیا گیا ہے اور حصّہ دوم میں جو نامکمل ہے بہ طرز لطیف علمی و فنّی تنقید ہے جس کے چار سو ننیانوے بند ہیں۔ یہ کئی بار طبع ہو چکا ہے۔ آخری مرتبہ

مطبع مولوی اساس الدین واقع شہر جے پور میں۔ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء میں چھپا ہے۔

(۲) مجموعہ رباعیاتِ تسلیم۔ صرف متعلق واقعہ کربلا۔ مختصر رسالہ۔ مطبوعہ

(۳) دیوانِ تسلیم۔ اس کی ایک مکمل نقل بغرضِ طباعت مولانا حسرت موہانی لے گئے تھے جس کا ذکر انھوں نے "اردوئے معلےٰ" میں کیا ہے۔ مگر طبع نہ ہوا۔ نامکمل مسودہ موجود ہے۔

(۴) مجموعہ غزلیاتِ نعت غیر مطبوعہ

(۵) مجموعہ قطعاتِ تاریخ "

(۶) مجموعہ قصائد و قطعات "

(۷) مجموعہ رباعیات "

(۸) مجموعہ مخمّسات و مسدّسات "

(۹) مجموعہ مکاتیبِ منظوم "

(۱۰) مجموعہ ترکیب بندات "

(۱۱) فاتحۂ منظوم "

(۱۲) مجموعہ متفرق کلامِ ناتمام "

تعداد تصانیف اس طرح گیارہ تصانیف تلف ہونے کے بعد چوّن[۵۴] موجود ہیں تعجب اس امر کا ہے کہ تصنیف و تالیف کا سوال تو رہا علٰحدہ۔ فرائضِ منصبی و مذہبی کی ادائگی کے علاوہ تلامذہ کی اصلاحِ کلام، اور شاگردوں کا درس۔ اور مقررہ اوقات پر صحبتِ احباب کے بعد اس قدر وقت کس طرح ملتا تھا کہ بعض تصانیف کو صاف بھی اپنے قلم سے کیا ہے۔ خود مولانا کے قلم کے کئی کتابوں کے ایک سے زیادہ صاف شدہ نسخے ہیں۔ اور پھر خطِ نسخ و نستعلیق دونوں نہایت نفیس و اعلیٰ

پختہ و پاکیزہ۔ مجال ہو جدول سے کوئی حرف نکل جائے۔ یا کہیں روش یا قلم میں فرق پڑے۔ نہایت واضح و روشن۔

اردو کلام پر تبصرہ مولانا کے کلام میں وہ تمام محاسن بدرجۂ اتم موجود ہیں جو ایک فاضلِ متبحر اور اُستادِ کامل شاعر کے کلام میں ہونے چاہئیں۔ اُن کے علاوہ طنزِ لطیف کی خصوصیت ایسی ہے جو بعض اساتذہ کے یہاں اس نوعیت کی مطلق نہیں ہے۔ بعض کے یہاں بہت کم ہے۔ اور بعض اصحاب جنکے یہاں اسی معیار کی ہے تو اس سے لطیف تر نہیں۔ اسی طرح جزالت بھی مولانا کے کلام میں بہت نمایاں ہے۔ اندازِ بیان اور طرزِ سخن موضوع کے عین مطابق ہوتا ہے۔ شعر کی جان جس کو تاثیر کہتے ہیں اُنکے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔

نمونۂ کلام (۱) مسدس "حدیقۃ المذہب" کے چند بند ذیل میں ملاحظہ ہوں:۔

خدا سے رسولِ خدا نے دُعا کی — کہ دُنیا میں یارب عذابِ جزا کی
نہ ہو میری اُمّت کو کچھ دردناکی — دُعا کر چکے یہ تو یوں التجا کی
کہ ان پر مسلّط نہ ہو کوئی ایسا
جو بدلے کسی طور سے دین ان کا

اجابت کو پہنچیں یہ دونوں دُعائیں — ہوئیں گرچہ اور ہو رہی ہیں خطائیں
بلائیں یہ اُمّت پہ آئیں نہ آئیں — نہ بدلیں نہ بدلیں گی شرعی بنائیں
قیامت کے ڈھب ہیں غضب کے فسوں ہیں
مگر اہلِ اُمّت وہی جوں کے توں ہیں

کرم، مغفرت، عفو، جو کہئے سب ہے — نہ بیم بلا ہے نہ خوفِ غضب ہے
وہی دینِ حق پہلے جو تھا سو اب ہے — مگر اس دُعا کرنے کا کچھ سبب ہے
دُعا کو اجابت کو سب مانتے ہیں

سبب جاننے والے ہی جانتے ہیں

نبی کا یہ کہنا کہ دنیا میں یا رب   نہ ہوں میری اُمت کے بندے مُعذّب
خبر دے رہا ہے کہ یہ اُمّتی، سب   عقوبت کے ساماں کرینگے مُرتّب
خدا سے لڑینگے نبی سے بچھڑیں گے
گناہوں کے اندھے کنویں میں گریں گے

سمجھ کی خرابی عمل کی تباہی   نہ میلِ اوامر نہ بیمِ نواہی
رہیں گے یہ کچھ محوِ شغلِ ملاہی   کہ ہوں گے سزاوارِ قہرِ الٰہی
مُعاصی میں ہونگے بہت خوش سلیقہ
گنہ کا نہ چھوڑیں گے کوئی دقیقہ

گر ایسا نہ ہوتا ازل میں مُقدّر   کہ ڈوبے گی اُمّت گناہوں کے اندر
تو ہرگز دُعا یوں نہ کرتے پیمبر   ہر اک بات کا اک محل ہے مقرر
اُسی کیلئے عاقبت کی دُعا ہے
جسے کوئی بیماریِ جاں گزا ہے

مُسلمانوں کی عام غفلت

سو یہ حالت اب اہلِ اسلام کی ہے   مُسلمانی ان میں فقط نام کی ہے
نہ رغبت شریعت کے احکام کی ہے   نہ کچھ فکر آغاز و انجام کی ہے
نہ شرمِ نبی ہے نہ خوفِ خدا ہے
غمِ نفس ہے اتّباعِ ہوا ہے

علما کا تعصّبی اختلاف

یہ عالم جو ہیں حجّتِ مذہبی کے   مُوکّد ہیں اپنے حقِ منصبی کے
مُشیّد ہیں ارکانِ خود مطلبی کے   نہ طالب خدا کے نہ تابع نبی کے
نہ حفظِ مطالب نہ ضبطِ دلائل
زباں پر ہیں کورے مسائل، مسائل

ہمارے زمانے کے اربابِ فتویٰ کہ اہلِ ورع ہیں اور اصحابِ تقویٰ
بہت کچھ ہے جن کو فضیلت میں دعویٰ ہمیشہ نظر میں ہے تعمیمِ بلویٰ

عجب اختلاف ان میں آکر پڑا ہے
ہر اک اپنی ہی آیتوں پر اڑا ہے

(۲) ایک مخمّس کا ایک بند ملاحظہ ہو :-

واعظو حُسن پرستوں کو بُرا کہتے ہو فاسق و راندہ و مقہورِ خدا کہتے ہو
خیر جو کچھ ہمیں کہتے ہو بجا کہتے ہو حُسن کو جس نے بنایا اُسے کیا کہتے ہو

ہم اگر حُسن پرستی میں گنہگار ہوئے

(۳) ایک ترکیب بند کا ایک بند :-

ہستیِ دہر کو ثبات نہیں دہر والوں کو التفات نہیں
ایمنی کی تلاش میں کیا کیا اب زمانے میں حادثات نہیں
کیا بھروسہ ہے زندگانی کا دن اگر لے لیا تو رات نہیں
اُس کو پی کر کوئی جئے کیونکر زہرِ غم چشمۂ حیات نہیں
خضر و عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں آخر پنجۂ مرگ سے نجات نہیں
کون ہے جو فنا سے ہو ایمن ایک فانی خدا کی ذات نہیں
بزم میں ایک ایک آتا ہے پھر جو دیکھا تو پانچ سات نہیں
بات کی بات ہے طلسمِ جہاں غور کیجے تو کوئی بات نہیں
اپنا اپنا پڑا ہے کیوں رونا کوئی دم میں یہ کائنات نہیں

دارِ دُنیا سرائے فانی ہے
موت کا نام زندگانی ہے

(۴) ایک نعت کے تین شعر :-

کھویا ہی مجھے تھاری دنیا طلبی نے — کیا خوب سنبھالا ہی رسولِ عربی نے
جلوے بشریت میں خدائی کے دکھائے — واللہ عجب کام کیا نورِ نبی نے

تسلیم رہوں ہند میں کیا خاک کہ میرا
دل چھین لیا ایک جوانِ عربی نے

(۵) چند غزلیات میں سے کچھ اشعار :-

نظر آتا ہے کس کس ناز سے رازاُسکے عنواں کا — کسی کی بیتِ ابرو ہی کہ مطلع میرے دیواں کا
اُلجھتے کیوں ہو صاحب دل کی بیتابی کا قصہ ہی — لیا ہی نام کس نے آپ کی زلفِ پریشاں کا
مرا ایمان ہی اے بُت تری کافرادائی پہ — کہ تقویٰ کھو دیا تسلیم سے مردِ مسلماں کا
سلسلہ اس کے ستم کا قطع ہوتا ہی نہیں — پیر ہی کوئی جواں اس فن میں چرخِ پیر کا
اور ہوتا ہمیں خیال اک رشک — نالہ اچھا ہوا رسا نہ ہوا
نہ ہو گر بزم میں نہیں تسلیم — کون ہے وہ ہوا ہوا نہ ہوا
اے سر دستِ جنوں اب تو بدن میں باقی — رشتۂ جاں ہی نہیں تارِ گریباں کس کا
مژدہ اے رفعتِ ہمت کہ شہیدِ غم کے — دوش پر سر ہی نہیں ہی سر و ساماں کس کا
باور نہیں جو رگِ نظر کا — کیا حال ہے دیکھئے جگر کا
ہی خط میں مرے جو ضعف کا حال — اُٹھتا نہیں پاؤں نامہ بر کا
نالہ ہے مرا بلند ہمت — ممنوں نہ ہوا کبھی اثر کا
موت آنے میں ناز کرتی ہی، — یہ بھی کچھ آپ کی ادا ہے کیا
آخر رہِ عاشقی میں پایا — رندوں ہی کو پیر پارسا کا
تسلیم بلا کے ہو نظر باز — معشوق بھی خوب تم نے تاکا
ہے سب سے ہی گر آپ کا شیوہ حجاب کا — پردہ کھلا ہی چہرے سے کیسے نقاب کا
یہ حسنِ بے حجاب چھپے گا نہ زینہار — کیوں آپ فاش کرتے ہیں پردہ نقاب کا

دلِ فسردہ تمنّا کشِ نگار رہا		رہا نہاں نہ خاکستر اک شرار رہا
بہشت لینے میں کچھ جبر تو نہیں واعظ		طلب کریں نہ کریں ہم کو اختیار رہا
یہ جلوہ قد و زلف و رخسار کا		مزا آپ کو بھی ہے اظہار کا
اُنھیں سرگراں مجکو شاکی رکھا		بُرا ہو تمنّائے دشوار کا
بہاتے ہیں تسلیم خونِ جگر		یہ ہے رنگ حضرت کے اشعار کا
شوخی کے جلوسے اتنے، نازِ حجاب اتنا		اور پھر بگڑ کے کہنا۔ ہیں۔ اضطراب اتنا
دُنیا سے بے خبر ہیں عقبیٰ سے بے خطر ہیں		کرتے ہیں بادہ کش بھی کارِ ثواب اتنا
یہ دیرِ تنگ گیتی دیرینہ ہو چکا ہے		طوفان میں توقّف، چشمِ پُر آب اتنا
رہ سکتے ہی نہیں ہو تسلیم بے لب و چشم		اس زہد و اتقا پر ذوقِ شراب اتنا
ہے عبث طور تنک حوصلگی میں بدنام		بات تو یہ ہے کہ اظہار ہی منظور نہ تھا
نشۂ وحدتِ حق سے رگِ کثرت ہی کھلی		دار پر کھینچ دیا جس کو وہ منصور نہ تھا
ہے کس بلا کا رنگ نوائے ہزار میں		کھلتے ہیں گل نئے نئے فصلِ بہار میں
پہنچائے ہے وجود سے دم بھر میں تا عدم		اچھّا قدم ہے ابلقِ لیل و نہار میں
ہے حُسن کا تو لطف ادائے حجاب میں		یوسف ہی تھے کہ آئے کئی بار خواب میں
پینے نہ دو بہشت میں بھی زاہدوں کو مے		ہاں محتسب خلل نہ پڑے احتساب میں
واعظ کے پاس کیا ہے شبِ ہجر کا جواب		ہاں ایک روزِ حشر سو ہے کس حساب میں
کہتے ہو دل کو صاف رکھو ہاں درست ہے		یعنی کچھ اس میں آرزوئے مدّعا نہ ہو
تسلیم کیا یہ بُت ہیں جنھیں دیکھتا ہے تو		اتنا تو ہوش باختہ مردِ خدا نہ ہو
ہاں تمھیں حشر سے کیا تم نے کیا ہی کیا ہے		واں اگر کام پڑے گا تو خدا سے مجکو
صبر کیجے وفا کیا کیجے،		تاب ہی جب نہ ہو تو کیا کیجے
محتسب ہیں اور آہ ترکِ بتاں		پیر و مرشد خدا خدا کیجے

دیکھنا تھا کسی انسانِ حسیں کو بلبل — جانور ہی تو ہے تو، ذوقِ نظر کیا جانے
سینہ ہوتے ہوئے تیشے سے جو چیرا تو پہاڑ — کوہکن تو مزۂ زخمِ جگر کیا جانے
باغباں رہنے دے بلبل کو قرینِ گلشن — ہے غرض تو یہی آخر کہ گرفتار رہے
دامِ صیّاد دلآویز ہے دیکھیں تو بھلا — کون آزاد رہے کون گرفتار رہے
کیا کرو تم بھی تقاضا ہے یہی شوخی کا — کہ نہاں پردۂ انکار میں اقرار رہے

تسنیم

تخلص۔ اساس الدین احمد نام۔ نسباً شیخ عثمانی مذہباً سنّی حنفی مسلکاً چشتی نظامی۔ آپ نے اپنا شجرۂ نسب اپنی تصنیف "سیرۃ العثمان" میں درج کیا ہے۔ مولانا مفتی غلام مبارز الدین نارنولی کے بڑے صاحب زادے تھے اور مولانا تسلیم کے برادر زادہ و خویش۔

ولادت و وطن ۵ رجب ۱۲۹۴ھ کو آپ بمقام نارنول اپنے وطن میں پیدا ہوئے۔ جے پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

تعلیم و ملازمت ابتدائی تعلیم آپ نے وطن میں اپنے مختلف بزرگوں سے حاصل کی تکمیلِ علوم اپنے عمِ نامدار مولانا مبین سے کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اوّل محکمہ صدر فوجداری جے پور میں نائب ناظر مقرر ہوئے مگر اپنی غیور طبیعت اور استغنائے مزاج کے باعث یہ ملازمت پسند نہ آئی اس لئے تین چار برس بعد ہی مستعفی ہو گئے۔

صحافتی زندگی چونکہ علم و ادب اور فنِ صحافت سے طبعی مناسبت تھی۔ اور یہ شغف عشق کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ اس وجہ سے ترک ملازمت کے بعد علمی و ادبی کاموں میں سرگرمی سے حصّہ لینے لگے۔ "بزمِ احباب" و "کتبخانۂ احباب" کے رُکن بنے تو قلمی امداد کے لئے اپنے کو وقف کر دیا۔ اصلاحی امور اور ترویجِ تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے تو اُن میں ہمہ تن منہمک ہو گئے۔ کئی برس اس طرح

گزارے اور بلا معاوضہ خدمتِ قوم کرتے رہے۔ آخر ۱۹۰۱ء میں ایک ماہنامہ "قوم" جاری کیا۔ تقریباً دو سال یہ جاری رہا مگر جب منفعت کی بجائے جذبۂ خدمت کارفرما تھا۔ اس لئے تجارتی اصول کی پاسداری نہ کرسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ماہ رقمِ خسارہ اپنی جیب سے ادا کرتے رہے۔ آخر ۱۹۰۴ء میں دھلی جاکر کرزن گزٹ کے سب ایڈیٹر ہوگئے۔ مگر "قوم" کا پرچہ بھی وقتاً فوقتاً اپنی ادارت میں جاری رکھا البتہ جب مرزا حیرت ایڈیٹر کرزن گزٹ نے حضرتِ امام حسینؑ کی شہادت سے انکار کیا اور ۲۳ رجولائی ۱۹۰۵ء کے کرزن گزٹ میں اپنے خیالات کا اظہار بعنوان "تیرہ سو برس کے بعد ایک حیرت انگیز راز کا افشار" کیا تو آپ کو اُن سے اختلاف پیدا ہوگیا۔ بالآخر ترکِ ملازمت کرکے جے پور چلے آئے۔ اور رسالہ "قوم" کو نئی اور مستحکم بنیاد پر قائم کرکے پھر جاری کیا جو کافی عرصے چلتا رہا۔

۱۳۲۳ہجری میں اپنا ایک پریس بھی جاری کیا جس کا تاریخی نام مطبع مولوی اساس الدین واقع شہر جے پور۔ رکھا۔

دوبارہ ملازمت اور فنِ کتابت | چونکہ رسالہ "قوم" اور پریس کی آمدنی اس قدر نہ تھی کہ آپ کے اخراجات کو کافی ہو اس لئے دوبارہ ملازمت کا خیال پیدا ہوا۔ مختلف محکمات میں ملازمتیں باسانی ملنا ممکن تھا۔ مگر آپ نے سررشتہ تعلیم کو پسند کیا۔ اور فارسی کے مدرس سرکاری مدرسہ میں ہوگئے۔ فاضل وقت میں کتابت بھی کرنے لگے۔ اکثر بلکہ تقریباً وہ کل کتابیں آپ ہی کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں جو آپ کے مطبع مندرجہ صدر میں چھپیں۔ اور اسی طرح رسالہ "قوم" کی کتابت بھی آپ خود ہی کرتے تھے۔

اخلاق و عادات | طبعاً نہایت خاموش و منکسر المزاج بمتواضع و ایثار منش۔

مگر طبیعت میں شوخی بے حد البتہ متانت کے ساتھ۔ جذبۂ قوی اور ولولۂ ایثار سے لبریز دل کے مالک۔ خلوص طرۂ امتیاز۔ صاف قلب و صاف گو ستائشِ بیجا سے سخت نفرت۔ محبّت و اتحاد کے دلدادہ۔ ذاتیات پر نکتہ چینی سے احتراز علمی و ادبی مشاغل اور عبادت و ریاضت کے بعد اگر کسی چیز سے دلچسپی تھی تو صرف پُرخلوص احباب کی صحبت، اگرچہ تمام عمر عسرت و جفاکشی میں بسر کی مگر جب قومی و اصلاحی مقاصد کے لئے ضرورت پیش آتی تو ہر طرح کے ایثار کے لئے سب سے آگے نظر آتے تھے۔ نام و نمود سے بھی سخت نفرت تھی۔ آلام و مصائب میں ہمیشہ صابر و شاکر رہے۔

مسندِ رشد و ہدایت پر تمکن | ۱۹ر صفر ۱۳۳۶ھ مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو مولانا مبین رح کے وصال پر اُن کی مسندِ رشد و ہدایت آپ ہی کے سپرد ہوئی چنانچہ تاحیات یہ خدمت بھی انجام دی۔ اس میں بھی ایثار کا یہ رنگ تھا کہ نذرانہ وعظ لینا تو کجا۔ بعض بیرونی مقامات پر احباب کے طلب کرنے پر جاتے تو اپنے مصارف خود ہی برداشت کرتے۔

شعر و شاعری اور تلمذ | شعر و سخن کا ذوق سنِ شعور ہی سے تھا۔ اُردو اور فارسی دونوں زبان میں شعر کہتے تھے۔ اردو میں مرزا مائلؔ مرحوم سے تلمذ تھا اور اُن کی حیات ہی میں صفِ اساتذہ میں آگئے تھے۔ فن پر گہری نظر تھی۔ مگر مشاعروں کی شرکت کے شائق نہ تھے۔ چنانچہ ایک مقطع میں کہتے ہیں:۔

تنویرؔ کے اصرار نے مجبور کیا ہے
تسنیمؔ جو آبیٹھے ہیں بزمِ شعرا میں

فارسی کلام کی اصلاح کسی ایرانی شاعر سے لیتے تھے۔ مولانا کوثرؔ کا قول ہے کہ وہ اخبار "حبل المتین" کے ایڈیٹر تھے۔ مگر نام یا تخلص وہ بھی نہ بتا سکے۔

احباب خاص | مولوی سید سراج الدین احمد سراجؔ کنتوری۔ مولوی محمد بقا۔ بقاؔ۔

مولوی ولایت احمد سندیلوی۔ مولوی سید نظیر حسن سخا۔ مولوی منظور احمد کوثرؔ۔ قاضی نور احمد تنویرؔ۔ شیخ زادہ شوکت حسین۔ مولوی ضیا حسین ضیاؔ۔ آپ کے احباب خاص میں تھے۔ اور کوثرؔ و تسنیمؔ تو فردوسِ اتحاد کی ایسی نہریں تھیں جن کا جواب دُنیا میں اب کہاں۔ چنانچہ اپنی ایک غزل میں کہتے ہیں۔ کہ ع :۔

بارک اللہ ہمچو کوثر چارہ سازے داشتم

دن رات کے ۲۴ چوبیس گھنٹوں میں سے چند ہی گھنٹے ایسے ہوتے تھے کہ دونوں صاحب جُدا ہوں۔ ورنہ جہاں دیکھئے دونوں ساتھ۔ ملازمت بھی کی تو ایک ہی محکمہ میں اور غالباً مولانا کوثرؔ ہی کے اِصرار کا یہ نتیجہ تھا ورنہ ملازمتی قیود سے متنفّر تھے۔ اور پھر ملازمت ملی تو وہ بھی ایسی کہ دونوں یا تو ایک ہی مدرسہ میں رہے ورنہ بالکل قریب۔

ایک بار نمازِ تراویح سے فارغ ہو کر آئے تو "مولوی سلیم الدین جی کا گھیر" کے سرے پر جو ایک اونچا سا پتھر بطور حد لبست نصب تھا۔ اس پر ہاتھ کا سہارا لے کر دونوں صاحب کچھ گفتگو کرنے لگے۔ حتیٰ کہ موذِن نے جب اذانِ فجر دی تو اپنے اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔

مولانا کوثرؔ کا یہ حال ہے کہ اب بھی جب مولانا تسنیمؔ کا ذکر آجاتا ہے تو گھنٹوں اُن کی ایک ایک بات دُہراتے رہتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ جب کسی نے شعر سُنانے کی استدعا کی تو مولانا کوثرؔ نے فرمایا کہ "میاں! دُنیا میں میرے ۲ دو دوست تھے اساس الدین اور حافظ ابراہیم (راجد بلوچی) وہ دونوں نہ رہے تو میں زندہ ہی کب ہوں۔ میں تو اپنی تاریخ وفات بھی کہہ چکا۔ ع :۔ داخلِ خلد ہو گیا، کوثرؔ (خلد و کوثرؔ سے سنہ نکالا ہے*)
۶۳۴ ۷۲۶

*کوثرؔ کو خلد میں داخل کرنے سے تاریخ نکلتی ہے۔

زندہ مجھے سمجھتے ہو زندہ نہیں ہوں میں ہوں اس طرح جہان میں گویا نہیں ہوں میں

صحبتِ احباب | روزانہ بعدِ مغرب مولانا تسنیم کے یہاں کہ وہی اُن کا پریس تھا اور وہی مکانِ رہائش۔ مولانا کوثر کے علاوہ حضرت تنویر اور دیگر احباب جمع ہوا کرتے تھے اور علمی و ادبی چرچے رہتے تھے بالخصوص شعر و سخن کی گفتگوئیں ہوتی رہتی تھیں۔ خاصکر کوئی مشاعرہ ہونے والا ہوتا اور کسی شخص کی کوئی غزل خصوصیت سے بنائی جاتی تو اس کی اصلاح اسی صحبت میں کی جاتی تھی۔ ایک ایک قافیہ کو کئی کئی طرح باندھا جاتا اور یہ تینوں صاحبان خوب خوب طبع آزمائی فرماتے۔ مولانا اظہر بھی کبھی کبھی شریک ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے تو اس صحبت کا نام ہی "شعر فیکٹری" رکھ دیا تھا۔

ایسی ہی ایک صحبت میں کوثر و تسنیم میں قرار پایا کہ اپنی اپنی تاریخِ ولادت کہی جائے اور ابھی کہی جائے۔ مادہ تاریخ دو لفظ سے زیادہ نہ ہو۔ دونوں نے چند منٹ سوچا۔ مولانا کوثر کہنے لگے۔ "میاں ہم نے تو مادہ تاریخ نکال لیا" مولانا تسنیم نے پوچھا "کیا" تو کہا "خستہ جگر" (۱۲۸۸ھ)۔ مولانا تسنیم نے کہا "ہم نے بھی نکال لیا" "پوچھا" "کیا" تو کہا "سوختہ جگر" (۱۲۹۴ھ)۔ دونوں صاحبان کے یہ ہی سنہ ولادت ہیں۔

وفات و اولاد | مولانا نے ۲۹ محرم ۱۳۴۳ھ کو داعی اجل کو جے پور میں لبیک کہا اور یہیں دفن ہوئے۔ اپنی تصانیف کے سوا کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

تصانیف | کوثر و تسنیم کے اتحادِ قلبی نے اُن کے کلام کا بھی یکساں فیصلہ کیا اس طرح کہ اوّل الذکر نے تو اپنا کلام کبھی محفوظ کیا ہی نہیں بوخرالذکر نے ایک ضخیم کلّیات میں کُل اشعار مدوّن کیے تھے۔ یہ بیاض مختلف رنگ کے

مہین کاغذ کی تھی۔ اور اس کے ۲ دو حصے تھے۔ پہلے میں فارسی کلام تھا اور دوسرے میں اردو۔ ہر غزل اور قصیدے وغیرہ کی تاریخِ تصنیف بھی درج تھی اور اردو سے زیادہ فارسی کی غزلیات تھیں۔ اُن کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن بھی۔ مگر ہوا یہ کہ مولانا کے انتقال کے بعد جب اُن کے چھوٹے بھائی مولوی مجاہد الدین تسنیم نے سامان سنبھالا ہے تو بیاض کے چند دریدہ سادہ اوراق تو کاغذات میں ضرور ملے مگر باقی بیاض غائب تھی۔ بہت کوشش و تلاش کی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ سنہ ۱۹۴۷ء سے جب میں نے کباڑیوں کو فروخت شدہ کتابوں کی تلاش کی ہے تو صرف چار ورق اُس بیاض کے ضرور مل سکے اور یہ بھی پتہ چلا کہ مرحوم کے فلاں عزیز نے ایسے بہت ورق ردی میں بیچے تھے جو ضائع ہو چکے — اس طرح آپ کا تمام عمر کا ادبی سرمایہ اپنوں ہی نے تلف کر دیا۔

تصانیف | تلف شدہ کلیات کے علاوہ آپ کی حسبِ ذیل تصانیف ہیں:-

(۱) سیرۃ العثمان۔ الموسوم بہ اسم تاریخی حیاتِ عثمان ابن عفان ۱۳۳۴ھ - بزبانِ اردو نثر۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۶ء۔

(۲) معلوماتِ السنین۔ اُردو نثر۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۸ء

(۳) الجمعہ۔ اُردو نثر فقہ میں مطبوعہ سنہ ۱۹۲۱ء

(۴) مشاہیرِ عالم۔ " مختلف باکمال مشاہیر کی مختصر سوانح عمریاں۔ مطبوعہ

(۵) معین الترجمہ۔ اُردو سے فارسی بنانے کے قواعد۔ برائے طلبہ "

(۶) کمالاتِ خواجہ۔ اُردو نثر۔ مختصر سوانح عمری خواجہ غریب نواز رح مطبوعہ سنہ ۱۹۲۱ء

(۷) مثنوی دردِ دل۔ نظمِ عشقیہ بطور افسانہ۔ اُردو۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۵ء

(۸) گنجینۂ نعت۔ نظم۔ اُردو۔ مختلف نعتوں کا مجموعہ۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۵ء

(۹) انتخابِ سخن۔ اردو۔ فارسی۔ عربی اور ہندی کے منتخب اشعار کا مجموعہ۔ مطبوعہ۔

کلام پر تبصرہ | مولانا کے فارسی اور اُردو کلام میں روانی، صفائی، لطفِ زبان اور بے ساختہ پن بخوبی پایا جاتا ہے۔ سیدھا سادا شعر کہتے ہیں مگر دل میں چٹکیاں لیتے ہیں۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

فارسی:۔

مہ رخا، سنگ دلا، لالہ عذارا صنما
بردہ از ما دلِ ما، دادہ بما دردو غما

دارم آں دل کہ بمستیش مُخمر کردند
کے نہم گوش بہ پندِ علما و حکما

بساختم با غمِ ہجراں کہ وصال است محال
وصل گر نیست غمِ ہجر بسا مغتنما

شعلۂ سینۂ من آتشِ موسیٰ خیز است
دمِ شمشیرِ تو بیشک دمِ عیسیٰ خیز است

ریخت از تیغِ دو ابروش مرا تیغ و بگفت
نیم بسمل شدنش بیں چہ تماشا خیز است

دردِ نہانِ دل بمداوا نمی رود
بیمارِ عشق پیشِ مسیحا نمی رود

آں کس کہ حسنِ تو بدلش پرتو افگن است
بر کوہِ طور بہر تجلا نمی رود

یادِ ایامیکہ یارے دلنوازے داشتم
او بمن نازید و من با او نیازے داشتم

دل نہ بود از من ولے دلدار از من بودہ است
بے نوا بودم ولے خوش برگ و سازے داشتم

ہمہ چشم انتظارم بخدا، شنیدہ باشی
بہ غمِ تو اشکبارم ز صبا شنیدہ باشی

غمِ عشقِ تست رازے کہ بکس نگفتہ ایمش
نہ زکس شنیدہ باشی نہ زما شنیدہ باشی

وقتِ گل است و عہدِ شبابے
مطرب نوائے، ساقی شرابے

یارب چہ سازم کاں نازنیں را
ہر دم جفائیست، دائم عتابے

اللہ اکبر می آید امروز
در دست تیغے بر رُخ نقابے

از وعدۂ وصل۔ دل کے شکیبد
تشنہ نگردد سیر از سرابے

فصلِ بہار است خوش لالہ زار است
وصلِ نگار است ساقی شرابے

رسوائے دہرم کرد ست تسنیم
رنگِ پریدہ چشمِ پُر آبے

اُردو:۔

کہوں میں قصۂ اندوہِ غم اے داورِ محشر
جو ہو منظور محشر میں نیا محشر بپا کرنا

اُٹھے بزمِ دشمن سے بیتاب ہو کر
اثر دیکھنا میری آہِ رسا کا

تجھے آج بے پردہ سب دیکھتے ہیں
یہی خوف تھا مجکو روزِ جزا کا

رہیں اہلِ ہنر گردش میں۔ یہ ہے
نتیجہ گردشِ ہفت آسماں کا

دل بھی عجیب نعمتِ پروردگار ہے
کوئی نہ کوئی اس کا خریدار ہی رہا

چلنا نہ پڑے ہم کو کہیں دشتِ بلا میں
چلکر نظر آتے ہیں ہمارے کفِ پا میں

اگلی سی تڑپ اس دلِ مضطر میں نہیں ہے
آثارِ اجابت نظر آتے ہیں دُعا میں

دل اور ہوا میں ہے جگر اور ہوا میں
اور ان کے سوا دیدۂ تر اور ہوا میں

اور کچھ حُسن پرستی سے نہیں ہم کو غرض
بات اتنی ہے کہ اک ذوقِ نظر رکھتے ہیں

کہیں اپنے ٹھہرنے کا ٹھکانہ آپ کر لیجے
اگر بدِ نظر برباد کرنا ہے مرے دل کو

یہ حالت ضعف نے کر دی بُرا ہو ناتوانی کا
ہمارے قتل کرنے سے بھی شرم آتی ہے قاتل کو

تیری نگہِ مست سے مخمور ہوں ورنہ
میخانے کی میں نے کبھی صورت نہیں دیکھی

شمشیر کے مذکور پہ جُھک جاتی ہے گردن
ایسی بھی تمنائے شہادت نہیں دیکھی

دل میں تجھے پھرتے ہوئے لاکھوں نے ہے دیکھا
آنکھوں سے کسی نے تری صورت نہیں دیکھی

محبت میں مرے دل پر یہ چھائی ہے گھٹا غم کی
کہ بدلی آنکھ کی برسی تو بجلی آہ کی چمکی

گلے ملتے ہیں غیروں سے تہِ خنجر مجھے کر کے
وہاں شوال کی پہلی یہاں دسویں محرم کی

گھٹا غم، رعد افغاں، آنکھ بدلی، آہِ دل بجلی
جو وہ اُمڈی تو یہ کڑکی جو وہ برسی تو یہ چمکی

غضب ہے گرمیِ بازارِ الفت تیرے کوچہ میں
صدا آتی ہے ہر اک سمت سے "دل می فروشم" کی

خادمِ میکدہ واعظ کو بنا رکھا ہے
اب تو مستوں نے عجب رنگ جما رکھا ہے

روتا ہے آج دیدۂ تر کچھ نہ کچھ تو ہے
مضطر ہے دل سے بڑھ کے جگر کچھ نہ کچھ تو ہے

پڑنے لگی ہر مجھ پہ نظر کچھ نہ کچھ تو ہے
خنجر ہے آج زیبِ کمر کچھ نہ کچھ تو ہے

ایک دو بھی تو نہ اُن سے مرے ارماں نکلے
لب سے نالے تو ہزاروں شررِ افشاں نکلے

درِ جاناں سے بھی اغیار اُٹھاتے ہیں مجھے
اب تو کینے ترے اے گنبدِ گرداں نکلے

حق تو یوں ہے کہ بُتوں سے تو خدا ہی سمجھے
یہ خدائی میں بھی غارت گرِ ایماں نکلے

پیشوائی کے لئے لختِ جگر آئے نکل
اشتیاقِ آمدِ جانانہ ایسا چاہیئے

دیکھ کر تسنیم کو کہتے ہیں وہ کس ناز سے
دل لگی کے واسطے دیوانہ ایسا چاہیئے

دوست تو آپ کے دُنیا میں بہت ہیں تسنیم
پر وفادار فقط حضرتِ کوثر نکلے

تنویر

تخلص۔ محمد نور احمد نام، آفتابِ شعرا خطاب، نسباً شیخ صدیقی۔ حنفی المذہب، والدِ بزرگوار کا نام محمد فیض الحسن۔

ولادت و وطن اور تعلیم ۱۲۹۱ھ میں آپ کی ولادت آپ کے وطن قصبۂ نرہڑ علاقہ شیخاوالی ریاست جے پور میں ہوئی۔ اس قصبہ کی اور اس کے متعلقہ دیہات کی قضات آپ کے بزرگوں سے متعلق تھی۔ جس کے صلہ میں بطور مدد معاش و انعام اراضیات و چاہ زمانہ شاہی سے ملے ہوئے تھے۔

ابتدائی تعلیم وطن میں مختلف بزرگوں سے حاصل کی۔ چونکہ آپ کے والد ماجد جے پور آکر ملازم ہو چکے تھے۔ اس لئے یہاں آ گئے۔ اور مولانا اعجاز کے درس میں داخل ہو کر کچھ عرصہ بعد اورنٹیل کالج جے پور میں داخلہ لے لیا۔ جہاں سے "منشی فاضل" پاس کیا۔

تا ختم "شرح ملا" وغیرہ عربی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اور کسیقدر انگریزی بھی پڑھی۔

ملازمت آپ اوّل جے پور کے محکمہ بخشی خانہ فوج میں ملازم ہوئے۔ کچھ دنوں متفرق خدمات انجام دینے کے بعد سر رشتہ دار ہو گئے۔ چونتیس (۳۴) سال

ملازمت کرنے کے بعد پنشن لی۔ آخری دورِ ملازمت میں نائب بخشی فوج بھی ہو گئے تھے۔ پنشن لئے سال بھر بھی نہ ہوا تھا کہ آپ کو دوبارہ محکمہ بخشی خانہ قلعجات میں انسپکٹری کے عہدہ پر لے لیا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں ملازمت کرنے کے بعد پھر کوئی ملازمت نہ کی اور پنشن پاتے رہے۔

ذوقِ سخن و تلمذ | شعر و سخن کا ذوق طالب علمی ہی کے زمانے سے تھا۔ اور حضرت اعجاز سے تلمذ تھا جن کے آپ خویش بھی تھے۔ تا حیاتِ اُستاد اُن سے اصلاح لیتے رہے۔ پھر کسی سے مشورہ تک نہ کیا بلکہ دوسروں کو اصلاح دینے لگے۔

مشاعرے اور تلامذہ | یہ کہنا بلا مبالغہ صحیح ہے کہ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۷ء تک جس قدر مشاعرے آپ کی جانب سے جے پور میں ہوئے اُن سے زیادہ کسی شخص نے نہیں کئے۔ اسی طرح آپ کے جملہ تلامذہ کا شمار کر سکنا تو یقیناً ناممکن ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ اگر سب کو گنا جائے تو لگ بھگ پانچسو اشخاص ایسے نکلیں گے جنھوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ ان میں زیادہ تر کم لکھے پڑھے یا امی محض نکلیں گے۔ علیٰ ہٰذالقیاس آپ سے زیادہ بے دریغ اپنا کلام اپنے تلامذہ ہی کو نہیں بلکہ دوسروں کے شاگردوں تک کو دے ڈالنے والا جے پور میں اور کوئی نہیں نکل سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ اس فیاضی نے آپ کے تلامذہ کو آرام طلب دائمی محتاج اور کورا رکھ دیا۔ یا تو مشاعروں میں یہ رنگ ہوتا تھا کہ نصف شعرا سے کچھ زائد ہر بزم میں آپ کے شاگرد ہوتے تھے اور نصف سے کم دیگر جملہ شعرا۔ یا اب دو ایک ہی آپ کے شاگرد کسی کسی مشاعرے میں پائے جاتے ہیں۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ مشاعروں اور شعر و سخن کے ذریعہ عوام اور بالخصوص ناخواندہ طبقہ میں زبان سے عام دلچسپی پیدا کی جائے اور اُن کو اسی طریق سے کچھ نہ کچھ لکھنا پڑھنا سکھایا جائے۔ اس مقصد میں

آپ بخوبی کامیاب تھے۔ رہا سوال اپنے کلام کو بے دریغ لٹانے کا۔ اُس کی صورت یہ تھی کہ بسا اوقات یہ ہوتا تھا۔ کہ تمام شاگردوں کی غزلیں تیار ہو چکی ہیں اتفاق سے کوئی شاگرد آیا یا نیا شخص آکر شاگرد ہوا۔ اور غزل کا مستدعی ہوا تو کچھ شعر فوراً کہہ دئے اور باقی اپنی غزل میں سے دیدئے۔ یا تخلص بدل کر اپنی غزل ہی دیدی اور اپنے لئے اور شعر کہہ لئے۔

نظریۂ تنویر متعلق شعر و سخن اُن کے خیالات تقریباً اُنھیں کے الفاظ میں شاعری کے بارے میں حسب ذیل ہیں:۔

"فی زمانہ شاعری اور اس کے ساتھ مشاعرے۔ زبانِ اُردو کو زندہ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ خواص تو جملہ نتائج کو سمجھتے ہیں مگر عوام میں اُس کی خدمت کا جذبہ اسی طرح ممکن ہے۔

آخر شاعری کی علّتِ غائی کیا ہے؟ یہی نہ کہ اچّھا شاعر ہو اور اُس کا کلام خواص و عوام پسند کریں۔ بس اس نوبت پر پہنچ کر اگر وہ پیشہ ور بن گیا تو شاعر نہیں تاجر ہے۔ اور اگر بحیثیت ادیب خدمتِ زبان و فن کر رہا ہے تو محسنِ ادبیات۔ ادب کی تجارت میرے نزدیک معیوب ہے۔ اس لئے خوب کہو اور دل کھولکر لٹاؤ۔ دیمک کی خوراک یا زمانے کی ناقدری کیلئے کچھ نہ چھوڑو۔

جنھوں نے سات سات دیوان چھوڑے وہ بھی آج اُسی صف میں ہیں جس میں چند غزلیات یادگار چھوڑ جانے والے۔

کسی کا یہ کہنا کہ وہ نیا مضمون باندھتا ہے یا اچھوتا خیال پیش کرتا ہے۔ بہت ہی کم صداقت کا حامل ہے۔ اساتذہ نے اس قدر کہا ہے اور اتنے مضمون تلاش کئے ہیں کہ جدید مضمون

نکلنا محال ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ سامع کے علم میں یہ نہیں ہوتا کہ پہلے
کس نے یہ مضمون باندھا ہے۔ اس لیئے وہ حکم لگا دیتا ہے کہ مضمون
نیا ہے۔ اردو۔ فارسی۔ عربی۔ ہندی اور فی زمانہ انگریزی زبانوں
میں بہت سے دلکش مضمون ہیں جن کے چربے آج طرح طرح
سے اُتارے جارہے ہیں۔ ہاں اسلوب بیان اور طرز ادا کی ندرت
کمال دلکشی پیدا کر دیتی ہے۔ میں تو تفریحاً خدمتِ زبان و ادب
سمجھ کر شعر کہتا ہوں اور دوسروں کو دینے میں مجھے مسرت
وراحت محسوس ہوتی ہے۔"

باغی شاگرد | آپ کے کئی شاگردوں نے آپ سے بغاوت بھی کی مثلاً حافظ یوسف علیخاں عزیز۔ قاضی امین الدین اثر۔ منشی مظہر حسین ناظم۔ مگر آپ نے شعرائے سلف کی سنّت ادا نہیں کی کہ اُن کو اپنا مدِ مقابل قرار دیا ہو۔ ہمیشہ چشم پوشی و درگزر سے کام لیا۔

گونگے شاعر | آپ کے کچھ شاگرد ایسے بھی تھے جو شعر موزوں تو کر لیتے تھے اور غزل بھی کہہ لیتے تھے۔ مگر مشاعرے میں پڑھتے نہ تھے کوئی دوسرا ہی ان کی غزل سُناتا تھا۔

شاگری کا کمال | شاعرگری میں آپ کا یہ کمال کم نہیں ہے کہ "استاج" بجائے اُستاد اور "جبورِ وجم" بجائے زبورِ عجم۔ بولنے والوں کو آپ نے واقعی شعر موزوں کرنا سکھا دیا۔

پُرگوئی | پُرگوئی کا یہ رنگ تھا کہ مشاعرہ ختم ہو کر اُس میں دوسرے مشاعرے کے لئے طرح کا اعلان ہوا، اور آپ نے گھر آتے آتے غزل کہہ ڈالی۔ اور اگر کسی نے مانگی تو دے بھی دی۔

بقول مرزا داغ آپ شعر کہتے تھے جنتے نہ تھے۔ ادھر کوئی قافیہ سامنے آیا اور آپ نے دو چار ترکیب سے اُسے باندھا مضمون پست ہو یا بلند۔ اسلوب بیان دل کش ہو یا سادہ آپ شعر ضرور موزوں کر دیتے تھے۔

وجہ خطاب | "آفتاب شعرا" کا لفظ سب سے پہلے مولوی امیرالدین خاں نے آپ کے لئے اس شعر میں استعمال کیا کہ جو رسالہ "روشنی" بابت ماہ مارچ و اپریل ۱۹۳۵ء میں چھپا ہے۔

تیرہ و تار ہے وہ بزم سخن جس میں شریک　　آفتاب شعرا حضرت تنویر نہیں

یہ خطاب آپ کے احباب، و تلامذہ کو پسند آیا اور انھوں نے بالاتفاق اس کو آپ کا خطاب تسلیم کر لیا۔

صدارت بزم ادب | ۱۹۳۵ء میں آپ ایک "بزم ادب" کے صدر اکثر اصحاب کی متفقہ تجویز و تائید سے منتخب ہوئے کہ جس کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے۔ ایک کے صدر مولانا اطہر اور ایک کے آپ تھے۔

طباعت دیوان | اس قدر اشعار کہنے اور قادر الکلام ہونے کے باوجود آپ کا دیوان دیکھئے تو کچھ بھی نہیں۔ اور حقیقۃً ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ تقسیم و بخشش سے کچھ بچے تو درج دیوان ہو۔ دوسروں کو صاحب دیوان بنا کر جو خوش ہو وہ خود صاحب دیوان کیونکر بنے۔

تلامذہ نے جب بہت اصرار کیا۔ اور منشی احمد علی خاں شوق نے جو آپ کے شاگرد تھے دیوان کی طباعت کا ذمہ لیا تو آپ نے صرف اس قدر کیا کہ بچی کھچی غزلیں یکجا کر کے اُن کے حوالے کر دیں۔ نہ کوئی نظر ثانی۔ نہ انتخاب نہ کسی سے کوئی مشورہ نہ ترتیب میں کوئی خاص التزام۔ حد تو یہ ہے کہ نہ کاپی پڑھی نہ پروف دیکھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ طباعتی و کتابتی غلطیاں بھی

موجود ہیں اور دیگر اسقام بھی۔

ہجرتِ پاکستان | ابھی دیوان چھپ ہی رہا تھا کہ ۱۹۴۷ء میں آپ پاکستان چلے گئے۔ احمد علی خاں شوق بھی مہاجر ہو گئے۔ دیوان کے جس قدر فرمے چھپے تھے سب یہاں کس مپرسی کے عالم میں پڑے رہے۔ آخر راقم الحروف نے یہ کیا کہ نامکمل دیوان تا ردیف نون، اُن فرموں سے تیار کرا کر ایک ایک جلد آپ کے تلامذہ و احباب کو مفت تقسیم کر دی۔ کچھ جلدیں آپ کو بھیجدیں اور چند نسخے اپنے پاس محفوظ کر لئے۔

پاکستان جانے کے بعد کچھ دن شعر و سخن کا مشغلہ جاری رہا کہ نوجوان صاحبزادے شعور احمد نواب کے انتقال کے باعث طبیعت اس قدر مغموم و افسردہ ہوئی کہ شعر و سخن سے مطلق دلچسپی نہ رہی۔

وفات | تاریخ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۵ء مطابق ۲۸ محرم ۱۳۷۵ھ بروز جمعہ ۱/۲ ۹ بجے دن آپ نے کراچی میں انتقال کیا۔

اخلاق و عادات | قاضی صاحب نہایت ملنسار اور منکسر المزاج و خوش اخلاق تھے۔ انتقام ستانی سے نفرت اور درگزر طبیعت ثانیہ تھی۔

کلام پر تبصرہ | دقت پسندی سے آپ کو نفرت تھی۔ سیدھا سادہ مضمون صاف و شستہ زبان میں ایک خاص سادہ طرز ادا کے ساتھ بیان کرتے اور دل میں چٹکی لے لیتے تھے۔ نہ محاورہ بندی کے دلدادہ تھے نہ لفظی اُلٹ پھیر کے۔ روانی آپ کے کلام کی جان ہے۔ اس میں کوئی صنعت بے ساختہ نظم ہو جائے تو فبہا۔ ورنہ صنائع و بدائع کے درپے نہیں ہوتے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے:۔

نعت شریف
گئے کہاں سے کہاں مصطفےٰ کو دیکھ لیا — خدا کی شان ہے شانِ خدا کو دیکھ لیا

خدا کو جان لیا مصطفیٰ کو دیکھ لیا
نبی کو مان لیا اور خدا کو دیکھ لیا

چھو نہیں سکتا اُسے ہرگز مرا دستِ خیال
دامنِ مریم سے بڑھ کر تیرا داماں ہو گیا

جب تصورِ قیس کا الفت میں کامل ہو گیا
سامنے جو آ گیا لیلیٰ کا محمل ہو گیا

وہ نہیں آتے نہ آئیں موت کیوں آتی نہیں
ہجر میں جینا تو کیا مرنا بھی مشکل ہو گیا

ہمیں نہ چھیڑ کسی اور کو نصیحت کر
بُرا ہی ناصحِ ناداں معاملہ دل کا

سب کی خواہش ہے کہ دل میں کوئی ارماں نہ رہے
کیا رہا دل میں جو سرمایۂ ارماں نہ رہا

ہو گیا شیخ یہ شیشے کی پری کا سایہ
حلق سے بوند نہ اُتری تھی کہ انساں نہ رہا

نہ رعبِ حسن ہے اُسکے کہیں بیہوش ہو جانا
مرا خط دیکے اے قاصد سراپا گوش ہو جانا

دن وہ آنے کو ہے جب حشر کا میداں ہو گا
ہاتھ ہو گا مرا اور آپ کا داماں ہو گا

بُت بن گیا ہوں حُسنِ رُخِ یار دیکھ کر
اُلٹی پھری نظر بھی نہ دیدار دیکھ کر

حیراں ہوں میں تو زلف و رخِ یار دیکھ کر
حیراں ہیں مجکو کافر و دیندار دیکھ کر

اک قیامت اور ڈھائی شکوہ ہائے جور نے
ہم پشیماں ہو گئے اُن کو پشیماں دیکھ کر

نہ لیں راہِ طلب میں ساتھ ہم کو قافلے والے
غبارِ کارواں کے ساتھ جا پہنچیں گے منزل پر

سُن جو لیا ہے یہ کہ فلک پر بہشت ہے
زاہد کی ہے ابھی سے نظر آسمان پر

کیا خبر تھی دل مچل جائیگا ناداں دیکھ کر
تھا یقیں آ جائینگے ہم کوئے جاناں دیکھ کر

عجب کیا ہے بگڑ جائے اگر تدبیر بن بن کر
بگڑتے ہم نے دیکھی ہے بہت تقدیر بن بن کر

یہ اُنکی شوخیاں ہیں یا تصور کا کرشمہ ہے
کہ پیہم سامنے آتے ہیں وہ تصویر بن بن کر

حاصل ہوئی یہ بات مجھے ضبطِ آہ میں
میں ہو گیا عزیز کسی کی نگاہ میں

کیا جانے بات کیا ہے کسی کی نگاہ میں
جو رنگ میکدے میں وہی خانقاہ میں

نقشہ ہے یہ باشندۂ دنیائے دنی کا
جیسے کوئی شب باش مسافر ہو سرا میں

دنیا میں زندگی ہے تو رندوں کی زندگی
رہتے ہیں شاد کام جہانِ خراب میں

کیا جانے بات کیا ہے کسی کے جمال میں
صوفی و رند کوئی نہیں اپنے حال میں

کہتے ہیں مجھ سے رو کئے اپنے خیال کو
زنجیر ڈال دیجئے پائے خیال میں

جہاں تنکے رکھے ہم نے وہیں بجلی گری آ کر
خدائی سے تری باہر کہاں ہم آشیاں کر لیں

دی ہے ساقی نے وہ مے ہوش اُڑے جاتے ہیں
ایک چُلو میں بلانوش اُڑے جاتے ہیں

یہ مے ناب کے پینے سے کہیں جاتا ہے
اتنی وسعت ہی مگر شیخ کے ایماں میں نہیں

ہم کیوں سنی سنائی پہ میخانہ چھوڑ دیں
کس کو خبر ہے۔ ہے بھی کہ باغِ ارم نہیں

التجا ہم کیوں کریں غیروں سے اے تنویر جب
وقت سے پہلے، مقدر سے سوا، ملتا نہیں

تری نیرنگیوں کا عالمِ ایجاد کیا کہنا
وہ جلوہ پھر نہیں ہوتا کہ جو اکبار ہو جائے

دم بھر میں پہنچتا ہے جو ہو راہ سے واقف
ہیں دور ہی کتنے یہ عدم ہے یہ قدم ہے

نہ ہو مقبول کیوں میری دعا یہ صاف رستہ ہے
لگی ہیں سیڑھیاں عرشِ بریں تک آہِ پیہم کی

نہ تو صحرا ہی خوش آتا ہے نہ گلزار مجھے
تو نے رکھا نہ کہیں کا بھی دلِ زار مجھے

نہ ملا خاک میں اے دیدۂ خوں بار مجھے
دیکھ تو لینے دے جی بھر کے رخِ یار مجھے

آپ نازک ہیں اگر دیجئے تلوار مجھے
ایک سر کیلئے اور آپ سے انکار مجھے

جبیں سائی کرتا ہوں لیکن خجل ہوں
کہ قابل نہیں سر ترے آستاں کے

جس طرف رخ وہ کر کے بیٹھ گئے
سینکڑوں آہ بھر کے بیٹھ گئے

ہائے اشکوں کی میرے طغیانی
در و دیوار گھر کے بیٹھ گئے

دیکھ کر حالِ حضرتِ موسیٰ
دل ہی اہلِ نظر کے بیٹھ گئے

ہیں جو منظور ٹھوکریں کھانی
پاس ہم رہ گزر کے بیٹھ گئے

حالِ دل میرا دیکھ کر تنویر
وہ بھی اک آہ کر کے بیٹھ گئے

توقیر

تخلص۔ مسرور احمد نام۔ نسباً شیخ صدیقی۔ قاضی محمد نور احمد تنویر کے فرزند سوم ہیں۔

وطن و ولادت اور تعلیم و ملازمت | آپ کا اصل وطن قصبہ نرہڑ ضلع شیخاواٹی ریاست جے پور تھا ولادت جے پور میں ہوئی۔ یہیں سے آپنے مہاراجہ کالج جے پور سے بی۔اے پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے "منشی فاضل"۔ ایم۔اے فائنل تک تعلیم جاری تھی کہ محکمہ خاص جے پور میں سینیر کلرک ہو کر مزید ترقی کرنے نہ پائے تھے کہ ملک تقسیم ہو گیا۔ اور ملازمت کو خیرباد کہہ کر پاکستان چلے گئے۔

ادبی خدمات | جب تک جے پور رہے۔ فرائض منصبی کی مصروفیات بعید کے باوجود ادبی خدمات بھی برابر کرتے رہے۔ لٹریری کارپوریشن کے ہوسس صدر جے پور میں آپ ہی تھے۔ ہیلپنگ اسکول جے پور کے نہایت سرگرم ممبر رہے۔ جے پور میں "نذیر احمد ڈے"۔ "اقبال ڈے" وغیرہ کی کامیابی میں آپ کا پورا ہاتھ تھا۔ ایک گلدستہ بطور انتخاب مشاعرہ "تنویر سخن" نامی آپ کی یادگار ہے۔

۱۶ار فروری ۱۹۴۸ء کو آپ پاکستان پہنچے۔ ادبی خدمات کا جذبہ کارفرما ہوا تو اول "بزمِ خلیل" قائم کی۔ پھر "بزمِ سندھ" بنائی جس کا آپ کو بالاتفاق صدر منتخب کیا گیا۔ کچھ عرصے حیدرآباد میں ادبی خدمات انجام دیکر کراچی چلے گئے۔ اور سول واٹر سپلائی بورڈ میں ہیڈ کلرک ہو گئے۔ آج کل وہیں آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں۔

تلمذ و رنگِ کلام | آپ کو آپ کے والد بزرگوار حضرت تنویر سے تلمذ ہے اور وہی رنگِ کلام ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ ذیل میں ملاحظہ ہوں:۔

تھکے ماندے ہیں، راہ عشق ہے دشوار منزل ہے
اُٹھانا اک قدم کا بھی ہم اک منزل سمجھتے ہیں

ہم پریشاں خاطروں کو ہو پریشانی تو ہو
آپ تو ہرگز نہ اپنا دل پریشاں کیجیے

وسعتِ رحمتِ خالق سے اُلجھ بیٹھی ہے
مجھکو کوتاہیِ داماں پہ ہنسی آتی ہے

ثاقب | تخلص، خلیل احمد نام۔ نسباً شیخ مذہباً سُنی حنفی۔ منشی مہر علی کامدار ٹھکانہ رائے پور و جگر کے فرزند دوم ہیں۔

وطن و تعلیم | آپ کے بزرگوں کا اصل وطن قصبہ شیخو پورہ (پنجاب) تھا۔ وہیں آپکی ولادت ہوئی اور میٹرک تک وہاں تعلیم پانے کے بعد اپنے والد ماجد کے پاس بمقام قصبہ ہنڈون علاقہ ریاست جے پور چلے آئے۔ کچھ دن وہاں رہ کر جے پور آئے۔ اور سلسلۂ تعلیم پھر جاری ہوا۔

ملازمت | ابھی فارغ التحصیل نہ ہوئے تھے کہ جے پور کے محکمہ ایکسائز میں انسپکٹر ہو گئے۔ فرائض شناسی کا غیر معمولی احساس ہونے کے باعث ایسے کارہائے نمایاں کئے کہ آج تک بطور مثال آپ کا نام لیا جاتا ہے اسی حُسنِ کارگزاری کے باعث آپ کو محکمہ گرو سور فوڈ میں تحصیلدار کیا گیا اور بہت جلد ہی۔ ایس۔ ڈی۔ او ہو گئے۔ سخت کوشی و فرائض شناسی کی شہرتِ عامہ کے باعث حاسدوں کا پیدا ہونا بھی ضروری تھا۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے انقلابی دور سے بہتر اور کونسا وقت ہو سکتا تھا۔ چنانچہ آپ کی جانب بھی سہامِ الزام چلنے کو تھے کہ آپ ترکِ ملازمت کر کے پاکستان چلے گئے۔

پاکستانی زندگی | پاکستان پہنچکر حیدرآباد سندھ میں غلہ کی تجارت بڑے پیمانہ پر کر رہے ہیں۔

اخلاق و عادات | نہایت متواضع۔ اور مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ۔ احباب کی مدارات پر بے دریغ خرچ کرنے والے فیاض۔ مگر اپنے حالات اور کلام عطا کرنے میں قارونِ عصر۔

تلمذ و شاعری | آپ کی شاعری قیدِ تلمذ سے آزاد ہے۔ اور طبعِ آزاد تتبعِ شعرا سے بے نیاز۔

آپ نہایت غیور و طباع اور بذلہ سنج ہیں۔ شعر کہنے کا ایک خاص

انداز و اسلوب ہے۔ مشاعروں کی شرکت سے ہمیشہ آزاد رہے اور بلا وجہ محض تفنناً بھی بہت کم اشعار کہے۔

ایک بند ترکیب بند کا بمدح سر مرزا اسمعیل پرائم منسٹر جے پور اور دو بند ایک مخمس کے جو "نذیر احمد ڈے" پر آپ نے پڑھا تھا ذیل میں درج کرتا ہوں رنگِ طبع اور زورِ بیان ان سے واضح ہو گا:۔

آج ہر فردِ بشر کیوں نہ ہو بیخود واللہ — آج جے پور بھی کیوں نازشِ یکسو نہ ہو
کیوں نہ طہران سے شیراز سے سبقت لیجائے — رشکِ غزنی نہ ہو کیوں غیرتِ صد غور نہ ہو
آئی ہے اپنے چمن میں جو بہارِ فردوس — کیوں نواسنجی مرغانِ چمن اور نہ ہو
کیوں نہ آئینِ مساوات کو حاصل ہو فروغ — محو کس طرح طریقِ ستم و جور نہ ہو
بسکہ وہ نکتہ ور و عاقل و دانا آیا
وہ مقنّن وہ مدبّر وہ یگانا آیا

باغِ اردو کی بہارِ جانستاں — محفلِ انشا کی شمع ضوفشاں
ملک بھر میں ٹھیٹھ دلی کی زباں — اے نذیر نازشِ ہندوستاں
تیرے فیضانِ رقم سے برقرار

مرتبہ اردو کو یہ تو نے دیا — پا گئی علمی زبانوں کی فضا
رشکِ صد خورشید ذرہ کو کیا — تو جیا جب تک اسی دھن میں جیا
رشکِ صد ایثار ہے تیرا شعار

ثمر — تخلص، مطیع اللہ نام۔ میرٹھ وطن تھا۔ مولانا اطہر کے خویش اور شاگرد تھے۔ بتلاشِ معاش جے پور آئے۔ ایم۔ اے پاس تھے بسر رشتہ تعلیم میں ملازمت پسند کی۔ متعدد مدارس میں معلم رہے۔ شطرنج کے بیحد شائق تھے۔ سنہ ۱۹۳۵ء کے آل انڈیا مشاعرے جے پور کے نہایت سرگرم کارکن رہے۔

تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ شعر و سخن سے کافی دلچسپی تھی۔ غزل کی بجائے نظم زیادہ کہتے تھے۔ اور اس میں کوئی نہ کوئی پیامِ حیات دیتے تھے۔ دو نظموں کے چھ اشعار بطور نمونہ کلام حسب ذیل ہیں :۔

چھیڑ سازِ قلب کو اور پھر صدائے ساز دیکھ
گنبدِ دُنیا میں اپنی قوتِ پرواز دیکھ

اُڑ رہا ہوں بازوؤں پر تول کر اپنا قفس
دیکھ اے صیّاد میری طاقتِ پرواز دیکھ

سعیِ لاحاصل سے بھی ہوتا ہی حاصل کچھ نہ کچھ
صورتِ انجام سے انجام کا آغاز دیکھ

کچھ مقصد لے کر آتا ہے اس دنیا میں جو آتا ہے
محرومِ عمل جو رہتا ہے وہ جیتا ہی مرجاتا ہے

ہر ایک مصیبت دنیا میں پیغام خوشی کا لاتی ہے
گلشن میں خزاں کا آنا ہی اُمیدِ بہار دلاتا ہے

ہر رات کے پچھلے حصّہ میں کچھ دولت لٹتی ہوتی ہے
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے

جانباز تخلص۔ اصل نام عبد الوحید خاں ہے۔ مگر مشہورِ عوام کالے خاں ہے اور اسی نام سے آپ متعارف ہیں۔ اصل وطن ٹونک ہے مگر عرصہ دراز سے جے پور میں سکونت ہے۔ ٹھکانہ[1] نائلہ میں موٹر ڈرائیور ہیں۔ اڑتیس سال سے شعر کہتے ہیں۔ تلمذ کی بابت فرماتے ہیں :۔

مرا اُستاد ہے دیوانِ مومن

قطعات خوب کہتے ہیں۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے :۔

نہ دیکھو چارہ سازو زخمِ دل تم دور ہو جاؤ
یہ قاتل کی نشانی ہے اسے بسمل سمجھتے ہیں

خدا کی شان ہے مجھ سے وہ کہتے ہیں سرِ محفل
کہ ہم جانباز بس تجھکو کسی قابل سمجھتے ہیں

جلالی تخلص۔ آپ کا حال "تذکرہ کاملانِ رام پور" مطبوعہ ہمدرد پریس بماہ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء میں حافظ احمد علی خاں شوق نے بہ صفحہ ۸۹ حسب ذیل درج کیا ہے :۔

---

[1] مقامی اصطلاح میں بمعنی سرکار ۱۲

"مولوی جلال الدین احمد خاں جلالی۔ ولد حاجی رحیم الدین خاں قوم افغان محلہ بنگلہ آزاد خاں میں رہتے تھے۔ رام پور میں ۱۵ر شوال سنہ ۱۲۴۵ھ کو پیدا ہوئے۔ کتب فارسی مولوی غیاث الدین و شیخ احمد علی سے پڑھیں۔ عربی دیگر علمائے رام پور سے حاصل کی۔ مختلف مقامات پر ملازمت کی۔ آخرِ عمر میں صاحبزادہ زین العابدین خاں صاحب بہادر عرف کلن خاں کے ہاں جے پور میں ملازم تھے۔ بحالتِ ملازمت جب رام پور تشریف لائے تو راقم کے والد کے پاس مقیم ہوئے تھے۔ اُن سے نہایت اتحاد تھا۔ بہت باوقار، کم سخن اور بافہم تھے۔ عربی، فارسی میں اعلیٰ استعداد تھی۔ صوم و صلوٰۃ کے سخت پابند تھے۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں کبھی کبھی نظم بھی لکھتے تھے۔ جے پور سے ترکِ تعلق کے بعد رام پور میں خانہ نشین رہے۔ رام پور اور جے پور میں سینکڑوں شاگرد ہیں۔ حضرت شاہ سعید احمد صاحب مجددی دہلوی سے بیعت تھے۔ شعبان کی گیارھویں تاریخ سنہ ۱۳۰۳ ہجری کو انتقال فرمایا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ مولوی سراج الدین احمد خاں رام پور میں اور حافظ معز الدین خاں نائب بخشی فوج جے پور میں دو فرزند زندہ موجود ہیں۔"

شانِ علم | مولانا جلالی اور مولانا تسلیم میں کمال اتحاد تھا۔ جس کے ثبوت میں مولانا تسلیم کے کلام میں متعدد قطعات و اشعار ملتے ہیں۔ چنانچہ ایک بار جب مرزا کمال الدین سنجر ژندا ایرانی سے مولانا جلالی کو ملاقات کرنا تھی تو مولانا

تسلیمؔ نے مرزا سنجرؔ کو یہ قطعہ ارسال کیا:-

کمالِ صورت و معنیٰ جنابِ میرزا سنجرؔ　　　رہ میرزادانِ قزدینی سرِ خاصانِ ایرانی
گزارش ناگزیر آمد نہ تنہا از ضمیر آمد　　　کہ از پیشِ امیر آمد قبولش باد ارزانی
جلیل القدر مولانا جلال الدین احمد خاں　　　امینِ دولتِ نوابِ زین العابدین خانی
بحسبِ امرِ آقائے خود آں نوابِ والا فر　　　بخدمت ساعت ہشت آیدت امروز تا دانی
منِ تسلیمؔ ہم ہمپائے مولانا شوم حاضر　　　کہ از ابرِ دولت دارم ہوائے گوہر افشانی

ایک قطعہ اور ملاحظہ ہو:-

پنجشنبہ است و سرِ شام و ہواداراں را　　　بہرِ تفریح و تفرج سرِ سیرِ صحرا است
بادۂ شوق بجوش آمدہ و مطربِ طبع　　　بنوا ایست و گلِ داغِ جگر نفحہ کشا ست
بادہ و مطرب و گل جملہ مہیا ست ولے　　　عیش بے یار مہیا نشود یار کجا ست
کیست آں یارِ وفادار جلال الدین ست　　　کہ جلالیؔ لقب آرا و محبت سیما ست
وعدۂ دی کہ بجا رفتہ وفا کن امروز　　　تو کریمی و کریم اِنَّ اِذَا وعدُ وفا ست

اسی اتحاد و اخلاص کی بنا پر مولانا جلالیؔ و تسلیمؔ میں اکثر علمی مباحث ہوتے رہتے تھے۔ ان کی یہاں گنجائش کہاں! صرف ایک قطعہ اسمی مولانا جلالیؔ منجانب مولانا تسلیمؔ درجِ ذیل کیا جاتا ہے۔ جس سے ان بزرگوں کے خلوص و ذوقِ علم کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ اور یہ کہ اندازِ بحث و اسلوب خطاب کیا ہوتا تھا:-

دوش با عقل در سخن بودم　　　گفتم اے رازدانِ لیل و نہار
چیست ماہیتِ زماں، گفتا　　　خود تو دانستہ باشی از اسفار
کہ کمِ غیر قارِ متصلست　　　نہ درو ہیچ فرّت و نہ قرار
گفتم آرے کم است و متصل است　　　غیر قار ولے مگو زنہار

دیدمستش بیک قرار آرے　　ہمدریں ہفتہ پنجروز کہ چار
رفتہ و پنجشنبہ ہست ہنوز　　بہماں حالت و بہماں مقدار
عقل باور نداشت گفتارم　　برترآشفت وگفت۔ ہی پندار
پنجشنبہ چہار روز بود　　کیست تا در پزیرد ایں گفتار
گفتم اے بے خبر نمی دانی　　کہ مرا خواجہ ایست مہر آثار
رازدانِ حقائقِ ایام　　نکتہ سنجِ دقائقِ ادوار
سندی مولوی جلال الدیں　　کہ خدا داردش جلال و وقار
گفتۂ من ہمہ زکردہ اوست　　من دگفتار و خواجہ و کردار
قالِ من، حال اوست تا دانی　　کہ بود فرق درمیاں بسیار
خدمتش رو کہ بر تو بکشاید　　عقدۂ راکہ دانیش دشوار
ایں زماں می فرستمش بر تو　　تا بفہمانیش حقیقتِ کار
اے تو حاکم میانۂ من و عقل　　پردہ از صدقِ دعویم بردار
پس بفرما و حکم کن کہ زماں　　غیر قار است ایں زماں یا قار
اے زمانِ تو قار با جہتین　　آں یکے فرد و دیگر استقرار

بندہ تسلیم تست و داعی تست
دائماً بالعشی والابکار

۲۲ جمادی الاخری ۱۲۹۵ھ

کلام کی عدم دستیابی | مولانا جلالی کا کلام دستیاب نہ ہونے کا مجھے نہایت افسوس ہے۔ نہ آپ کے بڑے پوتے مولوی امیرالدین خاں شوخ مقیم پاکستان سے بجز ایک شعر مجھے کوئی ادبی سرمایہ میسر آیا۔ نہ پروفیسر محمد حامی الدین خاں ایم۔ اے، حال ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی اسکول جے پور مولانا کے نبیرۂ خورد سے کچھ دستیاب ہوا۔ مجبور محض تبرکاً۔ اور بطور یادگار

دو قطعات تاریخ درج ذیل کرتا ہوں۔ پہلا نواب زین العابدین خاں کی بیگم کی قبر سے لیا گیا ہے۔ اور دوسرا۔ اُن کی مسجد سے :-

دختر یوسف علی خاں تاجدارِ رام پور بانوئے نواب زین العابدین خانِ غمیں
بیگمہ صاحب کہ مثل او نہ بودہ در جہاں درکمال و در فضائل در مدائح بالیقیں
باجلالی گفت تاریخش سروشِ سرمدی داد داور رتبۂ بالا بفردوس بریں

۱۲۸۶ھ

ساخت مسجد چو عابدِ ذی جاہ در عبادت جہاں شدہ راغب
سالِ تاریخ او جلالی گفت مسجدِ باغ بیگمہ صاحب

۱۲۸۸ھ

شعر یہ ہے :-

اے سیلِ گریہ رحم بحالِ منِ حزیں غم خانۂ مرا در و دیوار نازک است

جنوںؔ

مختصر حالاتِ زندگی

تخلص۔ علی شیر خاں نام، مہندر گڈھ ضلع نارنول کے رہنے والے تھے۔ جے پور کی فوج میں ملازمت کی۔ اور پنشن یاب ہو کر یہیں کے ہو رہے۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے درویش مجاز و مرتاض تھے۔ اور متعدد لوگ آپ کے مُرید تھے۔ محلہ اسباطیان کے ایک مکان میں معتکفانہ رہتے تھے۔ نمازِ جمعہ و عیدین کے سوا شاذ و نادر ہی گھر سے نکلتے تھے۔

وفات سنہ ۱۹۱۰ء میں آپ کا وصال ہوا۔ شرکتِ جنازہ کے لئے مولانا سراج الدین احمد سراج کنتوری بھی حاضر ہوئے۔ جنازہ روانہ ہونے سے چند منٹ پہلے حضرتِ جنوںؔ کے خلیفۂ مجاز مولوی ہدایت علی خاں رح نے مولانا سراج سے تاریخِ وصال کی استدعا کی تو انھوں نے فی البدیہہ پہلے مصرعِ تاریخ سنا دیا اور چند منٹ میں تین مصرعے ضم کرکے یہ قطعہ پیش کیا۔

جنابِ شاہ علی شیر خاں چو روئے نہفت | سیاہ روز جہاں شد بچشم اہلِ دل
بلوحِ قبر نوشتم سراج سالِ وفات | مزارِ پاکِ علی شیر خاں ارم منزل
۱۹۱۰ء

جے پور میں بیرون گھاٹ دروازہ آپ کا مزار ہے۔

شعر و سخن | ایک مخمس کے تین بند کے علاوہ جو مولوی عابد علی عابد مرحوم کی بیاض میں شنہ ۱۹۰۰ء سے درج ہیں اور کوئی کلام نہ ملا۔ وہی ہدیۂ ناظرین ہیں۔ مولوی منظور احمد کوثر کا فرمانا ہے کہ حضرت شاعر نہ تھے بلکہ یہ مصرعے اُن جنوں کے ہیں جن سے چاند خاں عطا مرحوم اصلاح لیتے تھے۔ اور جنوں جے پور کی کسی پلٹن میں ملازم تھے۔ منشی منصور علی خاں بسمل کا قول ہے کہ ایک شاہ صاحب تھے جو قلندرانہ وضع میں رہتے تھے۔ یہ شعر اُن کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (بہر حال ہیں کسی جے پور کے شاعر کے)

مانا کہ ہاں زاہد ہو تم، میں رندِ مے آشام ہوں | اور نیک کہلاتے ہو تم دنیا میں، مَیں بدنام ہوں
حاصل ہے تم کو مدعا بالفرض، میں ناکام ہوں | پھر کیا ہوا یوں بھی سہی تم پختہ ہو میں خام ہوں

عیسٰے بدینِ خویشتن موسےٰ بدینِ خویشتن

ڈاڑھی بڑھا کر آپ تو لے بیٹھے تسبیح ریا | تا کہ خلقت یوں کہے ہیں شیخ صاحب پارسا
جب ہم نے یہ دیکھا کہ نفس اس بات سے راضی ہوا | تو ہم قلندر بن گئے کر ڈالے چار ابرو صفا

عیسیٰ بدینِ خویشتن موسیٰ بدینِ خویشتن

عابد ہو یا زاہد کوئی یا رندِ ساغر نوش ہو | سرمست از سر تا بپا جوں بادۂ سر جوش ہو
ہیں اپنے اپنے واسطے ہشیار ہو مدہوش ہو | تجھکو کسی سے کیا غرض تو اے جنوں خاموش ہو

عیسٰے بدینِ خویشتن موسےٰ بدینِ خویشتن

جوشش

تخلص۔ رضی الذکا، نام، قصبہ بنت ضلع مظفر نگر وطن مولوی اشفاق رسول

ابتدائی حالات | جوہر کے فرزند جے پور میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کر کے

اول ریاست جے پور میں تحصیلدار ہوئے پھر مجسٹریٹ ضلع ہو گئے کسی سبب سے سبکدوش ہوئے تو سیکر میں کامیابی کے ساتھ وکالت کرتے رہے۔ مرضِ فالج نے بیکار کر دیا اور قوتِ نطق سلب ہو گئی تو وطن چلے گئے۔

شعر و سخن | شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی اور اچھا کہنے والوں میں تھے۔ حضرت آگاہ سے تلمذ تھا۔ کلام میں جوش و آمد ہے مشاعروں میں تحت اللفظ بہت اچھا پڑھتے تھے۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے :۔

ہوتے ہیں ستم مجھ پہ یہ مستانہ ادا میں
تھامے ہی ترا ہاتھ عدو لغزشِ پا میں

اُسی پر کچھ اثر ہوتا ہے جس کے سوز دل میں ہو
اکیلی شمع مجھ پر رو رہی ہی بزمِ ماتم میں

نہ کیونکر کھُلیں راز۔ دردِ نہاں کے
خموشی نے سیکھے طریقے بیاں کے

جوشِ جنوں میں جوش تمہیں کچھ خبر نہیں
ہر ہر قدم جہاں میں نیا خار زار ہے

جوہر

تخلص، منشی محمد اشفاق رسول ۔ تاریخی نام ہے۔ اصل وطن قصبہ بنت ضلع مظفر نگر تھا۔

مولد و خاندانی حالات | حضرتِ جوہر کا مولد جے پور ہے۔ آپ کے جدِ امجد مولوی غلام حیدر بعہد مہاراجہ رام سنگھ جے پور آئے اور محکمۂ پنچایت میں سر رشتہ دار ہو گئے، اور آپ کے والد مولوی نقی ہاشم نے بھی یہیں ملازمت کی اور نیابتِ نظامت تک پہنچے۔

تعلیم و تربیت اور ملازمت | حضرت جوہر نے جے پور ہی میں متداولہ کتابیں مولوی محمد امان سے پڑھیں اور کثرتِ مطالعہ و رجحانِ طبعی سے فارسی و عربی میں عمدہ استعداد حاصل کر لی۔ قوی حافظہ کے باعث تبحرِ علمی پیدا ہوا۔ ملازمت کا سلسلہ بھی جے پور ہی میں شروع ہوا اور محکمۂ محتشمۂ عالیہ کونسل کی سر رشتہ داری تک ترقی کی۔

ترکِ ملازمت و وکالت کسی باعث ملازمت سے سبکدوش ہو کر وکالت شروع کی تو چوٹی کے وکیلوں میں شمار ہوئے اور انجمنِ وکلا کے برسوں تک صدر رہے۔

وضع و قطع تمدنِ قدیم اور مشرقی تہذیب و وضع کے نمونہ تھے، کبھی نہ چھتری لگائی نہ لکڑی ہاتھ میں رکھی، کسی دوکان سے کبھی خود سودا نہ خریدا۔ نہایت باوقار اور بھاری بھرکم۔ خاص وضع و قطع پر سختی کے ساتھ تمام عمر قائم رہے۔ نہایت خوددار اور قدیم رکھ رکھاؤ کے آئینہ دار تھے۔

قومی خدمات "اسلامی پنچایت" اور مسلم مڈل اسکول کے بھی آخر عمر تک صدر رہے۔ اسی طرح "بزمِ احباب" اور "کتب خانۂ احباب" کے بھی رُکن رہے اور ایک "بزمِ ادب" کے صدر بھی۔

شغفِ شاعری و تلمّذ مولانا کو شعر و سخن سے سنِ شعور ہی سے شغف تھا اور سید امراؤ مرزا انور سے تلمذ۔ فکرِ شعر کرتے وقت ایک استغراقی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ کثرتِ مشق اور ذوقِ صحیح کے باعث بہت جلد صفِ اساتذہ میں آ گئے تھے۔

مشاعرے میں غزل پڑھتے تو بزم پر چھا جاتے۔ شعر کا ایک ایک حرف بلکہ حرکت تک واضح کر کے نہایت موثر و ولولہ انگیز تحت اللفظ پڑھتے تھے۔ آپ کی طرزِ خواندگی اس قدر موثر تھی کہ سرد شعر بھی اوروں کے گرم شعر کی برابر داد پاتا تھا۔ بزم گاہ شورِ تحسین و داد سے گونج اُٹھتی تھی۔

شاگرد کرنے سے گھبراتے تھے، مگر جن کو اصلاح دیتے تھے ان کا کلام بہت بلند ہو جاتا تھا۔

مولانا اپنے کلام کے جانی دشمن تھے۔ نہ کبھی بیاض رکھی نہ مسودات محفوظ کئے۔ مشاعرے میں غزل پڑھتے تو ایک چھوٹا سا کاغذ کا پرزہ دیا سلائی

کی پیٹی کے برابر نکلا جس پر بالعموم قافیئے یا شعر کا پہلا لفظ لکھا ہوتا تھا۔ اسی سے غزل پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ اور پھر اکثر اس پُرزے کو وہیں ڈال دیتے یا میرِ مشاعرے کے حوالہ کر دیتے۔ اس لئے آپ کا کلام کمیاب ہے۔

آخر عمر میں جب دست و پا کے ساتھ حواس بھی کچھ جواب دینے لگے تھے تو سرمد و خیام کی رباعیاں اور بیدل کے اشعار پڑھتے رہتے تھے۔

وفات و جانشینی | مولانا نے اپنی حیات ہی میں اپنا شعر و سخن کا جانشین اپنے شاگردِ رشید منشی محمد ایوب خاں فضا کو مقرر کر دیا تھا۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں مولانا نے وفات پائی۔ فضا صاحب نے اُن کا تعزیتی مشاعرہ کیا جس میں مقامی شعرا نے قطعاتِ تاریخِ وفات پڑھے۔ فضا صاحب نے بطور مرثیہ ایک مسدس سنایا جس میں مولانا کی بعض خصوصیات بیان کی ہیں۔ اُس کا ایک بند درج ذیل ہے :۔

کہتا کوئی بُرا تو بُرا مانتے نہ تھے — دشمن کی دشمنی کو وہ گردانتے نہ تھے
ظالم سے انتقام کی وہ ٹھانتے نہ تھے — اپنے سوا کسی کو بُرا جانتے نہ تھے

آتی نہ تھی کسی کی شکایت زبان پر
جب تک رہے، رہے وہ اسی آن بان پر

کلام پر تبصرہ | طرزِ ادا میں زورِ بیان میں ندرت۔ تخیل کی بلندی۔ مولانا کے کلام کی خصوصیت ہے۔ طبیعت پر فارسی کا غلبہ ہے اس لئے بعض ترکیبیں اہلِ فارس کی بآسانی استعمال کر جاتے ہیں اور کبھی کبھی فارسیت میں ڈوبا ہوا شعر کہتے ہیں مثلاً :۔ میں ہوں اور اک تسلسلِ شبہائے تار ہے — کس کا خیال شانہ زنِ زلفِ یار ہے

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے :۔

یہ محتسب کا نیا رنگِ احتساب ہوا — کہ میکدے میں جو آیا تو خود خراب ہوا
خجل ہوا ہوں نہ کیا کیا میں داد خواہی سے — کہ پیشِ داورِ محشر وہ لاجواب ہوا

سبھی تکنے لگے جب غیر کو اب مُنہ چھپاتے ہو — اشارے بزم میں کرنا اور اتنے بدنما کرنا
اللہ رے تیرے سامنے مر جانے کی اُمنگ — تیر نگہ اُدھر سے چلا اور اِدھر سے ہم
کیسی لپٹ لپٹ کے چلی زلفِ یار سے — کیا کیا غبار رکھتے ہیں بادِ سحر سے ہم
کیا تو نے ملایا ہے مئے ہوش رُبا میں — ہشیار و سیہ مست ہیں سب ایک ہوا میں
پابندِ نقاب اُن کی تجلی نہیں ہوتی — ناخن نہ سہی پنجۂ ہر عقدہ کشا میں
دیکھا بھی کہ آخر وہ اسی دل میں سمایا — جس غم کی سمائی نہ ہوئی ارض و سما میں
شوخی سے تو آپے میں سماتے نہیں جلوے — کیا شمع صفت چھپتے ہو فانوسِ حیا میں
کچھ اگر خاطرِ دل پاسِ جگر رکھتے ہیں — اُڑ کے آجائیں ترے تیر کہ پر رکھتے ہیں
گو نہیں چلتے ہو تم پاؤں زمیں پر رکھ کر — فتنے اُٹھ اُٹھ کے مگر پاؤں پہ سر رکھتے ہیں
مری حالت کا نقشہ کچھ نظر آئے زمانے کو — اگر روزِ جزا تصویر بن جائے شبِ غم کی
کیا اب بھی کہو گے اُسے مجھ سا ہی وفادار — پروانے کی ہر شمع پہ حالت نہیں دیکھی
تھا جلوہ سرِ بام بھی پردے کے برابر — انبوہِ نظر میں تری صورت نہیں دیکھی
زمینِ طلب کی بلندی نہ پوچھو — کہ ہمسر ہوا کوہِ طور آسماں کے
نہ حسرت نکالیں نہ یہ آپ نکلیں — خدنگِ نظر ایسے آئے کہاں کے
کسی کی نظر سے نہ ہو رنگ میلا — چھپے بیٹھے ہو دلمیں سارے جہاں کے
دشمن بکام درپئے دلہائے زار ہے — اس شان سے کہ یاس بھی امیدوار ہے
تسکیں ملی تپیدنِ پیہم سے اس قدر — اپنی زباں میں نام تپش کا قرار ہے
اپنی ہی یہ نمود کہ اک پیکرِ خیال — تصویر بن کے دوشِ ہوا پر سوار ہے
جوہر مزے ستم کے اُٹھائے ہیں بیشمار — منّت اُٹھانا اور بروزِ شمار ہے

جویا تخلص، اور بعض جگہ میر بھی کیا ہے۔ محمد علی نام نسباً سیّد۔ وطنِ اصلی مراد آباد۔ پیر جی غلام حسین جاگیردار بچھراؤں کے نواسہ تھے۔

جے پور میں آمد اور ملازمت | صاحبزادے زین العابدین خاں عابدؔ رامپوری کے متوسلین میں تھے۔ اُن کے ساتھ یا اُن کے بعد جے پور آئے۔ اور یہاں نائب کوتوال ہو گئے سکنی جائداد بھی خرید کر مستقلاً سکونت اختیار کی۔

اخلاق و عادات | سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ وضعداری کا یہ حال تھا کہ زمانۂ ملازمت میں کبھی سوار ہو کر نہ نکلے۔ گھر سے کوتوالی یا کوتوالی سے کہیں موقع پر جاتے تو ہمیشہ پیدل۔ سواری کا گھوڑا کسا کسایا کوتل پیچھے پیچھے ساتھ ہوتا۔ احباب نے دریافت کیا تو جواب دیا کہ "میاں! آج تو یہ ملازمت ہی۔ کل نوکری نہ رہی تو پیدل ہی پھرنا پڑے گا۔ پھر لوگ کیا کہیں گے؟

کوئی شخص کسی واقعہ کی تاریخ مانگنے جاتا تو اخلاق سے پیش آتے۔ حُقّہ بہت پیتے تھے۔ ایک کش لگایا اور فوراً مادّۂ تاریخ کہہ دیا اور اسی وقت مصرعے لگا کر اُس کے حوالہ کیا۔ اکثر واقف کار راستے میں یا بحالت انجام دہی کارِ منصبی مادّۂ تاریخ پوچھ بیٹھتے تھے۔ دماغ اس قدر حاضر تھا کہ فوراً مادّہ تجویز کیا اور مصرعے چپاں کر کے سُنا دیا۔

ایک بار جناب نے مشاعرہ کیا۔ شعرا وقت کے پابند تو ہوتے ہی نہیں۔ آپ کے مزاج میں چونکہ مزاح بھی تھا اُسی کے مظاہرہ کو یہ مشاعرہ کیا تھا۔ آپ میر مشاعرہ کی حیثیت سے ٹھیک وقت پر بزم گاہ میں آ گئے۔ جیسے جیسے شاعر آتا گیا۔ غزل سُنتے گئے اور رخصت کرتے رہے۔ لوگوں نے کہا تو جواب دیا کہ "اصل میں غزل تو میر مشاعرہ کو سُنانی ہوتی ہے۔ مجھے سنا دیجئے۔ اور چاہے تشریف رکھئے یا آرام فرمائیے"۔

تلمذ و شاعری | رشکؔ لکھنوی سے تلمذ تھا۔ فنِ شعر و نکاتِ سخن سے خوب واقف تھے۔ ہر صنف میں طبع آزمائی کی قدرت تھی۔ مگر تاریخ گوئی میں اپنا جواب آپ تھے۔

تاریخ گوئی | تاریخ گوئی کا کمال آپ کو ایسا عطیۂ وہبی تھا کہ جس کا جواب کم از کم میری نظر سے تو نہیں گزرا۔ اس کا ثبوت آپ کی تصنیف سرودِ غیبی ۱۲۹۲ کے مطالعہ سے ملتا ہے۔ جس کا دوسرا ایڈیشن مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ میرے پیش نظر ہے اس کی کچھ تفصیل لکھوں تو ایک جُدا رسالہ مُرتّب ہو جائے۔ مختصر یہ ہے کہ ۱۳۴ صفحات کی کتاب ہے جس میں ۳۰۴ قطعات، مثنویاں، رباعیات، قصائد اور غزلیات ہیں اور کچھ خطوط نثر میں ہیں اور وہ سب تاریخی ہیں۔ عجیب عجیب صنعت سے تاریخیں نکالی ہیں۔ بعض صنعتیں خود ایجاد کی ہیں عربی فارسی اور اُردو کے علاوہ سنسکرت، ہندی، انگریزی پشتو، پنجابی اور جے پور کی جھاڑ شاہی زبان میں بھی پورے پورے تاریخی مصرعے کہے ہیں۔ اور ہر مادّہ اپنے واقعہ پر دلالت کرتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ایک مصرع سے ایک لاکھ بارہ ہزار مادّے نکالے ہیں۔ اس دماغ کا اندازہ کرنا ہرگز آسان نہیں۔

فنِ تاریخ گوئی کے متعلق بھی اس میں کافی مواد ملتا ہے۔ اس فن سے ذوق رکھنے والے اصحاب کے دیکھنے کے قابل کتاب ہے۔

آپ کی نسبت مولانا تسلیم اسی کتاب کی تقریظ میں رقم فرماتے ہیں کہ:۔

"ملکۂ خداداد کا یہ حال ہے کہ جویائے تاریخ کی تاریخ طلب کرنے میں جس قدر ساعت صرف ہوتی ہے گویائے تاریخ کو کہ حضرتِ جویاؔ ہیں سلمہ اللہ تعالیٰ تاریخ نکالنے میں نہیں لگتی۔"

یہ تو تحقیق نہ ہو سکا کہ اس کمال نے آپ کو کیا نفعِ مالی پہنچایا۔ البتہ یہ کتاب نواب میر امیر علی خاں والیِ خیر پور (سندھ) کے نام پر معنون ہے جن کی مدح کرتے ہوئے۔ جویاؔ لکھتے ہیں کہ:۔

"ہر چند کہ جویاؔ اس گلشن میں ہے مگر اس کا نواسنج مہدی علی خاں

ذکی نے والیِ لکھنؤ کے اوصاف میں بارہ شعر کہے۔ خلعتِ جاگیر و فیل سے ممتاز ہوا۔ جویا نے علیٰ قدرِ مراتب وہ کچھ کہا کہ جس کے جلدو میں عمر بھر کو بے آز ہو گیا۔ کیوں نہ ہو کہ اُس کی ذات فیض آیات مشہورِ جہات ہے۔ اس رسالۂ بے بہا کو اُس کے نامِ نامی پر تالیف کیا ہے۔"

بلاشک "تاریخ بر نیاید تاریخ بر نیاید" مگر جویاؔ کا کمال دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ اُن کو شاید تاریخ کہنے میں راحت و مسرّت محسوس ہوتی تھی۔ جس کا اندازہ سرودِ غیبی کے حسبِ ذیل اقتباسات سے ہو گا۔

(۱) صنعتِ صوری و معنوی۔ الفاظ سے عیسوی سنہ اور اعداد سے ہجری نکلتے ہیں۔

لکھا تاریخ کا اچھا رسالہ — ہوئے سب دیکھ اسکو دل سے خوشحال
لیے تاریخ صوری کہہ ہر اک سے — اٹھارہ سے بہتر۔ اس کا ہی سال
۱۲۸۹

(۲) صنعتِ رعنا۔ یعنی حروفِ مہملہ سے علیحدہ تاریخ نکلے اور منقوطہ سے جُدا۔

مثلاً — روضۂ فردوس و رشک صد جمالِ ہر ورق

از حروف مہملہ ۱۲۸۳۔ اور یہی سنہ حروف منقوطہ سے بر آمد ہوتے ہیں۔

(۳) صنعتِ مرصع۔ مادّے کا ایک حرف منقوطہ ہو اور دوسرا مہملہ اور دونوں کو ملا کر سنہ نکلے۔ مثلاً

نواب کی عمر کیا بتاؤں — اکتیس ہے تیس ہے یہی سن
جویا نے کہا کہ میرے نواب — تو خوب رئیس ہے یہی سن
۱۲۸۴

(۴) صنعتِ مشروط۔ مثلاً

حضرت مسکین شاہؒ کی درگاہ واقع جے پور بیرون گھاٹ دروازہ میں نواب فیض علی خاں وزیرِ اعظم جے پور نے مسجد تعمیر کرائی۔ تاریخ کی فرمائش ہوئی

نگرانِ تعمیر کپتان میر جیون علی اور کپتان فیض محمد خاں تھے۔ شرطِ تاریخ یہ تھی کہ قطعۂ تاریخ میں وزیرِ اعظم اور دونوں کپتانوں کا نام ضرور آجائے اور تاریخ گو کا تخلص بھی اور سنین کی وضاحت بھی مگر قطعہ دو شعر سے زائد نہ ہو مادۂ تاریخ پورا مصرع ہو جس سے سنہ عیسوی و ہجری اور بکرمی سمت برآمد ہوں۔ نیز مصرعِ تاریخ میں "اسم اللہ" اور لفظ "کعبہ" بھی ضرور ہو چنانچہ مندرجۂ ذیل قطعہ کہا:۔

بنائے مسجد از جیون علی فیضِ محمد خاں — شد از حکمِ جنابِ فیض علی خانِ سخا بانی
بگفتم سالِ ہجری عیسوی ہندی زنو، جویاؔ — ز اسم اللہ شد تعمیرِ اوجِ کعبۂ ثانی

حل۔ پورے مصرعِ چہارم سے عیسوی سنہ ۱۸۶۶ نکلتا ہے اور حروفِ منقوطہ سے ہجری سنہ ۱۲۸۲ اور نو کے ۵۶ عدد کے تعمیہ کے ساتھ بکرمی سمت ۱۹۲۲ اور یہی مسجد کی تعمیر کے سنین ہیں۔

(۵) صنعتِ نادر۔ اس صنعت میں شمارِ حروف کے عدد لئے جاتے ہیں۔ مثلاً الف کا عدد یک ہے۔ تو یک کے عدد تیس لئے جائیں گے۔ اسی طرح مادّے کے جملہ حروف کے اعداد شمار کئے جائیں گے۔

یہ صنعت نہایت مشکل ہے۔ حکیم مومن خاں مرحوم نے اس صنعت میں صرف ایک تاریخ کسی شخص کی شادی کی۔ الفاظ "ایں نسبت" سے نکالی ہے۔ اور ایک تاریخ مظفر علی گرمؔ کی بھی ہے۔ مگر جویاؔ کے یہاں ایسی کئی تاریخیں ہیں۔

مثلاً ایک تاریخ رئیس رام پور کے فرزند کی ہے:۔

تا جہاں ماند بزیرِ آسماں — بر درش ہر روز و شب ماند خوشی
آنچہ خوش در صنعتِ نوائے فلک — گفتہ ام تاریخِ او۔ باشد خوشی
۱۸۷ھ

حل۔

ی	ش	و	خ	د	ش	ا	ب
دہ	سہ صد	شش	شش صد	چہار	سہ صد	یک	دو
۹	۱۵۹	۶۰۰	۶۹۴	۳۰۹	۱۵۹	۳۰	۱۰

(۶) **صنعتِ ملفوظی حرفی**۔ اس صنعت میں حروف ملفوظی کے پورے عدد لئے جاتے ہیں۔ یعنی زبر و بینات، دونوں کے مل کر پورے عدد سنہ ہو جائیں۔ مثلاً صاحبزادہ زین العابدین خاں عابدؔ کے فرزند کی تاریخ ولادت حسبِ ذیل کہی ہے:۔

دیا حق نے فرزند نواب کو کرے کیوں نہ تعریف مریخ اس کی
کہا مجھ سے ہاتف نے صنعت میں جویاؔ سراجِ سعادت۔ ہے تاریخ اس کی

حل۔

تا	دال	الف	عین	سین	جیم	الف	را	سین
۴۰۱	۳۵	۱۱۱	۱۳۰	۱۲۰	۵۳	۱۱۱	۲۰۱	۱۲۰

مجموعہ ۱۲۸۲ھ

(۷) **صنعتِ بلبیغ**۔ اس صنعت میں شمارِ حرف کو بھی حرف تصوّر کرکے پھر اُس کے عدد لئے جاتے ہیں۔ یہ جویاؔ کی ایجاد ہے۔ اور کسی کے یہاں اس صنعت کی تاریخ نہیں ملتی۔ ملاحظہ ہو ایک ہاتھی کی تاریخ ہے۔ اور کئی قطعے اور بھی ہیں:۔

ایسا ہاتھی کہاں ہے کوہ مثال دہر میں بے عدیل ہے جویاؔ
سال پوچھو تو میں کہوں تم سے اس کی تاریخ "پیل" ہے جویاؔ

حل۔

ل	ی	پ
سی	دہ	دو
شصت۔ دہ	چہار، پنج	چہار، شش
۷۹۹	۲۶۴	۸۰۹

یہ صنعت مشکل ترین صنعت ہی اور اس کو اور بھی مشکل بنا دیا ہے کہ صرف، ایک حرف سے حسب ذیل تاریخ نکالی ہے۔ یہ تاریخ مولانا تسلیمؔ کی ایک تصنیف کی ہے۔

خوب لکھی کتاب معنیٰ ہیں　　کیا عبارت میں صاف ہے جویاؔ
آئی آواز آسماں سے یہ　　اسکی تاریخ کاف ہی جویاؔ
۱۲۸۷

حل۔ کاف　　کہ ۱۲۸۷　　ہا
بست، یک، ہشتاد　　پنج، یک
۱۲۰۲　　۸۵

یہاں یہ اعتراض ہے کہ کاف ایک حرف کب ہے۔ دو ہیں اور دو ہی کے عدد لئے گئے ہیں پھر یک حرفی کہنا غلط ہے۔ خیر رفع حجت کے لئے کاف بیانیہ کی دلیل چھوڑ کر دو حرفی سہی مگر کیا یہ کمال کم ہے۔ جویاؔ نے اس کو یک حرفی تاریخ لکھا ہے۔ آج تک کوئی دوسری مثال اس ترکیب کی نہیں ملتی۔ البتہ یک حرفی تاریخ اور بھی ہیں مگر وہ صنعتِ ضرب میں ہیں۔ مثلاً شیخ محمد جان شادؔ شاگردِ میر کلو عرشؔ خلفِ میر محمد تقی میرؔ کی ایک تاریخ ہے :-

الف بگیر ز فرقِ اسیریِ ممن　　سہ مرتبہ اش ہضا عف مضا عف افزوں کن ۱۲۳۱ھ

(۸) صنعت زبر و بینات۔ اس کی بابت "سرودِ غیبی" کی عبارت حسب ذیل ہے :-

"یہ صنعت معروف ہے۔ لیکن تاریخیں اس میں کم دیکھی ہیں اور جس کو اتفاقیہ کوئی مادہ ہاتھ آگیا۔ اُس کو کمال فخر ہوا چنانچہ ۱۸۷۰ء کے "اودھ اخبار" میں لکھا تھا کہ منشی محمد حسین مورخ

نے حضرت واجد علی شاہ بادشاہ کے غسل کی تاریخ اس صنعت میں لکھی تھی۔ اُن کی طرف سے اشتہار دیا جاتا ہے۔ اور اشتہار کے عنوان پر یہ شعر لکھا تھا:-

کسے گزیں نمط شعرے تواند گفت بسم اللہ ۔۔۔ بشاگردی اوسر می نہم بر پائے او واللہ

اور مادہ تاریخ کے الفاظ غسلِ صحت پر دال نہ تھے بلکہ توصیفانہ تھے اب غور کرنا چاہیے کہ ایک صاحب نے مدّتِ مدید میں تاریخ کہی اور اس کا اشتہار دیا اور تمام ہندوستان میں سے کسی نے اُس کا جواب نہ دیا۔ ورنہ ایک شاعر ایسا دعوے کرے اور تمام ولایت اُس کا جواب نہ دے۔ یہ صنعتِ مذکورہ کی دشواری کا سبب ہے، آخر اس طرف سے قطعات بھیجے گئے تو صدائے برنخاست کا معاملہ ہوا۔ اس صنعت کی چند تاریخیں لکھی جاتی ہیں۔ اس صنعت میں زبر و بینات دونوں سے علٰحدہ علٰحدہ تاریخ مطابق نکلتی ہے۔

یہ تاریخ حضرت قطب الاولیا سیّد الاصفیا، غوثِ وقت پیرِ طریقت واقفِ حقیقت حق آگاہ حضرت حبیب الرحمٰن شاہؒ کی رحلت کی ہے۔

درام کردہ محل روحِ امامِ اہلِ دل ۔۔۔ داد عالم را الم آلامِ درد و ہم ملال

در دلم آمد سرِ سال و ملک الہام داد ۔۔۔ کرد حاصل امر آرام ارم عمدۂ کمال"
۱۲۸۷ھ ۔۔۔ ۱۲۸۷ھ

اس تاریخ میں میر جویاؔ نے یہ اور کمال کیا ہے کہ حروفِ غیر منقوطہ میں مادّہ تاریخ نکالا ہے۔ اس صنعت میں میر صاحب کے متعدد قطعات ہیں جن کو بخوفِ طوالت درج نہیں کیا جاتا ہے۔

حل۔ زُبر۔ سرِ حرف کو کہتے ہیں۔ جس طرح "جیم" کا سرِ حرف جیم ہے، اور

بینات۔ مابقی حروف کو کہتے ہیں جس طرح لفظ جیم میں "یا" اور "میم" ہے۔ صنعت یہ ہے کہ سرِ حروف کے اعداد جمع کئے جائیں تو اُن سے بھی سنہ مطلوب برآمد ہو۔ اور بینات کے اعداد سے بھی سنہ خواہ دونوں ایک ہوں یا مختلف ہوں مثلاً:۔

زُبر۔ ک ۲۰ ، ر ۲۰۰ ، د ۴ ، ح ۸ ، ا ۱ ، ص ۹۰ ، ل ۳۰ ، ا ۱ ، م ۴۰ ، ر ۲۰۰ ، ا ۱ ، ر ۲۰۰ ، ا ۱
م ۴۰ ، ا ۱ ، ر ۲۰۰ ، م ۴۰ ، ع ۷۰ ، م ۴۰ ، د ۴ ، ہ ۵ ، ک ۲۰ ، م ۴۰ ، ا ۱ ، ل ۳۰

میزان سنہ ۱۲۸۶ھ

بینات۔ اف ۸۱ ، ا ۱ ، ال ۳۱ ، ا ۱ ، لف ۱۱۰ ، اد ۵ ، ام ۴۱ ، لف ۱۱۰ ، یم ۵۰
ا ۱ ، لف ۱۱۰ ، ا ۱ ، لف ۱۱۰ ، یم ۵۰ ، لف ۱۱۰ ، ا ۱ ، یم ۵۰ ، ین ۶۰
یم ۵۰ ، ال ۳۱ ، ا ۱ ، اف ۸۱ ، یم ۵۰ ، لف ۱۱۰ ، ام ۴۱

میزان سنہ ۱۲۸۷ھ

(۹) **صنعتِ مربع**۔ یہ وہ صنعت ہے کہ ایک مصرع چونسٹھ (۶۴) بار پڑھا جائے۔ اور نقشہ میں لکھنے سے مُہرہ ہائے شطرنج کی چال پر آوے۔ جو لفظ جس خانے میں ہے اُسی مُہرے کی چال سے مصرع بنے اور تاریخ نکلے۔ چنانچہ رُخ اپنی چال سے اور فرزیں اپنی چال سے اور بادشاہ وغیرہ اپنی اپنی چالوں سے مصرعے اور تاریخ پوری کرتے ہیں۔ مگر پیل دونوں مل کر ایک مصرع پورا کرتے ہیں۔

یہ نقشہ مہاراجہ سوائی رام سنگھ والیِ جے پور کی صحتِ چشم کی مبارکباد میں پیش کیا تھا پورا مصرع تاریخ یہ ہے:۔

حاکمِ عادل، مالکِ نامی، بینا قابل، منصف سرور

نقشۂ شطرنج ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اسی موقع پر ایک اور قطعہ تاریخ بھی اسی مبارکباد کے سلسلہ میں پیش کیا تھا جس سے ہر چہار سنین مُروّجہ نکلتے ہیں اور وہ ۹۶ ترکیب سے پڑھا جا سکتا ہے۔

اور اتنے ہی مادّے قرار پاتے ہیں جس کا ایک مدور طویل نقشہ ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے:۔

مہرِ سخا، ماہِ کرم، دُرِّ عجب سروِ قدے ۱۸۷۱ء — یوسف لقا، لیلیٰ اشیم ۱۲۸۶ھ، عالی نسب نازک سرے

روحِ وفا، ثابت قدم اہلِ ادب لقمان وشے ۱۹۲۸ ب — وصفِ تراجوید قلم اوجِ طرب آید بسے ۱۲۷۸ ف

نقشہ شطرنج

	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	
۱۲۸۸ھ	حاکم	عادل	مالک	نامی	بینا	قابل	منصف	سرور	۱۲۸۸ھ
۱۲۸۸ھ	عادل	مالک	نامی	بینا	قابل	منصف	سرور	حاکم	۱۲۸۸ھ
۱۲۸۸ھ	مالک	نامی	بینا	قابل	منصف	سرور	حاکم	عادل	۱۲۸۸ھ
۱۲۸۸ھ	نامی	بینا	قابل	منصف	سرور	حاکم	عادل	مالک	۱۲۸۸ھ
۱۲۸۸ھ	بینا	قابل	منصف	سرور	حاکم	عادل	مالک	نامی	۱۲۸۸ھ
۱۲۸۸ھ	قابل	منصف	سرور	حاکم	عادل	مالک	نامی	بینا	۱۲۸۸ھ
۱۲۸۸ھ	منصف	سرور	حاکم	عادل	مالک	نامی	بینا	قابل	۱۲۸۸ھ
۱۲۸۸ھ	سرور	حاکم	عادل	مالک	نامی	بینا	قابل	منصف	۱۲۸۸ھ
	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	۱۲۸۸ھ	

(۱۰) صنعتِ نو۔ اس صنعت کی بابت اصل عبارت "سرودِ غیبی" کی حسبِ ذیل ہے:۔

"یہ صنعت وہ ہے کہ ایک مادہ میں ایک لاکھ سے زائد تاریخیں حاصل ہوں اور اس قسم کی تاریخ بھی اور کوئی نظر سے نہیں گزری۔ ایجادِ خامہ جویا ہے۔

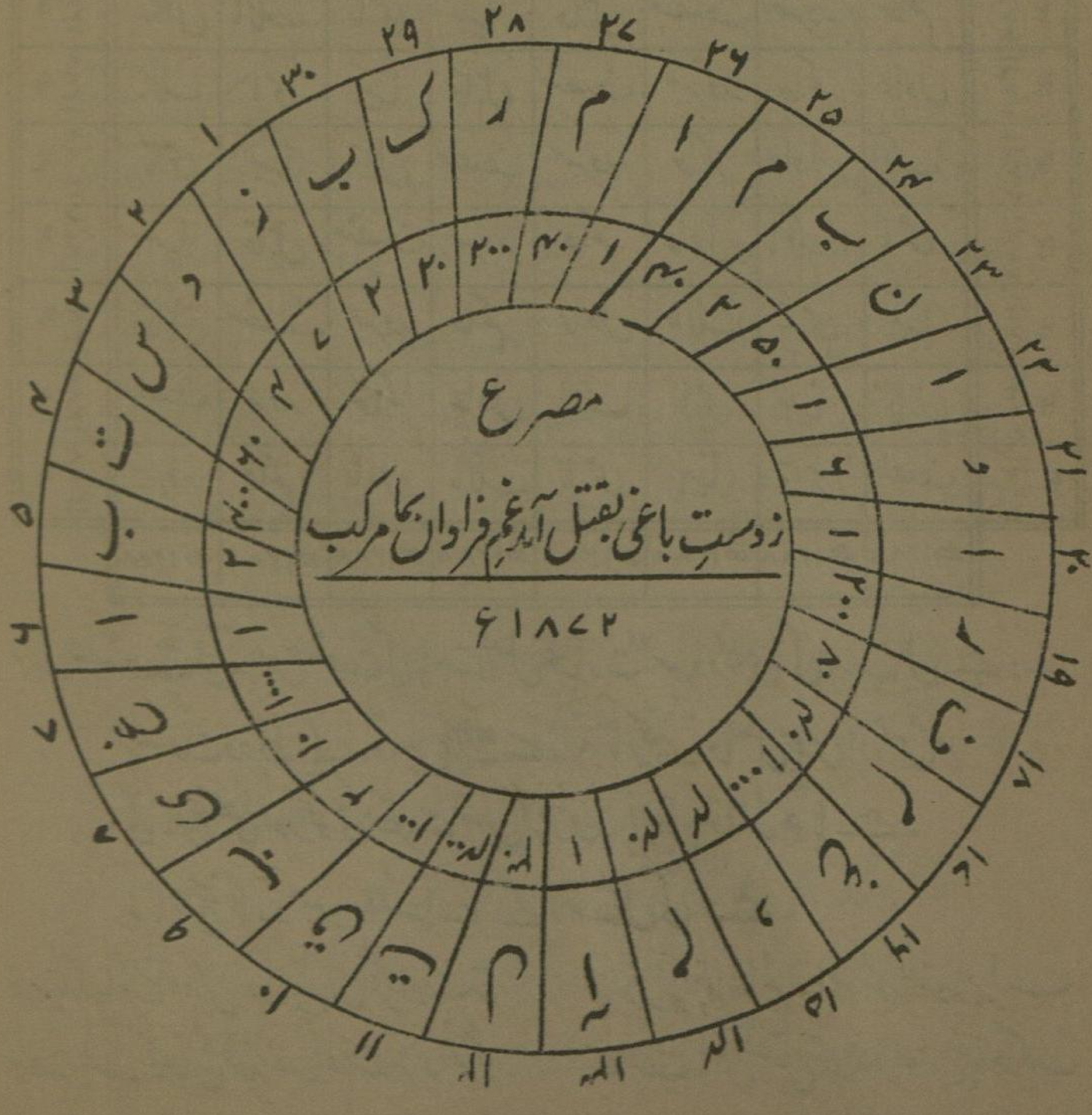
یہ تاریخ لارڈ میو وائسرائے کے انتقال کی ہے۔

خبر بیامد کہ نامُ شاہ ازیں جہانِ فنا گزشتہ — ہزار گریہ بچشمِ عالم تمام شورِ نشور برلب

بگفت ہاتف کہ جانِ واحد صد الم شد ہزار غم گو — زدستِ باغی بقتلِ آمد غمِ فراواں بہ امر کب

۱۸۷۲ء

اس مادّہ سے ایک لاکھ بارہ ہزار تاریخ نکلتی ہیں۔ اس طرح کہ حرفِ اوّل کو شمار میں لاکر حرفِ ثانی کو چھوڑتے جاؤ۔ اور تا آخرِ مصرع یہی عمل کرو۔ اور پھر دوسرے حرف سے یہ عمل جاری کرو۔ اور اسی طرح تیسرے اور چوتھے وغیرہ سے اور پھر آخرِ مصرع سے پلٹ کر شروع کرو۔ اور پھر درمیان سے کسی حرف کو فرض کر کے اس کو اوّل مقرر کرو۔ اسی طرح اس دَورِ تسلسل سے ایک لاکھ بارہ ہزار تاریخ حاصل ہوں گی۔ سمجھنے کے واسطے ذیل میں نقشہ بنا دیا ہے۔ اس سے امتحان کر لینا چاہیے۔



اس نقشہ میں کسی مقام پر کوئی حرف تجویز کرنا چاہیئے۔ اور اس سے عمل مذکور کا معائنہ کرنا چاہیئے۔ مثلاً خانۂ چہارم کے حرفِ تا کو لکھا اور پھر پنجم کے با کو چھوڑ کر خانۂ ششم کے الف کو لکھا۔ اسی طرح ایک خانہ کو چھوڑ کر دوسرے کو تا خانہ دوم حسب تفصیل ذیل لکھتے گئے۔ تو ایک تاریخ حاصل ہوگی علیٰ ہذالقیاس اسی طرح اور بھی تصوّر کرنا چاہیئے۔

ت	ا	ی	ق	ل	م	غ	ف	ا	ا	ب	ا	ر	ب	د
۴۰۰	۱	۱۰	۱۰۰	۳۰	۴۰	۱۰۰۰	۸۰	۱	۱	۲	۱	۲۰۰	۲	۴

میزان ۱۸۷۲ "

حضرتِ جویاؔ کا یہ ایسا ہی کمال ہے کہ جیسا مولانا امام بخش صہبائی نے حسب ذیل شعر سے تین سو ساٹھ ۳۶۰ نام نکال کر معمّا گوئی کا کمال ظاہر کیا ہے۔

چو آں مہ روئے خود از پردہ بنمود دل از ما برد و آخر کرد نابود

یا علم قافیہ میں ایک چھوٹا سا رسالہ دو صفحہ کا لکھا جس کی شرح چودہ جزو میں کی گئی۔

بلاشک حضرتِ جویاؔ فنِ تاریخگوئی میں سب پر سبقت لے گئے۔

وفات | وفات سے کچھ پہلے ٹونک چلے گئے تھے۔ نہیں معلوم وہاں انتقال ہوا یا اصل وطن میں۔ اور ایسے زبردست تاریخ گو کو لوحِ مزار اور قطعۂ تاریخ بھی نصیب ہوا یا نہیں۔

تصانیف | میر جویاؔ کی حسب ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔ مگر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اب کہیں محفوظ ہیں یا نہیں۔ ہیں تو کہاں۔ جے پور میں تو بہت کوشش پر بھی کوئی سُراغ نہ ملا۔

(۱) گلشنِ اخلاق سنہ تصنیف ۱۲۷۶ھ

(۲) رسالۂ تاریخ بموقع مسند نشینی نواب شاہجہاں بیگم والی بھوپال سنہ تصنیف ۱۲۸۵ھ

(۳) مثنوی بہ تہنیت مسند نشینی نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں والی ٹونک سنہ تصنیف ۱۲۸۵ھ طویل مثنوی ہے اور یہ تکلّف اور ہے کہ ایک شعر کے دونوں مصرعے سنہ ہجری میں ہیں اور دوسرے کے عیسوی ہیں۔

(۴) قیامت نامہ منظوم	سنہ تصنیف	۱۲۸۲ھ
(۵) واسوخت	"	۱۲۸۵ھ
(۶) گلزارِ فیض۔ بحکم لارڈ میو تصنیف کیا تھا	"	۱۲۸۷ھ / ۱۸۸۰ء
(۷) رسالہ مفید عام در علمِ ریاضی	"	۱۲۸۳ھ
(۸) تضمینِ دیوان حضرت پیرانِ پیرؒ	"	۱۲۸۶ھ
(۹) مثنوی دردِ دل	"	۱۲۷۸ھ
(۱۰) گنجِ طلسمات	"	۱۲۸۵ھ
(۱۱) شہادت نامہ	"	۱۲۷۹ھ

(۱۲) گنجِ اسرار۔ جویا کی جملہ تواریخ کا مکمل مجموعہ نہایت ضخیم

نمونۂ کلام نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :-

سو طرح کے روگ ہیں الفت میں جی کے واسطے کونسی جائے اماں ہے آدمی کے واسطے
غیر کی دیکھو لیاقت اور ہماری التجا منتیں کرنی پڑیں دل کی لگی کے واسطے
یا خدا جویا کی کشتی ورطۂ غم سے نکال غوثِ اعظم کے لئے اپنے نبی کے واسطے

چراغ تخلص۔ قادر علی نام۔ نسباً سیّد، مذہباً اہلِ سُنّت۔ والد کا نام میر مُراد علی۔ وطن و مدفن جے پور۔ مختصر حالات زندگی یہ ہیں جو منشی ہیرالال مونس نے تاریخ فدا طبع کراتے وقت اُس میں درج کئے ہیں۔

مختصر حالات زندگی "واضح ہو کہ میر قادر علی اور میر فدا حسین صاحبان دونوں ۱۲۹۶ھ حقیقی بھائی مہاراجہ کالج (جے پور) میں مدرس تھے اور اُس زمانے میں بھائی صاحب

منشی پنا لال جی اور راقم بھی مہاراجہ کالج ہی میں مامور تھے، اُن دونوں صاحبان کو ہم سے کچھ ایسا اتحاد تھا کہ دو چار متواتر تعطیل آجاتیں تو بغیر ملے نہیں رہتے. اتفاقاً میر فدا حسین مرض الموت میں مبتلا ہو کر راہگرائے عالم بقا ہو گئے. ع

بھائی کے لئے داغِ جگر بھائی کا غم ہے

میر قادر علی صاحب کا اُن کی جدائی میں یہ حال ہو گیا کہ دن رات اُسی خیال میں باقیماندہ زندگی بسر کر گئے.

"جن دنوں یہ مثنوی لکھا کرتے تھے طبیعت کا یہ رنگ ہو گیا تھا کہ اپنی دائمی معمولی وضع کا خیال بھی نہیں رہتا تھا. مستانِ الٰہی کی سی کیفیت ہو گئی تھی. جب کسی قدر حالات سلسلۂ نظم میں لے آتے۔ دن ہو یا رات تہ بند کُرتہ پہنے جیسے بیٹھے ہوتے اُٹھ کر چلے آتے. سوتوں کو جگاتے سُنا سُنا کر خود بھی روتے اور سُننے والوں کو بھی رُلاتے. جب یہ مثنوی تصنیف کر چکے تب تو خود بیٹھ بیٹھ کر بھائی صاحب سے جلی قلم سے بہت خوشخط لکھوائی اور لوح پر مطبع کا نام چھوڑ کر وہ سب فقرات لکھائے جو اب اس مطبوعہ نسخہ کے ٹائٹل پر نقل کئے گئے. چھاپنے نہیں پائے تھے کہ قضا کر گئے. انا للہ وانا الیہ راجعون"

مثنوی تاریخ فدا کی طباعت واشاعت | یہ مثنوی دراصل فدا کا مرثیہ ہے جس کو بعد وفات حضرت چراغ ۱۹۱۰ء میں منشی ہیرا لال مونس نے اپنے مطبع میں طبع کرا کر ایک جلسۂ تعزیت منعقد کیا اور بطورِ یادگار مفت تقسیم کی. وجہ طباعت حضرت مونس حسبِ ذیل تحریر کرتے ہیں :-

"اتفاق کی بات ۳۲ برس کے بعد ان دنوں عزیز ضیا حسین صاحبزادہ میر فدا حسین، تقریباً بھائی صاحب سے ملے. اس وقت اُنھیں اپنی صاف

کی ہوئی مثنوی یاد آئی۔ دیکھنے کو منگوائی اور مجھے بھی دکھانے لائے۔
میں نے جو اُسے کھولا یہ قطعہ نظر پڑا :۔

کیا پوچھتے ہو کون تھا میر افدا حسین | تھا میر انورِ عین مرے گھر کا تھا چراغ
سو، بادِ تندِ حادثۂ روزگار نے | ناگاہ اس کی زیست کا گُل کر دیا چراغ
اندھیر ہو گیا نہ رہی گھر میں روشنی | تاریخ اس کی کیا کہوں۔ گل ہو گیا چراغ
۱۲۹۶ھ

ع۔ دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں۔

قطعۂ مندرجۂ بالا کو دیکھتے ہی دل کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی بھر آئیں اور کچھ دیکھا پڑھا نہیں گیا۔ فوراً موجود الوقت عبدالرحیم کاتب کے حوالہ اصل نسخہ کر دیا گیا کہ حتی الامکان عمدہ طور پر کاپیاں تیار کر لادے۔ تاکہ ایک مرحوم مہربان کا باقیماندہ دلی ارمان نکل جاوے۔ اور ابنائے روزگار کی زبانوں پر اُن کا ذکرِ خیر جاری رہے۔ چنانچہ کاپیاں تیار ہو جانے پر یہ خاتمہ اور قطعۂ تاریخِ طبع اس پر اضافہ کر کے کارکنانِ مطبع کے حوالہ کی گئیں۔ شکر کا مقام ہے کہ چھپ کر قابلِ ہدیۂ ناظرین ہو گئی۔ قطعۂ تاریخ طبع :۔

ایں نسخہ کہ ہست بے بہا نظم | با طالبِ صادقش دہم مُفت
ہاتف سنۂ طبعِ او بمونس | تاریخِ فداچہ مثنوی، گفت
۱۹۱۰ء

مثنوی پر تبصرہ | حضرتِ چراغ کی قادر الکلامی بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور رنگِ طبع بھی۔ مثنوی میں بلا کی روانی اور غضب کا سوز و گداز ہے زبان نہایت، سادہ اور صاف ہے۔ تسلسلِ بیان بھی بہت اچھا ہے۔ جستہ جستہ اشعار۔ بطور نمونہ متفرق مقامات سے درج ذیل ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کا اور کوئی کلام آپ کے برادر زادہ مولوی سید ظفر حسین ظفر کے پاس ہی نہیں ہے اور تو کہاں سے میسر آئے۔

خاصگانِ خدا ہیں سب حضرات　　پر نہیں کوئی قاضی الحاجات
مرجعِ کار ہے وہی کُل کا　　اور مددگار ہے وہی کُل کا
نہ تو کچھ ہو وظیفہ خوانی سے　　اور نہ شیخوں کی لن ترانی سے

بھائی میرا تھا قرۃ العینین　　ہیں فدا اُس پہ وہ فدائے حسین
خوش زباں، خوش کلام، خوش تقریر　　خوش بیاں، خوش نصیب، خوش تقدیر
نہ کسی سے دلیل کرتا وہ　　نہ کسی کو ذلیل کرتا وہ
مجھ سے اک دم جُدا نہ ہوتا وہ　　رنج ہوتا مجھے تو روتا وہ
ساتھ رہتا تھا ساتھ چلتا تھا　　ساتھ گھر سے مرے نکلتا تھا
دوستوں سے سلوک کرتا تھا　　نام پر دوستی کے مرتا تھا
مر گیا میرا نوجواں ہے ہے　　اب اُسے پاؤں میں کہاں ہے ہے

چونکہ والد فقیر سیرت تھے　　مردِ حق صاحبِ بصیرت تھے
نہ رہا ہاتھ سر پہ حضرت کا　　چارہ گر ہو جو میری وحشت کا
کون اب سر پہ میرے ہاتھ رکھے　　کون اب مجکو اپنے ساتھ رکھے
نہ رہی ہمّت اہلِ ہمّت میں　　جا کے بیٹھوں میں کس کی صحبت میں
ہاں مگر مولوی سلیم الدیں　　پائے بندِ طریقِ شرعِ متیں
کہ وہ کاموں میں اپنے کامل ہیں　　نرے عالم نہیں ہیں عامل ہیں
اُن کی باتوں سے ہوتی ہے تسکیں　　پر وہ تسکیں تو پائیدار نہیں
کیا کرے اب کوئی علاج مرا　　نہیں اک طرح پر مزاج مرا

تھے جو تیرے مکان سونے کے　　آہ اب رہ گئے وہ رونے کے
تیرے صندوق سب مقفّل ہیں　　بند رہنے سے اب وہ بیکل ہیں
ننّے ننّے سے بچّے چھوڑ گیا　　رشتۂ اُنس اُن سے توڑ گیا

ہوتا اس سے دو چند ہی ماتم — بچے اُس کے جو کہتے ہیں باہم
تایا اور ابا ساتھ جاتے تھے — ساتھ ہی مدرسے سے آتے تھے،
اب ہیں آتے اکیلے تایا جی — نہیں ساتھ اُن کے ہوتے ابا جی
اب تو گھر میں بھی وہ نہیں آتے — ہیں کہاں روز ہی چلے جاتے
چیز بھی اب نہیں وہ لا دیتے — بڑے ابا ہی ہیں منگا دیتے
اے بُوا! کیا اب آئیں گے ابا — اب نہیں، تو کب آئیں گے ابا
اب نہ وہ زیب ہے نہ وہ رونق — اُس کے مرتے ہی ہو گئی ہُو حق

حافظ تخلص۔ عبدالرشید نام ہے۔ جے پور وطن ہے۔ حافظِ قرآن اور نابینا ہونے کے سبب سے یہ تخلص کیا ہے۔ اصلاح کسی سے نہیں لیتے حافظہ بہت اچھا ہے اور طبیعت موزوں و رسا پائی ہے اس لئے شعر بہت جلد کہہ لیتے ہیں۔ نعت خواں بہت اچھے ہیں۔ یہ شعر آپ کے افکار کا نتیجہ ہیں:-

جا بھی اے رضواں دکھاتا ہے کسے یہ سبز باغ — کون دیکھے خلد کو کوئے محمدؐ دیکھ کر
بند کی ہیں میں نے حافظ اپنی آنکھیں اس لئے — کِس کو پھر دیکھوں گا میں روئے محمدؐ دیکھ کر

حسیب تخلص۔ محمد حسیب اللہ نام۔ سلیم جعفر اُردو میں اور اُرُبدیش ہندی میں قلمی نام۔ والدِ بزرگوار کا نام محمد نور اللہ۔ اصل وطن گرسی ضلع بارہ بنکی۔ نسباً قریشی۔ لقباً کیانی۔ مولوی احمدی نقش بندی آپ کے بزرگوں میں بڑے مرتبہ کے بزرگ گزرے ہیں۔

ولادت و تعلیم حسیب سنہ ۱۳۰۱ھ میں بروز شب برات گرسی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اس وجہ سے جے پور آ گئے کہ آپ کے والد یہاں ریاست میں ملازم تھے۔ اوّل گھر پر تعلیم پائی۔ پھر یہیں کے مدارس سے "منشی عالم" اور "ایف۔ اے" پاس کیا۔ ہندی اور سنسکرت کے عالموں سے یہ دونوں زبانیں بھی

سیکھیں اور کثرتِ مطالعہ سے اچھی استعداد حاصل کرلی۔

ملازمت | اوّل آپ ڈی۔ ٹی۔ ایس۔ آفس بھٹنڈہ میں ملازم ہوگئے۔ پھر دہلی رہے۔ اور ایک عرصے تک آبو ۲۰-۱۹۱۹ء میں سیستان علاقہ ایران میں بھی مامور ہونے کا موقع ملا۔ گورنمنٹ ہند کی ملازمت سے پنشن لینے کے بعد ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک ریاست قرولی کی کونسل کے سکریٹری رہے۔ وہاں سے مستعفی ہوکر جے پور چلے آئے اور ۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے گئے۔

ذوقِ سخن | ذوقِ سخن۔ آپ کو طالبِ علمی کے زمانے سے ہی تھا۔ اوّل چند غزلیں کہیں۔ پھر نظم کی طرف طبیعت راغب ہوئی۔ ایک نظم کا عنوان ہے "نغمۂ اتحاد" جو اخبار "مدینہ" میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے:-

تعصّب کی چلیں گی ملک میں یہ آندھیاں کب تک ؎ رہے گا بوستانِ ہند پامالِ خزاں کب تک

ایک اور نظم عنوانی "دورِ حیات" مطبوعہ رسالہ "زمانہ" کا پہلا شعر ہے:-

خاک کا کچھ دن پڑا رُخ پر رہا میرے نقاب میں رہا نظروں سے پنہاں مثلِ مہ زیرِ سحاب

کلام پر تبصرہ اور نمونۂ کلام | آپ کے کلام میں جذبات کی عکاسی خوب ہے۔ بطور نمونہ ایک مخمّس کا ایک بند ذیل میں ملاحظہ ہو:-

یہ جتنے حُسن والے ہیں یہ جتنے بھولے بھالے ہیں
یہ جتنے زلفِ عنبر فام کو شانوں پہ ڈالے ہیں
یہ جتنے گورے گورے اور نیچی نظروں والے ہیں
حسیب ان سے بچانا دل کو ورنہ آہ و نالے ہیں
یہی وہ صورتیں ہیں جو خللِ اندازِ ایماں ہیں

حشمت

تخلص۔ آغا منور عبّاس نام قدیم وطن دہلی تھا۔ جے پور میں بتلاشِ معاش آئے اور متوطن ہوگئے۔ حضرتِ شمس دہلوی سے تلمذ تھا۔ جے پور کے خوشگو شعرا میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان چلے گئے۔ یہ شعر آپ کا ہے:-

ہتھیلی پر جو اپنے سر کو لے قاتل سمجھتے ہیں وہ مردانِ خدا آسان ہر مشکل سمجھتے ہیں

حقی تخلص متین الحق نام۔ اصل وطن دہلی تھا۔ والد بزرگوار کا نام مولوی مبین الحق ہے۔ مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح کے خاندان سے ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار چونکہ جے پور میں روزینہ دار تھے اسی تعلق سے آپ یہاں آئے اور محکمۂ ایکسائز میں انسپکٹر ہوگئے۔ باقاعدہ تلمذ کسی سے نہ تھا۔ نہ کسی اُستاد کی اصلاح کے پابند تھے۔ ذوقِ سخن فطری و خاندانی ہے۔ تقسیمِ مُلک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ یہ اشعار آپ کے ہیں :-

نرگس کھڑی ہے دیدۂ دل وا کئے ہوئے
آؤ یہ ہے پتہ مرے کنجِ مزار کا

حقی فلک کے ساتھ ہیں وہ بھی شریکِ کار
اب کچھ گلہ نہیں ستمِ روزگار کا

فرطِ الم سے گریہ گلو گیر ہوگیا
ممکن نہیں اسیر ترے شور و شر کریں

حلیم تخلص۔ عبدالحلیم شاہ نام۔ صاحبِ "خمخانۂ جاوید" نے آپ کے حالات حسبِ ذیل تحریر کئے ہیں :-

"امروہہ کے شیوخِ عباسی میں سے ہیں، مظہر الہادی صاحب سُہیل نے ان کے جو حالات بھیجے اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ بچپن ہی سے طبیعت میں سلامتی اور اطوار میں سنجیدگی تھی۔ آغازِ جوانی میں وطن سے نکل کر جے پور پہنچے اور بعہدۂ مُتصدی محکمۂ فوج میں ملازم ہوگئے۔ چونکہ اوراد و وظائف کی طرف شروع سے میلانِ خاطر تھا اس لئے تلاشِ مُرشدِ کامل میں سفرہائے دراز بہت کئے۔ آخر کار گھر بیٹھے جے پور ہی میں خاندان نقشبندیہ میں مرید ہوگئے۔ مگر سماع کے بہت ہی شائق ہیں۔ مُرید ہونے کے بعد طبیعت کا رنگ بالکل بدل گیا۔ شہرت و ناموری سے گریز۔

اہلِ دُنیا سے بے تعلقی اور ملازمت کی پابندیوں سے نفرت ہونے لگی۔ ترک و تجرید نے غلبہ کیا لیکن ایک عرصہ تک ضبط سے کام لیتے رہے۔ جب دفورِ شوق اور غلبۂ ذوق اتنا بڑھا کہ بیخود ہوگئے تو قیودِ ملازمت سے قطعاً دست بردار ہونا پڑا۔ چونکہ شادی نہیں کی تھی۔ اہل و عیال کا کچھ غم نہ تھا۔ آپ سراپا توکل ہیں۔ محض صبر و قناعت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے۔

ابتدائے عمر سے نظم اور فنِ شعر سے دلچسپی ہے۔ ضخیم دیوان تیار ہے۔ پیسہ اخبار پریس لاہور میں چھپنے کے لئے گیا ہوا ہے۔ اکثر جے پور اور کوٹہ میں قیام رہتا ہے۔ کلام صاف ہے۔ بندش و اسلوب بیان بھی خوب ہے۔ اکثر شعر توحید اور تصوّف میں کہتے ہیں۔ کھلا ہوا رنگ ہے۔"

راقم الحروف نے آپ کو دیکھا ہے۔ لباس درویشانہ میں رہتے تھے۔ میں نے یہاں بھی اور کوٹہ میں بھی آپ کا دیوان تلاش کیا مگر کہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ جے پور میں آپ کے کچھ مُریدین نعت خواں تھے جن کے پاس آپکی کافی نعتیں تھیں مگر اب اُن کا بھی کچھ پتہ نہیں۔

آپ نے ایک ادبی کتاب نثر میں لکھی تھی اور ہیر زکی نے اس کی اصلاح کی تھی۔ مگر اس کا بھی اب کوئی سُراغ نہ ملا۔ نہ نام ہی تحقیق ہو سکا۔

حسبِ ذیل اشعار بطور نمونہ کلام پیش کرتا ہوں:۔

نہ جفاؤں کی شکایت نہ وفا سے مطلب ۔۔۔ اُس کے طالب کو ہے تسلیم و رضا سے مطلب

اللہ رے خود رفتگی اتنا بھی نہیں ہوش ۔۔۔ خم منھ سے لگا لیتے ہیں پیمانہ سمجھ کر

عجب مزا انھیں ملتا ہے دردِ فرقت میں ۔۔۔ مریضِ دردِ محبت دوا نہیں کرتے

اُس کے کوچے میں جا کے خاک ہوئی آبرو سب رہی سہی دل کی
موت تو ہی علاجِ دردِ فراق اُن کے در تک اگر نہیں نہ سہی

حیرت تخلص۔ ہردیو پرشاد نام۔ اصل وطن موضع مکرند پورہ ضلع جالون تھا۔ ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ کم سنی میں یتیم ہو گئے۔ تو ان کے چچا منشی شیو پرشاد انھیں جے پور لے آئے۔ تعلیم کی تکمیل مولانا رشید الدین فائز سے کی۔ منشی فاضل پاس کر کے جے پور میں ملازم ہوئے اور ترقیِ مدارج کر کے سول جج کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ تیرہ سال تک اس عہدہ پر دادِ دیانت و عدل دے کر ۷۳ سال کی عمر میں یہیں ۱۹۳۳ء میں انتقال ہوا۔

اپنی یادگار ایک فارسی مثنوی معروف بہ "مثنوی حیرت" تصوّف میں چھوڑی۔ جس کا مطلع ہے

تو خدائے عالمی از ابتدا ابتدائے تو ندارد انتہا

زورِ کلام اور روانیِ بیان اس مثنوی کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ زبان پر پوری قدرت ہے۔ اور مشکل مسائل آسان الفاظ میں بے تکلف بیان کر جاتے ہیں۔ فارسی کا اور بھی کلام ہے۔ اُردو میں ایک نامکمل دیوان چھوڑا۔ مقامی زبان میں بھی جس کو جھاڑشاہی کہتے ہیں۔ خوب کہا ہے۔ اور ہندی کلام بھی چھوڑا ہے۔ طبیعت پر تصوّف کا غلبہ ہے اس لئے ہر جگہ یہی رنگ چھوٹا پڑتا ہے۔ اُردو کا نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

چھپا تھا جو کہ پردے میں سر بازار آیا ہے جمالِ عشق افزا کا عجب جلوہ دکھایا ہے
غضب کا حُسن ہے اس کا زمانہ میں نہیں اُس سا رموزِ عشق وہ جانے جسے عاشق بنایا ہے

خستہ تخلص۔ محمد سلیم خاں نام۔ حکیم محمد عظیم خاں کے خلف الصدق اصل وطن دہلی تھا۔ پھر جے پور رہا ہوا۔

خاندانی حالات | آپ حکیم محمد شریف خاں و حکیم محمود خاں صاحبان دہلوی کے خاندان سے ہیں۔ آپ کے نانا حکیم واصل خاں ثانی ۱۸۰۰ء میں بعہد مہاراجہ پرتاب سنگھ والیِ جے پور یہاں آئے۔ جن کو علاوہ نقد ماہانہ تنخواہ کے پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی ریاست سے عطا ہوئی اور مہاراجہ کے طبیب خاص و معتمد با اعزاز مقرر ہوئے۔ اُن کی وفات پر اُن کے چھوٹے داماد حکیم عظیم خاں یعنی حضرتِ خستہ کے والد ماجد کے نام کسی قدر کمی کے ساتھ جاگیر بحال ہوئی اور ان کے انتقال پر پانچ دیہات حضرتِ خستہ کے نام بحال ہوئے۔ جن میں سے تین آپ کے نواسے حکیم سلیم الدین خاں کے نام بحال ہیں۔

ولادت و ملازمت | آپ ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اور بالخصوص آبائی پیشہ علم طب میں مہارتِ کامل حاصل کرنے کے بعد مہاراجہ سوائی رام سنگھ والیِ جے پور کے طبیب خاص اور معتمد ممتاز مقرر ہوئے۔ پھر متعدد عہدہ ہائے جلیلہ پر سرفراز رہے۔ حتیٰ کہ میمبر کونسل یعنی وزیر ریاست ہو گئے اور کچھ عرصے وزارتِ عظمیٰ کا کام بھی انجام دیا۔ جس زمانے میں آپ محکمۂ خبر جے پور کے منتظم تھے اس وقت کے بہت سے واقعات بطور افسانہ اب تک بیان کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح علم طب کے متعلق متعدد باتیں اب تک زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ چونکہ آخر عمر میں ثقلِ سماعت کا عارضہ ہو گیا تھا اور بہت اونچا سُنتے تھے اس لئے "بہرے حکیم" کے عرف سے مشہور تھے۔

مزاح | طبیعت میں مزاح بھی تھا۔ چنانچہ ایک بار اپنے کسی ہمرتبہ رئیس سے ملنے گئے۔ وہ گھر میں موجود تھے مگر خادم سے کہلا دیا کہ نہیں ہیں۔ آپ واپس چلے آئے مگر یہ حال معلوم ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ صاحب آپ سے ملنے آئے تو آپ نے خود جواب دیا کہ "حکیم صاحب تو نہیں ہیں" اُنھوں نے کہا سُبحان اللہ

یہ کیا جواب ہے۔ آپ نے کہا "حضت آپ کا تو نوکر بھی کہہ دے کہ نہیں ہیں تو ہم مان لیں۔ اور ہم خود بھی کہیں تو آپ نہ مانیں یہ کہاں کا انصاف ہے۔"

صحافت میں اوّلیت | جے پور میں سب سے پہلا اخبار "نیر راجستھان" آپ ہی کی ادارت میں نکلا اور آپ ہی کی نگرانی میں پہلا مطبع جے پور میں جاری ہوا۔

تصانیف | فنِ طب میں آپ کی حسبِ ذیل تصانیف ہیں :۔

(۱) تکشیف حکمت۔ بزبانِ فارسی۔ مطبوعہ نول کشور پریس۔ اس کا قطعۂ تاریخ ۱۲۷۸ھ مرزا غالب نے کہا ہے جو کتاب کے آخر میں طبع ہو چکا ہے۔

(۲) کشّاف العیون۔ بزبان فارسی۔ علمِ طب میں۔ سنہ تصنیف ۱۳۰۴ ہجری۔ مطبوعہ نول کشور پریس

(۳) تعلیم التسلیم فی الباہ فارسی۔ علمِ طب۔ مطبوعہ

(۴) تلخیص الصحت " " "

(۵) فاقد المغالطہ " " غیر مطبوعہ

(۶) سوال و مناظرہ " " "

وفات | ۵ راگست ۱۸۹۷ء کو ۵۶ سال کی عمر میں جے پور میں انتقال کیا۔ سانگانیر دروازہ باہر قدمِ رسول میں دفن ہوئے۔

ذوقِ سخن | آپ کو شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ اکثر اپنے یہاں مشاعرے بھی کرتے تھے۔ ظہیر۔ انور۔ تسلیم۔ رونق وغیرہم آپ کے معاصرین ہیں۔

کلام پر تبصرہ | آپ کی نسبت قدیم اساتذہ جے پور سے سُنا ہے کہ کہتے تو واجبی ہی تھے مگر سمجھتے بہت اچھا تھے۔ اس طرح آپ

شعر گفتن گرچہ درسفتن بود لیک فہمیدن بہ از گفتن بود، کے مصداق تھے۔

آپ کا کلام باوجود کوشش بہت کم دستیاب ہوا۔ جو کچھ بہزار دقّت میسّر آیا

اس سے ظاہر ہے کہ قدیم طرز پر عالمانہ انداز میں کہتے ہیں۔

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے :-

محشر میں دیکھئے لبِ معجز نما کا کام — ہٹتا ہے بات بات پہ دفترِ گناہ کا
بے جرمیوں پہ قتل مرا پر ضرور تھا — کیا کم ہے یہ قصور کہ ہیں بے قصور تھا
غیر سے الفت نہیں ضد ہی سہی — تم کو وعدہ بھی نہیں ہی یاد کیا
یہ نا امیدیِ مطلب کہ یاس مرنے سے — یہ بے کسی کہ دمِ مرگ، انتظار رہا
وفا نہیں تو نہیں موردِ جفا ہی سہی — ہزار شکر کہ ہیں داخلِ شمار رہا
کیوں نہیں کہتے تغافل سے نہیں فرصت مجھے — کیوں کہا سمجھے نہیں مطلب تری تقریر کا
وصل کی امید کس امید پر جانِ حزیں — کیا بھروسہ آہ کا اور نالۂ شبگیر کا
کیا کہا میں نے کہ یوں نیچی نگاہیں ہوگئیں — کیا سنا تم نے کہ یہ عالم بنا تصویر کا
کیا برا ہے یہ کہ لب منت کشِ نالہ نہیں — کیوں سلیمِ خستہ دل شاکی نہیں تاثیر کا

خلیلؔ تخلص۔ شاہ محمد خلیل الرحمٰن نام نامی۔ وطن و مولد سرسادہ ضلع سہارن پور۔ حضرت حاجی الحرمین شاہ محمد حبیب الرحمٰن جمالی رح کے فرزند اکبر اور اُن کے خلیفہ و جانشین تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام ابو حنیفہؒ کوفی تک پہنچتا ہے۔ اور آپ حضراتِ چہار قطبِ ہانسی رح کی اولاد میں ہیں۔ اور اپنے عہد کے زبردست و ممتاز صوفیہ میں۔ ۱۲۷۱ سنہ ولادت ہے۔ ۷۲ سال کی عمر میں ۱۲ رمضان ۱۳۴۲ھ کو وصال ہوا۔ اور سرسادہ ہی میں آپ کا مزار ہے۔

کشف و کرامات آپ کے کشف و کرامات کے لئے ایک جداگانہ تصنیف کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ کی سوانحعمری مرتبۂ راقم تقریباً تیار ہے۔ یہاں نہ تو اُن کے لئے گنجائش ہی ہے اور نہ یہ امر یہاں موزوں ہوگا۔ البتہ صرف ایک

واقعہ ذیل میں درج کرتا ہوں جس کے راوی منشی چند بہاری لال صبا ہیں :-

ان کا بیان ہے کہ ہمارے کریکٹ کے ساتھیوں میں ایک شخص امیر خاں بھی تھے جو اچھے خاصے خوش حال تھے۔ منشی عبدالرحمٰن کوکبؔ بھی ہمارے کریکٹ اور شاعری کے ساتھی تھے۔ کوکبؔ اور امیر خاں کے باہم زیادہ اتحاد تھا۔ اتفاقِ امر کہ ایک بزرگ جن کا نام احمد خاں قلندر بادشاہ تھا باہر سے آئے اور دریبہ پان میں نواب جان طوائف کے مکان پر مقیم ہوئے۔ وہ چائے کے بے حد شائق تھے۔ کوکبؔ کی آمد و رفت اُن کی خدمت میں زیادہ ہو گئی اور شاہ صاحب کی کرامتوں کی بھی بہت شہرت ہوئی۔ امیر خاں نے کوکبؔ سے کہا کہ میری خوشحالی کے لئے کوئی وظیفہ قلندر صاحب سے پوچھ دو۔ امیر خاں بیعت تھے حضرت شاہ محمد خلیل الرحمٰن جمالیؒ سے۔ کوکبؔ نے قلندر بادشاہ سے سفارش کی اور انھوں نے ایک وظیفہ بتا دیا۔ مگر اُس کا اُلٹا اثر ہوا۔ امیر خاں خانگی معاملات میں اس بُری طرح پھنسا کہ زندگی تلخ ہو گئی۔ اور مقدمہ بازی تک کی نوبت آ گئی۔ اسی زمانہ میں حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لے آئے۔ خواجہ مُبارک علی جمالی کے یہاں قیام تھا۔ امیر خاں نے بحالتِ سخت پریشانی یہ حال مجھ سے کہا۔ میں نے کہا کہ تم اپنے پیرومُرشد کی خدمت میں حاضر ہو اور تمام حال کہہ کر اُن سے اصلاحِ حال کی استدعا کرو۔ مگر امیر خاں کی تنہا جانے کی جرأت نہ ہوئی تو میں اُن کے ساتھ گیا۔ دیکھا کہ مجمع کثیر ہے اندر کا کمرہ اور باہر کا صحن آدمیوں سے بھرا ہوا ہے۔ آپ کچھ تقریر فرما رہے ہیں۔ بیٹھنے کو کہیں جگہ نہیں۔ ہمارے پہنچتے ہی آپ نے خود ہمیں اپنے پاس بلا کر بٹھا لیا۔ تقریر جاری رکھی اور بدورانِ تقریر بطور افسانہ، بلا کسی کا نام لئے ہوئے امیر خاں کا تمام حال من و عن بیان کر دیا اور

پھر فرمایا کہ اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آجائے تو اُسے یہ عمل اس طرح کرنا چاہئے۔ وہ بھی مفصلاً سمجھا دیا۔ ہم لوگ اخیر وقت تک حاضر رہے۔ رخصت ہو کر جب واپس آئے تو میں نے امیر خاں سے کہا سُن لیا؟ اب اسی طرح کرو۔ چنانچہ اسی تدبیر سے اُس کے جملہ معاملات رو باصلاح آکر حالت درست ہو گئی۔

قیام جے پور اور مشاعرے | حضرت کا قیام تعلیمِ مُریدین اور ہدایتِ خلق کی غرض سے اکثر مہینوں جے پور میں رہا کرتا تھا۔ اس وقت مشاعرے بھی ضرور کرتے تھے اور جے پور کے تمام شعرا شریک ہوتے تھے۔ سامعین کی بیحد کثرت ہوتی تھی۔ خود حضرت ہر بزم میں شرکت فرماتے تھے۔ اور شعرا دادِ سخن دیتے تھے۔

آپ کی ذاتِ بابرکت کے لئے شاعری باعثِ افتخار نہیں بلکہ شعروسخن آپ کی ذات پر فخر کرے تو بجا ہے۔ آپ کا قال زیادہ تر حال ہوتا تھا۔

تلمذ | تلمذ آپ کو کسی سے نہ تھا موزونیت وزورِ طبع سے شعر کہتے تھے۔

تصانیف | آپ کی حسبِ ذیل تصانیف ہیں :-

(۱) دیوانِ اوّل جس میں اُردو اور فارسی کا کلام ہے بطبوعہ ۱۳۱۷ھ ہجری۔

(۲) دیوانِ دوم ۔ اس میں اُردو فارسی کے علاوہ ہندی اشعار بھی ہیں جو فارسی رسم الخط میں طبع ہوئے ہیں، مطبوعہ ۱۳۲۶ھ

(۳) تحقیق الحق۔ متعلق سیر و مناظرہ بزبانِ اُردو مطبوعہ

(۴) مناظرۂ حق " "

(۵) آئینۂ حق نما " " ۱۳۴۲ھ

(۶) متفرق شجرہ ہائے منظوم بزبانِ اُردو و فارسی۔

<u>کلام پر تبصرہ</u> | زبان نہایت آسان وسادہ اور عام فہم استعمال کرتے ہیں، اور مضامین بھی زیادہ تر صاف و عام فہم اور سیدھے سادے باندھتے ہیں البتہ توحید و تصوف میں رومی و عطار کی جھلک نظر آتی ہے۔

تبرکاً چند اشعار درج ذیل ہیں:۔

بمے لب می نیالایم ولے سرشار می باشم | کنم با یار بد مستی ولے ہشیار می باشم
نہ کس اندر جہاں غیرم چہ در مسجد چہ در دیرم | نہ کس را در جہاں گاہے پے آزار می باشم
ز روزِ اولیں باشم غلامِ چشمِ جانانہ | طریقِ من قدح نوشی و رسم و کیشِ مستانہ
نمودم لامکاں را طے بگامے | ندانم تا کجا دارم قیامے

بادۂ عشقِ محمدؐ سے جو سرشار رہا | غمِ کونین سے اُس کو نہ سروکار رہا
پوچھتے ہو مجھ سے کیا قصہ مرے آزار کا | ہے دل خود کار وارفتہ کسی خود کار کا
کیوں خاص مرے واسطے اک جام نہیں ہے | کیا پیرِ مغاں فیض ترا عام نہیں ہے
اے چرخ بہت تجھ میں ہیں اوصافِ حمیدہ | کچھ میرے ستانے ہی کا الزام نہیں ہے

خنداں

تخلص۔ محمد حسین نام نسباً شیخ عثمانی۔ مشرباً وارثی تھے۔ اصل وطن قصبۂ سندیلہ تھا۔ بتلاشِ معاش جے پور آئے۔ اور یہیں کے ہو رہے۔ جے پور کے محکمۂ خبر میں سرکاری وکیل تھے شعروسخن سے خاص دلچسپی تھی۔ مولانا مبین سے تلمذ تھا۔ طبیعت میں بلا کی تیزی و جولانی تھی۔ اُردو کے علاوہ جے پور کی جھاڑشاہی زبان میں بھی خوب کہتے تھے۔ کلام بہت تھا مگر اب نایاب ہے۔ جو کچھ آپ کے پوتے شیخ امیر احمد ایم۔ اے مقیم پاکستان سے میسر آیا۔ اُسی سے کچھ انتخاب محض تبرکاً درجِ ذیل ہے:۔

مانگنا ہو مانگ لے جو شے جسے درکار ہے | نعت | عیدِ میلادِ رسول اللہ کا دربار ہے
ندا یہ مقتل سے آ رہی تھی ہے خلد تیغ و تبر کے نیچے | مجاہد وہ ہے حوضِ کوثر قدم کے آگے نظر کے نیچے

ہزاروں زخم سینے میں ہزاروں لب پہ ہنگامے
بنائے عشق نے داغِ جگر آتش کے پرکالے

مریضِ عشق کچھ تو طالبِ دیدار بیٹھے ہیں
کچھ ایسے ہیں کہ اپنی جان سے بیزار بیٹھے ہیں

مسیحا لے خبر ہم درد سے ناچار بیٹھے ہیں
ٹھہر جا اے قضا ہم طالبِ دیدار بیٹھے ہیں

خورشید تخلص۔ محمود علی خاں نام والد بزرگوار کا نام صاحبزادہ علی احمد خاں حضرت رونق کے پوتے تھے۔ شعر و سخن اور علم و ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ ٹونک میں ایک ادبی بزم بھی بنام "بزمِ حُسنِ اتحاد" قائم کی تھی۔ جس میں خاص خاص اہلِ ذوق شریک ہو کر ہر ہفتے علمی، ادبی، فنی اور اصلاحی مقالے اور نظمیں پڑھا کرتے تھے۔ بعالمِ شباب ۱۹۱۸ء میں بمقام ٹونک انتقال ہوا۔ چند غزلیات یادگار چھوڑیں۔ کلام میں صفائی و روانی اور شوخی ہے۔ نمونہ حسبِ ذیل ہے:۔

بیٹھے رہو پہلو میں خدا کے لئے دم بھر
تم جان ہو اور جان کا جانا نہیں اچھا

مُنھ میرا نہ کھلواؤ کہ ہو جاؤ گے رُسوا
رہنے دو یونہیں بات بڑھانا نہیں اچھا

ہو کے شب باش اکیلے نہیں جاتے دمِ صبح
وہ مرے ہوش بھی ہمراہ لئے جاتے ہیں

لیکے جان و جگر و دل وہ یہ بولے خورشید
ان کے بدلے تمہیں یاد اپنی دئے جاتے ہیں

کروں ترکِ وفا اُن کی جفا پر
مگر لاؤں میں ایسا دل کہاں سے

خیال تخلص، عبد السلام نام۔ نسباً سیّد۔ والدِ بزرگوار کا نام حکیم سید سرور۔ وطن قدیم ٹونک تھا۔

ولادت تعلیم اور ملازمت آپ ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ الہ آباد یونیورسٹی سے ایم۔ اے پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے "منشی فاضل"۔ ابتداءً اٹاوہ، جاورہ اور بھوپال میں مدرس رہے۔ پھر دربار ہائی اسکول ٹونک میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ یہ ملازمت ترک کرکے ریاست جاورہ میں

فرسٹ کلاس مجسٹریٹ ہوئے۔ اور اس کے بعد نواب صاحب جاورہ کے پرسنل اسسٹنٹ چیف سکرٹری ہو گئے۔ یہ ملازمت ترک کر کے جے پور چلے آئے اور یہاں وکالت شروع کردی۔ آپ کا شمار جے پور کے چوٹی کے وکیلوں میں تھا۔ اسی قابلیت کے باعث آپ کو اوّل سب جج مقرر کیا گیا۔ پھر اسسٹنٹ سشن جج ہو کر سوائی مادھوپور مامور رہے۔ کبھی کبھی آپ وعظ بھی کہتے تھے اسی نسبت سے مولوی سیّد عبدالسلام مشہور تھے۔

ذوقِ علم و ادب | علمِ ادب سے آپ کو خاص دلچسپی تھی اور ذوقِ شعر و سخن نہایت پاکیزہ تھا۔ حضرت عاشق ٹونکی سے تلمذ تھا۔ جے پور کی "ماڈرن پوئٹس سوسائٹی" کے آپ تادمِ واپسیں صدر رہے۔

وفات اور یومِ خیال | ۶ اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء کو آپنے جے پور میں انتقال کیا۔ ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء کو "ماڈرن پوئٹس سوسائٹی" کے ممبروں نے جے پور میں "یومِ خیال" منایا جس میں حضرت خیالؔ کے متعلق مختلف شعرائے اظہارِ خیال کیا۔ ان میں سب سے پسندیدہ سید خورشید علی مہرؔ کا مسدس تھا۔ اس کے دو بند ذیل میں درج کرتا ہوں۔

کیا خوش خیال مولوی عبدالسلام تھے — کیا خوش خصال نیک دل و نیک نام تھے
خوش خُلق و خوش طبیعت و رنگیں کلام تھے — اہلِ ادب میں لائقِ صد احترام تھے
دُنیا اگرچہ حلقۂ دامِ خیال ہے
لیکن اب اس خیالؔ کا مِلنا محال ہے

یوں سرسری نہ سانحۂ ارتحال دیکھ — گہری نگاہ ڈال کے اُس کا مآل دیکھ
روحِ لطیف کا یہ عروج و کمال دیکھ — ہے جنّت النعیم میں حُسنِ خیال دیکھ
تھی کس قدر بلند خیالی سرشت میں
پہنچے خیال صحنِ زمیں سے بہشت میں

کلام کے دستیاب ہونے کا شکوہ اور حاصل شدہ فکرِ سخن پر تبصرہ

حضرتِ خیالؔ کا دیوان تقریباً مکمل تھا جس کے طبع کرانے کا اعلان بھی "ماڈرن پوئٹس سوسائٹی" کے ممبروں نے ممتاز مشاعرے میں کیا تھا۔ مگر تذکرہ ہٰذا کے لئے جب میں نے مولوی صاحب کا کلام طلب کیا تو نہ آپ کے صاحبزادے شمس العارفین صاحب ہی نے کچھ عطا کیا جو اب پاکستان میں ہیں، نہ آپ کے ہمشیرزادے نصراللہ خاں صاحب سے میسّر آیا جو جے پور میں ہیں۔ ماڈرن پوئٹس سوسائٹی کے چند ممبروں اور آپ کے دو ایک شاگردوں سے بھی گفتگو ہوئی مگر نقدِ کلام کا سب کو نادار پایا۔ مجبوراً جو کچھ مل سکا نذرِ ناظرین ہے۔ طبیعت میں جدّت پسندی۔ بلند پردازی۔ شوخی اور رنگینی ہے۔ بیان میں دلکشی اور زبان میں صفائی ہے۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

ہوشیاری ہو فریبِ عاشقی کھانے کا نام
عاشقی ہو بند آنکھیں کرکے لُٹ جانے کا نام

دل میں ہو کچھ، زباں پہ کچھ ایسا نہیں ہوں میں
تیرا نہیں ہوں میں تو کسی کا نہیں ہوں میں

غم کا فسانہ ہوں کوئی شکوا نہیں ہوں میں
ہاں اک نوائے درد ہوں نالا نہیں ہوں میں

گر بندگی پہ بھی نہیں خوش تو تری خوشی
اے بُت تجھے خدا تو سمجھتا نہیں ہوں میں

بے وجہ ہاتھ پاؤں کوئی توڑتا نہیں
تفریح کے لئے تو تڑپتا نہیں ہوں میں

وہ آرہے ہیں میری عیادت کے واسطے
اچھّا ہوا کہ آج کو اچھّا نہیں ہوں میں

درویش

تخلص۔ بگا سنگھ نام۔ مذہباً سکھ تھے۔ اور مہاراجہ کالج جے پور میں ٹیچر۔ خوش فکر و خوش گو اصحاب میں شمار ہوتا تھا۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

یارانِ خرابات منا کر مانے
درویش کو بھرے پہ چڑھا کر مانے

میخانے سے چپکے ہی کھسکنے نہ دیا
مجھ رند کی تشہیر کرا کر مانے

درویش تخلص۔ ولایت علی شاہ نام۔ منشی منصور علی خاں بسمل کہتے ہیں کہ فنخیر تخلص کرتے تھے۔ ایک دو صاحبان نے بتایا کہ فقیر تخلص تھا۔ زیادہ تر روایات یہ ہیں کہ درویش تھا۔ بہرحال ذوق کے شاگرد تھے۔

گھاٹ دروازہ بازار میں متوکلانہ و متکفانہ زندگی بسر کرتے تھے بہت سے جے پور والے معتقد تھے۔ غدر کے بعد جے پور آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ سنہ ۱۹۱۴ء کے ایک مشاعرے میں راقم الحروف نے آپ کا کلام آپ ہی کی زبانی سنا تھا۔ تحت اللفظ بہت اچھا پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ آپ نے اپنے کلام کا ایک گلدستہ بھی طبع کرایا تھا۔ مگر تلاش پر کہیں نہ ملا۔ "جلوۂ یار" نامی رسالے میں بھی آپ کی غزلیں چھپا کرتی تھیں۔ مگر وہ پرچے بھی نہ مل سکے۔ صرف ایک شعر میسر آسکا جو ہدیۂ ناظرین ہے:-

شیخ جی کعبہ سے پھر آئے ہیں　　　اب تو خارج ہو گئے اسلام سے

ذہین تخلص۔ محمد طٰس نام۔ نسباً شیخ فاروقی۔ پیرزادگان قصبہ جھنجھوں (شیخاواٹی) سے ہیں۔ خوش فکر و خوش طبع ذی استعداد و ذی فہم اور خوش تقریر و خوش تحریر ادیب ہیں۔ انگریزی زبان میں میٹرک پاس ہیں اور فارسی میں منشی فاضل۔ جے پور میں سلسلۂ ملازمت شروع کیا۔ اور مختلف تحصیلات میں بحیثیت کلرک و سررشتہ دار مامور رہے۔ پھر محکمۂ سپلائی میں تبدیل ہو گئے۔

صحافت سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ "بزمِ راجستھان" اور "پیامِ مشرق" یکے بعدِ دیگرے رسائل نکالے۔ طبیعت پر رنگِ تصوّف غالب رہا۔

حضرت عبدالکریم شاہ ناجی رح سے آپ کو دستِ بیعت بھی ہے

اور خلافت بھی ملی ہے۔ جن کا مزار کراچی میں ہے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ کراچی چلے گئے اور بحیثیت سجادہ نشین شاہ صاحب موصوف سکون و اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

شعر و سخن سے خاص دلچسپی ہے۔ جے پور کے زمانۂ قیام میں حضرت میرزا مائل سے اصلاح لیتے تھے۔

میں نے خود کراچی میں آپ سے مکمل حالات اور انتخابِ کلام طلب کیا تھا۔ مگر افسوس کہ اب تک عطا نہ ہوا۔ لہٰذا جو کچھ کلام میں فراہم کر سکا وہی بطور نمونہ ذیل میں انتخاباً درج ہے:۔

ہر منظرِ بہار ہے اب سوگوار آ　　ہر برگِ سبزہ ہے مژہ انتظار آ
اب تو بہار آگئی جانِ بہار آ

جی رہا تھا میں اسی اُمید پر　　منحصر تھی عید تیری دید پر
تو نظر میں جب نہیں تو عید کیا

ہو مبارک عید جن کو دید ہو　　تو نظر میں ہو تو میری عید ہو
تو نظر میں جب نہیں تو عید کیا

تم دل کے حق میں دشمن ہو یا دوست اسے ہم کیا سمجھیں　　یہ زخم حقیقت میں دل کے ہیں زخم کہ مرہم کیا سمجھیں
آشفتہ مزاجوں سے مطلب کیا دنیا کے بے دردوں کو　　جمعیت گیسو کے معنے بے خاطرِ برہم کیا سمجھیں
اندوہ زبانِ عشق میں ہم کہتے ہیں محبت کو لیکن　　جو اہلِ کتابِ عشق نہیں وہ فلسفۂ غم کیا سمجھیں

راقم تخلص۔ خواجہ قمر الدین خاں نام۔ خواجہ بدر الدین خاں عرف خواجہ امان مترجم بوستانِ خیال کے فرزند اکبر تھے۔ وطن دہلی تھا۔ اور مرزا غالب کے رشتے میں نواسے ہوتے تھے۔ خاندانی اعزاز کے باعث مدت العمر گورنمنٹ انگلشیہ کے وظیفہ خوار رہے۔ غدر کے بعد دہلی کو خیرباد کہہ کر جے پور چلے آئے تھے۔

یہاں مہاراجہ رام سنگھ نے پنشن بطور روزینہ مقرر کردی تھی۔ وہی ذریعۂ معاش تھا اور شعر و سخن شغلِ حیات بقیہ تمام عمر جے پور ہی میں ختم کی۔ محلہ اونچا کنواں کے ایک مکان میں رہتے تھے۔ ستر برس سے زیادہ عمر پاکر ۱۹۰۹ء میں انتقال کیا۔

ذوقِ سخن | ذوقِ سخن موروثی تھا۔ غالب سے شرفِ تلمذ ہونے کے علاوہ اُن مشاعروں میں شرکت و غزل خوانی کا بھی شرف حاصل تھا۔ جن میں غالب و ذوق۔ مومن و شیفتہ وغیرہ جیسے اساتذہ شریک ہوتے تھے۔ جے پور میں آپ کے معاصرین میں خستہ۔ رونق۔ تسلیم۔ انور۔ ظہیر۔ شور وغیرہ تھے۔

تصانیف | آپ کی تصانیف میں سے دو کتابیں نظم کی طبع ہو کر شائع ہوئیں۔

(۱) کلیاتِ راقم۔ الموسوم بہ "نغمۂ اُردو" ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں۔

(۲) مجموعۂ نعت۔ الموسوم بہ "مرقعِ نعت"

کلام پر تبصرہ | صفائیِ زبان۔ پختگیِ کلام۔ قادر الکلامی۔ اور زورِ بیان آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ نمونہ حسبِ ذیل ہے :-

(نعت)

یہ نصیب اللہ اکبر یہ مقدر خاک کا
سر پہ اپنے جو قدم رکھے رسولِ پاک کا

حسنِ طلب ہے وصفِ رسولِ کرام کا
پیرایہ مانگنے کا ہے دار السلام کا

پاسِ ادب سے اس لئے اونچا ہوا فلک
قبہ نہ اٹھے روضۂ رفعت مقام کا

واعظ سے آستانِ نبی پوچھتا تھا میں
ظالم نے دھوکا دیدیا بیت الحرام کا

(غزل)

بہارِ مرگ جب دیکھیں نشاطِ مرگ جب کچھ ہو
جہاں کھودیں زمیں مرقد کو تیری خاکِ پا نکلے

کس کی بیتابیِ دل حالِ پریشاں کس کا
تم چھری پھیر بھی دو چارہ و درماں کس کا

آنکھ میں سحر ہی کا فرکی کہ اس کے گھر میں
جو تماشہ کو گیا بن کے تماشا آیا

آئے تھے اگر ملنے دم بھر تو ٹکے ہوتے
کچھ میری سُنی ہوتی کچھ آپ کہا ہوتا

وہ تو مہمان تھے رہتے نہیں آخر جاتے
تجکو بدنام مگر وقتِ سحر ہونا تھا

آئے دو محتسب شہر اگر آہی گیا — اب تو لب تک قدحِ آتشِ تر آہی گیا
کبھی سایہ میں کھڑا ہوں تو سرک جاتا ہے — یار کے کوچے میں دیکھے در و دیوار کے ناز
اللہ رے لاغری کہ تن آسانیوں میں ہم — اتنے گھلے کہ بل گئے روحانیوں میں ہم
میں وہ ناکام ازل ہوں کاتبِ تقدیر نے — مجھ سے پوچھا کیا لکھوں میں نے کہا کچھ بھی نہیں
کیا دھرا ہے نرگسِ بیمار میں — مستیاں ہیں اور چشمِ یار میں
کیا سبک ہو گئے عریانیِ تن سے مر کر — دوش پر جاتے ہیں اور زحمتِ احباب نہیں
زبانی مرنے والے سینکڑوں عیار ہوتے ہیں — محبت کرنے والے لاکھ میں دو چار ہوتے ہیں
دعائے وصل وہ مانگے کہ جسکے ہاتھ خالی ہوں — مرے ہاتھوں میں داماں خیالِ یار ہوتے ہیں
خوب نکلے جستجوئے یار میں — خار دامن میں ہیں دامن خار میں
ہم تو اپنی حسرتوں کو ایک دن — دفن کر آئیں گے کوئے یار میں
ایک دن رسم و رہِ غیر میں جائے گی ضرور — آبروئے عشق کی شرم آپ کی غیرت میری
حقیقت مری آپ کیا پوچھتے ہیں — مقدّر کا پورا لکھا ہو رہا ہے
خضر کو دیکے یارب عمر کی کیوں رائگاں تو نے — کسی عاشق کو دی ہوتی یہ عمرِ جاوداں تو نے

رزی

تخلص۔ محمد اسمٰعیل خاں نام۔ والد بزرگوار کا نام فضلِ نبی خاں۔ نسباً یوسف زئی پٹھان۔ مولد جے پور۔ ۱۹۴۷ء کے آخر تک جے پور وطن تھا۔ اور اب پاکستان ہے۔

تعلیم و ملازمت آپ نے اردو، فارسی اور کچھ عربی کی تعلیم مولوی فضل علی عرف مولوی جیون علی سے جے پور میں حاصل کی اور "منشی فاضل" پنجاب سے پاس کیا کثرتِ مطالعہ اور ادبی و علمی ذوق نے معلومات میں نمایاں اضافہ کیا اور اہلِ علم کی صحبت نے اس کو جلا دی۔ اگست ۱۹۱۹ء میں سررشتہ تعلیم جے پور میں ملازمت کا سلسلہ شروع کیا اور یہاں کے مختلف مدارس میں اردو اور

فارسی کے مدرس رہے۔ ۱۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء کو طبی وجوہ پر سبکدوش ہو کر پاکستان چلے گئے۔ جہاں کوٹڑی جنکشن پر قیام ہے۔

تلمذ اور ذوقِ سخن آٹھ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں حضرتِ مائل دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ ذوقِ سخن نعمتِ خداداد ہے۔ قیس عامری بھی ایسا ہی دلدادہ لیلیٰ ہو گا۔ جیسا یہ فرہادِ شاعری۔ شیرینِ سخن کا وارفتہ ہے۔ اچھا شعر سُنا اور سر دُھننا شروع کیا۔ داد دہی میں نہایت فیاض۔ اور ادبی مسائل پر گفتگو کرنے میں بہت بیباک۔ دوستوں میں یارِ شاطر مگر اغیار میں بارِ خاطر نہیں طبیعت میں ظرافت بھی اور حاضر جوابی بھی۔ بعض اصحاب بحیثیت احباب مخلص مذاق میں کبھی اڑ آئیں تو اس بہتے دریا کے سینۂ صفا گنجینہ پر کبھی گردِ ملال کا اثر تک نظر نہیں آتا۔

صاحبزادہ ولی احمد خاں قدسی اور مولوی امیر الدین خاں شوخ خلوص کے ادبی نشترِ مزاح سے ذرا رگِ ظرافت کو چھیڑ دیتے ہیں تو پھر رزی کی سیف زباں وہ جوہر دکھاتی ہے کہ مجروحین، آہ و بکا کے بجائے قہقہوں پر مجبور ہوتے ہیں۔

آپ کو فنا فی الشعر کہنا بے جا نہیں۔ سنہ ۱۹۱۷ء سے سنہ ۱۹۴۷ء تک شاید ہی جے پور کا کوئی مشاعرہ ہو جس میں آپ شریک نہ ہوئے ہوں۔ جے پور کے مشاعروں میں آپ کی عدم موجودگی خصوصیت سے محسوس کی جاتی ہے۔ بلکہ بیرونی شعرا کو بھی اس کا احساس ہے۔ چنانچہ حضرت میکش اکبرآبادی کہتے ہیں:-

گئے رزی سے سخن فہم سوئے پاکستاں ۔۔۔ سنائے میکشِ محزوں کسے اب اپنا کلام

جے پور کے آل انڈیا مشاعروں میں خدمت جے پور کے دونوں آل انڈیا مشاعروں میں آپ کی مشغولیت انہماک کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ دیگر کارکنوں کے ساتھ کام کرنے کے علاوہ ذاتی سعی و کوشش میں بھی بے حد سرگرم تھے۔

طرزِ خواندگی | ایک مشہور مقولہ ہے کہ "مترنم شاعر دشمنِ موسیقی ہوتا ہے" آپ اس قول کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ جب غزل شروع کرتے ہیں تو اُس میں خود اس درجہ محو ہو جاتے ہیں کہ دُنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی۔

کلام پر تبصرہ | مشاقی و پُرگوئی کے ساتھ بلند پروازی و مضمون آفرینی کی بہت کوشش کرتے ہیں۔ فلسفہ کے علاوہ آپ کے کلام میں پند و موعظت بھی پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

تمہاری بیقراری میں تو میرا سوزِ دل تم تھے
تمہارا دین تو میرے تم، وہ قسمت اب کہاں میری

زلیخا کو گریباں چاہیے یوسف کو پھر دامن
چلے حُسن و جنوں پھر جمع کر کے داستاں میری

رہی ہوں کوٹھری میں زندہ لیکن مُردہ مُردہ سا
رہی جے پور میں شاید کہ جانِ ناتواں میری

معاف صیاد، مضطرانہ، یہ نالہ مجھ تازہ بے وطن کا
ابھی ہے آنکھوں میں آشیانہ ابھی سماں یاد ہے چمن کا

اُدھر ہے اک شانِ بے نیازی اِدھر نہیں تابِ عرض ہم کو
نہ پوچھ ہمدم کہ ہے قیامت زباں سے فاصلہ دہن کا

وہ ہوک ہے جذبِ قعرِ دل میں کہ فطرتِ غم نثار جس پر
کبھی جو بھولے سے آئے لب تک خراب ہو حال انجمن کا

رُسوا | تخلص۔ سید اولاد حسین نام۔ رائے بریلی وطن۔ سادات نو محلہ میں سے تھے، نواب عبد العزیز خاں عزیز سے تلمذ تھا۔ نہایت طباع و ظریف اور خوش فکر و آزاد منش تھے۔ رندانہ مشرب کے باعث مولوی حشمت اللہ ایم۔ اے۔ بریلوی انھیں "دوزخ کی ڈاٹ" کہا کرتے تھے۔

جے پور میں آمد، ملازمت اور وفات | مولوی حشمت اللہ موصوف کی سفارش پر جے پور آئے اور وکالت شروع کی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اونچے درجے کے وکلا میں شمار ہونے لگے۔ پھر یہیں نائب ناظم (اسسٹنٹ کلکٹر) ہو گئے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں بمقام ہنڈون انتقال ہوا۔

لطائف | مذاق کرنے۔ پھبتیاں کسنے اور خود پر پھبتیاں سننے میں ذرا باک نہ تھا۔ بالکل پھکڑ پن پر اُتر آتے تھے۔

ایک بار کہیں سفر کر رہے تھے۔ اُس زمانہ میں اونٹ گاڑیاں چلتی تھیں، اتفاقاً رہزنوں نے مسافروں کو آگھیرا۔ آپ گاڑی کے اوپر جا چھپے مگر وہاں سے بھی ڈاکو ڈھونڈھ لائے۔ تمام مسافروں کا سامان چھین لیا۔ آپ سے پوچھا کہ بتا تیرے پاس کیا ہے تو کہنے لگے "میرے پاس کیا ہے۔ میں تو مراثی ہوں" ڈاکوؤں نے کہا کہ "مراثی ہے تو گانا سنا" آپ نے فوراً گانا شروع کر دیا اور نرت بھی ایسے کئے کہ ڈاکوؤں نے واقعی مراثی سمجھ لیا اور کچھ انعام اکرام دے کر چھوڑ دیا۔

ایک بار ممالک اسلامیہ میں سیاحت کو گئے ہوئے تھے۔ یارانِ ہمرنگ کے ساتھ کسی جگہ شغلِ جام و مینا میں محو تھے کہ محتسب نے آپکڑا۔ اوروں نے تو دریافت پر صحیح صحیح نام و مذہب بتا دیا اور شرعی حد اُن پر قائم ہوئی جناب سے پوچھا گیا تو جواب دیا کہ "میں تو مجوسی ہوں" اور ایسا ہی کوئی نام بتا کر سزا سے صاف بچ گئے۔

اپنے معاصر حکامِ وقت تک سے مذاق کرنے میں ذرا تامل نہ ہوتا تھا۔ سانبھر میں بحیثیت نائب ناظم متعین تھے۔ جے پور اور جودھپور کے مہاراجاؤں میں سمدھیانہ کارشتہ ہونے کے باعث راجپوتانہ کے قدیم دستور کے مطابق مذاق ہوتا تھا۔ جو دونوں ریاستوں کے افسروں میں بھی رائج تھا۔ آپ جے پور کی جانب سے وہاں مامور تھے۔ ایک بار ٹرین پر سوار ہونے کو ریلوے اسٹیشن سانبھر پر پہنچے اور چونکہ کچھ دیر سے پہنچے تھے اس لئے ذرا گھبرائے ہوئے سے تھے حاکم جودھپور نے جو وہاں موجود تھے کہا۔ "نائب صاحب، اب تو آپ بوڑھے ہوگئے۔"

آپ نے فوراً جواب دیا۔ "فکر نہ کیجئے طاقت بدستور ہے"۔

مرزا محتشم بیگ مرحوم مرزا مائلؔ مغفور کے فرزند اکبر آپ سے عمر میں بھی چھوٹے تھے اور عہدے میں بھی۔ وہ آپ کا ادب کرتے تھے مگر حاضر جواب تھے۔ اس لئے آپنے اُن کو اپنا مدِ مقابل بنالیا۔ اکثر نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ ایک بار دوپہر کے وقت مرزا صاحب نیلا تہبند باندھے۔ قمیص اور ٹوپی پہنے سرکاری کاغذات کا بستہ بغل میں دبائے کہیں جارہے تھے۔ راہ میں حضرتِ رُسوا کا مکان تھا اور آپ مردانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا صاحب کو دیکھ کر کہنے لگے:۔ "اماں خلیفہ ہمارا بھی خط بناتے جاؤ" مرزا صاحب نے جواب دیا۔ "حضرت ہماری برادری میں چماروں کا خط بنانے کی ممانعت ہے"۔

اخلاق و عادات | ہنسی۔ دل لگی۔ اور پھبتیاں کسنا آپ کی طبیعتِ ثانیہ ہوگئی تھی۔ ملال کسی سے کبھی نہ ہوتا تھا۔ ع خوش باش دمے کہ زندگانی این است۔ کالمونہ تھے۔

مشاعروں کی شرکت | مشاعروں میں بے تکلّف شریک ہوتے تھے۔ اگر کسی نے طول طویل غزل پڑھ دی اور اس کے اشعار ہوئے سرد۔ تو سُنتے رہتے۔ اور جب آپ کے پڑھنے کا نمبر آتا تو کوئی چھوٹا سا پُرزہ ہاتھ میں لے لیتے اور فی البدیہہ مہمل اشعار پڑھتے رہتے۔ آخر احباب کے کہنے سُننے پر غزل شروع کرتے۔

ایک بار حکیم سید شریف الحسن شریفیؔ دہلوی نے اپنے مقطع میں یہ مصرع پڑھا۔ ع جسے دیکھا شریفی، جان کا کم بخت خواہاں تھا۔ آپنے داد دی۔ واہ شریفی جان کیا کہنا۔

کلام پر تبصرہ | کلام میں زور، آمد، روانی اور شوخی خوب پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:۔

بہار چھاگئی آنکھوں میں جب سرور آیا — شراب پینے سے کافر کے منھ پہ نور آیا

شراب چھوڑ کے نیت ہوئی ہے ڈانوا ڈول — یہ کیسی توبہ کہ ایمان میں فتور آیا
ہماری آنکھ کی اللہ رے مستیاں بے مے — کسی حسیں پہ نگہ جب پڑی سرور آیا
لوگ کہتے ہیں کہ عالم میں بہار آئی ہے — دیکھتے ہم جو گزرتی سوئے زنداں ہو کر
وہی فغاں ہے وہی آہ ہے وہی نالہ — خدا کے فضل سے اپنا جو حال تھا سو ہے
تھکے ماندے ہیں کیوں اُٹھاتے ہو در سے — خدا جانے آئے ہیں مارے کہاں کے
تہِ خنجرِ یار دل اُف نہ کرنا — سدا وقت ہوتے نہیں امتحاں کے

رضی تخلص۔ محمد حسین نام۔ قصبہ سنگھانہ ضلع شیخاواٹی علاقہ سابق جے پور کے باشندے تھے۔ اُس قصبہ اور اس کے مواضعاتِ متعلقہ کی قضاّت کا تعلق بھی آپ کے خاندان سے تھا۔ اور پیرزادگان دھرسول سے بھی قرابت تھی۔ اصل وطن نارنول تھا جہاں سے جا کر آپ کے جدامجد سنگھانہ میں بوجہ عُہدۂ قضا آباد ہوئے تھے۔ نسباً شیخ صدیقی تھے۔

ولادت۔ تعلیم۔ جے پور میں آمد ملازمت۔ تلمذ اور وفات ۱۱ر شعبان سنہ ۱۲۵۸ھ کو سنگھانہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم وہیں پائی۔ سنِ شعور کو پہنچنے پر جے پور آئے اور تسلیم علیہ الرحمۃ کے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ تعلیم علوم بھی اُن سے حاصل کی اور فنِ شعر میں بھی اُنھیں سے اصلاح لی۔ اُن کے بعد مولانا مُبین کو اپنا کلام دکھاتے رہے۔ جے پور میں مختلف سرکاری عُہدوں پر مامور رہے۔ اور ۲۴ برس سرکاری خدمات انجام دیں۔ ۱۹ محرم سنہ ۱۳۲۴ھ کو چھیاسٹھ (۶۶) سال کی عمر میں جے پور ہی میں انتقال ہوا۔

تصانیف آپ نے ایک مکمل دیوان عاشقانہ کلام کا۔ اور ایک مختصر مگر مکمل دیوان نعتیہ۔ چند مثنویاں اور ایک مجموعہ سلاموں کا اپنی یادگار چھوڑا تھا۔ دونوں دیوان اور مثنویاں آپ کے صاحبزادے مولوی قاضی ممتاز حسین متین۔

مفتیِ ریاست جے پور نے کسی مطبع کو بغرض طباعت دئے تھے جن کی بابت معلوم ہوا کہ وہاں سے تلف ہو گئے۔ البتہ سلاموں کا مجموعہ آپ کے پرنواسے منشی مظہر النعیم کے پاس پاکستان میں ہے۔ کچھ سلام "اردوئے معلےٰ" میں بطور ضمیمہ شائع بھی ہوئے ہیں۔

اخلاق و عادات | خاموش طبع منکسر المزاج۔ اور بہت کم گو ہستی تھے۔ آخر عمر میں عاشقانہ شعر کہنا چھوڑ دیا تھا۔ نعت یا سلام لکھتے تھے۔ ویسے بھی تمام عمر پابند رہے کہ ماہِ محرم میں سلام اور ماہِ ربیع الاول میں نعت کے سوا عاشقانہ شعر نہ کہتے تھے۔

کلام پر تبصرہ | زبان کی شیرینی۔ روانی۔ حسین ترکیبیں۔ اور چُست بندشیں آپ کے کلام کی خصوصیت ہے۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:-

نعت

حقیقت عکس ہو مرآت سیمائے محمدؐ کا　　طریقت رنگ ہو نقشِ کفِ پائے محمدؐ کا
بہت ٹکڑے اُڑائے ہیں کتاں کے ماہ نے لیکن　　اسی سے پوچھئے اعجاز ایمائے محمدؐ کا

سلام

آباد یہ ہوا ہے اُجڑ کر نبی کا گھر　　اللہ رے نصیب بیابانِ کربلا
شور تھا فوجِ عدو میں جاں نثارانِ حسین　　تیرتے ڈرتے نہیں آبِ دمِ شمشیر میں

غزل

میں ہوں آشفتہ بیاں میری زباں سے نہ سُنیں　　زُلف سے پوچھ لیں حال اپنے پریشانوں کا
دنیا سے تو اُٹھنا نہیں دشوار و لیکن　　ہے پاؤں میں زنجیر گراں بارِ محبت
وحشت زدوں کا غیرِ بیاباں گزر کہاں　　کوچہ میں تیرے گھر تو بنالیں مگر کہاں
تم ہی تو تھے جو کہتے تھے کل تک آئیں گے　　پھر تو کہو کہ نالہ میں تیرے اثر کہاں
مجھ سے کد کرکے رقیبوں کے بنے یار تو ہو　　خیر کیا یاد کروگے کوئی دن خوار تو ہو
کیا جُھکیں شیخ کے کہنے سے حرم کے در پر　　قدمِ یار نہ ہو سنگِ درِ یار تو ہو
رضی وہ مجھ سے طلب کیوں کرے ہے صبر و شکیب　　کہ جیسے دے کے گیا ہو کبھی قرار مجھے

رعنا تخلص۔ پادشاہ حسین نام۔ والدِ بزرگوار کا نام شیخ محمد حسین خنداں نسباً شیخ عثمانی۔ وطن اصلی سندیلہ (یو۔پی)

ولادت، تعلیم آمدِ جے پور اور ملازمت ۲۵ر اپریل ۱۸۸۶ء کو بمقام بجنور پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر پائی۔ آٹھ دس سال کی عمر تھی کہ جے پور آگئے۔ اور متفرق طور پر تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پنجاب یونی ورسٹی سے "منشی فاضل" اور "ادیب فاضل" کی اسناد حاصل کیں۔ طب کی تعلیم حاصل کرکے "ممتاز الحکما" کی سند لی۔ انگریزی بھی جانتے تھے اور معمولی طور پر عربی میں بھی دسترس تھی۔ اول جے پور میں بزمرۂ اہلکاران ملازمت شروع کی پھر بیکانیر جاکر ڈونگر کالج بیکانیر میں فارسی کے پروفیسر ہوگئے۔

تلمذ اور ذوقِ سخن شعروسخن کا چسکا آپ کو بچپن ہی سے تھا۔ اوّل حضرتِ شوقؔ قدائی سے اصلاح لیتے رہے۔ اُن کے بعد مولانا اطہرؔ سے اصلاح لیتے تھے۔

علمی وادبی مشاغل اور تصانیف علمی وادبی مشاغل سے زیادہ شغف تھا۔ آپ کا زیادہ وقت ایسے ہی کاموں میں صَرف ہوتا تھا۔

آپ کی تصانیف میں ایک رسالہ الموسوم بہ "تحقیقِ مسئلۂ رویتِ ربّانی" متعلق معراجِ سرورِ کائنات علیہ افضل التحیات مطبوعہ ہے جس میں آنحضرتؐ کی معراجِ روحی و جسمی کے متعلق مولوی افتخار علی خاں عزیزؔ سے آپ کے مباحثہ کا حال درج ہے۔ آپ معراج روحی کے قائل تھے۔

ایک ضخیم رسالہ ۱۹۱۱ء یا ۱۹۱۲ء میں مُرتّب کیا تھا جس میں مولانا مُبینؔ رح کے اُن مواعظ کو جمع کیا تھا جو موصوف بسلسلۂ مجالسِ میلادِ شریف بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہ رسالہ اب نایاب ہے۔

آپ نے کلام کا ایک معتد بہ ذخیرہ چھوڑا تھا مگر وہ نہ آپ کے

صاحبزادے شیخ امیر حسن عثمانی ایم۔ اے کے پاس ہے نہ بیکانیر میں آپ کے کسی شاگرد سے دستیاب ہوا جو وہاں بہ تعداد کثیر ہیں اور ان میں شعرا بھی ہیں۔

وفات یہ عجیب اتفاق ہے کہ عیسوی تاریخ ولادت ہی تاریخ وفات ہے یعنی ۲۵ اپریل ۱۹۲۷ء کو بمقام بیکانیر آپ کا انتقال ہوا۔

کلام پر تبصرہ شوخی۔ نزاکت۔ روانی۔ اور مضمون آفرینی آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:-

دل میں کل دنیا بسی تھی آج اُسکی یاد ہے　　کل یہی گھر بُت کدہ تھا آج کعبا ہو گیا
میری نظر میں کچھ نہیں آپ کے حسن کے سوا　　پھر بھی احاطۂ جمال امر محال ہو گیا
مجکو بھی ناز ہے کہ کبھی آستانِ غیر　　میرے سرِ نیاز کا کعبہ نہیں بنا
سینہ میں دل ہے دل میں داغ داغ میں سوز و سازِ عشق　　پردہ بہ پردہ ہے نہاں پردہ نشیں کا رازِ عشق
سب رہیں صف بصف کھڑے تیغ کے ساتھ سر جھکے　　آج تو قتل گاہ میں دھوم سے ہو نمازِ عشق
نزدیک سہی رگِ گلو سے　　ملتے تو نہیں ہو جستجو سے
ہو گئی پردۂ رحمت میں مری پردہ دری　　انگلیاں اُٹھنے لگیں مجھ پہ گنہگاروں کی
دُعائیں بے اثر فریاد بے تاثیر ہوتی ہے　　جو ہونے والی ہوتی ہے بہر تقدیر ہوتی ہے

رعنا تخلص۔ شوکت حسین نام۔ نسباً سیّد۔ رسول پور سکونت۔ پہلے حضرت رسوا بریلوی سے تلمذ تھا۔ اُن کے بعد مولانا اطہر سے اصلاح لیتے رہے۔ اُن سے اَن بَن ہو جانے پر فارغ الاصلاح ہو گئے۔ جے پور میں سنگر کمپنی کے ایجنٹ بھی رہے اور جے پور پولس میں محرر تھانہ (ہیڈ کنسٹبل) بھی ہو گئے تھے۔ وہاں سے علیٰحدہ ہونے پر متفرق کاروبار کرتے رہے۔ پھر لوہارو (ریاست) جا کر ماہ نامہ "امین الادب" کے عملۂ صحافت میں شریک اور درباری شعرا میں شامل ہو گئے۔ تقاسمۂ ملک پر پاکستان چلے گئے۔

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے :-

سب بنی آدم ہیں یکساں یہ تو ملت کا ہے فرق
کوئی کافر ہو گیا کوئی مسلماں ہو گیا

گزرا نہ بشر قول سے قائم رہے وفا میں
اک بار بلیٰ کہہ کے پھنسا لاکھ بلا میں

رونق تخلص۔ احمد علی خاں نام۔ "نواب زادہ" خاندانی اعزاز۔ اصل وطن ٹونک (ریاست) تھا۔ مگر مستقلاً سکونت جے پور اختیار کی۔

خاندانی اعزاز۔ اور جے پور میں آمد۔ آپ نواب امیر خاں بانیِ ریاست ٹونک کے فرزند ہفتم تھے، بعدِ وفات نواب صاحب موصوف جب آپ کے برادرِ کلاں نواب وزیر الدولہ سریر آرائے ریاست ہوئے تو انھوں نے آپ کا بیس ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ مگر آپ کا مطالبہ متعلق جائداد ایک لاکھ روپیہ سالانہ کا تھا جو نامنظور ہونے کے باعث ناخوش ہو کر ٹونک سے جانبِ جے پور روانہ ہو گئے۔ پہلا قیام موضع نٹواڑہ علاقہ جے پور میں ہوا۔ وہاں کے جاگیردار نے مہاراجہ جے پور کو اطلاع دی تو حکم پہنچا کہ جاگیرداران ٹھکانہ (سرکار) نٹواڑہ اور بیونی پیشوائی کر کے صاحبزادے کو اپنے ساتھ جے پور لے آئیں چنانچہ جے پور پہنچنے پر ٹھا کر نٹواڑہ ہی کے احاطہ میں قیام ہوا۔ اور پھر مہاراجہ سوائی رام سنگھ والیِ جے پور سے حسبِ دستورِ ریاست ملاقات ہوئی۔ جنھوں نے آپ کے ذاتی و اضافی اوصاف کی قدر کی دوستانہ طریق سے پیش آئے۔ پانچسو روپیہ ماہوار دعوتِ خرچ مقرر کیا۔ اور رہائش کے لئے ایک وسیع احاطہ عطا کیا۔ نیز خاص امراء کے درباری اعزاز بھی عطا ہوئے وہ مکان محلہ خرادیان کے قریب "باغ جوہری والا" کے نام سے مشہور ہے اور آپ کے نبیرے صاحبزادہ ولی احمد خاں ایم۔ اے قدسی، مصنف "محاوراتِ داغ" کے قبضہ میں ہے۔ اس میں کوٹھی حضرتِ رونق کی بنوائی ہوئی ہے۔

اور احاطہ کا رقبہ موصوف کے فرزند صاحبزادہ علی احمد خاں کا زر خرید۔

ذوقِ سخن اور تلمذ | شعر و سخن سے دلچسپی سنِ شعور ہی سے تھی۔ اوّل نوازش علی خاں تنویرؔ سے اصلاح لیتے رہے۔ لیکن ۶۵ سال کی عمر میں سید امراؤ مرزا انورؔ سے تلمذ اختیار کیا۔ اور اُن کے بعد اُستاد ظہیرؔ سے۔ حضرتِ انورؔ سے اصلاح شروع کرنے پر پچھلا کُل کلام تلف کر دیا۔ اور بہت قلیل عرصہ میں بہت اچھا کہنے لگے۔ مشکل زمینوں میں طبع آزمائی کا خاص شوق تھا۔ ردیف خوب بٹھاتے تھے اور رموزِ سخن سے بخوبی واقف تھے۔

اخلاق و عادات | آپ خوش اخلاق۔ خندہ رو۔ متواضع۔ وسیع المشرب اور قدردانِ اہلِ علم و فن تھے۔ لکھنؤ گئے تو استاد ناسخؔ سے ملاقی ہوئے۔ حضرت داغؔ جے پور آئے تو اُن کی شاندار دعوت کی۔

انتقال اور تصانیف | ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۰ء کو جے پور میں آپ نے انتقال کیا۔ اور بیرونِ سانگانیر دروازہ دفن ہوئے۔ ایک مطبوعہ ضخیم اور دوسرا غیر مطبوعہ دیوان اپنی ادبی یادگار چھوڑے تھے۔ موخر الذکر کو کسی شخص نے نہیں معلوم کہاں سے کس طرح حاصل کر کے اپنے نام سے دلّی میں چھپوا لیا۔ اس کی اطلاع آپ کے پوتے صاحبزادے ولی احمد خاں کو دی گئی۔ مگر انھوں نے بربنائے استغنا کوئی کارروائی کرنا پسند نہ کیا۔

کلام پر تبصرہ | پختگیِ بندش۔ چستیِ الفاظ۔ ندرت آفرینی اور شیرینی و صفائی آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ نمونہ حسبِ ذیل ہے:-

آبِ خنجر سے تر ہوا نہ گلو　　سر بہت تشنہ کام نے مارا
دل زمانہ سے ہٹ گیا اپنا　　ہم بھلے اور گھر بھلا اپنا
بچ گئے ہم صدمہ ہائے ہجر سے　　موت کا اچھا بہانا مل گیا

سمجھتے تھے اُسے ناداں مگر وہ تو بلا نکلا — کہ دشمن بن گیا نامِ محبت مُنہ سے کیا نکلا
ہے سب کو گمان دامنِ قاتل ہیں یہ ہیں گُل — چھینٹے جو مرے خون کے دو چار پڑے ہیں
دیکھنے سے ترے زاہد کی یہ حالت بگڑی — خود کہیں، سبحہ کہیں، جبّہ و دستار کہیں
تصدق اس زباں کے اس پیامِ ناز کے قرباں — کہ اپنا حالِ دل کاغذ پہ لکھ کر بھیجدو ہم کو
دل تنک ہو چاک، تیغ جو سر پہ لگائیے — عاشق ہوں ہاتھ سوچ سمجھ کر لگائیے
اعدا کی ملاقات سے انکار مُسلّم — کیا کہیے مگر ہم نے سُنا اور ہی کچھ ہے
نہ باتیں کیں نہ تسکیں دی نہ پہلو میں ذرا ٹھیرے — جو تم آئے تو کیا آئے جو تم ٹھیرے تو کیا ٹھیرے
جلوہ اپنے حُسن کا دکھلا کے ہر ہر رنگ میں — کافر و مومن میں ڈالی ہے لڑائی آپ نے
غلط ہے کہ دل کا لگانا بُرا ہے — محبت کا لیکن جتانا بُرا ہے
کہاں رہ گئی لب پہ جاں آتے آتے — کہ رُک رُک گئیں ہچکیاں آتے آتے
گل و لالہ سے میکدہ بھر گیا — مغاں کے لئے ارمغاں آتے آتے
نہ آساں سمجھ قصۂ غم کو رونق — کہ آئے گی یہ داستاں آتے آتے
پل میں تولہ ہے پل میں ماشا ہے — یار کیا ہے عجب تماشا ہے

زیب

تخلص منور حسین خاں نام۔ دہلی وطن۔ راجستھان سکریٹری ایٹ میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں متواتر معروضات کے باوجود جناب نے اپنے حالات عطا فرمائے نہ انتخابِ کلام اس لئے مجبوراً آپ کے ایک مسدسِ تازہ کے دو بند پر اکتفا کرنا پڑا جو مرزا غالب سے عقیدت اور "مرزا غالب" فلم سے اظہارِ بیزاری کی بابت رقم فرمایا ہے۔

یہ زمیں لاکھ گردشیں کھائے — رقصِ بسمل کی شکل بن جائے
یہ فلک خوب رنگ برسائے — اہلِ فن ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لائے
غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

وہ مضامین وہ مقال کہاں　　وہ عناصر میں اعتدال کہاں
وہ تعلق وہ انفعال کہاں　　ہر مؤذّن کہاں بلالؓ کہاں
اشرفِ شاعراں سے کیا نسبت
لائقِ عارفاں سے کیا نسبت

ساجد تخلص۔ ابوالعجز کُنیت۔ محمد ساجد علی نام۔ نسباً شیخ فاروقی الاسدی ہیں۔ اصل وطن نارنول تھا اور وطن مابعد جے پور۔ اب پاکستان ہے۔ والدِ بزرگوار کا نام مولوی شیخ عابد علی عابدؔ۔

ولادت تعلیم اور ملازمت ۱۰ر شعبان ۱۳۲۹ھ مطابق ۶ر اگست ۱۹۱۱ء یوم یکشنبہ کو بمقام جے پور پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم حاصل کی۔ مہاراجہ کالج جے پور سے انٹرمیجیٹ پاس کیا۔ "منشی فاضل" اور "ادیب فاضل" پنجاب کی تعلیم پرائیویٹ پائی۔ کسی قدر عربی بھی پڑھی۔ جے پور ہی میں سلسلۂ ملازمت شعبۂ تعلیم سے شروع کیا۔ پھر کلیریکل لائن اختیار کی۔ آجکل پاکستان کے محکمۂ کسٹم میں ہیڈ کلرک ہیں۔

ذوقِ سخن۔ تلمذ اور تصانیف ذوقِ سخن بچپن سے ہے جو وراثتاً پہنچا ہے۔ والد عابدؔ۔ دادا اعجازؔ۔ نانا شوکتؔ۔ پھوپھا تنویرؔ اور اسی طرح دیگر قریبی بزرگ بھی شاعر تھے۔ حضرت تنویرؔ سے تلمذ اختیار کیا اور بہت تھوڑے عرصہ میں کافی مشق بہم پہنچالی۔ پہلی غزل نو برس کی عمر میں کہہ کر حضرت تنویرؔ کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کی تو انھوں نے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کہا کہ "تم واقعی فطری شاعر ہو۔ کوئی مصرع ناموزوں یا خلافِ بحر نہیں ہے"۔

اُس غزل کا مطلع ہے :-

تڑپ کر جا گرا میں یار کی شمشیرِ بُرّاں پر　　اس ارماں میں کہ گر کر جان جائے اُسکے داماں پر

اسی زمانہ میں کاکوری ہاؤس کے مشاعرۂ نعتیہ میں اس شعر پہ بہت داد ملی۔

دعویٰ مدح و ثنائے شہِ کونین کروں توبہ توبہ مجھے کیا مثلِ خدا ہونا ہے

اخلاق و عادات | طبیعت میں بے حد عجز و انکسار ہے۔ اسی مناسبت سے ابوالعجز کُنیت کی ہے اور اپنے صاحبزادے شاہد علی کا تخلص "عجز" رکھا ہے مگر خودداری بھی بلا کی ہے چنانچہ ایک موقع پر آپ کے افسروں نے آپ کے ہمعصر جونیروں کو ترقی دے دی اور آپ محروم رہے۔ احباب نے زور دیا کہ اُن سے جاکر ملو اور اپنا حق مانگو۔ مگر آپ کی خودداری نے گوارا نہ کیا اور بجائے کسی عرض و معروض کرنے کے چند اشعار لکھے۔ جن میں سے ایک قطعہ اور ایک بند حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:۔

خوددار ہوں، ذلت کا طریقہ نہیں آتا ہمجنس کے آگے مجھے جھکنا نہیں آتا
اِک ظاہری شُو اور خوشامد کے سوا بتلائے کوئی اور مجھے کیا نہیں آتا

بھُولوں گا حشر تک نہ کبھی وعدۂ اَلَست کرتا رہے فلک مجھے کتنا ہی زیر و پست
میری خودی نہ ہوگی کبھی آدمی پرست حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

طبیعت پر تصوّف کا زیادہ غلبہ ہے۔ بزرگانِ دین سے خاص عقیدت رکھتے ہیں۔ استغنا و اخلاص آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

پاکستانی ایک مشاعرہ کا حاصلِ مشاعرہ شعر | پاکستان میں ایک طرحی مشاعرہ ہوا جس میں آپ کا یہ شعر حاصلِ مشاعرہ تسلیم کیا گیا۔

دُور ہی سے یہ بھلا لگتا تھا مانندِ سَراب آکے پچھتانا پڑا ہم کو گلستاں کے قریب

اسی طرح اور بھی متعدد مشاعروں میں آپ کے کئی اشعار وہاں حاصلِ مشاعرہ مانے گئے۔

آپ کے متفرق اشعار کا ایک مختصر مجموعہ "گلِ صدبرگ" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

کلام پر تبصرہ | آپ کے کلام میں پختگی۔ بلند پروازی اور مضمون آفرینی کافی پائی جاتی ہے۔ طربیہ رنگ بہت کم اور حزنیہ تاثرات بکثرت ملتے ہیں۔

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

(احساسِ غم)

شکوہ نہیں بیتابیِ فطرت کیوں دی — غم اس کا نہیں مجکو مصیبت کیوں دی
کب اس کا گلہ ہے مجھے کیوں درد دیا — غم اس کا ہے حساس طبیعت کیوں دی

(متفرق اشعار)

مری جبیں کو ترا آستاں نہیں ملتا — زمیں سے جیسے کبھی آسماں نہیں ملتا
دھجّیاں اسکی اڑا دیں مری وحشت نے وہیں — کبھی دامن کو جو آلودۂ احسان دیکھا
کاش اے دستِ جنوں اُنکا نقابِ رنگیں — آج بن جائے گریباں کسی دیوانے کا
ہے عجب ہمت شکن نیرنگِ دشتِ معرفت — اُن کو گر پایا تو ملنا خود کا مشکل ہو گیا
ہائے وہ نیچی نگاہیں وہ تبسم اُن کا — مجھ کو جینا ہی پڑا بندۂ احساں ہو کر
ذرّوں کے آئینے مجھے مُشرک بنا نہ دیں — کب تک فریب دیتا رہوں گا نظر کو میں
بے خودی کا تو مزہ جب ہے کہ ہو یہ عالم — وہ کہیں کون ہو تم میں کہوں کچھ یاد نہیں
جب گلابی نقاب ہوتی ہے — شرحِ حسنِ شباب ہوتی ہے
کہتے ہیں روح جس کو وہ ایسا اسیر ہے — پھرتا ہے ساتھ ساتھ جو زنداں لیئے ہوئے

ساکت

تخلص۔ (حافظ) فصیح الدین نام۔ نارنول وطن اور حضرت تسلیم سے تلمذ تھا۔ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ مگر اب بجز ایک غزل کے اور کلام نایاب ہے۔ آپ کے پوتے منشی تحسین الدین تک کے پاس، آپ کی کوئی ادبی یادگار نہیں۔ عرصہ دراز ہوا میں نے خود بھی آپکا دیوان دیکھا تھا۔ سنگ لاخ زمینیں زیادہ پسند کرتے تھے۔

نمونہ کے لئے اشعارِ ذیل ملاحظہ ہوں:۔

رات آئی دشت میں دیوانہ کا گھر ہے یہی — خاک پر لیٹے رہو حضرت کہ بستر ہے یہی

فلکِ خنجر کس لئے مشتاقِ کشتن کے لئے ایک، ابرو کا اشارہ کیجے خنجر ہے یہی
شکوۂ حرماں عبث کرتے ہو سائلؔ چرخ سے صبر کیجیے حضرتِ من ہاں مقدر ہے یہی

سائل تخلص۔ حشمت علی نام۔ والدِ بزرگوار کا نام قاضی صادق علی نسباً سید وطن و مولد جے پور۔ حضرتِ کوثر سے تلمذ۔ جے پور کے بہترین جواہر تراش ہیں۔ جوہرِ طبع بھی خوب دکھاتے ہیں۔ یہ شعر آپ کے ہیں:۔

ستم سے باز آؤ باز آؤ برے ہوتے ہیں ورنہ دل جلے بھی
جب بھی اُن سے نظر ملائی ہے کوئی آفت ضرور آئی ہے
میں جدھر ہوں اُدھر نہیں کوئی وہ جدھر ہیں اُدھر خدائی ہے

سخا تخلص۔ لچھمی نراین نام۔ نسباً سریواستو کایستھ۔ قدیم وطن موضع باز نگر ضلع ایٹہ تھا۔ بسلسلۂ ملازمت جے پور میں سکونت اختیار کی اور اب آگرے میں اپنے صاحبزادے کے پاس متوطن ہیں۔ تقریباً انشی پچاسی (۸۵) سال کی عمر ہے۔

ملازمت اول آپ جے پور رزیڈنسی میں ہیڈ کلرک تھے۔ پھر ریاست جے پور میں ملازمت اختیار کر لی۔ عرصہ دراز تک مختلف مقامات پر ناظم (کلکٹر) رہے پھر سٹی مجسٹریٹ جے پور ہو گئے جس کو مقامی طور پر فوجدار کہا جاتا تھا۔ اسی عہدے سے پنشن یاب ہو کر گوشہ نشین ہیں۔

تلمذ و ذوقِ ادب حضرتِ سخا کو جناب چاند خاں مرحوم المتخلص بہ عطا سے شرفِ تلمذ ہے۔ اور سنِ شعور ہی سے ذوقِ سخن۔

اخلاق و عادات نہایت خلیق اور بزرگانہ شفقت کا نمونہ ہیں۔ قدیم وضع اور ادب و آدابِ کہن کے پابند۔ مرنجان و مرنج طبیعت پائی ہے۔ شعرا کی دھڑا بندیوں سے ہمیشہ علیحدہ رہے۔ اور اپنے ہمعصروں میں ہمیشہ

مصالحت کے خواہاں و ساعی۔ بزرگوں کا ادب اور بزرگانِ دین سے عقیدت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ شرافت کا معیار آپکے نزدیک یہ ہے کہ کوئی شخص مدعیِ شرافت بزرگوں کی نسبت کیا خیال رکھتا ہے۔ آپ بلا امتیازِ مذہب و ملت ہر دل عزیز اور ہر شخص کے نزدیک واجب التعظیم ہیں۔

کلام پر تبصرہ کلام میں پختگی۔ بلند پروازی۔ وسیع النظری۔ شوخی مگر سنجیدگی و متانت کے ساتھ اور اُستادانہ ترکیبیں پائی جاتی ہیں۔ محاورات کا برمحل استعمال کرتے ہیں۔ نعت بھی خوب کہتے ہیں۔ اور بڑی عقیدت سے لکھتے ہیں۔ زبان کی صفائی کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

نہیں ممکن سوا اسکے بیاں کچھ شوقِ بیحد کا ۔ سخا کس کا محمدؐ کا۔ خدا کس کا محمدؐ کا
یقیناً جنتی ہیں ہم کہ اُن کے اُمتی ہیں ہم ۔ نہ خطرہ اس میں بابید کا نہ اندیشہ ہے شاید کا
کافر ہے مومنوں میں مومن ہے کافروں میں ۔ عشقِ نبی میں یارب کیا حال ہے سخا کا
اب آہ دل کے ساتھ ہے نالہ جگر کے ساتھ ۔ میں رہ گیا ہوں فرقتِ خیر البشر کے ساتھ
دو چار اشک یادِ نبی میں بہیں ضرور ۔ لازم ہے یہ درود دُعائے سحر کے ساتھ
چھپایا کُفر کے پردے میں میرا سوزِ پنہانی ۔ خدا نے عشقِ محبوبِ خدا کی قدر تو جانی
ترا منہ دیکھتے ہیں رحمۃ للعالمیں دونوں ۔ یہ تیری وسعتِ رحمت یہ میری تنگ دامانی
صاف آرہی ہے اس سے صدائے درودِ پاک ۔ ہم جانتے ہیں خوب سخا کا مزار ہے
ہوگا نہ پاس ہی اُنھیں قول و قرار کا ۔ یاں تک ہے اعتبار مرے اعتبار کا
بننے میں دیر ہے نہ بگڑنے میں دیر ہے ۔ نقشِ سُراغِ دہر ہے کس شہسوار کا
کہنے کی بات ہے نہ یہ سُننے کی بات ہے ۔ ہمدم نہ پوچھ حالِ دلِ بے قرار کا

ہے کیا عجب جو عرش نظر آئے فرش پر
کیا اعتبار نالۂ بے اختیار کا

سخاؔ تخلص ۔ نظیر حسن نام ۔ نسباً سید ۔ والد بزرگوار کا نام مولوی سید غضنفر علی خاں ۔ جدِّ امجد کا اسمِ گرامی "تاج العلما" سید نجف علی خاں ۔ وطنِ قدیم دہلی ۔

ولادت ۱۸؍ فروری ۱۸۶۲ء مطابق ۱۸؍ شعبان ۱۲۷۸ھ کو بمقام دہلی پیدا ہوئے ۔ آپ کے خود نوشت حالات جو "دورِ جدید" نامی اپنے رسالہ میں آپ نے شائع کئے ہیں حسبِ ذیل ہیں :-

خود نوشت حالات "بندے نے ہندوستان کے بڑے شہروں کے قیام اور تفصیلی سیر ہیں ۔ اکثر مذاہب کے مشہور علما سے ہفتوں مباحثہ کیا ہے ۔ اور اب میرا اسلام تحقیقی اسلام ہے نہ کہ محض تقلیدی ۔ البتہ حاشیہ دار مسخ و محرف اسلام کو ماننے والے اس سے ناخوش ہوتے ہیں ۔ جہانگردی کے سبب لاکھوں آدمیوں کے دیکھنے اور ملنے کا اتفاق پڑا ۔ میری پچپن سالہ موجودہ عمر کی تفصیل یہ ہے :-

نُو برس کی عمر دلی میں ہوئی ۔ پھر نُو برس بھوپال میں ۔ پھر چند ماہ بنارس پھر چند ماہ اجمیر شریف پھر چند ماہ ٹونک پھر کوئی آٹھ برس شادی کے بعد اجمیر شریف میں رہا ۔ یہیں ملازمت شروع کی ۔ ایک برس بعد مشن ہائی اسکول میں مدرس دوم ہو گیا اور صدر مدرسی کا کام کرتا رہا ۔ وہاں سے برس روز بعد ترقی پا کر کالجئیٹ ہائی اسکول نصیر آباد میں فارسی کا پروفیسر ہو گیا ۔ ایک برس وہاں رہا ۔ پھر حیدر آباد دکن چلا گیا ۔ وہاں محکمۂ صفائی میں ایک شاخ کا محاسب ہو گیا ۔ پھر ترقی پا کر دار ڈانسٹی ٹیوٹ میں صدر مدرس فارسی و عربی رہا ۔ پھر وہیں سے ہائی اسکول چادر گھاٹ میں فارسی پروفیسر ہو گیا جملہ پانچ چھ برس وہاں رہا اور اپنے اُستادِ محترم نواب فصیح الملک داغؔ مرحوم کی خدمت سے زیادہ فیضیاب ہوا ۔ اور یہ تُک بندی انھیں خاتم الشعرا کا

طفیل ہے۔ پھر قانون پڑھ کر حیدرآباد میں وکالت ہائی کورٹ کا امتحان دیا۔ وہاں سے آکر ایک برس الور میں فوٹو کا کام کیا۔ ایک برس بھرت پور کی انجنیری میں رہا۔ چھ ماہ نیمچہ میں فوٹوگرافی اور تجارت کی علیحدہ علیحدہ دوکانیں کیں۔ جاورہ گیا وہاں ایک ضلع اسکول میں ہیڈ ماسٹر اور پھر جاورہ میں پروفیسر ہو گیا۔ سال بھر بعد بمبئی جاکر "مطبع حیدری صفدری" کا منیجر ہو گیا اور تھوڑے ہی دن میں نیو الیفریڈ تھیٹریکل کمپنی میں ڈرامانسٹ ہو گیا۔ رفتہ رفتہ اخبار "دعوت الاسلام" کا سب ایڈیٹر اور پھر ایڈیٹر ہو گیا۔ اپنا ذاتی پریس کر لیا کئی کلبوں اور انجمنوں کا سکریٹری اور میر مجلس رہا۔ اپنی عمر میں ماہانہ رسالے کئی بار نکالے مختلف کتابیں تصنیف کیں۔ کئی طبع بھی ہوئیں۔ "یہ دورِ جدید" کوئی اکتیسویں ۳۱ بتیسویں ۳۲ کتاب ہے۔ بمبئی کی شش سالہ اقامت میں کئی بار ہندوستان کا تفصیلی سفر کیا۔ فقط ایک سفر کا میں نے حساب لگایا جو بمبئی سے کلکتہ اور کلکتہ سے جے پور اور بمبئی ہوتا ہوا حیدرآباد جاکر بمبئی آیا اور درمیانی شہروں میں پھرا تو ساڑھے پانچ ہزار میل تھا۔ ان سفروں میں مختلف اقسام کے مشاہیر سے ملا۔ مختلف صحبتیں دیکھیں۔ سنہ ۱۳۲۷ھ میں حج سے اور محرم سنہ ۱۳۲۸ھ میں زیارت مدینہ منورہ سے سرفراز ہو کر ہندوستان آیا اور اقربا کے اصرار پر جے پور چلا آیا۔ یہاں وکالت شروع کردی۔ جس طرح عزت سے رزق مقسوم میں نے حاصل کرنا چاہا وکالت سے نہ ہو سکا اور جس طرح وکالت نے دینا چاہا اس طرح میں نے لینا نہ چاہا۔ ناچار پھر باہر جانا پڑا۔ مگر اقربا کے اصرار و سعی سے جے پور کے سررشتۂ تعلیمات میں مدرسہ عربیہ کا ہیڈ مولوی ہو گیا۔ حکام جہاں چاہتے ہیں کالجیئٹ اسکول میں عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم کا کام لیتے ہیں۔ بقیہ عمر کے لئے خدا جانے میں کس حصۂ ہند کو منتخب کروں سردست تو دکن سے بہتر خطہ نظر نہیں آتا۔"

۱۲؍اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

اسی "دورِ جدید" میں لکھتے ہیں :-

"دلی کا قدیم باشندہ نواب فصیح الملک داغ کا پرانا شاگرد ہوں۔ عمر بھر باہر پھرتے پھرتے میری زبان مختلف محاورات سے مخلوط ہے۔ نہ یہ کلام دِلی کی ٹکسالی زبان ہے نہ لکھنؤ کی۔ اور نہ ایسا کرنے میں اب کوئی فخر خاص باقی رہا ہے۔ بلکہ میرا اور مجھ سے جہاں پیدا اہلِ سخن کا روزمرہ جُدا ہے۔ کیونکہ اس زمانے کے اختراعات۔ ایجادات۔ ضروریات و مناسبات نے ایک نئی وسیع زبان پیدا کر دی ہے۔ جو اخبارات و رسائل اور انگریزی کے سفرنامجات و تراجم علمیہ سے ظاہر ہے۔

یورپ میں جب کوئی عالم مرتا ہے تو اس کے حالات میں اس کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے کہ اس مربی زبان نے اس قدر الفاظ و تراکیب کا اضافہ کیا اور اس کی ایک فہرست مرتب کر کے زندوں کی ہمّت افزائی کی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں جب کوئی عالم یا شاعر مرتا ہے تو اُسکے حالات میں ایک مدمرحوم کی کمزوریوں کے نام سے قائم کر کے اُس کے اجتہاد اور اضافوں کا تذکرہ لغزش بمسامحت۔ خطا۔ غلطی بلکہ جہل و تخریب زبان سے موسوم کر کے مرحوم کی تحقیر اور زندوں کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ بہت فرق ہے زندہ قوم اور مُردہ قوم کے ہر فعل میں۔"

وفات | جیسا کہ مولانا نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا وہ جے پور سے حیدرآباد دکن گئے اور وہیں ۸ر فروری ۱۹۳۳ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

تصانیف | مولانا کی تصنیف "دورِ جدید" کے علاوہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا اور جو بزمانہ قیام جے پور عزیزی پریس آگرہ میں طبع ہو چکی ہے۔ متعدد مطبوعہ تصانیف اور بھی ہیں۔ غیر مطبوعہ کا کوئی صحیح حال معلوم نہ ہو سکا۔

صاحبزادے سید ظہیر حسن جنرل مرچنٹ جوہری بازار جے پور تک نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ دیوان کے لئے انھوں نے کہا کہ اُن کے پھوپھی زاد بھائی حکیم سید مشتاق حسین مشتاق پاکستان جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے تھے جس کا راستہ میں کسی جگہ چھین لیا جانا معلوم ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

"دورِ جدید" جدید رنگِ شاعری کے قطعات کا مجموعہ ہے۔ بطور نمونہ ایک قطعہ ملاحظہ ہو:-

حقیقت یہ ہے قرآنِ مجید آیا تھا دُنیا میں　　عمل کرنے کی نیت سے فقط پڑھنے پڑھانے کو
مگر اب اس کو دُنیا دار رکھتے ہیں حفاظت سے　　اُٹھانے کو، ہوا دینے کو، اور قسمیں سُنانے کو

مولانا کا ایک قصیدہ "عروۃ الوثقیٰ" نامی جو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ہے۔ اور مرزا حبیب قاآنی کے اُس کامیاب قصیدے کا جواب ہے جس کا مطلع ہے:-

بگردوں تیرہ ابرے باماداں برشد از دریا　　جواہر ریز و جوہر بیز و جوہر خیز و جوہر زا

نہایت کامیاب و مشہور ہے۔ اس کے شروع کے تین شعر ملاحظہ ہوں۔ اس میں اشعار فارسی و اردو مخلوط ہیں۔

سحر از شرق سر بر زد درخشاں بیضۂ بیضا　　فروغ انگیز و تابش ریز و تابش بیز و تابش زا
چو چشم عاشقاں پُر خوں چو خدِ مہوشاں گلگوں　　چو قلبِ مضطرِ مجنوں چو روئے انورِ لیلیٰ
گہے در شرق تابندہ گہے در غرب خوابندہ　　بہر موسم شتابندہ چہ در سرما چہ در گرما

"فلسفۂ تقریر" اور "محبوب الشعرا" بھی مولانا کی مطبوعہ تصانیف ہیں۔ "جوہرِ سخن" نامی رسالہ بھی مولانا ہی کی ادارت میں ۱۹۱۴ء عیسوی میں جے پور سے جاری ہوا تھا۔

کلام پر تبصرہ | مولانا نے ہمہ گیر طبیعت پائی تھی کبھی میدانِ سخن میں بند نہ تھے

اُستادانہ طرزِ ادا کے ساتھ مضمون آفرینی، جدّت طرازی، بلند پروازی، پُرگوئی اور زورِ بیان آپ کے کلام میں بخوبی پایا جاتا ہے۔ نمونہ کلام ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

مری محفل میں بھی شورِ ادھر کا سا وناوِل[1] تھا — شرابِ عشق سے جبتک لبالب ساغرِ دل تھا
نہ ملنے کے فقط حیلے تھے ورنہ کون حائل تھا — میں ایسی جھوٹی باتوں کا نہ قائل ہوں نہ قائل تھا

حباب سے متصادم جو ہیں حباب ہوا — پکاری موج کہ دونوں کا گھر خراب ہوا
جگر برشتہ و دل خستہ و سرشک رواں — میں آدمی نہ ہوا سیخ کا کباب ہوا
جوان ہوتے ہی دُنیا کی کچھ خبر نہ رہی — شباب کیا ہوا کیفیتِ شراب ہوا
خراب کچھ نہ ہوا گر زباں خراب ہوئی — خراب ہو گئی ہستی جو دل خراب ہوا

گھڑی سے دل نے سیکھا یا گھڑی نے دل سے سیکھا ہے — کہ بل آتے ہی رُکنے کیلئے تیار ہو جانا

کیونکر نہ ہو تاثیر مری آہِ رسا میں — بے تار خبر جاتی ہے امواجِ ہوا میں
اڑ جاؤں ابھی آہ میں بہ جاؤں بکا میں — پانی ہوں میں پانی میں ہوا ہوں میں ہوا میں
یہ کیا کہ ترسے ہوتے ہوئے آئے مسیحا — یہ کیا کہ ملے شربتِ اعجاز دوا میں
دل لیتے ہو جاں لیتے ہو جو لینا ہو لے لو — لاحول ولا بخل کا کیا کام سخاؔ میں

نہ کیوں ہو قطرے قطرے سے نمائش چشمۂ غم کی — کہ ہے عین اور الم کے ربط سے ترکیب عالم کی
ذرا آہستہ چل اے شہسوارِ عرصۂ دولت — کہ ملکِ عیش سے ملتی ہے سرحد کشورِ غم کی
گئی دُنیا تو جائے بھاڑ میں عاشق کو کیا پروا — غم آزادوں کو ہوتا ہی نہیں اچھی کہی غم کی
مُبارک ہو غزالِ دل کہ چشمِ مست کہتی ہے — سنبھالی ہے نیجۂ مژگاں کماں ابروئے پُرخم کی
وہ صورت دیکھتے ہی بے تامل تھم گئے آنسو — سخاؔ یکجائی ہوتی ہے کہیں خورشید و شبنم کی

---

[1] یہ قافیہ مولانا سخاؔ نے خاص طور پر باندھا اور مطلع اوّل کے مصرعِ اولیٰ میں رکھا۔ یہ مشاعرہ جولائی ۱۹۱۲ء میں مولانا جوہر کے یہاں ہوا تھا۔ طرح ہونے پر مولانا اظہر کی زبان سے نکلا تھا کہ ناول (لفظ عربی) کا باندھنا مشکل ہے۔ چنانچہ غزل شروع کرتے وقت مولانا سخاؔ نے مولانا اظہر کو مخاطب کیا کہ قافیہ سنئے ۱۲

سخن تخلص۔ کرشن گوپال نام نسباً کایستھ سکسینہ، والد بزرگوار کا نام منشی جمنا پرشاد، جو فارسی کے عمدہ ادیب تھے ۱۳ اگست سنہ ۱۸۹۷ء کو ٹونک اپنے وطن میں پیدا ہوئے۔ ٹونک دربار ہائی اسکول سے میٹرک پاس کرکے جے پور آگئے اور الہ آباد یونی ورسٹی سے بی۔ اے پاس کیا۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں محکمہ مردم شماری جے پور میں ملازم ہو کر ترقی کرتے رہے۔ حکمرانِ جے پور نے بصلۂ کارگزاری "رائے صاحب" کا خطاب بھی عطا کیا۔ سنہ ۱۹۵۱ء میں اسسٹنٹ سکریٹری ریونیو ڈپارٹمنٹ جے پور کے عہدے سے پنشن لی اور اب چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری جے پور میں سکریٹری ہیں۔ شعر و سخن سے خاص دلچسپی ہے۔ مشاعروں میں شریک ہو کر تحت اللفظ بہت بلند آواز سے خوب پڑھتے ہیں۔ کلام میں زور و روانی اچھی ہے۔ نمونۂ سخن یہ ہے :-

نقاہت ہے دمِ بسمل میں بے حد ۔۔۔ پہنچنا ہو گیا دشوار لب تک

لطف و کرم پہ اُس کے ہی ہر بات منحصر ۔۔۔ وہ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

حرم و دیر کے قصّے نہیں درکار مجھے ۔۔۔ وہ برہمن ہوں نہیں حاجتِ زُنّار مجھے

آخری دن ہیں قفس ہی میں پڑا رہنے دے ۔۔۔ غیر کے ہاتھ نہ بکوا سرِ بازار مجھے

رنج سہنے کی ہو گئی عادت ۔۔۔ عمر بھر کی یہی کمائی ہے

سراج تخلص۔ سراج الدین احمد خاں نام۔ مولانا جلال الدین احمد خاں جلالی کے فرزند دوم۔ وطن رام پور (سابق ریاست) پہلے بنگلہ آزاد خاں پر رہتے تھے پھر محلہ شاہ آباد دروازہ میں سکونت اختیار کی۔ ۱۲ ذالحجہ سنہ ۱۲۶۵ھ کو پیدا ہوئے۔ کتب فارسی اپنے والدِ بزرگوار سے پڑھیں اور علومِ عربی کی تکمیل مولوی ارشاد حسین صاحب سے کی۔ عالم ہونے کے ساتھ نستعلیق کے خوش نویس بھی تھے۔

اخلاق و عادات اور جے پور سے تعلق | مردِ متین اور نہایت مہذب۔ پابندِ شعائرِ اسلام خاموش زندگی بسر کرنے والے۔ گمنامی پسند۔ اپنے کام سے کام۔ زائد امور سے مجتنب۔ جے پور میں برسوں رہے۔ نائب فوجدار (اسسٹنٹ سٹی مجسٹریٹ) کے عہدہ پر مامور تھے۔ پھر رام پور جاکر "فتاوائے عالمگیری" کے عملہ ترجمہ میں ملازم ہو گئے جو بحکم نواب خلد آشیاں زیرِ اہتمام مفتی محمد لطف اللہ مرحوم اردو میں شروع کیا گیا تھا۔ اُس کے بعد انگریزی ہائی اسکول رام پور میں عربی کے مدرس رہے۔ رام پور ہی میں انتقال ہوا۔

ذوقِ سخن | کبھی کبھی فارسی اُردو میں طبع آزمائی فرماتے تھے۔ صرف دو شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں:۔

ہوا ہوں لذّتِ شوقِ وصالِ دلبر میں	تڑپ رہا ہی ہما میرے استخواں کے لئے
جز خیال او نمی گنجد بدل اے جاں برو	کاندریں اقلیم باشد کار فرمائے دگر

سراجؔ | تخلص۔ سراج الدین احمد نام نسباً سیّد نقوی۔ کنتور مضافات لکھنؤ وطن۔ مذہباً سنی حنفی۔ عربی و فارسی کے مستند عالِم اور اُردو کے عمدہ ادیب تھے۔ نیز نستعلیق کے خوش نویس۔

جے پور میں آمد، ملازمت اور انتقال | مہاراجہ سوائی رام سنگھ کے عہد میں آپ جے پور آئے اور اوّل نائب ناظم (اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) مقرر ہوئے۔ پھر نائب فوجدار (اسسٹنٹ سٹی مجسٹریٹ) اور بعد میں ناظم (کلکٹر) ہو گئے۔

آپ بحیثیتِ ناظم مالپورہ میں مامور تھے کہ اخیر اپریل سنہ ۱۹۱۶ء کو بروز جمعہ کھانا تناول کیا اور نماز جمعہ کے لئے مکان پر وضو کر رہے تھے کہ ایک قے ہوئی۔ چارپائی پر لیٹے کہ روح پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔ مسجد میں انتظار تھا کہ خبرِ وفات پہنچی۔ تمام باشندگانِ قصبہ کو سخت رنج ہوا۔

اور جنازہ میں بلا تفریقِ مذہب و ملت بکثرت اہلِ قصبہ شریک ہوئے۔

مالپورے میں عیدگاہ کے شرقی جنوبی کونے پر احاطہ سے باہر آپ کی بہت معمولی پختہ قبر ہے۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ جس کے قطعاتِ تاریخ نے بیسیوں اشخاص کے نام زندہ کر دئیے اُس کو ایک قطعۂ تاریخ بھی لوحِ مزار کے لئے میسّر نہ ہوا۔ صرف مولوی انوار الرحمٰن بسمل کے ایک قطعۂ تاریخ سے ہجری سنۂ وفات معلوم ہوا جس کا آخری شعر یہ ہے :-

سنینِ مرگ جو پوچھے کسی نے بسمل سے ۔۔۔ سراجِ فضل ہوا حیف گُل۔ کہا میں نے
۱۳۳۴ھ

اخلاق و عادات | متواضع و خوش اخلاق۔ لکھنؤ کی تہذیبِ قدیم کا جے پور میں آخری نمونہ ہمیشہ کلاہ پر سبز عمامہ باندھتے تھے اور چغہ پہنتے تھے۔ نواب واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ کے دربار دیکھنے والوں میں تھے۔

نہایت مہذب و متین اور باوقار و وجیہہ۔ صوم و صلوٰۃ اور شعائرِ اسلام کے پابند۔ کلام اللہ شریف کے تین پارے روزانہ پڑھنا اور ایامِ بیض کے روزے رکھنا آپ کا معمول تھا۔ کیسے ہی ضروری کام جا رہے ہوں اگر راستہ میں جنازہ مل جاتا تو گاڑی سے اُترتے اور کاندھا دینے کے بعد پھر روانہ ہوتے۔

مولانا مُبین کے احبابِ خاص میں تھے۔ جہاں کہیں اُن کا بیان ہوتا آپ اوّل وقت تشریف لے جاتے اور آخر تک شریک رہتے۔ اور کہا کرتے تھے کہ "مولانا آپ کے بعد یہ علمی نکات بتانے والا جے پور میں کوئی نہیں ہے" اسی طرح مشاعروں میں اوّل وقت پہنچتے اور آخر تک شریک رہتے۔ نومشقوں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ کہنہ مشقوں کو اُن کی کاوش کی اور اساتذہ کو اُن کے کمال کی داد دیتے۔ خود کو کبھی اپنا کلام سُناتے نہیں دیکھا۔

شغفِ علم و ادب | علم و ادب سے خاص شغف تھا۔ عرصۂ دراز تک "انجمنِ احباب"

اور "کتب خانۂ احباب" کے سکریٹری اور منتظم رہے۔ دیگر علمی و ادبی اور قومی کاموں میں پوری دلچسپی لیتے تھے۔ سرکاری فرائض کی انجام دہی میں بھی ادبی شرستیوں کا اظہار کر جاتے تھے۔ چنانچہ آپ مالپورہ میں ناظم تھے۔ دو راجپوت جاگیرداروں میں کوئی جائداد کا مقدمہ آپ کے اجلاس میں تھا جس میں ایک فریق کا نام ہمیر سنگھ تھا۔ آپ نے جب اس کا فیصلہ دیا کہ جو خود ہی نے لکھا تھا تو ہر جگہ ہمیر سنگھ کو حائے حطی سے لکھا۔ اپیل پر وہ مقدمہ محکمہ سشن میں آیا کہ جس کا نام اس زمانہ میں "محکمہ اپیل" تھا۔ اور دو سشن جج ہم جلسہ ہوا کرتے تھے جن کو "سرداران اپیل" کہا جاتا تھا۔ جس اجلاس میں یہ مقدمہ پیش ہوا اُس میں منشی گوبند سرن اور مولوی رفیع الدین سردار تھے۔ دونوں صاحبان باعلم تھے۔ سررشتہ دار نے مولانا کا فیصلہ سُنایا تو یہ بھی عرض کیا کہ ہمیر کو ناظم صاحب نے بقلم خود فیصلہ میں ہر جگہ حمیر لکھا ہے۔ سرداران اپیل نے خود دیکھا اور مقدمہ کی تاریخ تبدیل کر کے رکھوا دیا۔ جب مولانا کسی ضرورت سے جے پور آئے تو ان صاحبان سے بھی ملاقی ہوئے۔ انھوں نے بدورانِ گفتگو یہ بھی تذکرہ کیا تو فرمایا کہ "آپ روداد مثل ملاحظہ فرمایئے اس ہمیر سنگھ نے اپنی حماقت سے اپنے معاملہ کو کس بُری طرح بگاڑا ہے۔ اس لئے میں نے اس کو حمیر لکھا ہے۔ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔"

قادر الکلامی اور تلامذہ | مولانا کو شعر کہنے پر پوری قدرت تھی مگر کہتے بہت کم تھے۔ چنانچہ قادر الکلامی کی بابت جے پور کے باخبر اصحاب بخوبی واقف ہیں کہ جب حکیم عاشق حسین عاشق بلہروی اور ملک ناظر علی ناظر عباسی رئیس اکبر پور ضلع بارہ بنکی میں۔ مشہور زمین ع:۔ سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل۔ میں منظوم مباحثہ ہوا تو ملک صاحب کی جانب سے جوابات لکھنے کا سارا

بار مولانا ہی پر تھا۔ جانبین سے سیکڑوں اشعار اسی زمین میں بطور مناظرہ لکھے جاکر شائع ہوئے۔ مولانا کے یہاں غضب کا تسلسل اور زور ہے۔

مولانا کے تلامذہ میں مولوی انوار الرحمٰن بسمل اور مولوی امیر الدین خاں شوخ قابلِ ذکر ہیں۔

ادبی توجیہ ایک بار "بزم ادب" کے ارکان "جوہر سخن" میں طباعت کیلئے سنہ ۱۹۱۴ء کے ایک مشاعرے کا انتخاب کر رہے تھے۔ جناب بسمل مذکور کی جب غزل انتخاب میں آئی تو دیگر ارکان نے اس شعر کو اس بنا پر نظری کرنا چاہا کہ لفظ "سرمہ سا" زائد ہے:-

تغافل کی اداؤں میں لگاوٹ کا بھی پہلو ہو
حیا کے ساتھ کچھ شوخی بھی چشمِ سرمہ سا کرنا

مولانا نے کہا کہ "یہ لفظ زائد نہیں ہے بلکہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ خوبیِ چشم سرمہ ہی سے بڑھتی ہے۔" غرض شعر انتخاب کر لیا گیا۔

ایک لطیفہ مولانا نظامت سوائی جے پور میں نائب ناظم تھے۔ اور پنڈت کاشی پرشاد جو نواحِ پورب کے باشندہ تھے ناظم تھے۔ دونوں میں نہایت خوش گوار تعلقات تھے۔ مولانا وطن گئے ہوئے تھے۔ پیچھے سے ناظم صاحب کا تبادلہ کسی اور محکمہ میں ہو گیا اور منشی پنالال بھارگو اُن کی جگہ ناظم ہوئے۔ یہ اطلاع مولانا کو ہوئی تو انھوں نے ایک کارڈ پر یہ شعر لکھ کر پنڈت جی کے نام نظامت کے پتے پر بھیجدیا:-

پنا ہو یا کہ لعل بھرے گا نہ اپنا پیٹ
ہم سادھوؤں کو کاشی کا پرشاد چاہیے

پنڈت جی جائے تبادلہ پر جا چکے تھے اور پنالال جی نے کام سنبھال لیا تھا۔ یہ کارڈ انھیں ملا۔ منشی صاحب نے اس شعر کے مفہوم کو مولانا کی دیانتداری سے متعلق کر کے بابو کانتی چندر مکرجی وزیر اعظم ریاست جے پور سے جاکر شکایت کی اور ثبوت میں کارڈ پیش کر دیا۔ بابو جی نے کہا کہ "مولوی صاحب جب چھٹی سے

آجائیں تو آپ دونوں آئیے" چنانچہ مولانا کی واپسی پر دونوں صاحب حاضر ہوئے۔ بابوجی نے پوچھا۔ "مولوی صاحب یہ کیا بات ہے؟" آپ نے عرض کیا۔ "ادبی شوخی" بابوجی بولے۔ "ہاں ٹھیک ہے" اور معاملہ ختم ہوگیا اس کے بعد تو منشی جی سے ایسے عمدہ تعلقات ہو گئے کہ انھوں نے ہی کوشش کر کے نائب فوجداری کے عہدہ پر ترقی یاب کرایا۔

ایک کتاب کی نقل | الحاج حافظ محمد اللہ صاحب امام جامع مسجد جے پور راوی ہیں کہ نواب عبدالواجد علی خاں مرحوم کے پاس کوئی فارسی کی قلمی کتاب تھی جس کا اور کوئی نسخہ کہیں دستیاب نہ ہوتا تھا اور دیمک نے اس کو اس قدر کھا لیا تھا کہ اس کا پڑھنا مشکل تھا۔ نواب صاحب عرصہ سے فکر میں تھے کہ کسی طرح اس کی نقل ہی ہو جائے۔ مگر کوئی اقرار نہ کرتا تھا۔ آخر مولانا سے درخواست کی اور انھوں نے نقل کیلئے لے لی۔ چند دن کے بعد نہایت خوشخط۔ مکمل کر کے نقل کر دی۔ جہاں جہاں الفاظ کا اضافہ کیا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہاں وہی لفظ تھا۔

تاریخ گوئی میں کمال | تاریخ گوئی میں مولانا کو کمال حاصل تھا۔

ایک بار علی الصباح نواب ممتاز الدولہ محمد فیاض علی خاں وزیر اعظم جے پور کے سلام کو مولانا ان کے باغ پر گئے۔ نواب صاحب باغ میں چہل قدمی فرما رہے تھے۔ مولانا بھی بعد سلام ساتھ ہو لئے۔ نواب صاحب نے باغ سے متصل ایک خوشنما مسجد تعمیر کرائی تھی اور وہ مکمل ہو چکی تھی۔ انھوں نے مولانا سے فرمائش کی کوئی مادہ تاریخ کہہ دیجئے۔ مولانا نے ذرا دیر سوچا اور عرض کیا کہ مادہ حاضر ہے۔ ع پاک ہے خانۂ خدائے پاک

منشی پنا لال ناظم مندرجہ صدر کی تعریف میں دو قطعۂ تاریخ لکھے ہیں۔

ایک قطعہ کے ۱۶ الفاظ ہیں جن سے ۱۶ مادے نکلتے ہیں۔ دوسرے کے آخری مصرع سے چار مادے مختلف سنین کے برآمد ہوتے ہیں۔ ہر دو درج ذیل ہیں:۔

	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء	
سنہ ۱۸۹۹ء	صاحب کرم	نیکو شیم	ناظم ہوئے	حاکم ہوئے	سنہ ۱۸۹۹ء
سنہ ۱۸۹۹ء	ارفع ہمم	انفس رقم	کانِ حیا	شانِ سخا	سنہ ۱۸۹۹ء
سنہ ۱۸۹۹ء	کانِ حیا	شانِ سخا	نیکو شیم	صاحب کرم	سنہ ۱۸۹۹ء
سنہ ۱۸۹۹ء	ناظم ہوئے	حاکم ہوئے	انفس رقم	ارفع ہمم	سنہ ۱۸۹۹ء
	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء	

حاکم با ناظمِ ملکِ فیوض آمد کہ ہست　　فیضِ او مقبولِ طبع و طبع او مقبولِ فیض
شد ز فکرِ من بیک فانوس روشن چار شمع　　خود نظر۔ ذی رتبہ عظمت دستگہ۔ مشمولِ فیض

سمت ۱۹۵۶　۱۳۱۷ھ　سنہ ۱۸۹۹ء　سنہ ۱۳۰۶ف

مولانا نثر بھی نہایت شگفتہ لکھتے تھے۔ نمونہ ذیل میں ملاحظہ ہو یہ نثر "معلومات السنین" مصنفہ مولانا تسنیم کے قطعۂ تاریخ کے ساتھ لکھی ہے جو اس کے آخر میں چھپی ہے:۔

"شفیقِ صمیم۔ جناب تسنیم کی خدمت میں سراجِ اثیم کی تسلیم قبول ہو۔ میں نہ مورخ ہوں نہ شاعر۔ مگر بات یہ ہے کہ چند عزیزوں اور حسنِ ظنون کی بدولت جے پور میں "پیش ہیچ ہر دو" کا مصداق بن رہا ہوں۔ آپنے رسالہ "معلومات السنین" لکھ کر تحقیق کی داد دی ہے۔ کمال کا اظہار کیا ہے۔ معلومات کا دریا بہایا ہے یہ سب مسلم و بجا ہے۔ مگر تاریخ کی فرمائش کرکے مجھ گمنام کو پبلک سے ملامت کا خلعت دلوانا چاہا ہے۔ ہم کو ایسی عہدہ خدمات سے کیا؟ خیر۔ ع

ہر چہ رود بر سرم گر تو پسندی رواست۔

میں نے بحکم المامور معذور دو شعر لکھ دیئے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔ آخری مصرع پورا مادہ سالِ تصنیف (سنہ ۱۳۱۴ھ[1]) ہے۔ اس کے علاوہ دو تاریخیں طبع ہذا کی یوں نکلتی ہیں کہ اگر چاروں مصرعوں کے ابتدائی حروف کے اعداد بالترتیب ایک خطِ متوازی میں لکھے جائیں تو عیسوی سنہ ۱۸۹۸ پیدا ہوتا ہے۔ اور آخری حرفوں کے اعداد اسی ترتیب سے ہجری سنہ ۱۳۱۶ ظاہر کرتے ہیں۔ اگر یہ قطعہ پسندِ خاطرِ عاطر ہو تو اسی تحریر کے ساتھ آخرِ رسالہ میں جگہ دیدیجے۔ ورنہ مجھے تشہیر کی عزّت سے محروم ہی رکھئے۔ والسلام

آپ کا نیاز مند

سراج الدین احمد نقوی کنتوری۔ جے پور۔ ۹ رجون سنہ ۱۸۹۸ء

۸ حبذا تحقیقِ تسنیم خرد پرور گزد ۲	۹ طالباں را تازہ فیضے می رسد صبح و مسا ۱
۸ حیرتے داری ازیں حرفم اگر بنگر سراج ۳	۱ آمد ایں تحقیقِ سالِ مہ گزین و دلکشا
۱۸۹۸ء ۱۳۱۶ھ	۱۳۱۴ھ

عدم دستیابی کلام | مولانا کے کمالات اور قدرتِ کلام واقعات مندرجۂ صدر سے اظہر من الشمس ہیں۔ مگر کلام نہ جے پور میں ملا نہ آپ کے خلفِ اکبر سید مصباح الدین ایگزیکٹیو آفیسر لکھنؤ سے حاصل ہوا۔ نہ دوسرے فرزند سید وہاج الدین اٹیچی ٹو دی گورنر جنرل پاکستان سے۔ ہر دو صاحبان نے کچھ نہ ہونے کا اظہار کیا۔ صرف مندرجہ ذیل ایک فارسی کا شعر مولانا کا معلوم ہوا جو ہدیۂ ناظرین ہے :-

چو عاقلی بسلامِ ملوک دل نہ نہی ۔۔۔ کہ چار حرفِ سلام است و ہر چہار تہی

---

[1] سنہ ۱۳۱۴ھ میں اس رسالہ کا آغاز ہوا۔ ۱۳۱۵ھ میں مکمل ہوا اور سنہ ۱۳۱۶ھ میں طبع ہو کر شائع ۱۲

سرور تخلص۔ کنہیا لال نام۔ نسباً کالیستھ ماتھر۔ مرزا یوسف علی بیگ سے تلمذ تھا۔ وطنِ قدیم قصبہ کوٹ پوتلی علاقہ کھیڑی وطنِ ثانی جے پور یہاں محکمہ خاص میں سررشتہ دار تھے۔ اسی عہدے سے پنشن یاب ہوئے تقریباً اسّی سال کی عمر میں یہیں ۱۹۴۴ء میں انتقال کیا۔ اردو۔ فارسی خوب جانتے تھے۔ کہنہ مشق شعرا میں شمار تھا۔ کلام میں صوفیانہ رنگ پسند تھا۔ شعر آپ کا ہے:۔

نہیں ہے ناخدا کشتی مری اپنی کچھ نہیں پروا
خدا ہے ناخدا کشتی لبِ ساحل سمجھتے ہیں

سلیم تخلص۔ رضا حسین نام۔ نسباً شیخ۔ مذہباً امامیہ۔ مولوی شیخ عطا حسین شور کے خلف الصدیق۔ وطن قدیم دہلی، اور وطن مابعد جے پور۔ عربی فارسی کی تکمیل مولانا تسلیم سے کی۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں بمقام جے پور پیدا ہوئے۔ نہایت طباع و ذہین تھے۔ خانگی واقعات کی بنا پر دس بارہ سال کی عمر میں ہی ملازمت اختیار کر لی۔ پھر ترقی کر کے چیف کورٹ جے پور کے سررشتہ دار ہو گئے۔ نستعلیق بھی بہت اچھا لکھتے تھے کافی ادبی سرمایہ چھوڑا تھا جو دیمک نے کھا کر برابر کر دیا۔ پہلے اپنے والد بزرگوار سے اشعار پر اصلاح لیتے تھے پھر مولانا تسلیم سے۔ ایک فارسی شعر میں اپنا حال بیان کرتے ہیں۔

پیشۂ آبائے من طب دانا لیقیست
لیک کفاف مرا خانۂ دفتر گرفت

جے پور ہی میں پچاسی برس کی عمر میں سنہ ۱۹۳۶ء میں انتقال کیا۔

بہزار دقت سات شعر کی ایک غزل دستیاب ہو سکی جسکے چار شعر درجِ ذیل ہیں:۔

تاثیر ضبط میں نہ اثر اضطراب میں
دل پھنس گیا ہے کاکلِ پُر پیچ و تاب میں

ہے لطف و حظ جو لختِ دل و خونِ ناب میں
آتا ہے کب مزہ وہ شراب و کباب میں

عادت کے ہی خلاف یہ دینا پیامِ وصل | قاصد! مجھے آج کیا وہ کسی اضطراب میں
ایفائے وعدہ اس کو ہی کہتے ہیں کیا سُہا | آنا ہوا تمہارا رات کو ان کا جو خواب میں

سُہا | تخلص۔ امیر حسن نام بن نسباً سیّد۔ وطنِ قدیم دہلی۔ پھر قصبہ چاکسو ضلع جے پور۔ مولوی سیّد غضنفر علی خاں کے فرزند دوم۔ تاج العلما مولانا سیّد نجف علی خاں کے پوتے۔ اور مولوی نظیر حسن سخاؔ کے چھوٹے بھائی تھے۔

ولادت و تعلیم | ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ علوم شرقیہ کی ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوں اور دیگر اصحاب سے پائی۔ مولوی احمد علی اور مولوی محمد عبد الرحمن محدثین ٹونک سے باضابطہ درسِ حدیث لے کر سندِ حدیث حاصل کی۔ فنِ طب اور نجوم اپنے دلی شوق سے حاصل کرکے مہارتِ تامّہ پیدا کی۔

ملازمت و وفات | ریاست جے پور میں سپرنٹنڈنٹ ہنڈہ بھاڑہ کے عہدہ پر ملازم ہوئے اور مستقل سکونت چاکسو میں اختیار کرلی پھر انسپکٹر ایکسائز اینڈ کسٹم ہوکر قصبۂ سوائی مادھوپور میں مامور رہے۔ اسی عہدے سے پنشن لی۔ اور مستقلاً ٹونک رہنے لگے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ وہیں انتقال ہوا۔

ذوقِ سخن | شعر و سخن کا کافی ذوق تھا۔ جب جے پور میں ہوتے، اور کوئی مشاعرہ ہوتا تو ضرور شریک ہوتے۔ مگر کبھی غزل پڑھتے نہیں سُنا۔ بزمِ شعر میں ہمیشہ مولانا سخاؔ کے برابر بیٹھتے۔ ثقلِ سماعت کا عارضہ تھا۔ اس لئے کوئی شعر سُننے میں نہ آتا تو مولانائے موصوف سے پوچھ لیتے۔ شعر تقریباً یا ضرورتاً یا کسی خاص واقعہ سے متاثر ہوکر کہتے تھے۔ تاہم کافی ضخیم بیاض اشعار کی تھی مگر اب ناپید ہے۔

ایک بار ایک دُعائیہ مُسدّس نواب صاحب ٹونک کی خدمت میں پیش کیا تو صلہ میں ایک حویلی مع ۲ دو دوکان عطا ہوئیں۔ اس کا پہلا بند یہ ہے:

الٰہی ماہ جب تک خوشہ چینِ مہرِ انور ہو شعاعِ مہر تا بہرِ عطارد سطرِ مسطر ہو
دبیرِ چرخ پر جب تک کہ زہرہ سایہ گستر ہو شہِ انجم حشم خورشیدِ تاباں آسماں پر ہو
یہ ابراہیم علی خاں بادشاہِ ہفت کشور ہو
پناہِ اہلِ ایماں رونقِ دینِ پیمبر ہو

شوقِ شکار | مولانا سُہا کو شکار کا خاص شوق تھا اور اس کی بابت علمی اور تجرباتی معلومات بہت وسیع تھی۔ باوجود ضعیفی شکار میں جوانوں کا سا جوشش ظاہر ہوتا تھا۔

تصانیف | حضرتِ سُہا کی حسبِ ذیل تصانیف تو میرے علم میں آ سکیں مگر ممکن ہے کہ ان کے علاوہ بھی اور ہوں :۔

(۱) توضیح الاحکام۔ ترجمہ تفسیرِ احمدی۔ مطبوعہ
(۲) ترجمہ تفسیر کبیر مطبوعہ
(۳) سفر نامۂ سعادت مطبوعہ

ایک عجیب قطعہ | حضرت سُہا نے ایک قطعہ صنعتِ توشیحِ شطرنج میں، صفدر جنگ مرحوم ٹونکی کی خدمت میں پیش کیا تھا جو شطرنج کے بہت شائق تھے۔ اس کے سولہ شعر ہیں۔ اور صنعت یہ ہے کہ اگر بساطِ شطرنج کے ہر خانہ میں ایک ایک مصرع لکھ دیا جائے تو خواہ کسی مُہرے کی رفتار سے چلا جائے لفظ "جناب عالی" برابر بر آمد ہوتا رہے گا۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے :۔

جان آفریں در جسمِ ما در دادعقلِ نوربار ٭ جائز نہ باشد پس ہماج: یادِ حق بودن شکیر

سیّد | تخلص بسید حسن نام، نسباً سید جعفری۔ نارنول وطن، جے پور کے محکمہ سائرات میں بزمرۂ اہلکاران ملازم تھے۔

حضرت تنویرؔ کے عزیز بھی تھے اور شاگرد بھی۔ جے پور ہی میں انتقال ہوا۔
یہ شعر آپ کا ہے:۔

تاثیر تو سب کچھ ہے مری آہ و بکا میں　　آتا ہے مگر فرق رہ و رسم وفا میں

شاد تخلص۔ انور علی نام۔ نسباً سید۔ والد بزرگوار کا نام سید روشن علی
وطنِ قدیم قصبہ سانبھر۔ وطن مابعد جے پور۔ اور اب پاکستان۔

ولادت و تعلیم اور آمدِ جے پور حضرتِ شادؔ ۱۸۷۶ء میں بمقام سانبھر پیدا ہوئے۔
ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ حافظ سید منور علی سے
پائی۔ پھر جے پور آکر مولانا مبینؔ سے تعلیم حاصل کی۔

ملازمت آپ ابھی تعلیم سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ سلسلۂ ملازمت شروع
ہوگیا۔ محکمہ پولیس جے پور میں بزمرۂ اہلکاران جگہ ملی۔ وہاں سے ترقی
کرکے افسر تھانہ (سب انسپکٹر) ہوگئے۔ اور پھر سررشتہ دار محکمہ گیرائی
(محکمہ پولس) ۱۹۲۵ء میں جب جدید انتظام پولس کا ہوا تو ترقیِ تنخواہ
کے ساتھ سب انسپکٹر پولس ہوگئے۔ اور اسی عہدہ سے پنشن لے کر
خانہ نشین ہوئے۔ دفتری کام میں بہت اچھی شہرت رکھتے تھے
اس لئے آپ کو کورٹ آف وارڈس جے پور کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ
کا سررشتہ دار کردیا گیا۔ جہاں عرصہ تک کام کرتے رہے۔

لطیفہ باوجودیکہ فرائض پولس اور شعر و سخن میں کوئی ہم آہنگی نہیں ہے مگر
شعرا و علما کی صحبت کا اثر اور قدرت کی دین کہ مذاقِ سخن آپ کی طبیعت
میں رچ گیا تھا اور اساتذہ کے صدہا اشعار نام بنام آپ کو ازبر تھے۔
مرزا مائلؔ مرحوم کی تو پوری پوری غزلیں بہت زیادہ یاد تھیں چنانچہ
فرائضِ ملازمت کی انجام دہی کے سلسلہ میں ایک خاص مقدمے کے

انکشاف کی غرض سے آپ کو بھرت پور اور دھولپور جانا پڑا۔ اُس زمانہ کے دستور کے موافق جے پور پولس کا وہاں کامیاب ہونا ناممکنات سے تھا۔ اس زمانہ میں اُن دونوں جگہ شعر و سخن کا بڑا چرچا اور قدر تھی۔ آپنے وہاں اپنا تعارف شعرا سے خود کو مرزا مائل کہہ کر کرایا۔ پھر کیا تھا مشاعروں کا اور آپ کی دعوتوں کا تانتا بندھ گیا۔ اتفاق سے جو دو چار طرحیں ہوئیں اُنمیں مرزا صاحب کی غزلیں پہلے سے موجود تھیں اور آپ کو یاد تھیں جناب خوب مشہور ہوئے۔ خوب دعوتیں اُڑائیں۔ اور جس سرکاری غرض سے گئے تھے اُس میں بھی اسی اثر سے کامیابی حاصل کرلی۔ جب جے پور آئے تو سارا حال مرزا صاحب سے عرض کردیا۔ جن کی خدمت آپ کو نیاز خاص حاصل تھا۔

اخلاق و عادات | نہایت خوش اخلاق و خوش خیال۔ ہر وقت ہنسنے ہنسانے اور خوش طبعی سے کام۔ سیر چشم۔ متواضع اور یار باش۔ البتہ جب غصہ آتا تھا تو بے پناہ تاہم دیر پا نہ ہوتا تھا۔ اس طرح تخلص بالکل صحیح تھا مگر جب سے پاکستان گئے ہیں خود کو ہمیشہ ناشاد لکھتے ہیں۔ نہ وہ خوش طبعی د آزادی ہی نہ احباب کے مجمعے۔ جو اس بھی صحیح معنیٰ میں اب بجا نہیں ہیں شغل کچھ نہیں ہے۔ کبھی دماغ حاضر ہوا تو باوجود اطبا و اعزہ کی ممانعت وہی مادہ ہائے تاریخ نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ شطرنج کے بہت اچھے کھلاڑی اور بیجد شائق تھے مگر اب مطلق سروکار نہیں۔ ساری شگفتہ مزاجی ختم ہوگئی اور تمام خوش طبعی مفقود۔

ذوق سخن | اگرچہ ذوقِ سخن تو آپ کو زمانہ طالب علمی ہی سے تھا مگر آپنے اپنے لئے فنِ تاریخگوئی کو طبعی مناسبت کے باعث منتخب کیا اور اس میں کمال بھی حاصل کیا۔ کوئی غزل۔ قصیدہ۔ قطعہ وغیرہ بلا تاریخی اشعار کے نہ کہتے۔ اور پھر یہ نہیں کہ دو دو چار چار شعر ہوں بلکہ اکتیس[۳۱] بتیس[۳۲] اشعار تک کی

نعت وسلام وغیرہ اسی پابندی کے ساتھ لکھتے تھے۔

تصانیف | آپ کی حسبِ ذیل مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف ہیں:۔

شاہدِ غم۔ یہ مرزا مائل کے قطعاتِ تاریخ وفات کا مجموعہ ہے۔ جو حقیقتاً آپ کی جودتِ طبع کا نتیجہ ہے۔ اس میں ۱۱۹ اشعرا کے ۱۲۳۱۔ اشعار کے قطعاتِ تاریخ ہیں۔ جو زیادہ تر آپ کے زورِ قلم کے ممنون ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ ان میں سے کتنے مادے خود شعرا کے طبعزاد ہیں اور کس قدر آپ کے عطیہ۔ ٹائیٹل پیج۔ تمہید۔ حالات بشعرا سے تعارف اور تقریظ کی ۳۶۴ سطریں ہیں جن کے کل فقرے تاریخی ہیں۔ اور ان میں زیادہ تر آپ ہی کی کوشش و دماغ سوزی کار فرما ہے۔

ایک ضخیم بیاض، تاریخی غزلیات۔ قطعات اور دیگر اصنافِ سخن پر مشتمل آپ کے کلام کی ہے۔ بعض بعض مصرعوں میں کئی کئی مادے ہیں۔

ایک کتاب فنِ تاریخگوئی کے متعلق نہایت شرح وبسط سے مرتب کی تھی جس میں فن کے متعلق کافی معلوماتی بحث ہے۔ اور ڈیڑھ لاکھ سے اوپر۔ الفاظ مُفرد و مُرکب۔ ضرب الامثال۔ اقوال۔ اکثر کام میں آنے والے اشعار۔ مصرعے اور نئی نئی خوبصورت ترکیبوں کے نام سنہ وار جمع کئے ہیں اس کی طباعت کا سوال درپیش تھا کہ آپ ہجرت کر گئے۔

دیوانِ مائل جس دماغ سوزی و عرق ریزی اور جگہ جگہ سے اُن کا ایک ایک شعر تک جمع کر کے آپ نے مُرتب کیا تھا اور جیسی تکمیل آپ نے کی تھی وہ آپ ہی کا کام تھا۔ پھر آپ کے فرزند اکبر سید خورشید علی مہر نے جس حُسنِ ترتیب سے اس کی ردیف وار غزلوں کے قوافی تک کی ردیف کا خیال رکھ کر جیسا عمدہ نستعلیق اُس کو صاف کیا تھا وہ بھی قابلِ صد داد تھا۔

مگر کس قدر رنج دِہ امر ہے کہ یہ دونوں نسخے ۱۹۴۷ء میں ردّی کے بھاؤ ان دونوں صاحبان کے بلا علم فروخت ہوگئے۔ جس میں سے کچھ اجزا کسی شخص کے ہاتھ لگ گئے اور اُس نے پاکستان پہنچکر اپنے نام سے وہ غزلیں سُنانا شروع کردیں۔

کلام پر تبصرہ تاریخی قید و بند کے باوجود آپ کے یہاں مضمون آفرینی کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ اور بکثرت پورے شعر یا مصرعے اس قدر صاف ہوتے ہیں کہ یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ مادہ تاریخ ہے۔ مطابقت واقعہ کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ مگر دشوار صنائع و بدائع کے درپے نہیں ہوتے۔

نمونۂ کلام نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

"بزمِ ادب جے پور" نے اپنا سالانہ طرحی مشاعرہ ۳۱ اگست ۱۹۳۵ء کو کیا تھا اُس کی غزل کے چھ شعر ملاحظہ ہوں:-

ہر مصرع سے ۱۹۳۵ء برآمد ہوتا ہے

سمجھنے کو تو رازِ عشق کچھ بے دل سمجھتے ہیں ۔۔۔ مگر مشکل یہ کیسی ہے کہ سب مشکل سمجھتے ہیں
کسی کے عشق سے ہے بیخودی افزوں مگر پھر بھی ۔۔۔ اشارے بے قرینہ ہم سرِ محفل سمجھتے ہیں
خدا کے سامنے جن کو ہے اُن کا خوفِ رسوائی ۔۔۔ کہیں رازِ نہاں کیونکر اُنھیں قابل سمجھتے ہیں
عجب کیا ہے اگر عرشِ صمد بھی تو ہلا ڈالے ۔۔۔ تجھے اے آہِ حسرت ہم اسی قابل سمجھتے ہیں
شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابِ چنیں حائل ۔۔۔ سلامت اب ہیں اے آسماں مشکل سمجھتے ہیں
زمانہ میں نہیں ہے قدر وہ تاریخگوئی کی ۔۔۔ اسے اے شاؔد ہم تعریفِ لاحاصل سمجھتے ہیں

۱۹۴۱ء میں ایک نہایت پاکیزہ و ستھری صحبتِ سخن "الطاف منزل" پر منجانب خان بہادر الطاف احمد خیری غیر طرحی منعقد ہوئی تھی جس میں جے پور کے تقریباً سب ہی خوش گو شعرا اور اہلِ ذوق سامعین شریک ہوئے تھے بعض صاحبان خاص معذوریوں کے باعث شریک نہ ہوسکے۔ وہاں جو غزل حضرتِ شاؔد نے پڑھی

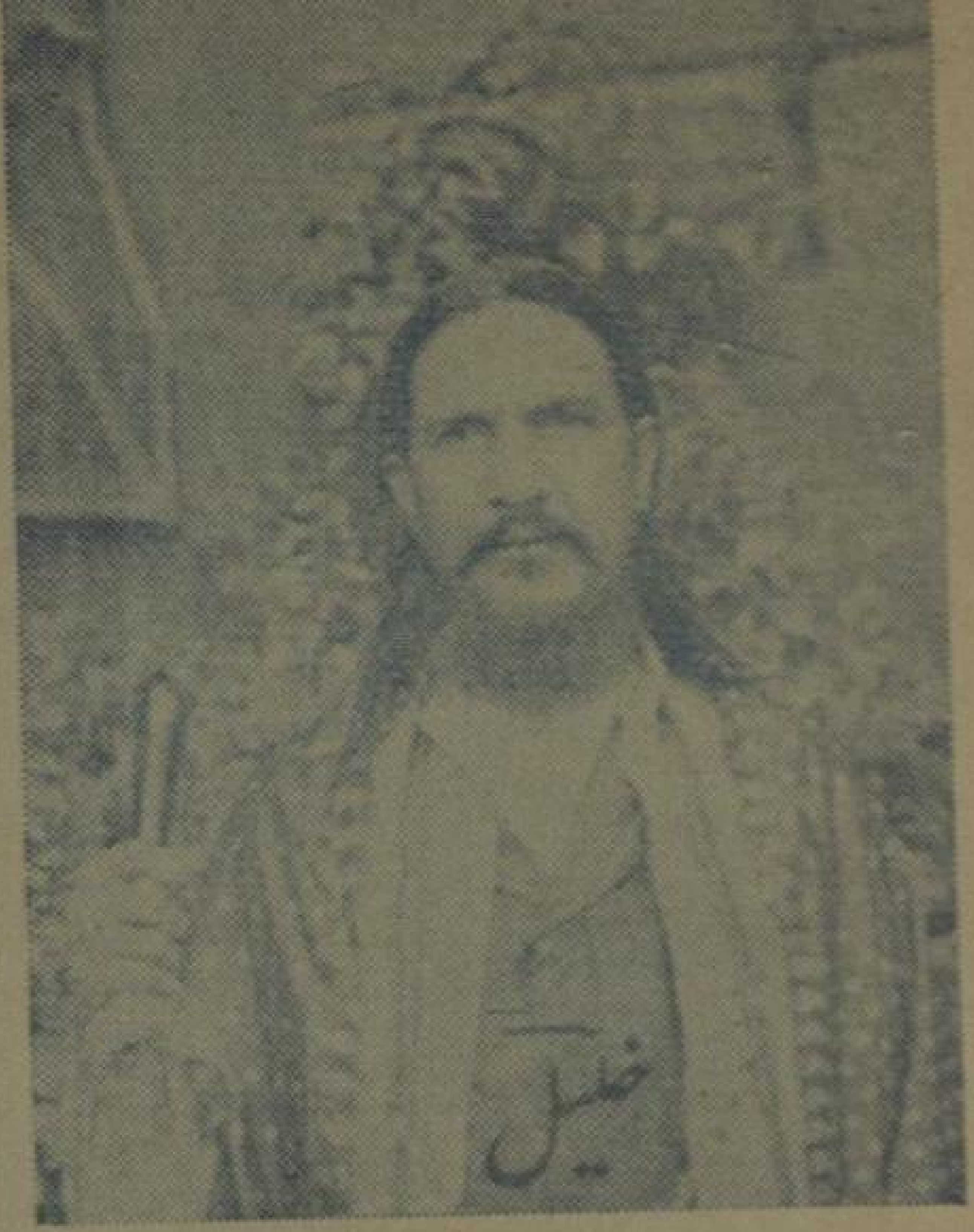
وہ درجِ ذیل کی جاتی ہے۔ اس کا بھی ہر مصرع تاریخی ہے۔ اور ۱۹۴۱ء یا ۱۳۵۹ھ برآمد ہوتا ہے یا بکرمی سمت ۱۹۹۷۔ جو اصحاب تشریف نہ لائے تھے اشعار اُن کے لئے بھی تھے مگر وہ آپ نے اُن کی عدم موجودگی کے باعث کم کر دئے تاکہ تاریخی حیثیت قائم رہے۔

اس غزل سے آپ کے فنی کمال کے علاوہ آپ کی وسیع الاخلاقی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ کیونکہ شعرا تو ایک دوسرے کے عیب نکالا کرتے ہیں مگر آپ تعریف کرتے ہیں :۔

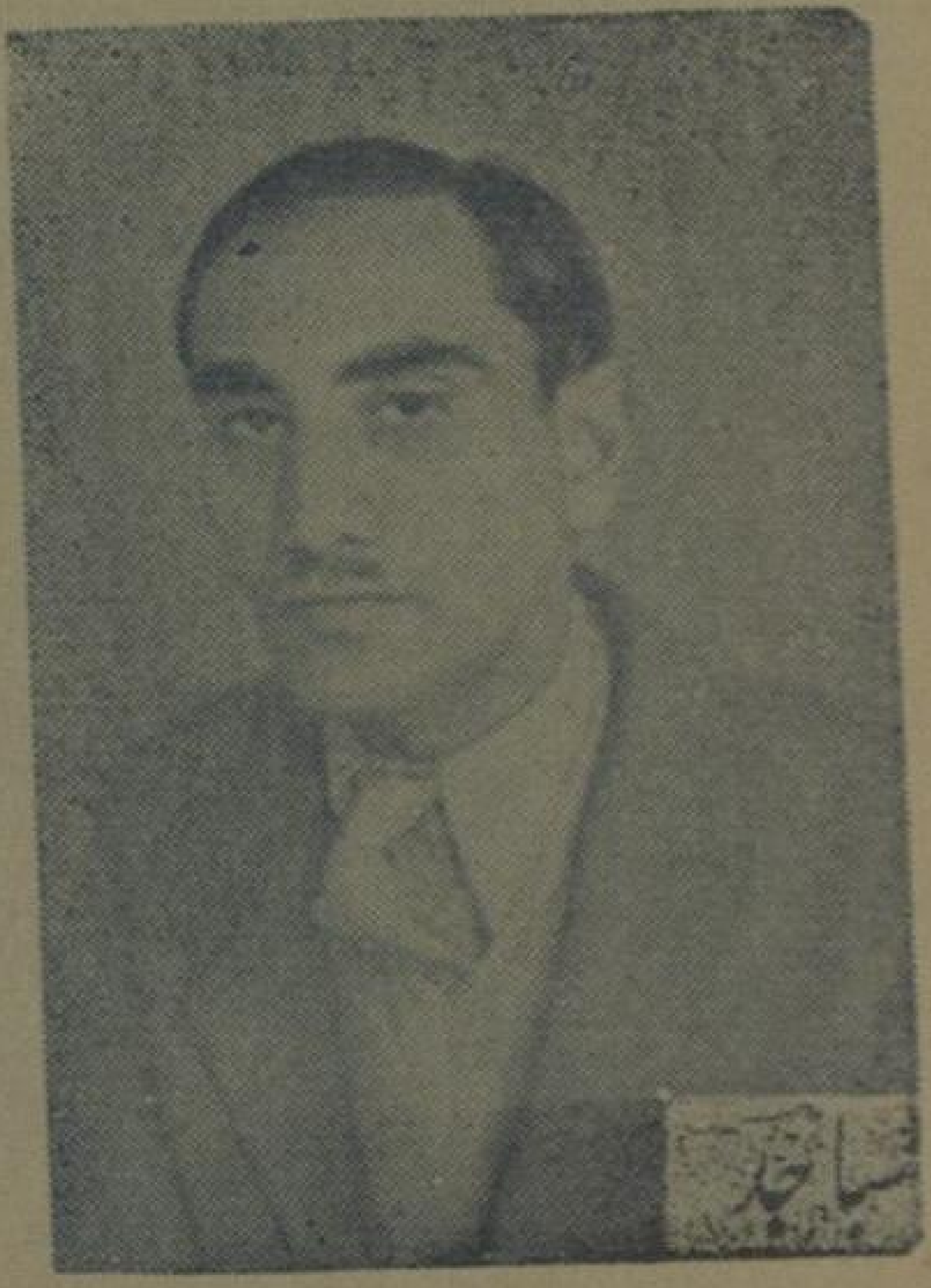
۱۹۴۱ء	آج ہے مخصوص وہ الطافِ خیری انجمن	بےگماں فردوس کہیے یا اسے بزمِ سخن	۱۳۵۹ھ
۱۹۴۱ء	کیسے کیسے ہیں یہاں شیریں سخن۔ آگاہ باش	جن کے ہے فیضِ قلم سے شاعری کا کچھ چلن	۱۹۴۱ء
۱۳۵۹ھ	زیبِ محفل اطہر[1] و بسمل[2] ہیں یہاں اے سربستِ راز	ہیں امیر الدین خاں[3] بھی اب یہاں جلوہ فگن	۱۳۵۹ھ
۱۳۵۹ھ	رونق افزا ہیں ضیا[4] بھی حسن شفیقِ من عزیز	ان سے بہتر ہو نہیں سکتا یہاں استادِ فن	۱۹۹۷ب
۱۹۴۱ء	ہیں رزمی[5] و عاصم[6] و احسان[7] سخندانِ انیق	ان سے اچھا نامور بتلا مجھے چشمِ زمن	۱۳۵۹ھ
۱۳۵۹ھ	حسن کے اشعارِ قمر[8] یہ ہے ارادہ ماہ کا	ڈوب جائے گو ملے مانگا اسے چاہِ ذقن	۱۳۵۹ھ
۱۹۴۱ء	آ نئے شاغل[9] پلائے بادۂ وحدت کے جام	کیا کہوں سب شیخ و زاہد ہو گئے توبہ شکن	۱۹۴۱ء
۱۹۹۷ب	مہر[10] کو خورشید نے دیکھا تو اندازہ ہوا	سنکے یہ اشعارِ نادر چھا گیا اس پر گہن	۱۳۵۹ھ
۱۹۴۱ء	زیب[11] کا حسنِ تکلم اور حسنِ فکرِ شعر	دیکھ کر اے نکتہ چیں چکرا گیا چرخِ کہن	۱۹۴۱ء
۱۹۴۱ء	کس قدر ہیں نو بہ نوائے شاد اشعارِ شفیق[12]	جن کے سنتے ہی ہوئی تسکینِ اہلِ انجمن	۱۳۵۹ھ

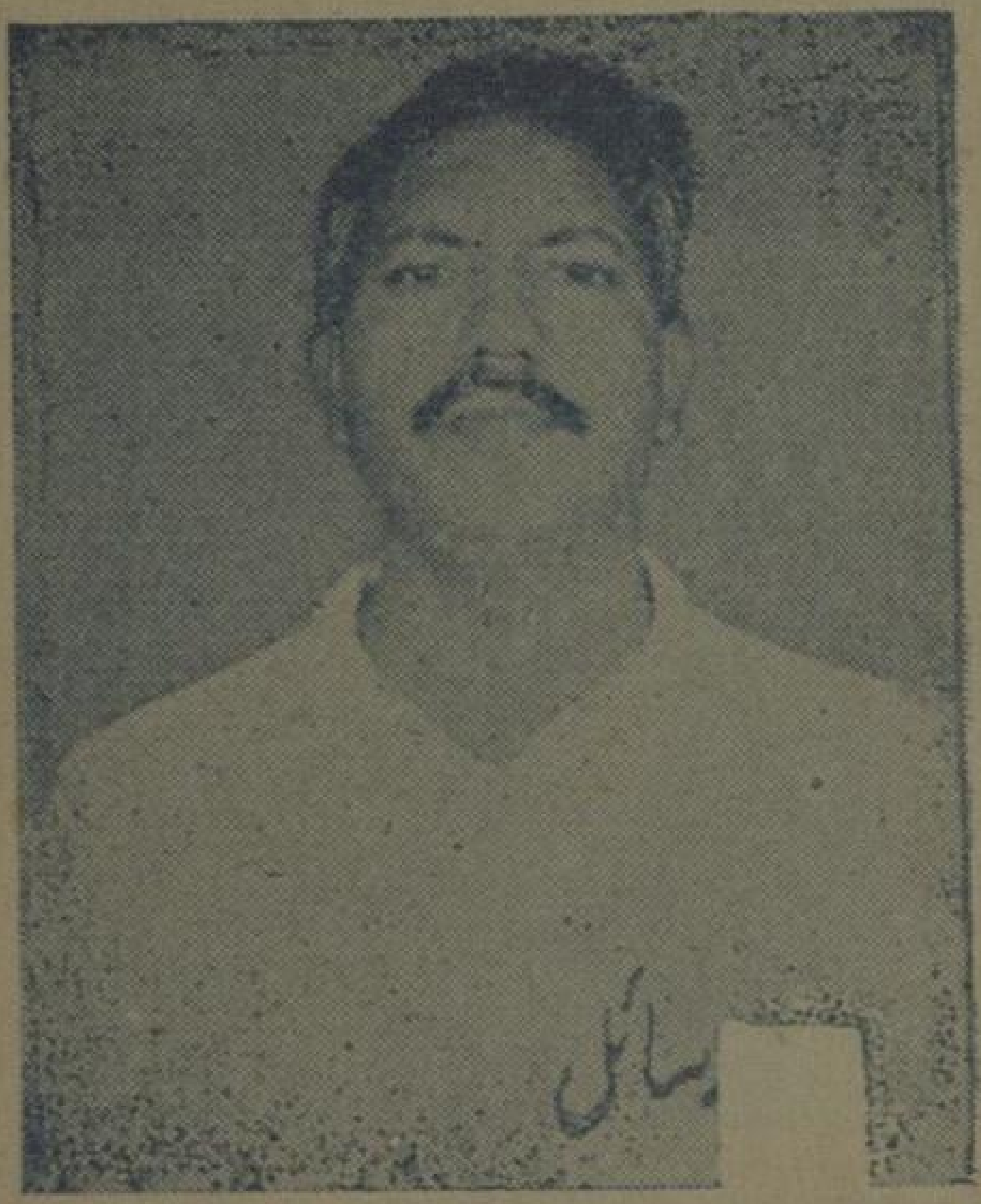
---

[1] ناظم الملک مولوی معشوق حسین اطہر ۱۲ [2] سید انوار الرحمن بسمل ۱۲ [3] مولوی امیر الدین خاں شوخ ۱۲
[4] منشی چند بہاری لال ضیا ۱۲ [5] مولوی محمد اسمٰعیل خاں رزمی ۱۲ [6] محمد عبدالوہاب خاں عاصم ۱۲
[7] محمد احسان علی خاں احسان ۱۲ [8] سید احمد علی شاہ قمر ۱۲ [9] مؤلف ہٰذا ۱۲
[10] سید خورشید علی مہر ۱۲ [11] منور حسین خاں زیب ۱۲ [12] شفیق حسین خاں شفیق ۱۲

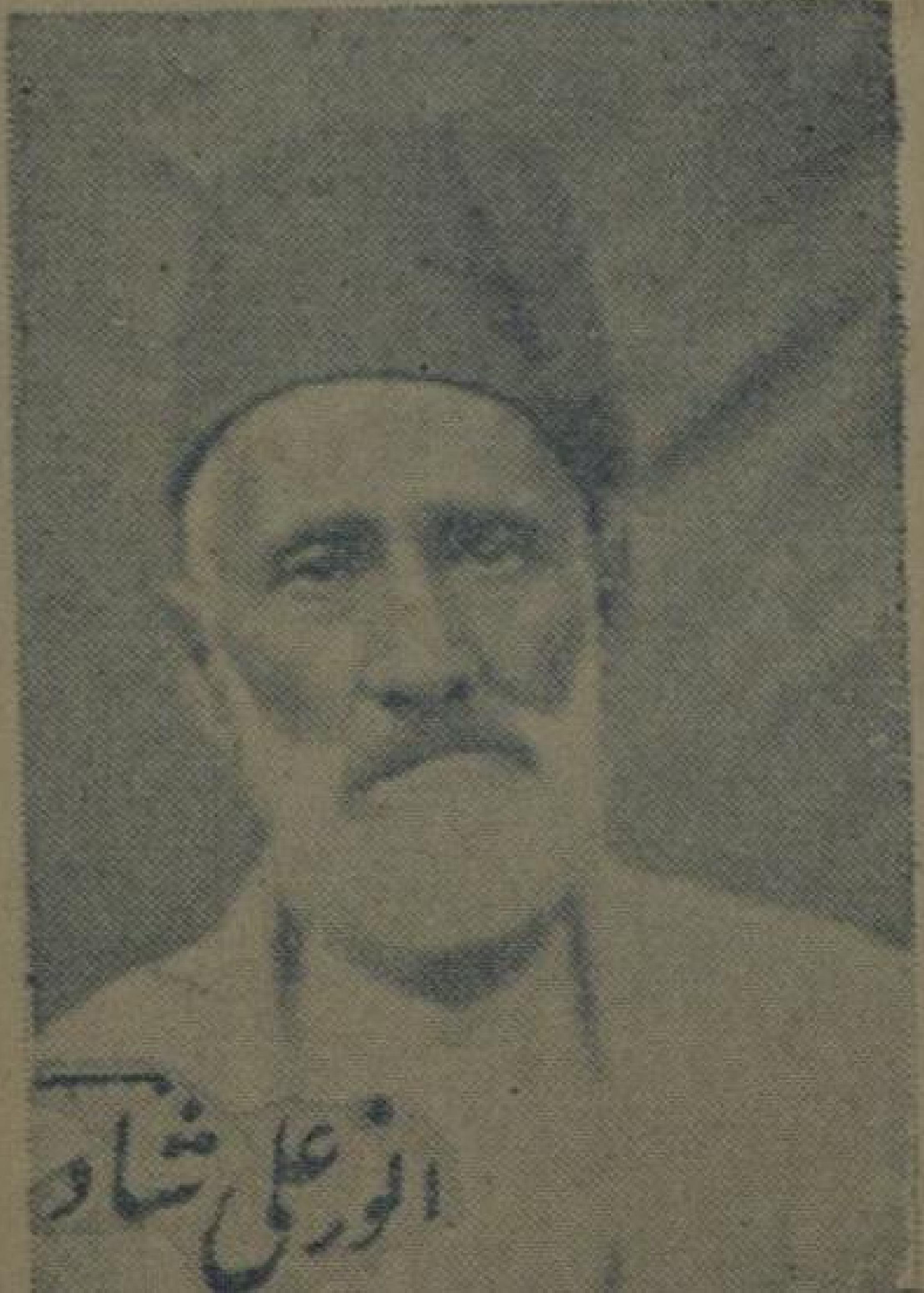

خلیل


رزاق


ساجد


سائل


سخن


انور علی شاد

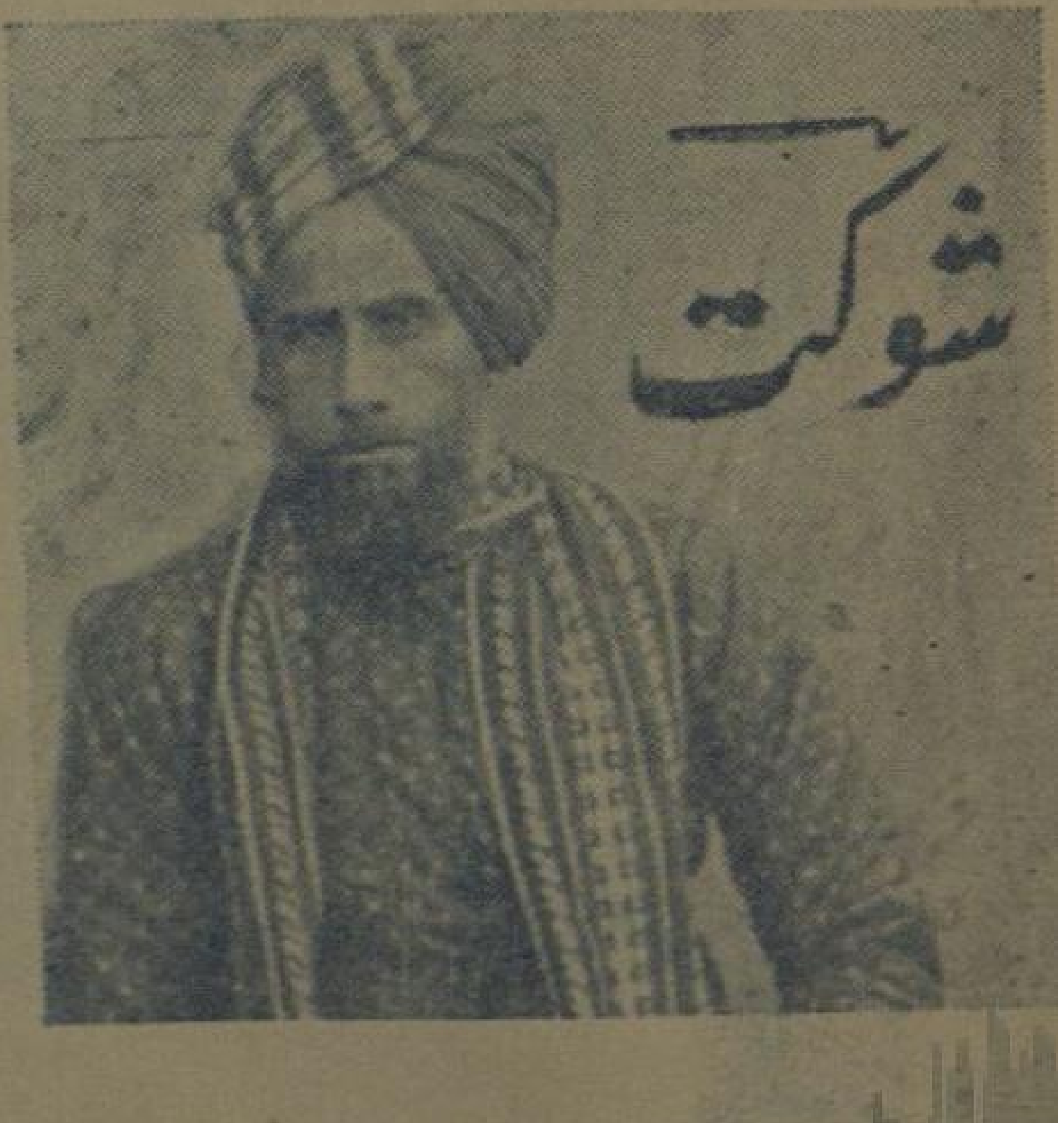


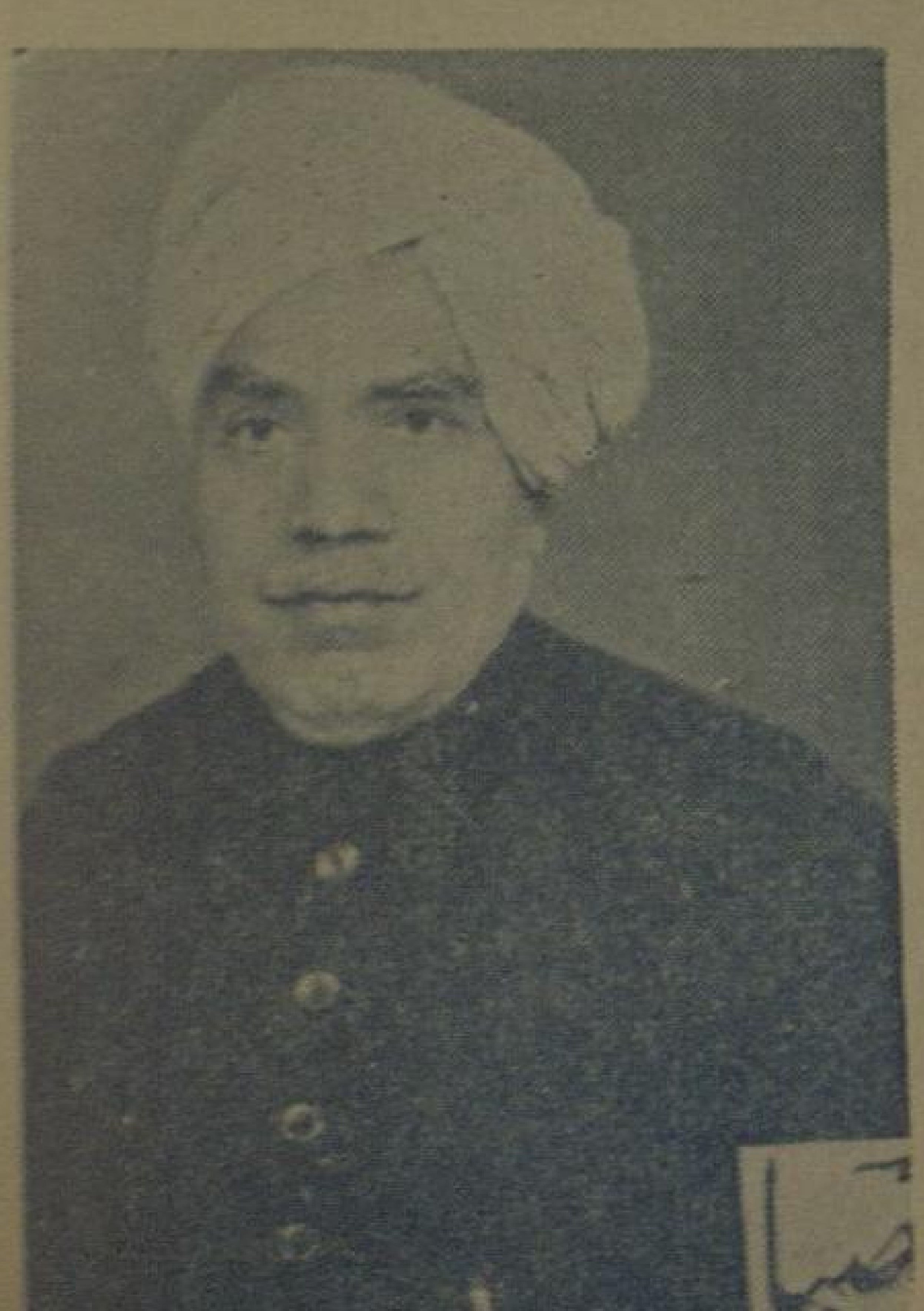


[illegible]


عبدالحی شمیم


مولوی امیرالدین خاں


شوکت


ضیا

۱۹۴۱ء ناظم[1] و حقی[2] ہیں وہ نازِ ادب شیریں مقال　　اُن کو کہنا ہے بجا واللہ اب شمعِ سخن ۱۳۵۹ھ
۱۹۴۱ء آج دکھلایا اثرؔ[3] نے اپنا مقدورِ اثر　　ہو گئے شرمندہ جس سے ہوش افزا اہلِ فن ۱۳۵۹ھ
۱۹۴۱ء وہ لکھے مضمونِ تازہ بامحبت آپ نے
ہو گئی اے شادؔ[4] جس سے زندہ دل بزمِ سخن ۱۳۵۹ھ

شاد تخلص۔ محمد اسمٰعیل نام۔ وطن جے پور۔ حضرت مائلؔ سے تلمذ تھا۔ اُنکے بعد مولانا کوثرؔ و حضرتِ صباؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ بہت ہی معمولی اُردو جانتے ہیں مگر شعر بامعنیٰ اور مزے دار کہتے ہیں۔ ذریعۂ معاش جواہرات کی تجارت ہے۔ اسی سلسلے میں عرصے سے دہلی رہتے ہیں۔ جوہرِ سخن کے خریدار ہیں۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

انھیں دو چار بوندوں سے زمانے کو ڈبو دیں گے　　ہر اک آنسو کو ہم دریائے بے ساحل سمجھتے ہیں
سجدہ قبول ہو کہ نہ ہو اس سے کیا غرض　　اک عشق ہے مجھے تو ترے سنگِ در کے ساتھ
اے شوقِ دید لطف تو جب ہے کہ لوٹ جائیں　　بابِ حریمِ ناز کے پردے نظر کے ساتھ
کلیجہ بھی لائے ہوئے سُننے والو　　جو سُننے چلے آئے میری کہانی

شاغل تخلص۔ احترام الدین احمد نام نسباً شیخ عثمانی بشرباً چشتی الجمالی وطنِ قدیم نارنول اور سکونت مابعد جے پور۔ والد بزرگوار کا نام مولوی محمد احتشام الدین شوکتؔ۔

ولادت و تعلیم ۲۸ جمادی الآخری ۱۳۱۴ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۸۹۶ء ۶ اگھن بد ۱۵ سمت ۱۹۵۳ یوم شنبہ کو بوقت ۵ بجے صبح بمقام جے پور پیدا ہوا۔ قرآن گھر پر ختم کرنے کے بعد اپنے ماموں مولوی شیخ عابد علی عابدؔ سے تعلیم حاصل کی۔

---

[1] مظہر حسین ناظم ۱۲　[2] محمد متین الحق حقی ۱۲　[3] قاضی امین الدین اثر ۱۲　[4] حضرت شاد ۱۲

فارسی میں "اخلاقِ جلالی" اور "سکندر نامہ" اور عربی میں "میزان"۔ "منشعب" اور "سلم الادب" ختم کر کے حضرت مولانا مُبین اپنے عمِ نامدار سے پڑھنا شروع کیا۔ فارسی کی تکمیل کی۔ عربی میں تفسیر و حدیث کی متداولہ کتب زیرِ درس تھیں کہ سلسلۂ ملازمت شروع ہوگیا۔ ذوقِ سخن خاندانی ورثہ تھا ہی۔ اُس زمانہ کے ماحول اور اپنے بزرگوں کے ذوقِ سخن سے متاثر ہو کر شعر کہنا شروع کیا۔ مگر وہ خواجہ تاشوں تک محدود رہتے تھے۔ مرزا مائل مرحوم اپنے دیوان میں بھی اکثر مجھ سے غزلیں صاف کراتے اور جہاں کہیں بھیجنی ہوتیں وہ بھی مجھ سے لکھواتے اور کچھ نہ کچھ نکات بتاتے رہتے تھے۔

وجہ تخلص شاغل تخلص اختیار کیا۔ جس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ مائل کا ہم قافیہ ہے اور دوسری بڑی وجہ یہ کہ ۱۳۳۱ھ سے باقاعدہ شعر گوئی شروع کی تھی۔ اس طرح یہ تخلص تاریخی ہے۔ جنوری ۱۹۱۴ء کے مشاعرہ میں پہلی غزل پڑھی داد نے حوصلہ افزائی کر کے اضافۂ شوق کر دیا۔

تلمذ ابتداءً اپنے برادرِ محترم مولانا تسنیم سے تلمذ اختیار کیا۔ اگرچہ مولانا مُبین نے "نصاب الصبیان" حفظ کرا دی تھی تاہم بھائی صاحب نے "عروضِ سیفی" وغیرہ کئی کتابیں بسلسلۂ اصلاحِ سخن پڑھائیں۔ کچھ عرصے تقریباً دو سال ان سے اصلاح لی۔ چونکہ بھائی صاحب قبلہ کی مصروفیات بے حد تھیں لہٰذا اُنھوں نے حضرتِ مائل کے سپرد کر دیا۔

دونوں ہی صاحبان نے اپنا کلام میری زبان سے میرا کبھی نہیں کہلایا بلکہ ہمیشہ نقص بتایا اور مصرع یا شعر کاٹ دیا۔ صرف ایک دو لفظ کی رد و تبدل کی ضرورت دیکھی تو بنا دیا۔ ورنہ ہمیشہ اپنی زبان میرے منھ سے سننا پسند کیا۔

قلتِ کلام | اپنا کلام بیاض میں صاف کرنے یا اُس کو محفوظ و مدوّن کرنے کا مجھے کبھی شوق نہ ہوا۔ ضائع ہو گیا تو رنج نہ ہوا مانگنے پر کسی کو دیدیا تو ہمیشہ خوشی ہوئی۔ چنانچہ ایک بار صبا نے جب میری بیاض دیکھی تو تعجب سے پوچھا۔ "صرف اتنی سی غزلیں"۔ میں نے عرض کیا "یہ بھی زائد ہیں۔ اور زائد سے زیادہ بیکار" میرا یہ نظریہ کسر نفسی کی بنا پر نہیں۔ بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ اساتذہ کے کلام کے مقابلہ میں یہ تُک بندی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ جو کچھ کہتا ہوں تفریحاً کہتا ہوں سکۂ شاعری جمانے کی غرض سے نہیں۔

ملازمت | والد ماجد کے انتقال ہونے پر ملازمت کی فکر ہوئی۔ ۲ر جنوری ۱۹۱۷ء کو قصبہ سانبھر میں ریاست جے پور کی جانب سے کوتوال مقرر ہوا۔ اس عہدہ سے ترقی کر کے ۲۶ر دسمبر ۱۹۲۹ء سے سرکل انسپکٹری پولس کے فرائض انجام دینے شروع کئے۔ شروع ۱۹۳۲ء میں "پولس ٹریننگ اسکول جے پور" کا "ڈائرکٹر آف اسٹڈیز" ہوا۔ یکم مئی ۱۹۳۶ء کو پھر حلقہ میں تبدیل ہو کر انسپکٹری حلقہ کی خدمات انجام دے کر یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو عہدۂ سرکل انسپکٹری کی پنشن لی اور ملازمت سے سبکدوش ہو گیا۔

۱۹۴۹ء میں ریاست جے پور میں ایک نیا محکمہ "چوکیدارہ بورڈ" جاری ہونے پر یکم مارچ ۱۹۴۹ء سے سابقہ تنخواہ و اعزاز کے ساتھ دوبارہ انسپکٹری کے عہدہ پر لیا گیا۔ ۱۵ر جون ۱۹۵۱ء تک اس ملازمت کے فرائض انجام دئے۔ جب اس تاریخ کو یہ محکمہ تخفیف ہو گیا تو سبکدوشی ہوئی۔

۱۵ر ستمبر ۱۹۵۱ء کو مسلم ہائی اسکول جے پور میں اُردو۔ فارسی کا مدرس مقرر ہو کر درجہ نہم و دہم کے طلبا کی تعلیم سپرد ہوئی۔ ۱۵ر اگست ۱۹۵۳ء کو بوجہ طویل و شدید علالت وہاں سے سبکدوشی حاصل کر کے اب آزاد ہوں۔

ذوقِ سخن | ملازمتی مصروفیات کے باوجود شعر و سخن کے چسکے نے پیچھا نہ چھوڑا۔ اپنے متعدد ہیڈ کوارٹروں پر مشاعرے کرتا رہا اور بیرونی شعرا کو زحمتِ شرکت دیتا رہا۔ مثلاً سانبھر۔ پھلیرہ۔ سوائی مادھو پور۔ ہنڈون وغیرہ۔

تصانیف | اب تک حسبِ ذیل کتب و رسائل علاوہ تذکرہ ہذا مرتب کر چکا ہوں :۔

(۱) نقشہ قوانین تعزیرات ہند۔ بطور ایک مختصر رسالہ
(۲) نقشہ قوانین ضابطہ فوجداری ایضاً
(۳) نقشہ قوانین مختص الامر و مختص المقام ریاست جے پور
(۴) ترجمہ پولس گاڈ جے پور۔ بامداد شیخ وحید الدین صاحب کاکوروی
(۵) نقشہ قانون شہادت

} یہ سب ریاست جے پور کے صرفہ پر طبع ہو کر شائع ہو چکے۔

(۶) نذر آتا ۱۳۵۲ھ بحالات حضرت شاہ ولایت سید محمد آتا ترکمان۔ نارنولی رح
(۷) مظہر معرفت ۱۹۳۵ء۔ دو مشاعروں کا انتخاب
(۸) ارمغان اکرام۔ تین مشاعروں کا انتخاب
(۹) سرنوشت مرزا مائل ۱۳۵۵ھ۔ بحالات مرزا محمد تقی بیگ مائل مرحوم و انتخاب شاعرہ
(۱۰) الاسلام۔ سات حصے۔ متعلق دینیات مرتبہ ۱۹۵۱ء
(۱۱) نقشہ دینیات۔ متعلق مسائل فقہی
(۱۲) گلدستہ بلاغت ۱۹۵۲ء۔ بحالات عرس حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رح

} یہ سب بھی طبع ہو کر شائع ہو چکیں

(۱۳) نقشہ اخلاق جلالی مع تشریحات بزبان آسان ترین۔ برائے افادۂ طلباء۔ غیر مطبوعہ
(۱۴) نقشہ قواعد اردو ”
(۱۵) نقشہ قواعد فارسی ”
(۱۶) کشکول شاغل مختلف شعرا کے منتخب اشعار کا مجموعہ۔ ” تکمیل
(۱۷) بیاض شاغل میرے کسی قدر کلام کا مجموعہ جو بآسانی دستیاب ہو سکا۔ ” زیر تکمیل

(۱۸) سوانحعمری حضرت مرشد برحق شاہ محمد خلیل الرحمٰن صاحب جمالیؒ مکمل غیر مطبوعہ

اولاد نرینہ | دو لڑکوں نے صغر سنی میں داغِ مفارقت دیئے۔ تیسرے نے جوان اور صاحبِ روزگار ہونے کے بعد جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ (اکرام الدین اکرم) اب بفضلہ تعالیٰ دو لڑکے ہیں ان میں بڑا ابو الفضل محمود الدین ہے۔ جس نے پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی" اور "منشی فاضل" جامعہ اردو علی گڑھ سے "ادیب کامل" اور "مسلم یونیورسٹی علی گڑھ" سے "ایم۔اے" اور "ایل۔ایل۔بی"۔ پاس کیا ہے۔ آجکل علی گڑھ ہی میں شعبۂ سیاسیات میں لیکچرار ہے۔ چھوٹا ابو الفیض اسلام الدین ہے۔ پنجاب سے "منشی"۔ جامعہ اردو سے "ادیب کامل" مہاراجہ کالج جے پور سے بی۔اے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی ایڈ کرکے مشن ہائی اسکول جے پور میں ٹیچر ہے۔

وجہ قلمبندی حالات خود | میرا مطلق ارادہ نہ تھا کہ اپنے حالات قلمبند کروں مگر بعض احباب کے باصرار مجبور کرنے پر لکھنے پڑے۔

میری شاعری | مجھے نہ شاعر ہونے کا دعویٰ ہے۔ نہ شاعری پر ناز۔ نہ میں پیشہ ور شاعر ہوں اپنے اشعار کو صرف کلامِ موزوں اور محض تفننِ طبع کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔

نمونۂ کلام | بطور نمونۂ کلام چند اشعار درج ذیل ہیں :۔

کھینچیں تصویرِ احمدِ مرسل نفرٔ منہ ہے بہزاد اور مانی کا
راہِ اسلام ایسی ہے ہموار جیسے سیدھا ہو سطح پانی کا

کربلا والوں پہ حیرت حضرتِ ایوبؑ کیوں — خاندانِ مصطفیٰ ہے خاندانِ مصطفیٰ
رُخِ مصطفیٰ اور ہوسی کی آنکھیں — ذرا ہوش میں آئیں کیا کر رہے ہیں
گنہگارانِ امت میں جو شامل ہوں تو کیوں کر ہوں — شفاعت ہی نہیں لکھی فرشتوں کے مقدر میں
وسعتِ کون و مکاں کا مجکو دامن چاہیئے — جارہا ہوں جانبِ سرکارِ ختم المرسلین
جھک گئی محرابِ کعبہ جھک گیا عرشِ بریں — جب کہا یا آستانِ رحمۃ للعالمیں

آگاہ کون ہو ترے قربِ حضور سے — قوسین کی بھی آنکھ نے دیکھا ہے دور سے

غزل

نہ گلچیں کو خصومت ہے نہ دشمن آسماں میرا — جہانِ نا امیدی میں قفس ہے آشیاں میرا

دونوں ہی وقت سخت ہیں میخوار کے لئے — آنا بہار کا ہو کہ جانا بہار کا

جب تک شرابِ ناب سے دل کا وضو نہ ہو — میخوار کو حرام ہے پڑھنا نماز کا

آٹھوں پہر عروج پہ ہے مہرِ حُسنِ یار — جب دیکھتا ہوں وقت نہیں ہے نماز کا

ایسا گھبرا لیا رحمت کی فراوانی نے — جیب دیکھی کبھی میں نے کبھی داماں دیکھا

ہمیشہ اک نیا غم لے کے آنا کوئے جاناں سے
نہ جانے کی قسم ہر بار کھا لینا۔ مگر جانا

کوثر کے اُس پاس نہ جنت کے آس پاس — میخانہ چاہئے درِ رحمت کے آس پاس

رحمت نہیں ہے خانۂ واعظ پہ بے سبب — رہتا ہے بادہ کش کوئی حضرت کے اس پاس

وفا ملتی نہیں دونوں جہاں میں — جو ممکن ہو تو ڈھونڈوں لامکاں میں

اک آہِ سرد بھی تو ہو شورِ فغاں کے ساتھ — تاثیر بھی تو چاہئے زورِ بیاں کے ساتھ

کرم تو دیکھئے اُس کا غلافِ کعبہ کا — ہوائے شوق میں پیچھے ہے دامن ترے

رہِ الفت میں فرقِ کفر و ایماں کر نہیں سکتے — کہ وحشی امتیازِ جیب و داماں کر نہیں سکتے

جس کا دشمن نہ ہو گیا ہو فلک — کوئی اہلِ کمال دیکھا ہے؟

شاغل

تخلص۔ سردار سنگھ نام۔ راؤ بہادر خطاب۔ گورنمنٹ ہند کے معزز عہدوں پر مامور رہے۔ اور ریاست الور میں بھی انسپکٹر جنرل پولس تھے۔ جے پور میں "ولس رپورٹ" کی تیاری کے سلسلہ میں آپ کی خدمات حاصل کی گئیں اور وسط ۱۹۳۵ء تک آپ یہاں رہے۔ اس دوران میں متعدد مشاعروں میں شرکت کی۔ خاص کر آل انڈیا مشاعرہ جے پور منعقدہ اپریل ۱۹۳۵ء سے پہلے جو مشاعرے یہاں ہوئے اُن میں آپ کی

شخصیت کی بڑی شہرت رہی۔ آل انڈیا مشاعرہ مذکور کی نشر و اشاعت کمیٹی کے صدر اور مشاعرہ کمیٹی کے جنرل سکریٹری آپ ہی تھے۔

آپ کا کلام باوجود کوشش دستیاب نہ ہو سکا۔ مجبوراً اُسی ایک شعر پر اکتفا کرنا پڑا جو ۱۹۳۵ء میں حضرت بسمل مرحوم سے سُنا تھا۔ وھو ہذا :۔

خاکساری کے سبب سے یہ ہے رتبہ خاک کا ۔۔۔ دانہ دانہ ڈھونڈھتے ہیں اُس میں ہم خوراک کا

شرر

تخلص۔ علی بخش نام۔ جے پور کے متعدد مشاعروں کی ان کی طرحی غزلیں میرے پاس محفوظ ہیں۔ یہاں کے دورِ اوّل کے شعرا میں تھے۔ مزید حالات باوجود تلاش معلوم نہ ہو سکے۔ البتّہ اُن کے دیوان طبع ہونے کا حال مولانا تسلیم کے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، مگر دیوان مجھے دستیاب نہ ہو سکا۔

مرحبا فکرِ سخن کوشِ شرر ۔۔۔ لفظ با معنیٰ ہم آغوشِ شرر
آں شرر کز گرمیِ اشعارِ او ۔۔۔ شعلہ گردد پنبۂ گوشِ شرر
تازہ دیوانے مُرتّب کردہ است ۔۔۔ کو بمستی ہاردو ہوشِ شرر
پنبۂ اوراقِ او از حرفِ گرم ۔۔۔ شعلہ وار افتادہ ہمدوشِ شرر
چوں بطبع آمد دلِ تسلیم گفت ۔۔۔ سالِ طبعش گرمیِ جوشِ شرر
۱۲۷۹ھ

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے :۔

واعظ کو مُبارک ہو جبیں سائیِ کعبہ ۔۔۔ ہم خاکِ صنم خانہ لگا لیں گے جبیں پر
اُس بُت سے ملنے چلتے ہیں ہم تم بھی ساتھ ہو ۔۔۔ اے حسرت و الم کہ چلیں گرد فر سے ہم
کچھ خبر تم کو نہیں حُسنِ بتاں کی زاہد ۔۔۔ اس میں سب کچھ ہے مگر اہلِ نظر دیکھتے ہیں
گلۂ چرخ غلط شکوۂ دُشمن بیجا ۔۔۔ ہیں جہاں آپ وہاں اور بھی دو چار سہی
دعوئے حشر کو واعظ کے مٹاتے نہ چلو
دو قدم اور بھی ہنگامۂ رفتار سہی

شریفی تخلص۔ شریف الحسن نام۔ نسباً سیّد تھے۔ اصل وطن دہلی تھا۔ وہاں سے بتلاشِ معاش قرولی (اسٹیٹ) آئے۔ جہاں عدالتین میں سررشتہ دار ہوگئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد جے پور آکر "اسکول آف آرٹس" میں سررشتہ دار ہوئے آخر عمر تک اسی عہدہ پر مامور رہ کر پنشن لی۔ یہاں محلہ اونچا کنواں میں باقاعدہ مطب بھی کرتے تھے۔ نہایت خاموش و منکسر المزاج ہستی تھے۔ مشاعروں میں طولانی غزلیں پڑھتے اور داد کی کوئی پروانہ کرتے تھے۔ ایک ضخیم دیوان مرتب تھا۔ مگر اب اس کا کچھ پتہ نہیں۔ شعر نہایت سیدھے اور زیادہ تر پھیکے ہوتے تھے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:-

تم قتل بھی کرتے ہو تو ہم ہوتے ہیں زندہ
تم نے یہ شہیدوں کی کرامت نہیں دیکھی

داغ ان حسینوں کے اللہ اکبر
فرشتے بنے جاتے ہیں آسماں کے

گر میں نہیں جلو میں تو میرا غبار ہے
ہٹ کر کبھی ہم رکاب ترے خاکسار ہے

شفیق تخلص۔ محمد شفیق حسین خاں نام نسباً افغان، "بنّے میاں" عرف ہے، جے پور کے معزز خاندان نواب سعد اللہ خاں مرحوم سے ہیں۔ پہلے حضرتِ ایجاؔن سے تلمذ تھا۔ اُن کے بعد مولانا اطہر سے اصلاح لیتے تھے۔ ترنّم سے بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ خوش فکر شاعر ہیں۔ تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ کلام میں شوخی و آمد ہے۔ نمونہ حسبِ ذیل ہے:-

وحشتِ دل کا مرے آج یہ عنواں دیکھا
گھر بیاباں میں کبھی۔ گھر میں بیاباں دیکھا

مرکزِ حُسن پہ نظروں نے لیا جاکے قرار
جب نظر ہم نے اُٹھائی رُخِ جاناں دیکھا

آگے آگے اشک پھر کچھ دل کے ٹکڑے پھر لہو
یوں روانہ کاروانِ چشمِ گریاں کیجئے

اِک عدو ہے کہ اُسے سر پہ چڑھا رکھا ہے
ایک ہم ہیں کہ ترے پاؤں پہ سر رکھتے ہیں

شگفتہ تخلص۔ واجد علی نام۔ نسباً سیّد۔ وطن لکھنؤ تھا۔ میر علی اوسط رشک سے تلمذ تھا۔ جے پور میں سکونت تھی۔ مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ مگر کوئی ایسی طرح ہو جاتی کہ جس میں اُن کے اُستاد کی غزل ہو تو بہت ناراض ہوتے نہ غزل کہتے نہ مشاعرہ میں شریک ہوتے۔ جے پور کے دورِ اوّل کے شعرا میں تھے۔ صرف دیوانِ رونق میں ان کے دو قطعاتِ تاریخ ملے جن میں سے ایک درج ذیل ہے۔ اور کوئی کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

جنابِ ذوق ہوتے داد دیتے ۔۔۔ سنا جو حاسدوں نے منھ ہوا فق
شگفتہ ہے یہ اس دیواں کی تاریخ ۔۔۔ اب اپنے عہد کے ناسخ ہیں رونق
۱۳۰۷ھ

شمیم تخلص۔ افتخار علی نام۔ نسباً شیخ۔ والدِ بزرگوار کا نام حاجی شیخ عاشق علی اصل وطن کاکوری۔ آپ کے پردادا شیخ صفدر علی مرحوم وطن سے بعہد مہاراجہ رام سنگھ والیِ جے پور یہاں آئے اور وکیل ریاست کی حیثیت سے خدماتِ سرکاری انجام دیں۔ حُسن کارگزاری کے صلہ میں ایک پورا موضع کنور پورہ انعام میں پایا۔ یہ خاندان جے پور کے بڑے اور قدیم و نیک نام خاندانوں میں ہے۔

ولادت و تعلیم اور ملازمت جناب شمیم جے پور میں ۲۴ جولائی ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے یہیں گھر پر اور سرکاری مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ آپ حاجی صاحب موصوف کے فرزند دوم ہیں۔ گورنمنٹ پریس جے پور میں ملازمت شروع کی آجکل سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پریس جودھپور ہیں۔

اخلاق و عادات نہایت خوش طبع۔ ملنسار۔ یار باش۔ روتوں کو ہنسانیوالے اور زندہ دل و شگفتہ مزاج ہیں۔

ذوقِ سخن اور تلمذ ذوقِ سخن سنِ شعور ہی سے ہے۔ حضرتِ اطہر سے تلمذ ہے۔ ترنم سے بہت اچھا پڑھتے ہیں اور مشاعرہ پر چھا جاتے ہیں۔ مشاعروں کی

شرکت کے شائق نہیں ہیں مگر احباب کے اصرار پر جانا ہی پڑتا ہے۔

کلام پر تبصرہ | کلام میں شوخی روانی اور اُن کے اُستاد حضرتِ اطہر کا رنگ نمایاں ہے۔ نمونہ حسبِ ذیل ہے :۔

فقط اک قیس ہی تو محملِ لیلیٰ کے پیچھے تھا
جو تو محمل میں ہوتا تیرے پیچھے کارواں ہوتا

دل کی بیتابی میں اکثر یہ بھی ہوتا ہے شمیم
ہاتھ اُٹھ جاتے ہیں خود ورنہ دعا سے کیا غرض

خوش ہیں قفس میں دیتے ہیں صیاد کو دُعا
کیا اور رہیں سے طائرِ بے بال و پر کریں

ان تیلیوں کی، سامنے میرے، بساط کیا
تم دیکھنا بہار میں جو چار پر کریں

مجھے تھی کونسی قدرت گناہ کرنے کی
مجھے یہ فردِ عمل کیوں دکھائی جاتی ہے

شمیم | تخلص۔ چھیتر مل نام۔ نسباً کایستھ سکسینہ۔ والدِ بزرگوار کا نام ہیجر دیبی داس۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ بسلسلۂ ملازمت اٹاوہ سے بھرت پور آکر آباد ہوئے اور اسی کو وطن بنالیا۔

ولادت تعلیم اور ملازمت | شمیم ۱۸۷۲ء میں بمقام بھرت پور پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر تھی کہ سایۂ مادری اُٹھ گیا۔ اپنے پھوپا تحصیلدار غازی آباد کے دامنِ شفقت میں تربیت پائی۔ علی گڑھ سے میٹرک پاس کیا اور ۱۸۹۲ء میں بھرت پور آکر بریگیڈیر جنرل کیولری کور کے ہیڈ منشی ہوگئے۔ کچھ مدت بعد یہ کیولری ٹوٹ گئی تو ریاست مذکور کے محکمۂ حساب میں اسسٹنٹ اکاؤنٹینٹ ہوئے۔ پھر ۱۹۰۴ء میں پنشن لے کر ایک انگریزی فرم "جنرل ایجنسی" کی شاخ دہلی میں مینجر ہوگئے۔

ذوقِ سخن اور قیامِ دہلی | اگرچہ ذوقِ سخن سنِ شعور ہی سے تھا۔ مگر ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۸ء تک دہلی میں مستقل قیام کے باعث اور بھی اضافۂ شوق اور اس میں تابانی پیدا ہوگئی۔

تلمذ و معاصرین | دبیر الشعرا منشی چندی پرشاد شیدا دہلوی تلمیذ حضرتِ راسخ دہلوی سے آپ کو تلمذ تھا۔ اور منشی کشن لال عاصی بھرت پوری اور نواب غوث محمد خاں غوث دہلوی مقیم بھرت پور کے معاصرین میں تھے۔ دہلی اور بھرت پور کے مشاعروں میں شریک ہو کر دادِ سخن دیتے رہے۔

اشاعتِ کلام | آپ کا کلام ماہنامہ "کمال" دہلی میں اکثر شائع ہوتا تھا۔

جے پور میں قیام اور وفات | ۱۹۲۸ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ مستقلاً جے پور چلے آئے اور اپنے صاحبزادے منشی منموہن لال بسمل کے پاس فروکش رہے۔ وفات سے کچھ پہلے ۱۹۵۱ء میں بھرت پور چلے گئے۔ جہاں اسّی سال کی عمر میں انتقال کیا۔

کلام پر تبصرہ | قدیم رنگ میں اچھا شعر کہتے تھے۔ شوخی و مضمون آفرینی اور زبان کا چٹخارہ آپ کے یہاں پایا جاتا ہے۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

نور چمکا جو شبِ تار میں رخساروں کا
دھوکا موسیٰ کو ہوا طور پہ انگاروں کا

شانِ رحمت کے کرشمے یہی کہتے ہیں شمیم
عاجزی ایک وسیلہ ہے گنہگاروں کا

مجھ سے کیا پوچھتے ہو پوچھ لو میرے دل سے
دل ہے زلفوں میں مرا دل ہی میں ارماں ہوگا

کاٹ لے صبر سے ایامِ خزاں کے بلبل
پھر بہار آئے گی۔ گلزار۔ گلستاں ہوگا

کیوں ہوس پیری میں باقی ہے سخن گوئی کی
خشک سالی میں نہ شاداب گلستاں ہوگا

گام فرسائی سے کچھ شیخ بھی مجبور نہیں
میکدہ ملحقِ مسجد ہے بہت دور نہیں

شمیم

تخلص۔ عبد الحی نام۔ وطن و مولد جے پور۔ والدِ بزرگوار کا نام حافظ عبد الاحد صاحب۔ ۲۸ جولائی ۱۹۳۴ء تاریخ پیدائش حضرت قمر واحدی سے تلمذ ہے۔ بی۔ ایس۔ سی فائنل کے متعلم ہیں۔ اردو سے دلچسپی ہے۔ نومشقی کا زمانہ ہے۔ آثار اچھے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

پڑا ہے عشق میں طوفان سے واسطہ مجکو
خبر نہیں مجھے ساحل کی زندگی کیا ہے
غربتِ عشق کی لذّت کوئی ان سے پوچھے
شوقِ منزل جنھیں لے جائے بیابانوں میں

شمیم | تخلص۔ درمیان میں نسیم کرلیا تھا۔ مگر پھر شمیم ہی اختیار کرلیا۔ فہیم الحسن نام ہے۔ اصل وطن ہنڈون تھا۔ پھر جے پور رام گنج بازار رہا۔ حضرت عزیزؔ سے تلمذ ہے۔ خوش گلو و خوش رو ہیں ترنم کے باعث رونقِ مشاعرہ سمجھے جاتے ہیں۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :-

وہاں بے کیف انساں جھوم جاتا ہے جہاں میں ہوں
وہاں غم بھی خوشی کے گیت گاتا ہے جہاں میں ہوں
زمیں سے آسماں تک اک تبسّم ہی تبسّم ہے
وہاں ہر وقت کوئی مسکراتا ہے جہاں میں ہوں
قدم اکھڑے ہوئے ہیں سنبل و نسرین و ریحاں کے
یہ کیسی نیند میں ہیں بے خبر وارث گلستاں کے

شوخ | پہلے شوخ تخلص کرتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ جوشؔ اختیار کیا۔ اب ایک مدّت سے قیدِ تخلص سے آزاد ہیں۔ محمد امیر الدین خاں نام، نسباً افغان مولوی حافظ محمد معز الدین خاں عزیزؔ کے صاحبزادے ہیں اور مولانا جلال الدین خاں جلالیؔ کے پوتے۔ اصل وطن رام پور (ریاست) تھا۔

ولادت۔ تعلیم اور ملازمت | آپ کی ولادت۔ جے پور کے محلہ ہاڈی پورہ میں ۱۸۸۰ء میں ہوئی۔ فارسی و عربی کی تکمیل اپنے دادا اور والد اور شمس العلماء مولوی عبد الرحمٰن مرحوم پروفیسر مشن کالج دہلی و مولوی غلام مبارز الدین و سید الطاف حسین اورنٹیل کالج جے پور کے پروفیسروں اور سید اولاد حسن شاداںؔ پروفیسر مدرسۂ عالیہ رام پور سے کی بسنہ ۱۹۰۶ء میں "منشی فاضل" پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔

جب چیف کورٹ جے پور میں سررشتہ دار مقرر ہوئے تو باون برس کی عمر میں میٹرک بھی پاس کرلیا۔

اول ساڑھے چار روپیہ ماہوار پر سپاہیان پلٹن سوم نجیب جے پور میں ملازم ہوئے۔ پھر ۱۹۱۰ء میں تحصیل دانتہ رام گڑھ ریاست جے پور میں نائب تحصیلدار ہو گئے۔ لیکن کچھ علمی و ادبی ذوق اور کچھ سیاسی شوق کے باعث جی نہ لگا۔ اتفاق سے مولانا شوکت علی مرحوم نے اپنے رسالہ "خدام کعبہ" کی ادارت کے لئے دہلی بلا لیا۔ ملازمت چھوڑ کر وہاں چلے گئے۔ مولانا محمد علی نے اپنے روزانہ اخبار "ہمدرد" کی ادارت میں شامل کر لیا۔ اس زمانہ میں علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی بنانے کی تحریک شباب پر تھی۔ آپ کی ایک نظم اس سلسلہ میں شائع ہوئی جو بہت پسند کی گئی۔ اس نظم کے حسب ذیل شعر ملاحظہ ہوں:۔

دولتِ دُنیا نہ لے اور دولتِ اسلام لے — اپنے علم و فضل کی گرتی عمارت تھام لے

یا علمبردار علم و فضل بن کر نام کر — یا نہ پھر غرناطہ و اشبیلیہ کا نام لے

فیضِ اشراقِ لدُنّی ہے تری تخمیر میں — اپنی ہستی سے کچھ اوہستیِ غافل کام لے

کب تلک وجدانِ عالم داغِ ناکامی بکف — اس سے بیعت اے خدا کے آخری پیغام لے

ہے فضائے دہر ذکر و شغل سے پُر صبحدم
مُسلم خوابیدہ اُٹھ تو بھی خدا کا نام لے

سیاسی سرگرمی اور صحافی تعلق کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا جے پور میں داخلہ بند کر دیا گیا۔ آخر ۱۹۱۵ء میں خان بہادر مولوی احمد علی خاں فرخ آبادی ممبر محکمہ محتشمہ عالیہ کونسل جے پور نے یہ ممانعت منسوخ کی اور آپ کو محکمہ عدالت دیوانی میں اہلمد کر دیا جہاں سے ترقی کر کے آپ چیف کورٹ جے پور میں سررشتہ دار ہو کر ۱۹۴۲ء میں ریٹائر ہوئے۔ پھر کچھ دن نواب ممتاز الدولہ محمد مکرم علی خاں کی سرکار کے منیجر رہے۔ پھر دوجانہ (ریاست) جا کر اول ناظم (کلکٹر) ہوئے۔ پھر سشن جج اور چیف رجسٹرار نیز میر منشی سرکار ہو گئے

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں سے مجبور ہو کر پاکستان چلے گئے جہاں گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول حیدر آباد میں عربی۔ فارسی اور دینیات کے معلم ہیں۔

قومی خدمات قومی خدمات کا جذبہ آپ میں بدرجہ اتم ہے۔ "انجمن احباب" کے عرصہ تک سرگرم کارکن رہے۔ علمی و تعلیمی خدماتِ قوم سے آپ کو خاص دلچسپی رہی۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں ایک چھوٹا سا مکتب محلہ چابک سواران جے پور کی اونچی مسجد میں قائم کیا۔ جس میں خود بھی تعلیم دیتے تھے اور اس کے یومِ قیام ہی سے آپ کو اس کی ترقی کی فکر دامن گیر تھی۔ چنانچہ جولائی ۱۹۲۶ء میں اس کو باقاعدہ "مسلم اپر پرائمری اسکول" بنا لیا اور ۱۹۲۷ء میں ایک دوسرے اسکول نے بھی جس کا نام "مسلم راجپوت اسکول" تھا۔ اس مدرسہ میں ادغام منظور کیا۔ اور اب اس کا نام "مسلم مڈل اسکول" ہو گیا۔

۲۳ر اپریل ۱۹۲۶ء کو "اسلامی پنچایت" کی آپ نے طرح ڈالی۔ جس کی نگرانی میں یہ مدرسہ چلتا تھا۔ اور اخراجات کے لئے مسلم گھروں سے چٹکی چٹکی آٹا جمع کیا جا کر کام چلایا جاتا تھا۔ آپ نے اپنی ذاتی سعی و کوشش اور اثر و رُسوخ سے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کی اور اس ادارے کے دروازے مُسلم و غیر مُسلم طلبا پر یکساں طور پر کھول دئے گئے۔ پنچایت مذکور کی سعی سے جس کے روحِ رواں آپ ہی تھے مضافات میں ۱۸۰ مکتبیں جاری ہو گئیں۔ مڈل اسکول کا عمدہ نتیجہ حاصل کرنے کی غرض سے جے پور میں ایک بورڈنگ اسکول بھی قائم کیا گیا۔ آپ ۱۹۲۷ء ہی میں "اسلامی پنچایت" کے سکریٹری منتخب کر لئے گئے تھے۔ اور مارچ ۱۹۴۵ء تک آپ سے یہ خدمت متعلق رہی۔ اس دوران میں آپ نے کافی کارہائے نمایاں کئے۔ مڈل اسکول کی سرکاری ایڈ مقرر کرائی۔ اُس کے لئے "فتح ٹیبہ" پر واقع توپخانے کی سرکاری بیرکیں مع

متعلقہ زمین و مسجد و چاہ حکومت سے بطور عطیہ حاصل کی۔ ۱۹۴۴ء میں مڈل اسکول کو ہائی اسکول بنانے کی منظوری حاصل کی۔ اور ایک خاص رُجحانِ تعلیم پیدا کر دیا چنانچہ تمام راجستھان میں یہی ایک مدرسہ ہے جس کا نام "مسلم ہائی اسکول" ہے۔

شرفِ اوّلیت | جے پور میں تعلیم نسواں کی جانب آپ ہی نے توجّہ کی۔ ایک "مسلم گرلز اسکول" جاری کیا جو اب تک چل رہا ہے۔ اپنی صاحب زادی کو "منشی فاضل" اور "بی۔ اے" کرا کر سرکاری گرلز ہائی اسکول میں ملازمت دلوائی۔ اور کوشش کر کے مُسلم لڑکیوں کی تعلیم کے لئے جے پور والوں کو آمادہ کیا۔ تعلیمی لحاظ سے اگر ایمانداری کے ساتھ دیکھا جائے تو آپ کو "جے پور کا سر سیّد" کہنا چاہیئے۔

خدمتِ ادب | ادبی خدمت کا آپ کو خاص شوق ہے اور اس سے پورا لگاؤ۔ علمی و ادبی لحاظ سے آپ کو باقیات الصالحات۔ کہنا بالکل بجا۔ مسلم اسکول کی جانب سے آپ نے ایک ماہنامہ "روشنی" بھی جاری کیا۔ جس کے ایڈیٹر تو مولوی سعید حسین خاں ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی اسکول تھے۔ مگر حقیقتاً اس کا اجرا اور تکمیل آپ ہی کی توجہ اور زورِ قلم کا نتیجہ تھا۔ اُردو اور فارسی نظم و نثر پر آپ کو پوری قدرت ہے۔ نثرِ اُردو کا ایک خاص اندازِ تحریر ہے جس میں برجستگی و شگفتگی بخوبی پائی جاتی ہے۔ بالخصوص احباب کو جو خطوط لکھتے ہیں بڑے مزیدار ہوتے ہیں۔ ذیل میں ایک خط کی نقل بطور نمونہ نثر درج ہے:-

(ولی احمد خاں قدسی کے نام)

بسمہٖ

لیجیے حضرتِ جام کا عرس کسی خانقاہ میں نہیں بلکہ کوٹھی میں جام و ساغر کے مظروف رنگی کی بدولت ہوا اور خوب ہوا۔ حضرتِ رنگی نے آٹھ صفحہ کا

مدح نامہ پڑھا جس میں مدح کی ہر شاخ موجود اور سرسبز تھی۔ جشن خاتمہ کا یہ بند تھا کہ "وہ تھیٹر کے منیجر تھے" اے سبحان اللہ! ناچنے کو جی چاہتا ہے۔

مشاعرہ بھی ہوا اُن کے مصرع پر۔ ع اس شہر خموشاں کو مر مر کے بسایا ہے۔
سامعین بے داد پر تلے بیٹھے تھے۔ پڑھنے والا روتا نہیں تو بسورتا ضرور تھا۔ دیکھنے کے قابل وہ داد ہوتی تھی جو رزمی کی داد پر ایک ہم آہنگ۔ ہم سر۔ ہم تال بے تحاشا دیتے تھے۔ اور سنجیدہ حضرات ہلکے ہلکے ہونٹوں کو دبا کر مولانا کو ادب سے دیکھتے تھے۔ بہر حال آفریں ہے ہمارے پٹھے اور مشاعرے کے گاماں پر، وہی پرانے دم خم ہیں وہی ہمہ فنی و ہمہ گیری کا دعویٰ حق۔ کیا مجال جو جغرافیائی تبدیلی قوائے فکریہ کو مضمحل کردے۔

اور جناب ہیوزن کا نفرنس بھی ہوئی۔ آپ کے پڑوس میسور کے کرشنا راؤ مع شرکیتی......... کے ڈانس ہوئے ایسے کہ ہیں بھی صوفے پر بیٹھے پاؤں سے زاوئے بنانے لگا۔ پرانی رگوں میں نئی حرکت پیدا ہوگئی۔ اور گانے۔ اس کو جناب سمجھیں۔ یا "لال کیتا" گانے والے۔ ہماری سمجھ سے تو بہت ہی اونچے تھے یا بہت ہی نیچے۔ عجیب عجیب ساز دیکھنے میں آئے۔ مگر فتح رہی "بی سارنگی" کی معلوم ہوتا تھا گلے کا چوبی "ان لارج" ہے اور گلے کی سب صوتی رگیں پردہ و تاریں اس کے ڈھال دی ہیں۔ مگر قدرت نے اپنی برتری کو اس طرح محفوظ رکھ لیا کہ بجانے والے کا ہاتھ پورا کھنچکر پھر لوٹتا تھا تو سیکنڈ کا سواں حصہ خاموش ہوتا تھا۔ آپ اس پر اعتراض جڑ دیں گے کہ گویئے کے سانس ٹوٹنے کے وقفہ خموشی سے تو کم ہی خیر چھوڑئے۔

آپ ہم سب ایک جگہ ہوتے تو ہنستے ہنساتے۔ بنتے بناتے۔ سنتے سناتے۔ کھاتے کھلاتے۔ منتے مناتے۔ پیتے پلاتے۔ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ نہیں ہے تو نہ سہی۔ غم ہیچ ...... شادی۔

وہ ہیں نا۔ بیکارسے شاغل ہم جنھیں محترم کہتے ہیں۔ اب گڑے مُردے جِلا رہے ہیں۔ ع آفریں کارِ مسیحائی کُند۔ اب انھیں مع پروفیسر کے ادھر دھکا دیدیجیے۔ شعر سُنیئے:۔

اُن کے گھر کا پتہ میں بھول گیا۔ سارے دُنیا کے گھر انھیں کے ہیں۔"

قوتِ گویائی | ملکۂ تقریر اور قوتِ گویائی خدا داد ہے۔ انگریزی کی دھواں دھار تقریروں کے مقابلہ میں اُردو میں اپنے زورِ بیان کی بدولت رنگ جماتے اور داد پاتے ہیں۔ اور ہر موضوع پر گفتگو کرکے اپنی جگہ نکال کر خود کو جزوِ لازمی بنا دیتے ہیں۔

اخلاق و عادات | نہایت خوش اخلاق و خوش مذاق اور خوش تعلقات ہیں۔ طبیعت میں ظرافت و مزاح بھی ہے اور تدبّر و ثقاہت بھی۔ ہمہ گیر و ہمہ رنگ طبیعت کے مالک۔ اور اپنی انفرادی شخصیت کے حامل۔ پابندِ صوم و صلوٰۃ اور شعائرِ اسلام کے مُطیع و منقاد۔ مناہی سے بالکل دُور مگر رندوں کے قبلۂ کعبہ اور ظریفوں کے پیر و مُرشد بھی ضرور۔

شاعری | ان کی شاعری کا آغاز اوائل عمر میں ہوا۔ منشی چھیتر مل مجبورؔ سے اصلاح لینے لگے۔ ان کے بعد مولوی سیّد سراج الدین احمد سراجؔ کنتوری سے اصلاح لی اور شعرائے جے پور میں مشاق حضرات میں شمار ہونے لگے۔ مگر جو کچھ کہا اُس کی حفاظت کچھ نہ کی۔ صفحۂ قرطاس ہی سے نہیں بلکہ لوحِ دل تک سے محو کر ڈالا۔ یہاں تک کہ ان کے جس قدر اشعار راقم الحروف کو یاد ہیں، خود بدولت کو بھی یاد نہ ہوں گے۔

ان کی شاعری کا اچھوتا جزو۔ وہ ہے جس میں عورتوں کا ذکر شوخ پیرایہ اور سبک الفاظ میں نہایت احترام و پاکبازی سے کرتے ہیں اور پاکبازی

کی تلقین کرتے ہیں۔

عرب شعرا کے مفاخرت اور "حماسہ" کے اسلوب پر بھی متعدد نظمیں کہیں۔ ایک کا عنوان تھا "گنگا" اس میں ایک مظلوم عورت کا ذکر کیا ہے۔ گنگا کے مناظر لکھتے ہوئے کہتے ہیں :-

نظر یوں پڑتی ہیں پنہاریاں پنگھٹ کی   کہ اپنے بچوں کی جس طرح کوئی دیکھے بہار

جب مذہبی جذبات کی رَو میں بہہ نکلتے ہیں تو یوں رجز خواں بھی ہوتے ہیں :-

دھری مصلّے کے آگے بھری ہوئی بندوق   رکھی مصلّے کے بائیں طرف کو اک تلوار
سمیٹے عجز و خضوع و خشوع کو اپنے   سرِ مصلّے جبینِ نیاز، سجدہ گزار
خدا رکھے تجھے اے انقلابِ احساسات   مجھے بڑھاپے میں دی نوجوانیوں کی بہار
اے تیری شان کہ مجھ سا مریدِ صادقِ جبن   بنانا چاہتا ہے غازیوں کا سا کردار

کلام پر تبصرہ ابتداءً حسبِ سُنّتِ سلف غزل گوئی شروع کی۔ مگر جب سے خدمتِ قومی اور دردِ ملّت کے شکار ہوئے کلام میں مصلحانہ رنگ غالب ہے اور ذوقِ سخن کو ذریعہ پیغام و آوازِ وجدان بنا لیا ہے۔ نمونہ حسبِ ذیل ہے :-

رباعی

تو بندوں کو حاجت سے فزوں دیتا ہے   لیکن مجھے حیرت ہے کہ کیوں دیتا ہے
اعمال تو ایسے نہیں جو رزق ملے   رزّاق ترا نام ہے یوں دیتا ہے

قطعہ

دین و دنیا کی شہنشاہی تری قسمت میں ہے   حوصلہ مندی دکھا کچھ کام کر خورسندہ رہ
اے مسلماں تین باتوں میں ہے اب تیری نجات   علم پڑھ، دولت کما، اور دین کا پابندہ رہ

دیگر

کچھ نہ کچھ سرمایہ ہونا چاہئے رہرو کے پاس   مفلسی بیڑی ہے پائے ہمتِ بیباک کی
خاک ہوگا ایسے عابد کے تیمم میں اثر   ملک میں جس کے نہیں ہے ایک چٹکی خاک کی

متفرق اشعار

تجھے دیکھ اے مذبذب آشنا کیا کیا پڑا کرنا   کبھی ناقوس اُٹھا لینا کبھی تکبیر ادا کرنا
تعلق کچھ نہیں جب تجھ کو اسما و ضمائر سے   تو پھر کیا فرض تھا منصوبے سے بحثِ انا کرنا

تری رحمت کو بھی حیلہ تراشی خوب آتی ہے
مری فطرت میں داخل کر دیا جرم و خطا کرنا

ضمیر و نفس سے لڑتے ہی بس گزرتی ہے
عقیدہ خلد کا میرے لئے عذاب ہوا

شوخ سودائے بتاں آپ کے دل میں کیوں ہے
رہن کیوں آپ یہ اللہ کا گھر رکھتے ہیں

اس وقت میرے، بعد میں دشمن کے یار ہو
تم میری زندگی ہو۔ مگر مستعار ہو

رحمت ہے عرق چیں تو کرم تھامے ہوئے سر
زاہد نے مری شانِ ندامت نہیں دیکھی

کچھ تو نمودِ جلوۂ جاناں نہ چاہیے
کعبہ کے آگے پردۂ بتخانہ چاہیے

خاکِ نیاز سے سرِ جبروت تک کریم
میں تیرا بندہ ہوں مجھے کیا کیا نہ چاہیے

شائستگیِ ذکرِ محبت کے واسطے
مجذوب کی زباں دلِ دیوانہ چاہیے

اقوام کے عروج و تنزل کا حال سن
قدرت کو اپنے واسطے افسانہ چاہیے

شور تخلص۔ عطا حسین نام۔ نسباً شیخ۔ مذہباً امامیہ۔ والد بزرگوار کا نام شیخ غلام حسین۔ اصل وطن دہلی اور وطنِ مابعد جے پور۔ محلہ ہاڑی پوڑہ چوکڑی رام چندر جی میں سکونت تھی۔

خاندانی حالات آپ کے اجداد ایران سے ہندوستان آئے۔ اول لاہور میں قیام کیا اور وہاں سے دہلی آکر متوطن ہوئے۔ آپ کے دادا شیخ پیارے صاحب شاہزادگانِ دہلی کے اتالیق تھے۔ چونکہ حضرت شور کا مادری رشتہ سید محمد امیر رضوی عرف میر پنجہ کش سے ملتا تھا۔ اس لئے اُسی نسبت سے خط میں ایک خاص شان تھی۔

ولادت و تعلیم حضرتِ شور کے والدِ ماجد غدر ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے جے پور آ گئے تھے۔ شور کی ولادت ۱۸۰۵ء میں جے پور کے محلہ دریبہ پان میں ہوئی۔ اپنے والد ماجد سے فارسی۔ عربی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ فارسی کے جید عالم اور عربی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

ملازمت تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ریاست جے پور میں آپ نے ملازمت

اختیار کی۔ عرصہ دراز تک محکمہ صدر فوجداری جے پور میں ناظر رہے۔ پھر سبکدوش ہونے کے بعد ۱۵ روپیہ ماہوار کے روزینہ دار ہو گئے۔ حضور رس تھے۔ مہاراجہ سوائی رام سنگھ کے سلام کو روزانہ جایا کرتے تھے۔ مہاراجہ کو تھیٹر دیکھنے کا شوق تھا جس کی یادگار "رام پرکاش تھیٹر" ہے۔ جس کا نام اب "رام پرکاش سینما" ہو گیا ہے۔ تھیٹر میں جو غزلیں گائی جاتی تھیں اُن کی اصلاح بحکم مہاراجہ آپ کے ذمّہ تھی۔ روزینہ تاحیات ملتا رہا۔

وفات اور تصانیف حضرتِ شورؔ نے ۱۸۸۰ء میں جے پور ہی میں انتقال کیا۔ اُردو فارسی کے دو دیوان تو یقیناً تھے۔ فارسی دیوان تو مولوی سعید حسین خاں نے دیکھا تھا جس کا حال انھوں نے ماہنامہ "روشنی" بابت ماہ جنوری ۱۹۳۵ء کے صفحہ ۹ پر درج کیا ہے کہ تیس جزو کا ہے۔ اُردو کا دیوان متعدد اصحاب کی نظر سے گزرا ہے۔ اسی طرح اور بھی تصانیف ہوں گی اس لئے کہ آپ کا ادبی ذوق بہت بلند تھا۔ اور اس ادبی انجمن کے آپ رُکن رکین تھے جو مولانا تسلیم نے مانک چوک چوپڑ کے شرقی شمالی کھنڈے[1] کی عمارت میں قائم کی تھی۔ جہاں اب تھانہ پولس مانک چوک ہے۔ مگر آج کسی تصنیف کا کچھ پتہ نہیں۔ اس سلسلے میں۔ آپ کے نبائر سید مظہر علی مظہر اور ماسٹر یاد علی سے میں بار بار ملا مگر نہ کوئی ادبی و علمی سرمایہ آپ کی یادگار ملا نہ مزید حالات۔

تلمذ و ذوقِ سخن حضرتِ شورؔ کو حضرتِ گلؔ تلمیذ حضرتِ میر تقی میرؔ سے تلمذ تھا۔ یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ شعر کب سے کہتے تھے۔ مگر یہ مُسلّم ہے کہ جے پور کے اساتذہ میں تھے۔ اُردو کا ایک شعر جو بدقّت تمام دستیاب ہو سکا درج ذیل ہے۔ یہی آپ کی اُستادی اور کمالِ سخنوری کی بیّن دلیل ہے۔ فرماتے ہیں :-

جیتے ہیں آبرو سے تو مرتے ہیں بات پر ہم خاک ڈال دیتے ہیں آبِ حیات پر

---

[1] مقامی زبان میں بمعنی گوشہ ۱۲

شوکت

تخلص ۔ محمد احتشام الدین نام ۔ ابو اللمعان کنیت ۔ نسباً شیخ عثمانی والدِ ماجد کا نام حافظ قاضی حسیب الدین ۔ مولانا تسلیم کے برادرِ خورد ۔ راقم الحروف کے والدِ بزرگ ۔ آپ چھ حقیقی بھائی تھے ۔ (۱) مولانا تسلیم (۲) منشی ذکاء الدین (۳) مولانا مفتی غلام مبارز الدین (۴) مولانا مُبین (۵) منشی ارشاد الدین کلیم ۔ اور (۶) حضرتِ شوکت ۔ وطن نارنول تھا اور مستقل سکونت جے پور میں تھی ۔ مشرباً چشتی النظامی تھے اور حضرتِ قبلہ محمد شاہ ؒ سے بیعت تھے ۔

ولادت و تعلیم ۔ ۱۲ ربیع الآخر ۱۲۷۸ھ کو بمقام نارنول پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے مختلف بزرگوں سے حاصل کی ۔ پھر تکمیل عربی و فارسی ، اپنے ماموں مولانا ابو المکارم محمد عمر حافظ محمد رشید الدین فاروقی ؒ سے کر کے دستارِ فضیلت حاصل کی ۔

ملازمت اور وفات ۔ بعد ختمِ تعلیم محکمہ پولس جے پور میں ملازمت شروع کی ۔ عرصہ دراز تک افسر تھانہ (سب انسپکٹر مہتمم تھانہ) رہے ۔ پھر کورٹ انسپکٹر ہو گئے اُس زمانہ میں تمام ریاست میں صرف آپ ہی تنہا کورٹ انسپکٹر تھے جو بحیثیت ایڈووکیٹ جنرل تصوّر کئے جاتے تھے ۔ اور سرکاری معاملات فوجداری میں آپ کی رائے پر عمل کیا جاتا تھا ۔ آخر وقت تک اس عُہدے پر فائز رہے ۔ مُلازمانِ پولس کے امتحانات اور اُن کی قابلیت کی جانچ بھی آپ کے ذمّہ تھی ۔ غیر متدین ملازمانِ پولس سے تمام عمر [illegible] رہی ۔ متعدّد جاہل افسروں سے واسطہ پڑا اور اُن سے تکلیفیں بھی اٹھانی پڑیں جن کے متعلق متعدد نظمیں بھی کہیں جو اس قدر مقبول ہوئیں کہ آج تک کئی سن رسیدہ لوگوں کو یاد ہیں ۔ تاہم دیانت داری و جفاکشی کو اپنا طرۂ امتیاز بنایا اور انھیں اوصاف کی بدولت ہمیشہ فتح مند و کامیاب رہے ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ ہجری مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۶ء یوم چہارشنبہ بوقت ۱۱½ بجے دن جے پور میں

انتقال کیا۔ اور یہیں بیرونِ گھاٹ دروازہ آسودہ ہیں۔

تلمذ و ذوقِ سخن | حضرتِ تسلیم سے تلمذ تھا۔ اور سنِ شعور سے ذوقِ سخن بیرونجاتی۔ ماموری کے زمانہ میں بھی طبع آزمائی فرماتے رہتے تھے مگر کبھی اپنا کلام محفوظ نہ کیا۔ بہت سی نعتوں کے مسودے تھے جو شیخ واحد علی صاحب نارنولی اور محمد شفیع صاحب نارنولی کو اپنے تخلص کی بجائے اُن کا تخلص نظم کر کے دیدیں' کہ یہ دونوں صاحب نعت خواں تھے۔ مگر افسوس کہ اب اُن کا بھی کچھ پتہ نہیں۔ ۱۹۴۷ء کی دست برد میں اُن کا بچنا ناممکن تھا۔ کچھ نعتیں اور نعتیہ و منقبتی قصیدے اپنے رشتہ کے بھائی قاضی رفیع الدین صاحب رفیع مرحوم کو دیدئے۔ غزلیات کا بھی کافی سرمایہ تھا۔ جو عرصہ تک بغرضِ طباعت "قوم پرنٹنگ ورکس" میں محفوظ رہا۔ مگر جب اُس میں چوری ہو کر کتابیں تک چرالی گئیں تو وہ مسودہ بھی انھیں میں جاتا رہا۔ مزاحیہ اشعار کی طرف بھی طبیعت راغب تھی مگر جملہ مزاحیہ کلام اپنی زندگی ہی میں تلاش کر کر کے تلف کر دیا تھا۔

تاریخ گوئی | تاریخگوئی سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ ایک مجموعہ قطعاتِ تاریخ کا موجود ہے ہر مادہ اپنے واقعہ پر دلالت کرتا ہے اور یہی تاریخگوئی کا کمال ہے۔ چنانچہ تین قطعاتِ تاریخ بطور نمونہ درج ذیل ہیں:-

قطعہ تاریخ وصال سید روشن علی قادری وچشتی سانبھری سجادہ نشین شاہ شرف الدین قدس سرہٗ

شہرِ سانبھر تیرہ و تاریک گشت | شد وصالِ سیدِ روشن علی
شوکتِ تاریخ گو سالش بگفت | انتقالِ سیدِ روشن علی

۱۳۲۲ھ

تاریخ ترقی منشی مراری لال بر عہدۂ سررشتہ داری گیرائی

مُراری لال با سررشتہ داری | ترقی یاب شد از فضلِ واہب
بگو شوکت پئے سالِ ترقی | ترقیِ مُراری لال صاحب

۱۳۲۲ھ

قطعۂ تاریخِ وفات الحاج قاضی رفیع الدین جمالی نارنولی تھانہ دار ریاست جے پور
کہ در مدینہ منورہ بعد حج و زیارت روضۂ اقدس نبوی رحلت نمود

کعبہ کے حج سے فارغ ہو کر آخر جالی خاکِ مدینہ
ضعفِ پیری و بیماری میں بن گیا تو چالاکِ مدینہ
لے کر تجکو ہند سے پہنچا جذبِ خس و خاشاکِ مدینہ
قاضی رفیع الدین جمالی ہو ہی گیا تو خاکِ مدینہ
تیرا مقدر تیری قسمت مدفن تیرا خاکِ مدینہ
خلد بریں کا خلد بریں ہو دشتِ فرحت ناکِ مدینہ
سالِ وفات بلا شوکت کو نذرِ حرم پاکِ مدینہ
۱۳۳۰ھ

تصانیف | حضرتِ شوکت نے حسبِ ذیل تصانیف چھوڑیں:۔

(۱) سلسلۃ الذہب۔ اردو نظم و نثر بحالاتِ بزرگانِ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ۔ ۱۳۱۸ھ مطبوعہ
(۲) فریادِ منظوم۔ اردو نظم شجرۂ حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ رح پیر و مرشد خود ۱۳۳۱ھ ”
(۳) شجرۂ چشتیہ محمدیہ ایضاً ۱۳۳۲ھ ”
(۴) ملفوظِ کریم۔ اردو نثر بحالاتِ خانوادۂ حضرت بندگی شاہ نظام نارنولی رح ۱۳۲۱ھ غیر مطبوعہ
(۵) تاریخِ ملہم۔ اردو نثر بحالاتِ حضرت سید حسن رسول نما رح ۱۳۲۶ھ ”
(۶) جہاتِ ستہ۔ اردو نثر در علمِ فقہ ”
(۷) صمصامِ احتشامی۔ اردو نثر در علمِ عقائد بطور مناظرہ ”
(۸) اصحابِ اخدود۔ اردو نثر بحالاتِ اصحابِ اخدود ”
(۹) اصحابِ کہف۔ اردو نثر بحالاتِ اصحابِ کہف ”
(۱۰) مجموعہ اوراد و وظائف۔ اردو۔ فارسی اور عربی نثر ”
(۱۱) بیاضِ تواریخ۔ اردو و فارسی نظم۔ تاریخی قطعات وغیرہ کا مجموعہ ”

(۱۲) **انتظامات پسند** ۱۹۰۹ء - جے پور پولس نے جو انتظامات بموقع آمد لارڈ منٹو وائسرائے ہند ریاست جے پور میں کئے تھے اُن کی تفصیل اور انتظامی ہدایات کا مجموعہ، اس میں تمام عنوانات مادۂ تاریخ ہیں اور بہت سے قطعات اور کئی عبارتیں تاریخی مادّوں کی ہیں۔ غیر مطبوعہ

(۱۳) **رجسٹر معظم** ۱۹۱۴ء - اُردو نثر۔ متعلق ترتیب دفتر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹس پولس۔ انسپکٹرس۔ تھانجات اور چوکیات۔ اس کے ٹائٹل پیج کا ہر فقرہ مادۂ تاریخ ہے۔ جس کی فلس کیپ سائز پر ۱۹ سطریں ہیں۔ اسی طرح جملہ عنوانات مادۂ تاریخ ہیں اور کئی قطعات وغیرہ مختلف صنائع و بدائع مثل صنعت زبر و بینات وغیرہ میں ہیں اور اس صنعت کے ساتھ صنعت توشیح بھی ہے، مطبوعہ

ایک تاریخی نظم ذیل میں ایک تاریخی نظم بطور نمونۂ کلام درج کی جاتی ہے جس سے اُس زمانہ کی پولس کا کچھ اندازہ ہو گا کہ جہاں اُس میں لائق اصحاب تھے وہاں اُن کی ضد بھی کیسے کیسے لوگ تھے۔

ہوا جب سے گیرائی کا محکمہ[1] ہے — بدلتے ہیں رنگِ زماں کیسے کیسے
شفیع اللہ[2] جی حاکمِ محکمہ تھے — تو تھے مہدوی کامراں کیسے کیسے
ہوا عہد جب میر احمد علی[3] کا — تو سیّد تھے بھرتی جواں کیسے کیسے
میاں جی[4] کا جب دوسرا دور آیا — تو افسر ہوئے تھے میاں کیسے کیسے
پھر اک چند روزہ حکومت میں بیخود — ہوئے حامی الدین[5] خاں کیسے کیسے

---

[1] محکمہ پولس ریاست جے پور ۱۲۔ [2] میر شفیع اللہ عرف شفیع میاں ساکن موضع دائرہ۔ علاقہ شیخاواٹی لنگڑے تھے مگر انتظامی قابلیت خداداد تھی مہدویہ فرقہ کے پیرو تھے ۱۲۔ [3] میر احمد علی ساکن قصبہ کھیرتل علاقہ الور، مذہباً شیعہ اور نسباً سیّد تھے ۱۲۔ [4] مراد شفیع میاں ۱۲۔
[5] حامی الدین خاں رام پوری کچھ عرصے کے لئے سپرنٹنڈنٹ پولس ہو گئے تھے ۱۲۔

رہی تھوڑے عرصہ تلک کھوڑ[1] گردی ——— تو اس میں ہوئے تھے زیاں کیسے کیسے،
نرائین[2] کا آخر کو آیا زمانہ ——— ہوئے شاد اہلِ جہاں کیسے کیسے
غرض چار ماہ اور سولہ برس تک ——— ملے ہم کو امن و اماں کیسے کیسے
مگر کیا خبر تھی کہ یہ چرخِ گرداں ——— کرے گا ستم ناگہاں کیسے کیسے
ہری[3] سنگھ جی فوج بخشی نے آکر ——— پولس کے لئے امتحاں کیسے کیسے
برائے گرفتاریٔ مال و ملزم ——— مقرر کئے کارواں کیسے کیسے
اگر[4] سنگھ جی اور بھوپال[5] سنگھ جی ——— اسسٹنٹ تھے نکتہ داں کیسے کیسے
کسی کو اجاڑا۔ کسی کو بگاڑا ——— کئے مفسدے الاماں کیسے کیسے
معطل شدہ تھانہ دار اور محرر ——— تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے
بہادر[6] نے آکر شجاعت دکھائی ——— ہرشی کے مٹائے نشاں کیسے کیسے
بہت سالِ تاریخ کی جستجو میں ——— مشوش تھے اہلِ زباں کیسے کیسے
سنا شعر نادر یہ آتش کے لب سے ——— ہیں مداح تاریخ داں کیسے کیسے
پولس کی زمیں گل کھلاتی ہی گیا ——— بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

۱۹۱۶ء

---

[1] موضع کھوڑ کے جاگیردار جو راجپوت تھے۔ اور امی محض۔ اُن کے زمانہ میں پولس افسروں کے ردوبدل کا یہ حال بتایا جاتا ہی کہ ایک شخص کو تھانہ دار مقرر کیا جاکر پروانہ دیدیا گیا۔ وہ جب اپنے گھوڑے پر روانگی کے لئے سوار ہوا تو گھوڑے کی دُم کی طرف منھ کر کے سوار ہوا۔ ٹھاکر صاحب کھوڑ نے دیکھا اور روبرو بلاکر عتاب آمیز لہجہ میں جواب طلب کیا تو اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ یہ دیکھتا ہوا جانا چاہتا تھا کہ میرے بجائے کوئی دوسرا تھانہ دار تو پیچھے سے نہیں آرہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲۔ [2] ٹھاکر نراین سنگھ جا بیادت جاگیردار ٹھکانہ موضع کانوتہ ۱۲۔ [3] ٹھاکر ہری سنگھ جا گیردار ٹھکانہ کھاچرو ۱۲۔

[4و5] یہ دونوں صاحب اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولس تھے اور قطعی ان پڑھ تھے دستخط کرنا بھی ہندی میں نہیں جانتے تھے۔ ملازمت کی وجہ سے صرف دستخط سیکھ لئے تھے کسی ماتحت پر ناراض ہوتے تو اپنے سررشتہ دار کو حکم دیتے "ایں نے (اس کو) کوتیل (معطل) کردو۔" بھوپال سنگھ جی کے پاس پیر جی صغیر الدین ساکن جھنجھنوں سررشتہ دار تھے۔ تمام حکم احکام لکھ کر وہ کاغذات دستخطوں کے لئے رکھ دیتے اور دستخطوں کی جگہ ایک لمبی لکیر کھینچی ہے مگر پھر بھی کبھی ٹھاکر صاحب نہ سمجھتے تو پوچھتے۔ منسی (منشی) جی دستک (دستخط) کو رٹی نے (کہاں) کردوں،، وہ کہہ دیتے۔ "مہاراج نٹرنگ بنادی ہے۔ لکڑی ٹیکتے چلے جاؤ"۔ اگر سنگھ جی سے کوئی ان کا عہدہ پوچھتا تو فرماتے "ہسٹنٹ ہوں" واللہ اعلم بالصواب۔ دروغ برگردن راویان

شہرت تخلص، سراج الحسن نام۔ نسباً سید مذہباً شیعہ۔ اصل وطن شکوہ آباد تھا حضرت ہنیر شکوہ آبادی سے قرابت و تلمذ تھا۔ جے پور پولس میں محرر تھے۔ یہاں حضرت تنویر سے اصلاح لیتے تھے۔ تقاسمۂ ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ یہ شعر آپ کا ہے :-

رواں ہیں جس طرف بحرِ محبت ہیں رواں ہم بھی
جہاں کشتیِ دل ٹھیرے وہاں ساحل سمجھتے ہیں

شہرت تخلص، (منشی) نثار علی نام۔ وطن دہلی۔ افسر سررشتہ تعلیم ریاست جموں و کشمیر۔ آپ کے والد منشی حسین علی فرحت، شاہ نصیر کے تلامذہ میں تھے۔ آپ نے پہلے اپنے والد سے اصلاح لی پھر حکیم مولا بخش قلق کے شاگرد ہوئے۔ قدیم انشاء پرداز اور ابتدائی دور کے اخبار نویس تھے۔ کشمیر کے علاوہ جے پور میں بھی بسلسلۂ ملازمت رہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء کے قریب لاہور میں انتقال کیا۔ یہ اُن کا کلام ہے :-

رکھ دیا مثلِ تبرک طاق میں کیوں دے بھی دے ؛ ساقیا کیا جام نے زاہد کا ایماں ہو گیا
ہو گئی سُرخی نمایاں دیدۂ مخمور میں
آتشِ سیال آئی ساغرِ بلور میں

ماخوذ از "خمخانۂ جاوید"

شیخ تخلص۔ نور علی نام۔ نسباً شیخ۔ اصل وطن جھالرہ پاٹن تھا۔ صغر سنی میں بوجہ یتیمی اپنے ماموں شیخ چراغ علی کے پاس جے پور آ گئے تھے۔ حکیم سلیم خاں خستہ کے نجی ملازم ہو گئے تھے۔ تلمذ کسی سے نہ تھا۔ موزونیِ طبع کے باعث شعر کہتے تھے مگر مزاحیہ یا ہزل۔ ان کے پوتے عبد الغفور شیدا کہتے ہیں کہ مکمل دیوان تھا جو دیمک کی خوراک بن گیا۔ صرف تین شعر اُن کو یاد تھے جو ہدیۂ ناظرین ہیں :-

یہ عیاریاں تو نے سیکھیں کہاں سے
اسے دیدیا جُل۔ دئے اس کو جھانسے

وہ نکلے نہ دشمن کے چھپّر سے باہر جلا آسماں میری آہ و فغاں سے
منایا گیا جشن ہر میکدے میں ہوا شیخ بیعت جو پیرِ مُغاں سے

شیدا کہیں شیدا اور کہیں مائل اور بعض جگہ دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال فرماتے تھے۔ عام طور پر شیدا مائل مشہور تھے اس لئے کہ مائل کو ہمیشہ مائل بفتح یا بولتے تھے، مرزا احمد بیگ نام تھا اور بانس بریلی کے رہنے والے تھے۔ جے پور کی عدالتوں میں وکالت کرتے تھے۔ قدیم وضع کا نمونہ تھے۔ ساٹھ برس کا سن۔ لیس دار ٹوپی۔ سر پہ پٹے۔ ڈیڑھ پایہ بڑ داڑھی دیسی تراش کا انگرکھا۔ شرعی پاجامہ اور دیسی جوتہ۔ ایک لمبا چوڑا رومال کاندھے پر۔ کھوپڑی پاش ڈنڈا ہاتھ میں۔ بلند و بالا قد۔ جوانی کی کسرت کا اثر بڑھاپے میں نمایاں۔ چوڑا چکلہ سینہ تانے پہلوانوں کی چال چلتے تھے۔ ہر مہینہ کسی بزرگ کی فاتحہ میٹھی روغنی چھوٹی چھوٹی ٹکیوں پر دلواتے تھے۔ جو ہر وقت جیب میں بھری رہتی تھیں۔ جہاں کہیں کوئی دوستوں میں سے ملا۔ ایک آدھ ٹکیہ بطور تبرک اس کو ضرور عنایت فرماتے۔ شب بیدار اور عبادت گزار ہستی تھے۔ البتہ شاعری کے خبط میں مُبتلا تھے۔ خود کو ہندوستان کا بہترین شاعر اور استاذالاساتذہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

زبانِ داغ طرزِ شیفتہ اور زورِ غالب کا سخن میں ہم مرے یوں سب مجھے استاد کہتے ہیں

باوجودیکہ گلے میں مطلق سُر نہ تھا۔ اور بڑھاپے نے بھی آواز پر اپنا اثر کیا تھا مگر مشاعرہ ہو یا کوئی صحبت اپنا شعر ہمیشہ ترنم سے پڑھتے تھے! ادھر آپ نے غزل شروع کی اور اُدھر مشاعرہ زعفران زار بنا۔ فقروں اور قہقہوں سے بزم گونج اُٹھتی تھی۔ آپ ضبط کرتے رہتے مگر جب گستاخیاں حد سے گزر جاتیں تو بے ادبوں کا سر توڑنے کو ڈنڈا حرکت میں آتا غزل در جیب و عصا (بقول شخصے مولا بخش)

در دست کھڑے ہو جاتے اور گستاخوں کی سات پشت تک کی زبانی بھی خبر لے ڈالتے۔ اور ڈنڈا بھی اپنے استعمال کے لئے بلند ہو جاتا۔ خدا خدا کر کے غزل ختم ہوتی تو بانیانِ بزم اور گستاخ سامعین پر لعنت بھیجتے ہوئے روانہ ہونا چاہتے۔ مگر ادھر آپ نے جوتہ پہنا اور اُدھر لوگوں نے دست بستہ عاجزانہ معافی چاہی۔ لہٰذا اپنی پاک نفسی صاف باطنی کی بنا پر سب کو معاف فرما دیتے اور خوش ہو جاتے۔ سمجھدار طبقہ کو اس قسم کی حرکات سے نہایت اذیت ہوتی مگر مرگِ انبوہ جشنے دارد۔ برداشت کرنا پڑتا۔ اور آپ کے بعد مُشاعرہ ذرا مشکل سے جمتا تھا۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں جے پور سے وطن چلے گئے تھے اس کے بعد کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ یہ شعر آپ کا ہے:۔

ذرا آنے تو دو فصلِ بہاری ہم بتا دیں گے
ہوا کرتی ہے کس صورت سے درِ دیوارِ زنداں کی

شیدا تخلص۔ عبد الغفور نام۔ والد کا نام عبد الصمد۔ محلہ بساطیان جے پور میں رہتے ہیں۔ پہلے حضرتِ تنویر سے اصلاح لیتے تھے اور اب حضرتِ کوثر کے شاگرد ہیں۔ یہ شعر آپ کے ہیں:۔

ہوا ہوں تنگ ہاتھوں سے جنونِ فتنہ ساماں کے
ادھر پُرزے ہیں دامن کے اُدھر جیب و گریباں کے

مرا دستِ جنوں اک تار بھی باقی نہ چھوڑیگا
جہاں میں نام ہی رہ جائیں گے جیب و گریباں کے

شیفتہ تخلص۔ مظہر حسین نام۔ فرخ آباد (یو۔پی) وطن تھا۔ محکمہ پولس جے پور میں ہیڈ کنسٹبل تھے۔ یہاں عرصے تک رہے اور مشاعروں اور دیگر ادبی صحبتوں میں شریک ہوتے رہے۔ پہلے حضرت دلگیر مارہروی سے تلمذ تھا پھر جناب کیف کاسگنجوی سے اصلاح لیتے تھے۔ یہ شعر آپ کا ہے:۔

کمالِ ضبط سمجھے شیفتہ ہم تیرا مر جانا
کہ لب تک آ چکا تھا رازِ دلِ بیتابیِ دل سے

شیون تخلص۔ مدن گوپال نام۔ قدیم سکونت قصبہ سُہار ضلع ایٹہ (یو۔پی) ہے۔ اب جے پور کے متوطن ہیں۔ اور سررشتہ تعلیم راجستھان کے

کلرکی عملہ میں ملازم ہیں۔ میرزا کرحسین اثرؔ سے تلمذ تھا۔ ان کے بعد سے ذوقِ سخن کچھ سرد سا ہو گیا ہے۔ یہ شعر آپ کا ہے:-

بتائیں کیا رہِ الفت میں اپنی حد ناکامی	جہاں ہم بیٹھ جاتے ہیں وہیں منزل سمجھتے ہیں

صافی تخلص۔ عبد الرحمٰن نام۔ حضرت جوہرؔ سے تلمذ تھا۔ یہ شعر آپ کا ہے:-

حوروں کے طلبگار نہ ہو حضرتِ زاہد	تم لوگ کہے جاتے ہو مردانِ خدا ہیں

صبا تخلص۔ چند بہاری لال نام۔ "منشی" لقب اعزازی بطور اسمی جزو لاینفک۔ اس لئے کہ آپ کے بزرگوں نے اس کو اپنا فخر و اعزاز سمجھا۔ آج کی دُنیا اس لفظ کی نسبت کچھ بھی رائے رکھے مگر حقیقت میں منشی ہونا آسان نہیں نسباً کایستھ ماتھر ہیں۔ اصل وطن نارنول ہے۔ اور تین پُشت سے مستقل سکونت جے پور۔

خاندانی حالات صباؔ شہنشاہِ جہانگیر کے نائب وزیر اعظم رائے مکند کی اولاد میں ہیں۔ آپ کے جد امجد منشی نند کشور صاحب مہاراجہ سوائی رام سنگھ کے میر منشی اور جے پور کی نہایت مقتدر و محسنِ عام ہستی تھے۔ آپ کے انھیں بزرگ کو ریاست سے معقول جاگیر بھی عطا ہوئی۔ جو اب تک برقرار ہے۔

صباؔ کے والد منشی گوبند نراین فارسی کے اچھے عالم تھے۔ جن کی تصنیف "انشائے گوبند نراین" بزبان فارسی طبع ہو چکی ہے۔ آپ کا خاندان جے پور میں خاص عزّت و وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

ولادت و تعلیم صبا ۲۵ دسمبر ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر ہو جانے پر خاندانی دستور کے مطابق رسم بسم اللہ خوانی ادا ہوئی۔ اُردو مولوی میر امیر علی مرحوم نے شروع کرائی۔ ہندی سوامی لکشمی نراین شاستری ساکن کوٹ پتلی نے

اور انگریزی کی بابو سنجیون گنگولی پرنسپل مہاراجہ کالج جے پور نے ابتدا کرائی۔ لکھنا میرزا کی نگرانی میں شروع کیا۔ رئیس زادوں کی طرح تعلیم و تربیت ہوتی رہی۔ اگرچہ کسی زبان میں فارغ التحصیل نہ ہو سکے مگر اس کمی کو آپنے مسلسل کتب بینی اور اہلِ علم و فضل کی صحبت سے پورا کر لیا۔ اور اُردو فارسی میں بقدر ضرورت دستگاہ حاصل کر لی۔

ذوقِ سخن | شعر و سخن کا ذوق سنِ شعور ہی سے تھا۔ جنوری ۱۹۱۴ء کے مشاعرہ میں آپنے پہلی بار غزل پڑھی۔ اوّل مولوی میر ضیا حسین ضیا تلمیذ حضرت مائل سے تلمذ اختیار کیا پھر اپنے اُستاد مولوی میر امیر علی کے مشورے سے حضرت مائل کے شاگرد ہوئے۔ استاد نے جوہر قابل اور فرماں برداری و ادب کی قابلیت خاص دیکھ کر پوری توجہ کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اچھا شعر کہنے لگے۔

اخلاق و عادات | صبا نہایت باوضع۔ خلیق و بامروّت۔ وضعِ قدیم کے پابند ادب آداب کے حامی۔ خوش گفتار و بذلہ سنج شخص ہیں۔ ظرافت و لطیفہ گوئی اور خوش طبعی آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ بات بات پر ہنستے ہنساتے رہتے ہیں۔ طبیعت میں استغنا و خود داری بھی ہے۔ یہ شعر آپکی حالت کا آئینہ دار ہے۔

میں نے تو ایک وضع پہ اپنی گزار دی　　کچھ بھی چلی نہ آگے مرے انقلاب کی

مقامی اور اکثر بیرونی مشاعروں کی صدارت کے لئے آپ کو مجبور کر لیا جاتا ہے اور یہ خدمت آپ پوری توجہ و انہماک سے انجام دیتے ہیں۔

حصولِ تمغا | ۱۹۲۹ء میں آپنے "آل انڈیا کائستھ کانفرنس" منعقدہ دہلی کے آل انڈیا مشاعرے میں سب سے اچھی غزل پڑھنے کے صلہ میں طلائی تمغہ بھی حاصل کیا۔

شرکت مشاعرہ | جے پور میں کوئی مشاعرہ نہیں ہوتا کہ جس میں آپ کی شرکت ضروری نہ ہو۔ اور بعض جگہ آپ کو مجبوراً بھی جانا پڑتا ہے۔ راجستھان کے

دیگر مقامات سے بھی آپ کو باصرار دعوتِ شرکت دی جاتی ہے۔ شرکت مشاعرہ آپکے خاص ذوق کی چیز ہے۔ بہت سے آل انڈیا مشاعروں میں بھی شریک ہوئے ہیں۔ دہلی میں جو سالانہ آل انڈیا مشاعرے پنڈت امرناتھ ساحرؔ کرتے تھے اُن میں تو ہمیشہ ہی شرکت کی۔

دہلی کا ایک مشاعرہ | ایک بار دہلی میں حضرتِ ساحرؔ کے یہاں مشاعرہ تھا۔ "دل" قافیہ اور "ہے" ردیف تھی۔ اس زمین میں پہلے بھی ایک مشاعرہ داغؔ و امیرؔ کے زمانہ میں ہو چکا تھا۔ اُن کے اور بیانِؔ یزدانی کے مطلعے ملاحظہ ہوں:۔

داغؔ۔ نئے انداز سے آراستہ قاتل کی محفل ہے — جہاں سر چاہیئے سر ہے جہاں دل چاہیئے دل ہے
امیرؔ۔ وہ کہتے ہیں نکلنا اب تو دروازے سے مشکل ہے — قدم کوئی کہاں رکھے جدھر دیکھو اُدھر دل ہے
بیانؔ۔ چلی آتی ہیں نذریں دھوم سے دربارِ قاتل ہے — کسی کے سر ہتھیلی پر کسی کے ہاتھ میں دل ہے

دہلی کے مشاعرے میں صباؔ و مولانا اظہرؔ بھی شریک تھے۔ پہلی نشست میں ان صاحبان کے غزل پڑھنے کی نوبت نہ آئی اور نمازِ ظہر کے لئے مشاعرہ ملتوی ہوا بزم گاہ سے منشی صباؔ اور مولانا ساتھ ساتھ باہر آئے۔ منشی صاحب نے مولانا سے کہا کہ "آپ کو ناگوار نہ ہو تو آپ کی غزل دیکھ لوں" اُنھوں نے جیب سے غزل نکال کر حوالہ کی۔ دیکھا تو پہلا ہی مطلع جوں کا توں امیرؔ کا مولانا کے یہاں لکھا ہوا تھا۔ دونوں صاحبان کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی غزل کہتے ہیں تو حضرت اظہرؔ جس قدر ممکن ہوں اساتذہ کے دیوانوں میں اُس زمین کی غزلیں دیکھ ڈالتے ہیں پھر فکر شروع کرتے ہیں۔ اور صباؔ غزل تیار کرنے کے بعد۔ چنانچہ جے پور میں اس وقت جس قدر دیوان و کلیات صباؔ کے پاس ہیں شاید ہی کہیں اور ہوں۔

---

[1] مرزا بیدلؔ کا اسی مضمون کا مطلع ہے:۔
مرا بکوئے تو رفتن چہ مشکل افتاد است — بہر طرف کہ نظر می کنم دل افتاد است ۱۲

غزل دیکھ کر صبا صاحب نے مولانا سے کہا کہ یہ پہلا مطلع تو امیر کا ہے۔ مولانا نے کہا کہ نہیں میں امیر کا دیوان دیکھ چکا ہوں۔ منشی صاحب نے کہا کہ دراصل یہ مطلع دیوان میں صفحہ کے آخر میں ہے۔ اور دوسرے صفحہ سے اور مطلعے شروع ہو گئے ہیں۔ آپ کی نظر سے رہ گیا۔ لہٰذا اُسی وقت "ہارڈنگ لائبریری" میں جا کر دیکھا تو وہ مطلع[1] موجود تھا۔ چنانچہ مولانا اطہر نے اخلاقاً اپنا مطلع کاٹ دیا۔ حالانکہ یہ توارد سالمہ تھا۔

کیجیو اور کرنا کا فرقِ استعمال منشی صاحب راوی ہیں کہ ایک بار مرزا مائل مرحوم نواب سائل کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے ایک شاگرد جو کسی اخبار یا رسالہ کے ایڈیٹر تھے، اصلاح کے لئے غزل لے کر آئے تو نواب صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب سے اصلاح لو۔ چنانچہ مرزا صاحب نے غزل بنانا شروع کی۔ ایک مصرع میں لفظ "کیجو" پر حضرات سائل و مائل میں اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت سائل کا کہنا تھا کہ "یہ لفظ اب متروک ہے۔ اس کی جگہ "کرنا" بولتے ہیں"۔ مائل کہتے تھے کہ "نہیں صرف مقامِ استعمال کا فرق ہے۔ جب کبھی خدا سے درخواست کریں گے تو "کیجو" استعمال کریں گے نہ کرنا۔ چنانچہ خواجہ آتش کا مصرع ہے۔ ع محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا"۔ اس بات کو نواب صاحب نے بھی تسلیم کیا۔ اور اصلاح میں "کیجو" ہی رکھا گیا۔

اساتذہ کی غزلوں پر غزل صبا اساتذہ کی غزلوں پر غزل کہنے سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں۔ مگر کبھی کہتے ہیں تو بہت زیادہ کوشش و توجہ کرتے ہیں تاہم اُستاد تو اُستاد ہی ہیں کہاں تک زور لگائیں۔ پھر بھی اچھے شعر نکالتے ہیں چنانچہ میر کی مشہور غزل :-

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے　　　دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

کے جواب میں آپ نے غزل لکھی جس میں مقطع خوب ہے :-

---

[1] مندرجہ صدر مطلع کے علاوہ مطلع ہے ۱۲

ہم نے سُنا ہے خود یہ صبا کی زبان سے تھا فصلِ گل کا ہاتھ گریباں کے چاک میں

اسی طرح اُستاد ذوق کے اس مطلع کا جواب ممکن نہیں :-

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دُور اور شکستہ پر پروانہ ہوں چراغ سے دُور اور شکستہ پر

بقول نواب احمد مرزا خاں آگاہ تلمیذ غالب "جب مرزا غالب نے یہ مطلع سُنا تو فرمایا کہ "استاد نے اب مطلع کہنے کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ قدرت کوئی ایسے دو نئے جانور پیدا کرے تو ممکن ہے"

ایک واقعہ | اس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آیا۔ یہ کہ جے پور میں ایک بار ایک ایسا بہت کم عمر لڑکا آیا تھا۔ جس کو دعویٰ تھا کہ جس بحر میں جس ردیف و قافیہ کے ساتھ فرمائش ہو۔ فوراً شعر کہہ لیتا ہے۔ اس کا تجربہ بہت لوگوں نے کیا۔ طرحیں دیں اور اُس نے اُسی وقت فی البدیہہ غزل کہہ کر سُنا دی۔ آخر یہی مطلع پڑھا گیا کہ اس کا جواب کہیئے۔ بیچارے نے بہت غور کیا اور فکر کی مگر نہ بن پڑا اور معذرت خواہ ہوا تو ذوق ہی کا دوسرا شعر پڑھ دیا گیا کہ اچھا یہ ردیف قافیہ باندھیئے :-

ابلقِ چشمِ سیاہ ست کو تیری دیکھا ورنہ اب تک نہ سُنا تھا فرسِ جامِ شراب

شاعر صاحب اس میں بھی ناکام رہے۔ اور بیچارے کا دعویِ کمال باطل ہو گیا۔ البتہ صبا نے بہت زور لگا کر مطلع کا جواب لکھا ہے۔ اگرچہ وہ بات کہاں صبا اور ذوق کا فرق ظاہر ہے"۔ تاہم مطلع کہہ ضرور لیا۔ ملاحظہ ہو :-

بلبل نہیں ہے باغ سے دُور اور شکستہ پر ہے گوشۂ فراغ سے دُور اور شکستہ پر

احسان شناسی | عرصہ ہوا تیموریہ شاہزادگان نے دہلی میں "یومِ ظفر" منایا تھا جس میں مشاعرہ بھی کیا تھا۔ باہر سے آنے والے صاحبان کے قیام و طعام کے علاوہ اُن کے سفر خرچ کا بھی ذمّہ لیا تھا۔ صبا بھی مدعو ہو کر شریک ہوئے تھے۔

بعد ختمِ تقریب جب آپ سے قبولیتِ سفر خرچ کے لئے کہا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ "کوئی اور بزم ہوتی تو میں سفر خرچ لے لیتا۔ مگر "یوم ظفر" کا صرفہ لینا میری غیرت کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ شاہانِ مغلیہ ہی نے میرے بزرگوں کو اس قدر دیا ہے کہ آج بھی میں فارغ البالی کی زندگی بسر کر رہا ہوں" چنانچہ کچھ نہ لیا۔

جانشینی | جے پور کی تاریخ ادب میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی شاعر کو کسی اُستاد کا باقاعدہ جانشین تسلیم کیا جاکر رسمِ دستار بندی ادا کی جائے۔ یہ بدعت ہندوستان میں مرزا داغ کے انتقال کے بعد پھیلی ہے۔ غرضکہ ۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء کو مرزا مائل مرحوم کا وصال ہو جانے پر کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ غیر مستحق لوگ اپنی نمود کے خواہاں ہوئے۔ مرزا صاحب کے تلامذہ نے بالاتفاق مولوی منظور احمد کوثر کو منتخب کیا۔ منظور نے منظور نہ کیا۔ اور فی الواقع جس کا یہ قول ہو وہ کیوں منظور کرے۔

مجکو کہاں دماغ غمِ روزگار کا کوثرؔ دیوانہ ہوں کہ کام کروں ہوشیار کا!

اُنھوں نے صبؔا کو تجویز کیا۔ اور مرزا صاحب کے تلامذہ۔ معاصرین۔ احباب اور عقیدتمندوں نے اس کو منظور کر لیا۔ لہٰذا ۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء کو مجمعِ عام میں مولوی منظور احمد کوثر اور مولوی سید معشوق حسین اطہر نے اپنے ہاتھ سے رسمِ دستار بندی ادا کی۔ جس کو دہلی اور لکھنؤ میں بھی تسلیم کیا گیا۔ علامہ کیفی نے اظہارِ مسرّت کیا۔ اور لکھنؤ سے حضرتِ ریاض مرحوم نے مبارکباد لکھی۔

حضرتِ صبؔا بحیثیت شاعر مرزا صاحب کی خصوصیات قائم رکھتے ہیں اور بجز اصلاح تلامذہ خدمتِ سخن انجام دے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ مرزا صاحب کے اتباع میں صرف غزل کہتے ہیں۔

کلام پر تبصرہ | صبؔا کے یہاں مرزا صاحب کی خصوصیتِ کلام کا پورا چربہ ہے وہی زبان کا چٹخارہ۔ وہی سہلِ ممتنع کی بہتات۔ وہی آمد۔ وہی رحمت و خمریات

کی کثرت۔ وہی طرزِ قدیم کی غزل اور تاثیر۔ چنانچہ ایک مقطع میں کہتے ہیں:۔

یہ التجا ہے ساقیِ کوثر سے اے صباؔ
میخانۂ سخن میں شرابِ کہن رہے

دیوان مکمل ہے۔ اور احباب کا اصرار بھی ہے کہ چھپ جانا چاہیئے۔ مگر غالباً آپ استاد کی اس سنّت کے پابند ہیں۔ یا بقول خود "جب تک استاد کا دیوان نہ چھپ جائے میرا دیوان چھپنا درست نہیں" مرزا صاحب کا دیوان طبع ہونا اب ممکن نہیں پس دونوں صورت میں نتیجہ ایک ہی ہے۔

نمونۂ کلام | نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے۔ اور اس نعت کے پانچ شعر بھی درج ہیں جو بے حد مقبول ہے۔

نعت شریف

تصوّر باندھ کر دل میں تمہارا یا رسولَ اللہ
خدا کا کر لیا ہم نے نظارا یا رسولَ اللہ

بھروسہ اس کو کہتے ہیں گنہگاروں نے محشر میں
خدا کے سامنے تم کو پکارا یا رسولَ اللہ

شفیعِ حشر ہو تو پھر سبھی کے واسطے ہو تم
ہمیں کو کیوں نہ دوگے تم سہارا یا رسولَ اللہ

خدا کا بحرِ رحمت اس قدر کیوں جوش میں آیا
کسی بیکس نے کیا تم کو پکارا یا رسولَ اللہ

کلیم اللہ آتے بھی تو کیوں آتے مدینہ میں
اُنھیں کیا ہوش کھونے تھے دوبارا یا رسولَ اللہ

غزل

یہ دیر و حرم کیا جہاں تو رہے گا
ہمیں تو وہاں سر جھکانا پڑے گا

یہی ہے جو تنہا نشینی میں لذّت
تری یاد کو بھی بھلانا پڑے گا

نہ آئیں وہ دل میں مگر نام بن کر
زباں پر تو عاشق کی آنا پڑے گا

وہ ہوں کشتۂ لن ترانی کہ میری
جہاں قبر کھودی وہاں طور نکلا

لبوں تک آتے آتے ہی جو بے تاثیر ہو جائے
وہ نالہ تو کسی دردآشنا کا ہو نہیں سکتا

یہ ایسا راز ہے جس کو فقط عاشق سمجھتے ہیں
جو اُن کا ہو نہیں سکتا خدا کا ہو نہیں سکتا

کعبہ کیا شیخ کی میخانہ میں عزّت ہوگی
کچھ بھی پاس اس کے جو سرمایۂ ایماں ہوگا

میرے اعمال تو بخشش کے نہیں ہیں قابل
کام دیجائے تو دے جائے پشیماں ہونا

گُناہگاروں کو کیا شیخ بخشوائیں گے
حلال جن سے کہ جامِ شراب ہو نہ سکا

اور ہے اب رنگِ دُنیا وہ زمانہ اب کہاں
خوش ہوا کرتے تھے جب انساں کو انساں دیکھ کر

بُت کیا خدا بھی اُن پہ تو کرتا کرم نہیں
جو لوگ راہِ عشق میں ثابت قدم نہیں

سبب ترے حُسن کے نیرنگ ہیں، کہنے کو کہیں
شمع نے آگ لگا رکھی ہی پروانوں میں

باعثِ ذلّت جو ہوں انسانیت کے واسطے
اے خدا پیدا ہی وہ انساں نہ ہونے چاہئیں

موت آجائے جو اس وقت غنیمت جانو
آج کل زیست سے بڑھ کر کوئی آزار نہیں

میں نے دیکھی ہو صبا قانونِ قدرت کی کتاب
میری نظروں سے کہیں گُزرا نہیں چھٹی کا دن

جو سمجھ سے ہر اک کے باہر ہے
ہم اسی کو خدا سمجھتے ہیں،

انسان وہ بلا ہے۔ خدا جانے کیا کرے
کچھ بھی جو زندگی پہ اسے اعتبار ہو

جنوں میں بھی مآل اندیشیاں میری ذرا دیکھو
خدا کو سونپ آیا ہوں درو دیوارِ زنداں کو

ادھر اس کو بنا ڈالا اُدھر اس کو مٹا ڈالا
تجھے کچھ اور بھی اے گردشِ ایام آتا ہے

جہاں کا رنگ کیا دیکھوں کہ میں نے دیکھ رکھا ہے
بہت کچھ ملتا جُلتا ہے مرے خوابِ پریشاں سے

ہم جاکے بزمِ غیر میں ہر اہلِ بزم کے
دل میں رہے غبار، جبیں پر شکن رہے

دلِ بے تاب کی فریاد سُنا کرتا ہے
کافروں کی نہ وہ سُنتا ہی نہ دینداروں کی

اُس کی رحمت کے جو معنی ہیں وہ کیا سمجھیں گے
بات جو لوگ سمجھتے نہیں مے خواروں کی

کسی کو کیا خبر اسکی کہ اُس پر کیا گزرتی ہے
شرافت جب کسی کی مانعِ اظہار ہو جائے

نہ پوچھو دردمندوں کی دُعا کی
بدل دیتی ہے وہ مرضی خدا کی

گنہگاروں میں شامل ہو کے دیکھے
جسے ہو دیکھنی رحمت خدا کی

رہا ثابت مرا جب تک گریباں
مری دیوانگی مجھ پر ہنسا کی

مجھے عاصی نہ کہنا روزِ محشر
اگر ڈھونڈھے نہ خود رحمت خدا کی

ہے کس کے پاس خدا کے سوا جو دیدے گا
کہوں یہ کس سے اثر چاہیے دُعا کے لئے

وہ مانگ لیں گے جنھیں یہ زبان آتی ہے　　زبانِ دل میں بہت لفظ ہیں دُعا کے لئے

صفا تخلص۔ پیران شاہ نام۔ رتن شاہ مرحوم کے خلف۔ حضرتِ ذوق کے شاگرد۔ اصل وطن دہلی تھا۔ وہاں سے مہاراجہ شیودان سنگھ والیِ الور کے پاس چلے گئے۔ اور اُن کے انتقال پر جے پور آکر صاحبزادہ احمد علی خاں رونق کی ملازمت اختیار کی۔ بہت پُرگو اور حاضر طبع تھے۔ ستّر ستّر اسّی اسّی شعر کی غزل کہتے تھے اور مضمون نکالتے تھے مگر اب کلام عنقا ہے۔ دہلی میں سنہ ۱۸۹۰ء سے قبل انتقال کیا۔ بمشکل تمام صرف پانچ شعر میسر آسکے جو درج ذیل ہیں:۔

خیالِ مہ لقا ہے اور میں ہوں　　دلِ حسرت زدا ہے اور میں ہوں

نہ لائی بوئے زلف اُسکی یہاں تک　　صبا دامن ترا ہے اور میں ہوں

صفا داں دیکھئے پہنچوں گا کیونکر　　یہ بختِ نارسا ہے اور میں ہوں

رنج و غم ہٹ جائیں گے دوچار دن کی بات ہے　　یہ بھی دن کٹ جائیں گے دوچار دن کی بات ہے

مرا دل ہے جس پہ یہ شیفتہ مجھے جس کی حسرتِ دید ہے
بُتِ مہ لقا ہے وہ خوش ادا کہ نہ دید ہے نہ شنید ہے

صوفی تخلص۔ محمد ابراہیم خاں نام۔ اجمیر وطن تھا۔ مگر جے پور میں مہینوں رہتے تھے۔ درویشِ متوکل تھے اور سلسلہ چشتیہ میں منسلک۔ شعر بہت جلد کہتے تھے۔ بلکہ اکثر مشاعرہ میں پہنچکر فی البدیہہ غزل کہتے۔ حضرت حسن نظامی نے اسی سبب سے آپ کو "قادر الکلام" کا خطاب دیا تھا جو آپ اپنے نام کا جزو لاینفک سمجھتے تھے۔ بات کرنے میں کافی ہکلاتے تھے مگر شعر پڑھتے وقت کوئی دقت نہ ہوتی تھی۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے علم نہیں کہ کس عالم میں ہیں۔

حسبِ ذیل اشعار بطور نمونۂ کلام پیش ہیں:۔

مرا ہاتھ دیکھ برہمن مرا یار مجھ سے ملے گا کب؟
ترے منھ سے نکلے خدا کرے "اسی ماہ میں اسی سال میں"
مجھے صوفی صاف بتایئے نہ چھپایئے نہ چھپایئے
کہیں ہولی کھیلی ہے آپ نے جو رنگا کسی نے گلال میں

ضیا تخلص۔ ضیا حسین نام۔ نسباً سیّد۔ وطن جے پور۔ والد بزرگوار کا نام مولوی سید فدا حسین فدا جن کا ذکر تذکرۂ ہذا میں آگے آتا ہے۔ ۱۲۹۶ھ میں بمقام جے پور پیدا ہوئے۔ اپنے بزرگوں سے تعلیم حاصل کی اور "اورنٹیل کالج جے پور" سے "منشی فاضل" بھی پاس کیا۔ سرکاری مدارس جے پور میں اردو۔ فارسی کے مدرس رہے۔ نہایت منکسر المزاج۔ بیحد مودّب و با اخلاق تھے۔ حضرت بائل سے تلمذ تھا۔ اور خود کے بھی بہت سے نومشق شاگرد تھے۔ ۱۳۵۵ھ میں جے پور ہی میں انتقال ہوا۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:-

خفا ہوتے ہیں جھنجلاتے ہیں ملنا چھوڑ دیتے ہیں ؛ غضب کا سامنا ہے اُن سے عرضِ مدّعا کرنا

جفا شعار، ستم پیشہ، بیوفا، عیّار ؛ فدا کہاں یہ دلِ خانماں خراب ہوا
جو سر میں زلف کا سودا تو دل میں رُخ کا خیال ؛ مرا شباب مری جان کا عذاب ہوا
گماں نہ تھا مجھے جن پردہ ہو تیں دیکھیں ؛ شرابِ خانہ بنا کر بہت خراب ہوا
اُنھیں تو خاک میں اولاد کو اپنی ملانا تھا ؛ طبیعت کس طرح لگتی بھلا جنت میں آدم کی

در مدح حضرت علی کرم اللہ وجہ

بیت الحرم پہ دعویٰ نصیری یہ کرتے ہیں ؛ کعبہ نہیں یہ گھر تو ہمارے خدا کا ہے

طالب تخلص۔ عبدالرحیم خاں نام۔ جے پور وطن۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوئے۔ پرائیویٹ تعلیم حاصل کی۔ حافظ محمد یوسف علی خاں عزیز سے تلمذ تھا۔ پھر حضرتِ عاصم سے اصلاح لیتے تھے۔ آج کل کسی پرائیویٹ مدرسہ میں بمقام الہ آباد

مدرس ہیں۔ یہ شعر آپ کے ہیں :-

بہت ہمدرد دیکھے ہیں بہت بے درد دیکھے ہیں
محبت کے ہزاروں ہم نے گرم و سرد دیکھے ہیں

ہوا جب امتحانِ عشق و ہوس کا بارہا ہم نے
خزاں دیدہ چمن کی طرح چہرے زرد دیکھے ہیں

ظفر تخلص۔ ظفر حسین نام۔ نسباً سید۔ وطن جے پور۔ سید عبد الغنی کے فرزند اور مولوی سید ضیا حسین ضیاؔ کے چچازاد بھائی۔ انھیں سے تلمذ ہے ۱۳۰۸ھ میں بمقام جے پور پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم حاصل کر کے اپنا آبائی ذریعۂ معاش مدرسی اختیار کیا۔ سرکاری اسکول میں اردو فارسی کے مدرس رہے اور مدتِ ملازمت ختم کر کے پنشن لے لی۔ طبعاً نہایت خلیق مرنجان و مرنج ہنکسر اور ہر حال میں شاد و خوش رہتے ہیں۔ نام و نمود سے نفرت ہے۔ خوش نویس و خوش فکر ہیں۔ متواتر استدعا پر صرف یہ شعر عنایت کیا ہے :-

قصیدہ لکھا تھا میں نے تو مصطفےٰ کیلئے
فرشتے لے گئے کیا جانے کیوں خدا کیلئے

ظہیر تخلص۔ ظہیر الدین حسین نام۔ راقم الدولہ خطاب۔ نواب مرزا عرف۔ دہلی وطن۔ نسباً سید۔

"مرصع رقم" "صلاح الدولہ" کے فرزند اکبر اور حضرتِ انورؔ کے برادر کلاں۔

خاندانی اعزاز آپ کے خاندان کا شاہانِ مغلیہ سے قریبی تعلق رہا۔ آپ کے والد بزرگوار بادشاہ ظفرؔ کے استادِ خوش نویسی تھے۔

ولادت۔ تعلیم اور ذاتی وقار آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی۔ وہیں تعلیم حاصل کی۔ اور گیارہ سال کی عمر میں۔ داروغہ ماہی مراتب کے عہدہ پر ملازم شاہی ہو گئے۔

ذوقِ سخن اور تلمذ بچپن ہی سے ذوقِ سخن تھا۔ حضرتِ ذوقؔ سے تلمذ اختیار کیا۔ اور اُن کے بعد اپنے کلام کی خود ہی اصلاح فرماتے رہے۔ غدر سے پہلے دلّی میں جو مشاعرے ہوئے ان میں شریک ہوتے تھے۔ داغؔ و حالیؔ وغیرہ کے معاصر تھے۔

ترکِ وطن | غدر ہونے کے باعث وطن کو خیرباد کہا اور والدِ بزرگوار کے ساتھ مع برادرِ خورد (انور) رام پور چلے گئے۔ جب دِلّی میں امن وامان ہوگیا تو پھر دلّی آگئے۔ اور تھوڑے دن بعد ہی بلند شہر جاکر "جلوۂ طور" اخبار کی ادارت میں مشغول ہوگئے مگر چند یوم بعد بوجہ انتقالِ والدِ بزرگوار پھر دلّی آگئے۔ یہاں زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ مہاراجہ الور نے یاد کرلیا اور الور چلے گئے۔ مگر قسمت سے وہاں بھی زیادہ دن نہ ٹھیر سکے۔ مہاراجہ کے انتقال کے باعث پھر چلے آئے۔ اور دلّی کی ادبی صحبتوں میں دادِ سخن دیتے رہے۔ اب عرصہ تک وطن میں ٹھیرے مگر فکرِ معاش سے مجبور ہوکر جے پور آئے اور اپنے بھائی حضرتِ انور کو بھی ساتھ لے آئے۔ جے پور آکر آپ کو ملازمت مل گئی۔ اور یہاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولس ہوگئے۔ آپ کے صاحبزادے کو عہدۂ تھانہ داری مل گیا۔ اور کچھ مدّت کے لئے اطمینانی زندگی بسر کرتے رہے۔ یہ مہاراجہ سوائی رام سنگھ کا عہد تھا۔ جے پور میں تقریباً بیس سال آپ قیام پذیر رہے۔ اور یہاں کے طالبانِ فنِ سخن کو کافی فائدہ پہنچا یا مہاراجہ جے پور کے انتقال پر ترکِ ملازمت کرکے خانہ نشین ہوگئے تو صاحبزادہ احمد علی خاں رونق نے بلالیا۔ اور وہ آپ سے اصلاح لینے لگے۔ آپ ان کے اخلاق اور برتاؤ کے بے حد مدّاح تھے۔ حضرت رونق کا انتقال ہونے پر آپ نے جے پور کو خیرباد کہا اور حیدرآباد جاکر مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کی سرکار سے وابستہ ہوگئے۔

طباعتِ دیوان اور وفات | حیدرآباد کے قیام کے زمانہ میں آپ کے تینوں دیوان طبع ہوئے۔ اور وہیں ۱۳۲۹ھ مطابق مارچ ۱۹۱۱ء میں انتقال کیا۔

کلام پر تبصرہ | آپ کے تفصیلی حالات بھی متعدد کتب و رسائل میں شائع ہوچکے ہیں اور کلام پر تفصیلی تبصرہ بھی بہت سے اصحاب نے کیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کافی ہوگا کہ آپ مسلم الثبوت اُستاد تھے۔ جس قدر محاسنِ کلام کسی اُستاد کے یہاں ہونے

چاہئیں وہ آپ کے یہاں بھی نمایاں طور پر موجود ہیں۔

نمونۂ کلام | نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:-

اک اک خطا شعار کو رحمت سے ہے لگاؤ — اُلجھا ہے خار خار سے دامن نسیم کا
گریگا خود فلک جانِ عدو پر برق بن بن کر — پڑے گا صبر آخر تو کہیں ہم بے قراروں کا
ذرا سے لب ہلانے میں تمہارا کیا بگڑتا ہے — کہ اک اُمّید پہ ہوتا ہے جینا بیقراروں کا
ستم دیکھو کہ دل لے کر مکرنا اور یہ کہنا — تمہیں کیوں اعتبار آنے لگا بے اعتباروں کا
تکلّف برطرف اے میکشانِ محفلِ رنگیں — ظہیر مُردہ دل بھی تھا کبھی تو یار یاروں کا

دشت گردی کا مزا قیس کو حاصل نہ ہوا — خاک ہو کر بھی غبارِ پسِ محمل نہ ہوا
دل کو چاہا جس طرح سمجھا لیا — غمزدوں کا شاد کیا ناشاد کیا
تھی سرِ راہِ میکدہ مسجد — رہ گیا پردہ پارسائی کا
رہنے دے بتکدہ میں نہ چھیڑ اے خدا پرست — جاتا رہوں نہ کفر سے ایمان تو گیا
اُن کے دل کی کدورتیں نہ مٹیں — اپنی ہستی مٹا کے دیکھ لیا
یار کچھ کہہ تو سہی کیا ترا مشرب ہے ظہیر — کافر اپنا تجھے کہتے ہیں مسلماں اپنا
ملنا ترا حشر پہ ہے معلوم — ہوگا جسے اعتبار ہوگا
بن گیا شیخ خلد کا مختار — اُس کے گھر کی دُکان ہی گویا
تکپٹ کیا دل اُڑا کے جھٹ پٹ — اللہ رے نظر ترا جھپاکا
کیوں کیسی پلائی شیخ صاحب — یاروں سے ملاؤ ہاتھ آ کا
بلا نصیب ہے ہم کو مزاج داں صیّاد — لگا رہا ہے چمن زیرِ آشیاں صیّاد
دل دہی نے اور بھڑکایا قلق کی آگ کو — آنسوؤں نے پاؤں پھیلائے ہیں دامن دیکھ کر
حوصلے جرم کے کچھ اور بڑھا دیتے ہو — تم کچھ اس ڈھب سے بگڑتے ہو خطاواروں پہ
اقرار بھی اُسی سے اُسی سے جواب بھی — اک دو سرا دہن بھی لگا لو دہن کے پاس

یہاں غفلت شعاری ہو وہاں آمرزگاری ہے ۔۔۔ وہ ہم کو یاد کرتے ہیں ہم اُنکو بھول جاتے ہیں

کچھ تو ہوتے ہی ہیں الفت میں جنوں کے آثار ۔۔۔ اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

سمائی ہے ظہیر ان کو یہ نخوت ۔۔۔ جہاں میں خوبصورت ہوں تو میں ہوں

دُنیا کے دغاباز ستمگر یہ حسیں ہیں ۔۔۔ ایسوں کے مگر چاہنے والے بھی ہمیں ہیں

اُٹھا دیں جنوں نے قیودِ مذاہب ۔۔۔ بڑی کشمکش سے چھڑایا ہے مجھ کو

قیامت پر نہ رکھو فیصلہ دل کا خدا جانے ۔۔۔ تمہارے منہ سے کیا نکلے ہمارے منہ سے کیا نکلے

دُعا تھی مرگِ دشمن کی مگر یہ کب تمنا تھی ۔۔۔ کہ تو بزمِ عزا سے چشمِ گریاں پونچھتا نکلے

نوجوانی گئی شباب گیا ۔۔۔ جھانکنے تاکنے کی خو نہ گئی

آج کل ہے نصف ہندی نصف انگریزی ظہیر ۔۔۔ اب تو اُردو میں زبانِ میر آدھی رہ گئی

جوابِ التجا کا ہے قطع تعلق ۔۔۔ رسید اپنے خط کی سرِ نامہ بر ہو

بسر کر لیں گے مر گر کر ستم کش بھی کہیں اپنی ۔۔۔ اُٹھا لے اے فلک دنیا کے پردے سے زمیں اپنی

خدا ملتا ہے ڈھونڈے سے اگر انسان جویا ہو ۔۔۔ مگر ہاں آدمی کو آدمی مشکل سے ملتا ہے

عابد

تخلص۔ اُمراؤ بیگم نام۔ رام پور وطن تھا۔ پھر جے پور ہوا۔ نواب سید یوسف علی خاں ناظم والیِ رام پور کی صاحبزادی تھیں۔ اور صاحبزادہ سید زین العابدین خاں عابد فوجدار شہر جے پور کی اہلیہ۔ مولد رام پور۔ مدفن جے پور۔ بقول صاحبِ "خمخانۂ جاوید" جو اُس نے صاحبزادہ عابد کے حال میں لکھا ہے کہ:-

"مہاراجہ سوائی رام سنگھ والیِ جے پور نے انہیں اپنے دھرم کی بہن بنا لیا تھا۔"

میر محمد علی جویا اپنی تصنیف "سرودِ غیبی" میں ان کی تاریخِ وفات لکھتے ہوئے حسبِ ذیل الفاظ میں ان کا ذکر کرتے ہیں:-

"اللہ اللہ کس حمیدہ صفات عالی درجات کے غم کا بیان ہو کہ جس کے الم میں سیاہ پوش آسمان ہے۔ کون ہے جس کو اُس کا غم نہیں

جگرشق کب قلم نہیں۔ اوصاف اُس مرحومہ کے لکھئے تو کیا لکھئے۔ کس کی تاب ہے، خامہ کا زہرہ آب ہے۔ علم میں معروف بہمہ صفت موصوف۔ منطق و حکمت جس کے سامنے پانی۔ ریاضی و فلکیات کہانی۔ ناثرِ بےعدیل ناظمِ بےتمثیل۔ نثر ظہوری و طغریٰ سے بہتر، نظم۔ آبِ حیات سے بڑھ کر۔ عیاں را چہ بیاں۔ دیوانِ اردو و فارسی اس مغفورہ کے مخفی نہیں۔ مخفی کو اصلاح دی ہے۔ یہ تقریر راست ہی نہ مبالغہ کی ہے۔ ہمت و سخاوت کا یہ حال تھا کہ اب تک جے پور کی ہوائیں تمام اُس کے فیض سے مالا مال ہیں مستغنی اہلِ کمال ہیں۔ قدردانِ سخنوراں منتخب دَوراں عصمت میں مریم سخاوت میں حاتم۔ سچ تو یہ ہے کہ چشمِ فلک نے بھی ایسی جامعِ صفات صوری و معنوی کے ساتھ نہ دیکھی ہوگی۔ پارسا ایسی کہ بعدِ انتقال اور قبل انتقال کے کئی امر خرقِ عادت سے ظہور میں آئے۔ ہائے ہائے بعمر ۳۰ سال وہ اس جہانِ فانی سے انتقال فرمائے۔

این ماتمِ سخت است کہ گویند جواں مرد

سخی و شاعر و صد رشکِ خورشید امیر و پارسا اہلِ ہنر تھی

نہ ہوگی اور ہوئی اب تک نہ ایسی خدا جانے فرشتہ تھی بشر تھی

اس مختصر رسالہ میں اس ستودہ صفات کا ہر وصف کس طرح سمائے۔ دریا کوزے میں کیونکر آئے۔ ناچار اسی پر اکتفا کرتا ہوں، حقِ ایمان ادا کرتا ہوں کہ میں اسی کے خرمنِ فیض کا خوشہ چین ہوں، اور یہ نمکینیِ کلام اُسی کے مطبخِ سخن کا فیض ہے۔ دیوان اس جنت ایوان کے طبع ہونے والے ہیں۔ ناظرین دیکھیں اور تصدیقِ

کلام کریں۔ اب تاریخ اُس کی کہ صورت میں بارنج ہے ذیل میں لکھی جاتی ہے۔ وہو ہذا:-

"از غمِ بیگم چہ گویم در جہاں — بر زبانِ ہر کہ دمہ وائے وائے
گفت ہاتف بہرِ سالش این چنیں — بود بیگم فخرِ مریم ہائے ہائے"
۱۲۸۶ھ

راقم الحروف نے ان کا اُردو کا دیوان لاہور میں خان بہادر میر ذوالفقار حسین کے پاس دیکھا ہے جو میرزا آگی یکتا کا بخطِ نستعلیق نہایت نفیس لکھا ہوا ہے اور کافی ضخیم ہے۔ فارسی دیوان کا پتہ نہیں۔ چھپا کوئی بھی نہیں۔ چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

بال چوٹی کے کریں گے بدنام — یہ مُوئے پیچھے پڑے رہتے ہیں
کُشتہ ہیں اے لاغری ہم رنگِ گندم گوں کے جو — ہے شکن گندم کی بس کافی ہماری قبر کو[1]

پلادے اب تو اے ساقی مے گلنار تھوڑی سی — کہ باقی رہ گئی ہے عمر بھی اے یار تھوڑی سی،
ہمیں کم ظرف سمجھا یا ہمیں مدہوش اے ساقی — یا کیا باعث کہ مے دیتا ہے تو ہر بار تھوڑی سی
لپک کر ہاتھ تو قاتل نے پورا ہی لگایا تھا — مگر تقدیر سے اوچھی پڑی تلوار تھوڑی سی

ملنجوں میں پائے اکثر پاؤں اوپر سر تلے — یا ترے ہاتھوں ستمگر پاؤں اوپر سر تلے
خضر کورانہ چلے جاتے تھے راہِ عشق میں — ایک ہی کھائی جو ٹھوکر پاؤں اوپر سر تلے

عابد تخلص۔ زین العابدین خاں نام۔ "نواب کلن" عرف۔ نسباً سید۔ صاحبزادے سید اصغر علی خاں کے خلف اور نواب سید یوسف علی خاں ناظم والیِ رام پور کے خویش۔ اصل وطن رام پور تھا۔ پھر جے پور ہو گیا۔

ولادت و تعلیم اور ترکِ سکونت ۱۸۳۱ء میں بمقام رام پور آپ کی ولادت ہوئی وہیں امیر زادوں کی طرح تعلیم و تربیت پائی۔ تبلیغِ علم کافی بلند تھا۔ اور علماء و اہلِ فن کی صحبت نے اور بھی تابانی پیدا کر دی تھی کسی خانگی نزاع کے باعث

---

[1] میر جویا نے اس شعر کے مصرعِ ثانی سے مرحومہ کا سالِ ۱۲۸۶ھ نکالا ہے ۱۲

ترکِ وطن کر کے جے پور چلے آئے۔ مہاراجہ سوائی رام سنگھ کا عہد تھا جن کی نظر میں اہلِ علم و فضل اور رئیس زادوں اور رؤساء کی بڑی قدر تھی۔ چنانچہ آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور قدر دانی و دلجوئی کی گئی۔ لہٰذا آپنے جے پور کو ایسا اپنایا کہ یہیں آسودہ ہیں تمام عمر رئیسانہ تزک و احتشام سے رہے۔

ملازمت وشکایت | مہاراجہ نے آپ کو شہر جے پور کا فوجدار مقرر کر دیا تھا جس کے اختیارات اُس زمانے میں بہت وسیع تھے۔ مگر تنخواہ بہت کم تھی جو آپ کی شاہ خرچیوں کے لئے ایک دن کے اخراجات کے لئے بھی کافی نہ تھی۔ بہت سے علماء، شعراء۔ ادباء۔ حُفّاظ۔ خوش نویس یتیم۔ بیوہ۔ محتاج و معذور ہی نہیں، بلکہ مُرغ باز۔ کبوتر باز۔ پتنگ باز۔ بٹیر باز اور خدا جانے کون کون آپکے دامن دولت سے وابستہ تھے۔ اور ایک بڑی تعداد خدمتگاروں اور پرورش کردہ مرد و زن کی تھی۔ بعض لوگ صِرف سلام کرنے ہی کا روزینہ پاتے تھے۔ یہ رقم فوجداری ہی دیتی تھی اور یہیں خرچ ہو جاتی تھی، وہ ماحول ہی ایسا تھا۔ آج کِسی کو کیا حق ہے کہ اُس پر نکتہ چینی کرے۔ چنانچہ کئی بار مہاراجہ سے شکایت کی گئی اور وہ سُنی اَن سُنی کر گئے۔ آخر ایک بار اُنھوں نے فرمایا:۔

"تم لوگ جو شکایت کرتے ہو سب ملازم راج ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں رشک ہو۔ رعایا میں سے آج تک کسی نے ایک حرف بھی نہ کہا۔ خیر۔ اگر تمہارا کہنا صحیح بھی ہے تو وہ دیتا تو میری ہی غریب رعایا کو ہے جمع کر کے کہیں اور تو نہیں لے جاتا۔"

ذوقِ سخن اور تلمذ | ذوقِ سخن تو سنِ شعور ہی سے تھا مگر تلمذ کسی سے اختیار نہ کیا۔ محض موزونیِ طبع کی بناپر شعر کہتے تھے۔ ایک بار مرزا غالب کو اپنا کلام بغرضِ اصلاح بھیجا تو انہوں نے بدیں عذر اصلاح نہ دی کہ چونکہ نواب صاحب

رام پور آپ سے ناراض ہیں اور میں اُن کا ملازم ہوں اس لئے اُن کی اجازت کے بغیر اصلاح نہیں دے سکتا۔[1] اس کے بعد کسی سے رجوع نہ کیا۔ شعر خوب سمجھتے تھے اور شعرا کی قدر کرتے تھے۔ میر جو یا تو گویا آپ کے شاعرِ دربار تھے۔ بات بات کی تاریخ کہتے تھے۔ مثلاً مرغوں نے پالی جیتی تو تاریخ کہی اور انعام پایا۔ عاشقانہ مضامین پسند تھے بذلہ سنج و نازک خیال تھے۔ آپ کی اہلیہ بھی شاعر تھیں اور عابد تخلص کرتی تھیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اُن سے شاعرانہ نوک جھوک اور خوش طبعی ہوتی رہتی تھی جو متعلقہ سرکار کے شعرا کے لئے بھی باعث دلچسپی ہوتی تھی۔ دیوان مکمل تھا مگر اب نایاب ہے۔

وفات و یادگار دسمبر ۱۸۹۲ء میں یہیں انتقال کیا اور اجمیری دروازے کے باہر اپنے مقبرے میں آسودہ ہیں۔ کافی جائداد چھوڑی تھی۔ مگر اب صرف مقبرہ و مسجد متعلقہ یادگار باقی ہے۔ مرحوم کے پوتے صاحبزادے ظفر جنگ خاں جے پور میں اسی مقبرے میں متوطن ہیں جو ہر طرح لائق و قابل ہیں۔ علمِ نجوم میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں۔ کئی فنی سوسائٹیوں کے ممبر ہیں۔ بگر بزرگوں کے ادبی ترکہ میں سے صرف چند غزلیات کے مسودے اُن کے پاس ہیں۔

نمونۂ کلام چند اشعار بطور نمونۂ کلام درج ذیل ہیں :-

مُنھ دکھانے میں تمہیں کونسی مجبوری تھی
حالِ دل تھا نہ ہمارا کہ دکھایا نہ گیا

تھا جو اُڑنا ہی ہوش کو میرے
بُوئے گیسوئے عنبریں ہوتا

تھا نہ کُھلنا جو عقدۂ دل کو
کاش ابرو کی تیرے چیں ہوتا

نظر کعبہ میں جو آیا اُسی کو دیر میں پایا
عبث جھگڑا ہے اے شیخ و برہمن کفر و ایماں کا

---

[1] مکاتیب غالب۔ رقعہ تاریخی ۴ر مارچ ۱۸۶۵ء

اے کاش نکلیں یہ بھی تو لختِ جگر کے ساتھ
ارماں بھرے ہمارے جو دل میں ہزار ہیں

جینے نہ دے ہجرِ یار مرنے نہ دے انتظار
جان یونہیں بیقرار دیکھئے کبتک رہے

غیرت تو کیوں نہیں ہی پہ مجبور دل سے ہوں
بنتی نہیں ہے یار سے بے التجا کئے

عابد تخلص۔ زین العابدین خاں نام۔ وطن دہلی۔ حضرتِ آگاہ سے تلمذ تھا۔ جے پور میں وکالت کرتے تھے۔ مدتوں جے پور میں رہے اور یہیں انتقال کیا۔ یہ اشعار آپ کے ہیں :۔

تصدق نہ ہوتا جو کوئے بتاں کے
دکھائی نہ دیتے یہ اوج آسماں کے

کہنے لگے وہ غیر سے آتی ہی بوئے عشق
شاید کسی شہید کا یاں بھی مزار ہے

عابد تخلص۔ محمد عابد علی نام۔ نسباً شیخ فاروقی الاسدی۔ مولانا اعجاز کے فرزندِ اکبر۔ وطنِ قدیم نارنول اور مستقل سکونت مابعد جے پور۔ "منشی فاضل" اور "مولوی عالم" پاس تھے۔ "مولوی فاضل" کی تکمیل کرکے امتحان میں شریک ہوئے تھے کہ مرضِ صرع کا دورہ پڑ گیا اور امتحان نہ دے سکے۔ اور اس کے بعد سے اس مرضِ منحوس کے ایسے شکار ہوئے کہ تمام عمر تکلیف پائی گو امتحان مذکور کی سند حاصل نہ کی۔ تاہم اپنے ذاتی مطالعہ اور پرائیویٹ تعلیم کے بعد "مولوی فاضل" کا کورس بے تکلف طلبا کو پڑھاتے تھے۔ نستعلیق خط نہایت عمدہ اور دیدہ زیب تھا۔

اخلاق و عادات اور ذریعۂ معاش نہایت درجہ منکسر و خاموش نش۔ کم گو اور صاف طبع۔ مرنجان و مرنج اور ہمدرد و پاک طینت تھے۔ تمام عمر علمی و ادبی مشاغل اور عبادت و ریاضت میں گزار دی۔ زیادہ تر منتہی طلباء کو درس دیتے تھے۔ ایک دو جگہ سے معاوضہ بھی ملتا تھا۔ وہی ذریعۂ معاش تھا گھر پر جو لوگ پڑھنے آتے تھے اُن سے کچھ نہ لیتے تھے۔ اپنے بزرگوں کے

کتب خانہ کو جان سے زیادہ عزیز رکھا اور بہت سی کمیاب کتابوں کی نقل اپنے قلم سے کرکے اُس میں اضافہ کیا۔

وفات و تصانیف | ۱۸ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۰ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو جے پور میں انتقال ہوا۔ حسبِ ذیل تصانیف یادگار چھوڑیں جو آپ کے صاحبزادہ کلاں مولوی شیخ ساجد علی ساجد اسدی کے پاس پاکستان میں محفوظ ہیں:-

(۱) نعتیہ دیوان　　غیر مطبوعہ

(۲) عشقیہ دیوان　　"

(۳) گلدستۂ میلاد شریف۔ اردو نثر مع اشعار فارسی و عربی　غیر مطبوعہ

کلام پر تبصرہ | زبان نہایت سادہ و سلیس، بندشیں چُست، مضمون آفرینی کے ساتھ ندرتِ بیان اور دلکش اندازِ کلام آپ کے یہاں بکثرت ملتا ہے۔

نمونۂ کلام | چند اشعار بطور نمونۂ کلام درج ذیل ہیں:-

دل مرا سودائیِ زلفِ پیمبر ہو گیا　　اس کو دیوانہ کہوں کیونکر بڑا ہشیار ہے

زاہدوں کو ہو مبارک روضۂ خلدِ بریں　　اپنی جنّت تو نبی کا سایۂ دیوار ہے

نازکی اُس جسمِ اطہر کی بیاں کیونکر کروں　　جس کو اپنا بارِ سایہ بھی اُٹھانا بار ہے

غزل

ایک عالم ہے کہ دیوانہ بنا ہے کس کا　　اپنے عالم کی بھی کچھ آپ خبر رکھتے ہیں

مضمون دہان و لبِ میگوں کا لکھوں کیا　　ہے بحث برابر کی فنا اور بقا میں

یادِ ستم سے داغ ہیں دل کے ہرے بھرے　　یاں موسمِ خزاں میں بھی فصلِ بہار ہے

یہ رشک ہے نہ اُسکے قدم چوم لے زمیں　　آنکھوں پہ میرے فرشِ سرِ رہگذار ہے

طریقِ طلب میں کسی بے نشاں کے　　عجب جلوے دیکھے ہیں حُسنِ بُتاں کے

نمایاں لبِ زخم پر ہے تبسّم　　تصوّر میں حُسنِ ملیحِ بُتاں کے

عارف تخلص۔ محمد رفیق احمد خاں نام۔ چودھری محمد ممتاز علی خاں رسالدار کے صاحبزادے جو جے پور کے عمائدین میں تھے بنسباً مسلم راجپوت وطنِ قدیم جے پور تھا۔ اب پاکستان ہے۔ اُردو۔ فارسی اور قدرے انگریزی و ہندی کی تعلیم جے پور ہی میں حاصل کی۔ طبّاع و ذہین ہیں۔ یہاں ذریعہ معاش عرائض نویسی تھا۔ ادبیات سے خاص ذوق ہے۔ حضرت عزیزؔ سے تلمذ تھا مشقِ سخن روز افزوں تھی۔ نثر میں حسبِ ذیل ناول آپ کے مُصنّفہ ہیں:۔

(۱) پریم دیوی۔ (۲) حسینۂ ہلال۔ (۳) حسینۂ کابل۔ ہر سہ غیر مطبوعہ۔ پاکستان جا کر ایک ماہنامہ "تارا" بھی نکالا تھا۔ شعر سمجھ کر کہتے ہیں اور تحت اللفظ نہایت اچھا اور بڑے جوش و خروش سے پڑھتے ہیں۔ غزل سے اچھی نظم ہوتی ہے۔ کلام میں زور اور بندشیں چُست ہوتی ہیں۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

بیابانِ جنوں میں ہوش اُڑ جانے تو آساں ہیں — مگر وحشت میں آنا ہوش کا مشکل سمجھتے ہیں
تلاشِ دل نے اس درجہ حواس و ہوش کھو ڈالے — کہ ہر شے کائناتِ عشق کی ہم دل سمجھتے ہیں
یوں مذاقِ دید پہ ہر شے کے احساں کیجئے — اپنے جلوے میری نظروں سے نمایاں کیجئے

ایک نظم بعنوان "محبّت" کے چند شعر:۔

محبّت معنیٔ الفاظ میں لائی نہیں جاتی — یہ وہ نازک حقیقت ہو جو سمجھائی نہیں جاتی
محبّت ظرفِ استعداد میں لائی نہیں جاتی — ٹپک پڑتی ہو بوند آنکھوں سے ٹپکائی نہیں جاتی
محبّت ماورائے عقل کچھ ایسی حقیقت ہو — سمجھ لیتا ہوں میں لیکن وہ سمجھائی نہیں جاتی
محبّت اُس مقامِ خود فراموشی کو کہتے ہیں — جہاں منزل تو ہوتی ہو مگر پائی نہیں جاتی
تری دُنیا کے جلوؤں میں تری دنیا کے جلوؤں تک — نظر خود ہی پہنچ جاتی ہو پہنچائی نہیں جاتی

مری بیدار فطرت کا نہیں احساس ہی عارفؔ
مگر دنیا کسی مرکز پہ ٹھیرائی نہیں جاتی

عاصم تخلص۔ محمد عبدالوہاب خاں نام۔ آپ نے اپنا حسب ذیل حال عنایت فرمایا ہے۔

"میری پیدائش تاریخ ۲؍ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء کو بروز جمعہ قبل نمازِ فجر ریاست جے پور راجپوتانہ میں ہوئی۔ والد ماجد قبلہ محمد وارث خاں صاحب مرحوم و مغفور نے محمد عبدالوہاب خاں نام تجویز فرمایا۔

تعلیم چار سال چار ماہ کچھ دن کی عمر میں بسم اللہ ہوئی۔ قرآن ختم کرنے کے بعد حساب، اُردو، ہندی اور انگریزی کی ابتدائی تعلیم اوّل مکان پر پھر اسکول میں ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں مہاراجہ ہائی اسکول جے پور سے میٹرک کا امتحان دیا۔ اسی زمانہ میں (ایک غیر شاعرانہ) دل کی بیماری ہوئی جس کی وجہ سے ایک مدّت تک تعلیم کا سلسلہ منقطع رہا۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے "منشی فاضل" کا امتحان پاس کیا۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ ہوا۔ اور سنہ ۱۹۲۹ء میں فارسی میں ایم۔ اے کیا۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں۔ ایم۔ او۔ ایل کی اعزازی ڈگری ملی۔ اسکے علاوہ مکان پر عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت کا سلسلہ جاری رہا۔

مشاغل معاش سنہ ۱۹۱۸ء سے سنہ ۱۹۲۷ء تک پرائیویٹ تعلیم کے زمانہ میں محکمہ مردم شماری میں بطور سپروائزر اور پی۔ ڈبلیو۔ ڈی میں بطور افسر انچارج ہاؤس وائرنگ ڈیپارٹمنٹ کام کیا۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں نواب غلام معین الدین خاں صاحب والیِ ریاست مانا ودر کا اتالیق مقرر ہوا۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں ریاست جے پور میں اسسٹنٹ ٹریژری آفیسر، سنہ ۱۹۴۵ء میں سپرنٹنڈنٹ پوسٹ آفیسز اور سنہ ۱۹۵۰ء میں ٹریژری آفیسر مقرر ہوا۔ اسی دوران میں منٹ اور سپلائی کے محکموں میں آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی کے فرائض انجام دئے۔ اور سنہ ۱۹۵۱ء سے کراچی میں تجارت کا سلسلہ جاری ہے۔

عام حالات تعلیم کے زمانہ میں کرکیٹ فٹ بال اور راؤنڈ ٹنگ کا شوق تھا۔ اسکول کے کام سے جب فرصت ہوتی تو کتب دینیات کا خاص طور پر مطالعہ کرتا۔

ہندوؤں۔ عیسائیوں، جینیوں، پارسیوں اور آریوں سے اُن کی مذہبی کتابیں پڑھتا اور سُنتا۔ اور اُن کو اسلامیات سے روشناس کیا کرتا۔ عیسائیوں سے گرجاہیں اور آریوں سے اُن کے مندر میں وقتاً فوقتاً مباحثے۔ مناظرے بھی کیا کرتا تھا۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے مُطالعہ کے لئے سنسکرت کی تعلیم حاصِل کی تھی اور اُن کی مُستند کتابوں کے اُردو و ہندی ترجمے اُن کے پنڈوں سے پڑھے تھے۔ بسنہ ۱۹۲۳ء میں کسی اندرونی مرض کے اثر سے بائیں پاؤں کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ سیاسیات میں کبھی حصّہ نہیں لیا۔ مانا ودر کی ملازمت کے زمانہ میں بقدرِ ضرورت گجراتی سیکھی۔ نواب صاحب موصوف اور اُن کے خاندان سے خاص تعلقات ہیں۔ جن کے خلوص اور محبّت کا میں بے حد ممنون ہوں۔ میری یہ خوش قسمتی باعثِ صد امتنان ہے کہ باوجود اپنی سخت کوتاہیوں کے والدین نے دوسری اولاد کے مقابلہ میں مجھ پر ہمیشہ امتیازی شفقت فرمائی۔ احباب۔ صحیح معنی میں احباب ثابت ہوئے۔ اولاد کی سعادت مندی باعثِ تسکینِ خاطر ہے۔ حکام نہایت مہربان اور ماتحت بے حد خوش رہے اور رشتہ داروں، پڑوسیوں اور جان پہچان والوں تک نے ہمیشہ عزّت اور حمیت کا برتاؤ کیا۔ ہندو عیسائی۔ جینی۔ سکھ۔ پارسی۔ وغیرہ مختلف عقائد کے لوگ میرے دوستوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ جن پر مجھے فخر ہے۔ عقائد کے لحاظ سے میں سُنّی مُسلمان ہوں۔ لیکن عمل کی رو سے ہر فرقے سے پشیمان ہوں۔

مردانِ خدا نے رند جانا ہم کو رندوں نے خدا پرست مانا ہم کو
ہم اپنی سمجھ میں کچھ نہ آئے عاصم سمجھا کیا کچھ نہ کچھ زمانا ہم کو

ہند و پاکستان کی تقسیم کے بعد جو انقلاب پیدا ہوا، اس کا اثر مجھ پر بھی پڑا۔ اول میں نے حالات کا مقابلہ کیا اور کسی قیمت پر ترکِ وطن کرنا نہ چاہتا تھا۔

لیکن جب جان و مال کے علاوہ عزت کے لئے بھی خطرے پیدا ہو گئے تو عمر بھر کا سرمایہ جائداد منقولہ اور غیر منقولہ اور احباب کو خیرباد کہہ کر بدلِ ناخواستہ ہجرت کر کے کراچی آگیا۔

شاعری | مرا مزاج لڑکپن سے شاعرانہ تھا۔ اپنے ذوق کے شعر یاد کر لیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یاد کئے ہوئے اشعار کی طرز پر خود قافیہ پیمائی کرنے لگا جب کچھ لکھنا پڑھنا آگیا تو اس ذوق میں اور ترقی ہوئی اور تیرہ سال تک کے کہے ہوئے کلام کا ایک مجموعہ شائع کیا جس میں کچھ نعتیہ غزلیں اور تین سو سے زیادہ اشعار کی ایک مثنوی "مناجاتِ عاصی" کے نام سے شامل تھی۔ اوّل عاصی تخلص اختیار کیا تھا۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ اس قسم کے نام رکھنے کی حدیث میں ممانعت ہے تو عاصم تخلص اختیار کیا۔ "مناجاتِ عاصی" شائع کرنے سے پہلے یہ مجموعہ اپنے شفیق اُستاد مولوی فضلِ علی اور مولوی اساس الدین احمد تسنیم کی خدمت میں پیش کیا۔ اُنھوں نے موزونیِ طبع کی داد دی اور بغیر کسی حک و اصلاح کے سب کلام شائع کرنے کی اجازت دی۔ اس کے بعد ان بزرگوں سے اصولِ شعر کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر مولانا نظیر حسین سخا دہلوی نے تربیت فرمائی اور عروض و قافیہ۔ بیان اور بدیع کے علاوہ شعر کے وہ لطائف تعلیم فرمائے جو ہمیشہ کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔ مولانا سخا کے دکن تشریف لے جانے کے بعد حضرتِ مرزا مائل دہلوی سے استفادہ کیا اور اسی زمانے میں اپنا پہلا دیوان مرتب کیا۔ جس میں تقریباً تمام اصنافِ سخن۔ الف سے یے تک کی ردیفیں اور صنائع و بدائع کی فنی مشق شامل تھی۔ لیکن ۱۹۲۳ء میں جب اس مجموعہ کی نظرِ ثانی کی تو ہزاروں شعروں کا یہ ذخیرہ جس پر مجھے ناز تھا تقویمِ پارینہ سے بہتر ثابت نہ ہو سکا۔ اس لئے تلف کر دیا۔ اس کے بعد ۱۹۲۵ء تک

جو کچھ کہا تھا اُس کا مجموعہ مُرتب کرنے کا ارادہ کیا تو ظاہر ہوا کہ اپنے اشعار میں نہ مرزا مائل کے کلام کی لطافت ہے نہ مولانا سخا کی بلند پروازی اور نازک خیالی۔ اس لئے گنتی کے اشعار بطور نمونہ رکھ کر باقی ہفوات کو ضائع کر دینا ہی مناسب سمجھا۔ اس دور کے بعد سے اب تک جو کچھ کہا ہے اگر اس کو کبھی مُرتب کروں گا تو غالباً اُس کا بھی وہی حشر ہوگا جو سابقہ مشق کا ہوا۔ بات یہ ہے :۔

کہتا تو ہوں میں بہت شگفتہ اشعار لیکن یہی تجربہ ہوا ہے ہر بار
رہ جاتے ہیں پھولوں کی طرح مرجھا کر کچھ دن سے زیادہ نہیں رہتی یہ بہار

تصنیفات | اشعار کا مجموعہ "نقشِ حیات" جس میں اُردو۔ فارسی کی غزلیں، نظمیں، قطعات، رباعیات۔ مخمس مُسدس وغیرہ ہیں غیر مطبوعہ ہے۔
دو ڈرامے خالد بن ولید۔ اور عمر خیام۔ اور شعر پر ایک تنقیدی رسالہ "رسول اللہ اور شعر" طبع ہو چکے ہیں۔ مختصر افسانوں کا ایک مجموعہ "حادثے" کئی فلمی افسانے اور تنقیدی مضامین اُردو میں اور ایک فلمی افسانہ۔ "رتی کلیان" ہندی میں قابلِ طباعت و اشاعت ہیں۔

اولاد | اللہ نے تین بیٹے اور آٹھ بیٹیاں دیں۔ ان میں سے اس وقت دو بیٹے چھ بیٹیاں دو پوتے ایک پوتی اور ایک نواسی باعثِ سکونِ خاطر ہیں۔ بڑا بیٹا عبدالتواب خاں انجنیر ہے اور این۔ ای۔ ڈی (N. E. D) کالج میں پروفیسر ہے۔ چھوٹا بیٹا عبدالحمید خاں ڈاکٹری کا متعلم ہے۔"

نمونۂ کلام | نمونۂ کلام ذیل میں ملاحظہ ہو :۔

غمِ الفت کو سمجھا انبساطِ زندگی میں نے کہ حسرت بر نہ آنے پر بھی حسرت کم نہ کی میں نے
نظر آئی ادا اسمیں جب ان کی برہمی کی سی گوارا کر لیا عاصم وبالِ زندگی میں نے
وہ کیفِ نغمہ نہیں لطفِ نوشخند نہیں بغیر آپ کے راحت کم از گزند نہیں

تمہاری یاد سے ہوتا نہیں خیال آزاد — خیال کے لئے ہر چند قید و بند نہیں
یہ اور بات ہے دیکھیں نہ وہ ادھر لیکن — ہماری جرأتِ دید اُن کو ناپسند نہیں

یہ زحمتِ ناز و غمزہ کیا ہے اگر وفا مقتضی نہیں ہے — اگر یہی تو بیقرارئ دل تو چین سے حُسن بھی نہیں ہے
غمِ محبت کی دلکشی کو نظر نہ لگ جائے آنسوؤں کی — یہ پردہ داری ہے ورنہ ہمدم ہنسی ہماری ہنسی نہیں ہے
یہی بہت ہے کہ اُس نے عاصم متاعِ شوریدگی عطا کی — یہ کیا کہیں اک دل کی قیمت کچھ اور بھی ہے یہی نہیں ہے

آدمی اک حادثہ ہے عالمِ ایجاد میں — آدمی اک فاصلہ ہے متصل اضداد میں
موت کا پیغام ہے یا زندگی کا راز ہے — آدمی قدرت کی ایسی مشتبہ آواز ہے
بندۂ تقدیر بھی تقدیر کا معمار بھی — قید بھی آزاد بھی مجبور بھی مختار بھی
یہ وہ شر ہے جو ہوا شیطان کو بھی ناگوار — یہ وہ نیکی ہے فرشتے ہو گئے جس پر نثار

عقل کی موجِ تبسم ہے کمالِ آدمی
دیدۂ عبرت کا آنسو ہے مآلِ آدمی

عائل تخلص۔ مرزا محمد یعقوب بیگ نام۔ مرزا محمد ایوب بیگ دہلوی کے فرزند اور سعادت یار خاں رنگینؔ کے نواسے۔ مرزا ارشد دہلوی سے تلمذ تھا۔ جے پور میں بزمرۂ اہلکاران صیغۂ کلکٹری میں ملازم تھے۔

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

ہے کچھ اثر مرے دلِ پُر اضطراب کا — اُڑتا ہے بار بار جو پردہ نقاب کا
پہلو سے نکل کے خود گیا دل — کیوں نام لگائیں ہم کسی کا
خانہ برباد کہے جائیے ہاں شوق سے آپ — فکر اس بات کی کیا ہم کو یہاں گھر ہی نہیں
کٹتی اک اک گھڑی ہے مشکل سے — جان آفت میں آگئی دل سے
اُف رے سوزِ جگر تری گرمی — بڑھ گئے دل سے آبلے دل کے
تمہیں بتاؤ نہ کیوں جان بیقرار رہے — جو دل سی چیز پہ اپنا نہ اختیار رہے

عبّاس تخلص۔ مرزا عباس بیگ نام۔ "میر عباس چنچل" عرف۔ اصل وطن و مولد دہلی اور وطن مابعد و مدفن جے پور۔ شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ حضرتِ عبّاس کے والد اکبر شاہ ثانی بادشاہِ دہلی کے درباری داستاں گو تھے۔ اُن کے انتقال کے وقت عبّاس کم سن تھے۔ بادشاہ نے ان کی سرپرستی فرمائی۔ اپنے دامنِ عاطفت کے سایہ میں داستان گوئی کی تعلیم دلوائی۔ اور آدابِ شاہی کی تربیت۔ باوجودیکہ اُمّی محض تھے۔ مگر علما و ادبا کے فیضِ صحبت اور دربار کی حاضری نے یہ عیب چھپا دیا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ناخواندہ ہیں۔ بادشاہِ موصوف ان سے خود داستان سُنا کرتے تھے۔ اُن کے بعد۔ اعزاز و وقارِ دربار تو برقرار رہا مگر شاہِ ظفر نے ان سے داستان نہ سُنی۔ غدر کی مُصیبت سے یہ کس طرح محفوظ رہ سکتے تھے۔ وطن کو خیر باد کہہ کر اوّل (ریاست) رام پور پہنچے نواب صاحب تک رسائی ہوئی اور انھوں نے ان سے داستان سُننا چاہا تو اُن کی جانب سے یہ شرط پیش کی گئی کہ اُسی اعزاز و قاعدے سے سُنا سکتا ہوں جو دربارِ شاہی میں حاصل تھا۔ جس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ سرِ دربار اُن کے لئے حُقّہ لگایا جائے اُس کے کش لگاتے رہیں اور داستان کو دُھواں دھار بناتے جائیں۔ مگر یہ شرط منظور نہ ہوئی تو انھوں نے بھی اپنی آن نہ کھوئی۔ کچھ دن رام پور رہے۔ پھر الور چلے آئے۔ وہاں بھی زیادہ دن نہ ٹھیرے اور جے پور آ گئے۔ یہاں مہاراجہ رام سنگھ نے ازراہِ قدردانی و غریب پروری ان کا روزینہ مقرر کر دیا۔ وہی ذریعہ معاش اور خاطرِ پریشاں کے لئے باعثِ سکون تھا۔ لہٰذا جے پور کو اُسی وقت چھوڑا جب دُنیا سے مُنہ موڑا۔

شاہی زمانے کے چشم دید واقعات و حالات ایسے درد انگیز و موثر انداز میں بیان کرتے تھے کہ کہتے کہتے خود بھی زار و قطار رونے لگتے اور سامعین

تو اشکبار ہوئے بغیر رہ ہی نہ سکتے تھے۔

ایک مراق اور یار لوگوں کے لئے تفریح کا سبب

جناب عباس کسی چنچل نامی طوائف دہلی کے دلدادہ تھے جس کا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر حضرت کو یقین تھا کہ اُس کو شاہِ جنات کے لئے جن اُٹھالے گئے ہیں اور وہ وہاں موجود ہے۔ لہٰذا شاہِ جنات کے پیر و مرشد کو بھی خط لکھوایا کرتے تھے کہ بادشاہ پر زور دے کر چنچل کو واپس بھجوا دیں اور خود چنچل کو بھی کہ جس طرح بن پڑے چلی آؤ۔ خود تو امی تھے ہی۔ مولانا مُبین کے یہاں بکثرت آمد و رفت تھی۔ یہاں کسی نہ کسی طالب علم سے خط لکھواتے اور کسی درخت کی شاخ یا چھپر کے بتے ہیں لگا دیتے جہاں سے اُن کے خیال کے مطابق وہ خط جنات لے جاتے۔ اور تھوڑی دیر میں اسی طرح جواب آجاتا جس کو سینے سے لگائے پھرتے اور حفاظت سے رکھ لیتے۔ لکھنے والا اوندھی سیدھی عبارت یا ٹیڑھی بانکی لکیریں کھینچکر کاغذ کو لپیٹ کر خط بنا دیتا اور اسی طرح کا جواب آجاتا طلبہ کو ایک مشغلہ مل گیا تھا۔

چونکہ داستان کسی کو نہ سُناتے تھے۔ لہٰذا ذی علم اور اہلِ ذوق حضرات نے اس مراق کو آلۂ کار بنایا۔ جب کبھی داستان سُننی ہوتی تو کسی لڑکے کو اشارہ کر دیتے۔ "چنچل" کا خط آتا جس میں داستان سُننے کی خواہش ہوتی۔ دن اور وقت مقرر ہو کر یہ حکم نافذ ہوتا تھا۔ حضرت وقت سے پہلے تیار ہو کر تشریف لے آتے۔ ایک بڑی چوکی بطور تخت اُن کے لئے فرش سے آراستہ کی جا کر اُس پر پیچوان لگا دیا جاتا اور گاؤ تکیہ رکھ دیا جاتا۔ وقتِ مقررہ تک سامعینِ باذوق جمع ہو جاتے۔ کسی کوٹھے پر جا کر کوئی لڑکا گھنگرو بجا دیتا۔ میر صاحب فرماتے "تشریف لے آئے۔" اور داستان شروع کر دیتے۔ میر صاحب داستان کہنے میں محو ہو جاتے تھے اور ایسے انداز سے داستان کہتے گویا دربارِ شاہی میں

سُنا رہے ہیں۔ سامعین لُطف اندوز ہوتے رہتے۔ اور جب ختم کرانا مقصود ہوتا تو پہلے کی طرح پھر گھنگرو بج جاتا اور حضرت فرماتے "تشریف لے گئے"۔ اور داستان کہنا بند کر دیتے۔

طرحی مشاعروں میں غزل کہہ کر شریک ہوتے اور زبانی سُناتے۔ پڑھتے بھی اچھا تھے اور زبان تو پھر قلعۂ معلےٰ کی زبان تھی۔ چند اشعار جو میسّر آسکے درج ذیل ہیں:۔

نہ کوئی دوست پایا اور نہ کوئی آشنا پایا
غم دلدار اک تجکو رفیقِ باوفا پایا

حیاتِ جاوداں یارب یہی عمرِ دو روزہ ہے
جہاں پیری آ بر درہ جائے بس آبِ بقا پایا

فلک سے یہ کوئی پوچھے کہ کچھ تیرے بھی ہاتھ آیا
ہمیں دُنیا سے کھو کر اے ستمگر تو نے کیا پایا

دستِ اغیار سر کاکلِ جاناں دیکھا
رات کچھ ہم نے عجب خوابِ پریشاں دیکھا

پاک دامانیٔ یوسف کا تماشا دیکھو
کُنجِ عشرت کے عوض گوشۂ زنداں دیکھا

برہمن دیر میں عباس کو دیکھا تھا کبھی
آج کعبہ میں جو دیکھا تو مسلماں دیکھا

خدا کرے کہ سُنے وہ مرا پیام کہیں
کرے بھی آن کے قاصد مجھے سلام کہیں

فلک نے ناموروں کو مٹا دیا ایسا
کہ اب نشان ہیں باقی برائے نام کہیں

چلے ازل سے تو ٹھیرے نہ آکے ہستی میں
مسافرانِ عدم کو نہیں قیام کہیں

آخر کو جاں چلی گئی اور تو کھُلی رہی
اے چشم آفریں ہے ترے انتظار کو

اتنے کرو گُناہ کہ عباس حشر میں
آجائے شرم رحمتِ پروردگار کو

عرشی تخلص۔ محمد حمید اللہ خاں نام نسباً یوسف زئی افغان، والدِ بزرگوار کا نام سبحان خاں تھا۔ وطن جے پور۔ میر حیدر حسن زکی دیکتا سے تلمذ تھا۔ اُن کی خدمت میں خط کی مشق کرنے کو حاضر ہوا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں شعر و سخن کا شوق ہوا تو انھیں سے تلمذ اختیار کیا۔

شخصیت | باوجودیکہ آپ کے خاندان میں علم کا فقدان تھا مگر آپ نے اپنے شوق سے پڑھا۔ مہاراجہ اورنٹیل کالج جے پور سے منشی فاضل پاس کیا۔ پھر انگریزی تعلیم حاصل کر کے، ایم۔ اے کیا۔ عربی کی استعدادِ معقول بھی حاصل کی۔ ذوقِ کتب بینی نے مبلغِ علم بہت بلند کر دیا۔ گورنمنٹ کالج اجمیر میں پرشین پروفیسر ہو گئے۔ نہایت نیک نام زندگی بہت عزت سے بسر کی۔ اجمیر میں آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ شہنشاہِ جارج پنجم کی جوبلی پر جو عالی شان مشاعرہ اجمیر میں ہوا تھا، کہ جو مع شعرا کی تصادیر کے طبع ہوا ہے۔ اُس میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ پنشن لینے کے کچھ عرصہ بعد جے پور آگئے تھے اور یہیں مستقل طور پر سکونت پذیر تھے۔

وفات | جے پور میں ۲۶ ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو وفات پائی اور مولانا ضیاء الدین کے گورستان میں سپردِ خاک ہوئے۔

تصانیف | آپ کی زیادہ تر تصانیف کورس کے متعلق تھیں جو شائع ہوئیں اور چند مطبوعہ و غیر مطبوعہ اور بھی تھیں۔ مثلاً "کلام الملوک" جس میں تیموریہ سلاطین و شاہزادگان کا کلام آپ نے جمع کیا تھا۔ اور دوسری "لسان و مطالعۂ زبان" جس میں زبان کے متعلق بحث کی گئی ہے اور ایک انگریزی تصنیف کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ دونوں طبع ہو چکی ہیں۔ غیر مطبوعہ یقیناً متعدد کتابیں ہونگی۔ مگر آپ کے ورثاء کی باہمی مقدمہ بازی نے خدا جانے اُن کا کیا حشر کیا۔ اس لئے بمشکل تمام جو تین شعر میسر آسکے وہ ہدیۂ ناظرین ہیں :-

اور سب کچھ تو ہے اے گردشِ دوراں ہونا
کبھی ممکن نہیں صبحِ شبِ ہجراں ہونا

گو نہیں شوقِ شکار اُن کو مگر کیا کیجے
دل کو خود ہی ہدفِ ناوکِ مژگاں ہونا

تم نہ چاہو تو ہے دشوار، اگر تم چاہو
کچھ بھی مشکل نہیں مشکل مری آساں ہونا

عزیز تخلص۔ محمد معز الدین خاں نام بن بابا افغان ۔ مولانا جلال الدین احمد خاں جلالی کے خلفِ اکبر۔ وطن رام پور (ریاست) مسکن و مدفن جے پور۔

تعلیم و شخصیت ابتدائی تعلیم گھر پر پائی۔ اور قرآن مجید حفظ کیا۔ علوم عقلی و نقلی کی تکمیل مولانا تسلیم سے کی۔ عربی و فارسی کے منتہی تھے اور نہایت وجیہ و بارعب بزرگ۔ عرصہ دراز تک نائب بخشی فوج جے پور (اسسٹنٹ کمانڈران چیف۔ جے پور فورسز) رہے۔ انتہائی علمی و ادبی ذوق تھا مگر ملازمتی مصروفیات کے باعث یہ جوہر نہ چمک سکا۔ خوش خُلق۔ بامُروّت۔ ہمدرد۔ متواضع اور مرنجان و مرنج ہستی تھے۔

وفات اور ادبی سرمایہ ۱۹/اپریل ۱۹۲۶ء کو اسّی سال کی عمر میں جے پور میں انتقال ہوا۔ نظم و نثر میں کئی تصانیف چھوڑی تھیں مگر آج تلاش کرنے پر کہیں سے کچھ نہ ملا۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی امیر الدین خاں شوخ اور پروفیسر محمد حامی الدین خاں صاحبان جن کو اُن کی تعلیمی خدمات کی بنا پر علی الترتیب "جے پور کا سرسید" اور "جے پور کا محسن الملک" کہا جاسکتا ہے جیسے بیٹوں کے ہوتے مرحوم کا علمی و ادبی سرمایہ مفقود ہے۔ بمشکل تمام چند نعتیہ اشعار دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔ آپ کی تصانیف سے ایک مسدس بنام 'بہارِ جے پور' طبع بھی ہوا تھا۔ جس میں جے پور کے متعلق تاریخی معلومات کہی جاتی ہیں۔ مگر باوجود تلاش وہ کہیں دستیاب نہ ہوا۔

اسمِ اعظم یہ ترے ہاتھ لگا خوب عزیز　　رکھ سدا وردِ زباں نامِ خدا بسم اللہ

ہر وقت ہی وہ چہرۂ تاباں مرے آگے　　ذرّہ سے ہی کم مہرِ درخشاں مرے آگے

ہے مصحفِ رخسارِ محمدؐ کا تصوّر　　ہر وقت کھلا رہتا ہی قرآں مرے آگے

کیا مرتبہ پایا ہے محمدؐ کی بدولت　　بیٹھے ہیں ملک سر بگریباں مرے آگے

جو زندہ دل کہ عشقِ پیمبر میں مر گئے — ہے آفریں انھیں کہ بڑا کام کر گئے
محشر میں اک اشارۂ ابرو جو ہو گیا — اک پل میں پل صراط سے سارے اتر گئے
حسنِ خدا نمائے محمدؐ کے سامنے — یعقوبؑ کی نگاہ سے یوسف اتر گئے
اچھے ہیں وہ جنھیں ہے بھروسہ حضورؐ کا — عاصی رہے جو کثرتِ عصیاں سے ڈر گئے

عزیز تخلص۔ محمد یوسف علی خاں نام۔ نسباً یوسف زئی افغان "ادیب الملک" خطاب، وطنِ قدیم صوات۔ مولد ٹونک مسکن جے پور جو اب وطن ہے۔ آج کل مولانا ضیاء الدینؒ کی مسجد کے حجرے میں فروکش ہیں۔ وہیں کچھ طلبا آپ سے مستفید ہوتے ہیں۔ تلامذہ اصلاح لینے حاضر ہوتے ہیں۔ اور امامتِ مسجد فرماتے ہیں۔ مذہباً سنی حنفی اور مسلکاً چشتی السلیمانی ہیں۔ سنہ ولادت ۱۸۸۹ء ہے۔

تعلیم و ملازمت اردو۔ فارسی۔ عربی اور ہندی کی تعلیم جے پور میں پرائیویٹ بھی پائی اور سرکاری مدرسہ میں بھی۔ قرآن مجید حفظ کیا۔ گلستاں پڑھتے تھے کہ سنہ ۱۹۰۰ء میں شعر کا فتح باب ہوا۔ آپ کی علمی قابلیت اسناد کی قید و بند سے آزاد اور رسمی نصاب سے بالاتر ہے۔ طباعی و ذکاوت نے اس میں چار چاند لگا دئے ہیں۔

حصولِ تعلیم ہی کے زمانہ میں اول محکمۂ بخشی خانہ فوج میں ملازم ہوئے پھر جے پور اسٹیٹ گیراج میں محاسب ہو گئے۔ سرکاری فارسی دفتر کی ترتیب و تراجم میں بھی کافی مدت خدمات انجام دیں اور "پوتھی خانہ"[1] کی فارسی و عربی کتب کی ترتیب میں بھی کچھ کام کیا۔ آخر میں محکمۂ خاص جے پور کے صیغہ ریونیو میں "خلاصہ نویس" رہ کر پنشن لی اور اب آزاد ہیں۔

---

[1] جے پور ریاست کا کتبخانۂ خاص جسکو "جے سنگھ لائبریری" بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

تلمذ و جانشینی | آپ نے اول حضرت ایمان سے تلمذ اختیار کیا۔ پھر حضرت تنویر سے اصلاح لیتے رہے اور آخر میں حضرت آگاہ کے شاگرد ہوئے۔

حضرت صبا کا کہنا ہے کہ "سنہ ۱۹۱۶ء کے آخر میں عزیز حضرت آگاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ انھوں نے چند ہی غزلیں دیکھی تھیں کہ بوجہ ضعف و نقاہتِ خود۔ اُن کو مرزا مائل مرحوم کی خدمت میں بھیجدیا۔ میں اور عزیز پندرہ سال تک مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور استفادہ کرتے رہے چنانچہ اُس زمانہ میں مجھے عزیز نے جس قدر رقعے لکھے سب میں اپنے کو میر اخواجہ تاش درج کیا ہے۔ مگر مرزا صاحب نے اُنھیں ہمیشہ سید آگاہ ہی کا شاگرد کہا اور کہلایا۔ اپنا شاگرد کہنے کی کبھی اجازت نہ دی"۔

مرزا مائل مرحوم کی وفات کے بعد جب جانشینی کا سوال اُٹھا اور حضرت کوکب کو اُستاد آگاہ کا جانشین مان کر دستار بندی کر دی گئی تو ایک پارٹی نے آپ کو بھی حضرت آگاہ کا جانشین تسلیم کر کے دستار بندی کر دی۔ مگر جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے۔ یہ جانشینی آپ کے لئے مطلق باعثِ افتخار نہیں ہے اور اغلباً اس رائے سے خود حضرت عزیز بھی متفق ہوں گے۔

وعظ و مجالس خوانی | آپ کو تذکیر و مجالس خوانی میں بھی مہارت تامّہ ہے نہایت شستہ و برجستہ تقریر فرماتے ہیں اور عجیب عجیب نکات بیان کرتے ہیں۔ محفلِ میلاد اور مجلسِ عزا پڑھنے کے لئے اکثر دوسرے شہروں اور قصبات میں بھی جاتے ہیں۔ جہاں ہفتوں یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ رنگِ مجلس سمجھنے اور رنگِ مجلس جمانے والا اس وقت آپ سے بہتر جے پور میں کوئی نہیں ہے۔

اخلاق و عادات | آپ نہایت صاف گو اور صفائی پسند ہیں۔ جو دل میں

ہوتا ہے وہی زبان پر آتا ہے۔ خودداری کا نمونہ بھی ہیں اور انکساری کا آئینہ بھی۔ حاضر جوابی اور بذلہ سنجی طبیعتِ ثانیہ بن گئی ہے۔ نزاکتِ مزاج ذرا سی بات کو رائی کا پربت بنا دیتی ہے۔ اعتراض کا تحمل نہ کرتے ہوئے جو ردِّ عمل آپ کی جانب سے ہوتا ہے وہ نہایت شدید ہوتا ہے۔ اس لئے اکثر معمولی بات اہم مسئلہ بن جاتی ہے۔ آپ جب کبھی رمز و کنایہ میں گفتگو کرتے ہیں تو اس کا سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔ آپ کو "رموزِ خودی" اور "اسرارِ بیخودی" کا مجسّمہ کہا جائے تو بے جا نہیں۔

معاصرین کو شکایت | آپ کے متعدد معاصرین آپ کی افتادِ طبع کی بنا پر شاکی تھے اور ہیں۔ اس لئے کہ آپ بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ہر استاد کے مقابلہ میں طبع آزمائی میں تامل نہیں ہوتا۔ اور اس باب میں آپ بہت بے باک ہیں۔ "اعتمادِ محمودؐ[1]" کا مصنّف اعتمادِ نفس کا عامل بھی ہے۔ اپنی تصنیف "معین الادب" میں آپ نے وَلی سے لے کر امیرِ مینائی اور گرامی تک کے جواب میں اپنا کلام پیش کیا ہے۔ اور اقبال و حالی کو مشورۂ سخن بھی دیا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو شاکی اصحاب کی نظر میں سعدیؒ کے اس قول کے خلاف جلوہ گر ہے۔ ع نہد شاخِ پُر میوہ سر بر زمیں۔ اور یہی وہ عمل ہے جو صائب کے قول ع ثنائے خود بخود گفتن نمی زیبد ترا صائب۔ کا منافی ہے۔

قدرتِ تحریر | قدرتِ تقریر کی طرح آپ تحریر پر بھی پورے قادر ہیں۔ نظم ہو یا نثر۔ آپ کے لئے برابر ہے۔ نظم کی ہر صنف میں جوہرِ طبع دکھائے ہیں۔ "مرثیہ کی نئی دنیا[2]" بسائی ہے۔ نظماً اردو و فارسی دونوں زبان پر قدرت ہے۔

---

[1] آپ کی ایک تصنیف سیرۃ پاک جسکی مخالفت ہو کر جے پور میں وہ دریا برد کر دی گئی تھی ۱۲

[2] آپ کی تصنیف کا نام (مرثیہ کی نئی دنیا) جس میں بارہ مراثی ہیں ۱۲

نثراً تمام تصانیف اُردو میں ہیں۔ اسلوب بیان بعض کا بالکل آسان اور عام فہم ہے۔ مگر بعض کا اس لئے توجّہ طلب ہے کہ ہر فقرے کو قلیل الالفاظ و کثیر المعانی بنانے کی آپ نے کوشش کی ہے تاہم عسیر الفہم نہیں ہے۔

تصانیف | جے پور کے اس زمانہ قحط الرجال میں جس قدر کتابیں آپ نے لکھی ہیں اُس کی مثال صرف آپ ہی ہیں۔ میں نے پوری تفصیل کے لئے خود آپ سے بھی فہرست مانگی مگر وہ نہ ملی۔ اس لئے ذیل میں اُن کتابوں کے نام درج کرتا ہوں جن میں سے زیادہ تر میری مطالعہ کردہ ہیں اور دو چار معلوم شدہ۔

(۱) نظام الادب	(۸) نور القرآن	(۱۵) مجموعہ مسمط در رباعیات
(۲) خلاصۃ القواعد	(۹) خاکِ شفا	(۱۶) قومی نظموں کا مجموعہ
(۳) اُسوۂ حسنہ	(۱۰) صداقتِ عزیز	(۱۷) تاریخِ اتحادِ اسلام
(۴) اعتماد محمود	(۱۱) نورِ مُبین	(۱۸) قیامتِ وسطیٰ
(۵) تصویرِ شہادت	(۱۲) قیامتِ صغریٰ	(۱۹) خیر الخلائق
(۶) تاریخِ افتراقِ اسلام	(۱۳) معین الادب	(۲۰) دینِ عزیز
(۷) مرثیہ کی نئی دُنیا	(۱۴) محی الادب	(۲۱) شاہکارِ عزیز

کلام پر تبصرہ | آپ نہایت پُرگو شاعر ہیں۔ اور بہت جلد شعر کہتے ہیں۔ آپ کے یہاں بندش کی چُستی۔ الفاظ کی شوکت۔ زبان کا چٹخارہ مضمون آفرینی۔ بلند پروازی۔ محاکات کے نمونے۔ بے ساختگی اور روانی بخوبی پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام | نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :-

رباعی

جب جہل بتاتا ہے جفا کی راہیں
جب علم سکھاتا ہے ریا کی راہیں
جب عقل کو خوش آتی ہے سہل انکاری
تو عشق دکھاتا ہے وفا کی راہیں

فن کے جتنے یہ کارخانے ہیں ۔۔۔ لغو حیلے غلط بہانے ہیں
شاعروں سے یہ پوچھتا ہوں میں ۔۔۔ پیڑ گننے ہیں آم کھانے ہیں

قطعہ
بعدِ خزانِ عمر بہارِ نجات اُمید ۔۔۔ وہ گل ہے جسکے سامنے عطرِ شمامہ کیا
ہوئے سیاہ جس نے کرم سے کئے سفید ۔۔۔ وہ دھونہ دے گا فضل سے اعمالنامہ کیا

[illegible]
یارب چمنِ نظمِ عزا باغِ جناں ہو ۔۔۔ یہ گلشن شاداب دلا خلد نشاں ہو
عاجز کی زباں معجزِ اعجاز بیاں ہو ۔۔۔ ہونٹوں سے لبِ لہجۂ جبریل عیاں ہو
مضمونِ مودّت سخنِ پاک سے مل جائے
ایماں کی سند صاحب لولاک سے مل جائے

[illegible]
قلبِ مومن آئنہ چشمِ صفا گر آئنہ ۔۔۔ آئنہ در آئنہ ہے آئنہ بر آئنہ
سامنے جو آئے اس کے اپنی صورت دیکھ لے ۔۔۔ حال کہہ دیتا ہو سب کا سب کے منہ پر آئنہ
ہے وہ وجہ اللہ روئے مرتضیٰ ہر آئنہ ۔۔۔ جس کے جلوے سے ہوا اللہ کا گھر آئنہ
نور کی تصویر ہے اور نور کی تقریر ہے ۔۔۔ خطبۂ حیدر سے ہیں محراب و منبر آئنہ
دست بیعت ہو تو پھر انسان انساں ہی بنے ۔۔۔ نقشِ پا بنجائے تو بنجائے پتھر آئنہ

[illegible]
مجرائی نہیں سبطِ پیمبر تہِ خنجر ۔۔۔ زہرا تہِ شمشیر ہیں حیدر تہِ خنجر
جب پوچھتے ہیں منزلِ تسلیم و رضا کو ۔۔۔ کہتی ہی شہادت تہِ خنجر تہِ خنجر

[illegible]
وہ مغزِ خشک میرا شعرِ تر کیا خاک سمجھے گا ۔۔۔ سُبک روحی کو دیتا ہو جو رتبہ ناتوانی کا
آنکھ لڑتی تھی کہ در پردہ جو گزری گزری ۔۔۔ دل کو گرتے ہوئے دیکھا نہ سنبھلتے دیکھا
جام میں ایسی کوئی چیز تو ہی اے واعظ ۔۔۔ جس سے تم جیسوں کو ایمان بدلتے دیکھا
میخانہ دو قدم ہے تو ساقی ہے روبرو ۔۔۔ دو ہاتھ ہے قرابہ تو دو تیر ہے قدح
جامِ وفا و میکدۂ عشق اے عزیز ۔۔۔ اسلام بادہ خوار ہی ایمانِ بادہ نوش
کس دل جلے نے آہِ محبت کا دم بھرا ۔۔۔ تارِ نفس سے لگ اُٹھی تا بہ کفن میں آگ

پہنچا دیا ہے شوق نے کس جلوہ گاہ میں
اک اور ہی جہان ہے میری نگاہ میں

اے ساکنانِ شہرِ خموشاں کہو تو کچھ
مٹی میں رل گئے ہو کہ زیرِ مزار ہو

ہر دم سمندِ عمرِ رواں ہے روانہ دیکھ
کس طرح تیز گام ہے بے تازیانہ دیکھ

جس کو دانا دیکھتا ہے میں دیتا ہی فلک
آسیا سے بڑھ کے یہ سنگِ گراں گردش میں ہے

رفتہ رفتہ ایک زینہ عرش تک بن جائے گا
آس بندھتی ہے کہ آہوں کا دھواں گردش میں ہے

پھر پھرا کر پھر یہیں آجائے گی فصلِ بہار
باغ سے نکلی نہیں اے باغباں گردش میں ہے

ہجر کا دن تو گیا اور شبِ فرقت آئی
وہ مصیبت نہ ٹلی تھی کہ یہ آفت آئی

آخری سانس لیا اور عدم آباد میں تھا
ایسے لاغر ہیں خداداد یہ طاقت آئی

گر ملیں پیرِ خرابات کی نعلین اے شیخ
یہ سمجھ ہاتھ کلیدِ درِ جنت آئی

نہ جرس ہے نہ فرس ہے نہ کہیں منزل ہے
کونسی راہ یہ اے پیرِ طریقت آئی

عشرت

عشرت تخلص۔ محمد نذیر الدین نام۔ بینائی نسبت اضافی۔ والد بزرگوار کا نام حاجی شیخ نصرت علی صاحب وطن قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ۔

ولادت و تعلیم ۱۲ر رجب ۱۳۵۱ھ کو اپنے وطن میں پیدا ہوئے۔ تین برس کی عمر تھی کہ والد بزرگوار کے ساتھ وطن سے باہر چلے گئے۔ اور انھیں سے تعلیم پاتے رہے۔ اُن کے ساتھ جبل پور۔ کوئٹہ۔ ملتان۔ ڈلہوزی۔ ڈیرہ دون اور ناگپور رہے۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں کانپور پہنچنے پر باقاعدہ اسکول میں داخلہ لیا۔ ۱۰ر جولائی سنہ ۱۹۴۳ء کو برائے تعلیم جے پور آگر اپنے اعزہ کے پاس کاکوری ہاؤس میں قیام کیا اور تعلیم جاری رکھ کر مہاراجہ کالج جے پور سے ایم۔ اے۔ اور راجپوتانہ یونیورسٹی سے ایل۔ ایل۔ بی۔ کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔

ذوقِ سخن کانپور میں تعلیم کے زمانہ میں اپنے استاد۔ دیبی سہائے ودھیارتھی۔

صاحب ایم۔ اے۔ سے شعر وسخن کا ذوق پیدا ہوا۔ جے پور آنے پر یہاں کے ماحول نے اس میں اضافہ کر دیا۔ مولانا کوثر سے تلمذ اختیار کیا۔ اور پہلی غزل ۱۹۴۷ء کے پُر آشوب زمانہ میں کہی۔ ذوقِ سلیم کے ساتھ طبیعت کی رسائی۔ علمی بصیرت اور اُستاد کی شفقت نے اچھا شعر کہنے میں امداد کی۔ اس لئے مختلف اداروں کے انعامی مقابلہ کے مشاعروں میں انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ترنم سے اچھا پڑھتے ہیں۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے :-

یہی آرزو ہی میری، مجھے تم نہ بھول جانا ... کہ ادھورا رہ نہ جائے مری زیست کا فسانا

اتنی سی بات پہ نامہ نہیں پیغام نہیں ... حرفِ اظہارِ تمنا کوئی دشنام نہیں

کہیں بھی جب کوئی تم سا نہیں زمانے میں ... تو پھر قصور ہی کیا تم سے دل لگانے میں

میں نے حکایتِ غمِ پنہاں کہی کہاں ... پھر کہئے آپ نے یہ سُنی تو سُنی کہاں

نہ تم میرے نہ دل میرا نہ جانِ ناتواں میری ... تو پھر اس زندگی سے موت بہتر مہرباں میری

اگر بجلی بھی گرتی ہے تو میرے ہی نشیمن پر ... گلستاں کی محافظ ہے یہ شاخِ آشیاں میری

آسماں ہے سامنے برقِ تپاں ہی سامنے ... آشیاں میں ہوں۔ مآلِ آشیاں ہے سامنے

شاعرانِ نو کی عشرت پیروی ہم کیوں کریں ... جب کلامِ میر و سودا و فغاں ہے سامنے

عشقی تخلص۔ صلاح الدین نام۔ نسباً شیخ فاروقی۔ وطن جھنجنوں (شیخاواٹی) وہاں کے پیرزادہ ہیں۔ حضرت ذہین سے تلمذ ہے۔ جے پور میں بزمرہ اہلکارانِ عدالت ملازم ہیں۔ یہ اشعار آپ کے ہیں :-

مجھے حاصل نظر آتا ہی جو حاصل نہیں ہوتا ... مرا ذوقِ طلب واماندۂ منزل نہیں ہوتا

نظر آتی ہی ہر ہر موج آغوشِ جمال اُس کو ... غریقِ بحرِ اُلفت کو غمِ ساحل نہیں ہوتا

سراسر ایک ہی افسانہ ہی حُسن و محبت کا
وہ مجکو یاد آتے ہیں تو اپنی یاد آتی ہے

عشقی تخلص۔ محمد الیاس خاں نام۔ مولوی محمد اسمٰعیل خاں رزمی کے فرزند ارجمند پہلے جے پور وطن تھا۔ اب پاکستان ہے۔ محمد عبدالوہاب خاں صاحب عاصم سے تلمذ ہے۔ "مہاراجہ کالج جے پور" سے ایم۔ اے کرنے کے بعد یہیں اردو کے پروفیسر ہو گئے تھے۔ مگر تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ یہ شعر آپ کا ہے:۔

بہارِ رنگ و بو ہے ابرو باراں ہے جہاں میں ہوں
ہم سب کچھ وہاں وحشت کا ساماں ہے جہاں میں ہوں

عطا تخلص۔ چاند خاں اصل نام۔ پھر مولانا تسلیم کے ارشاد کی تعمیل میں عطاء اللہ خاں تبدیل کر لیا تھا۔ وطن ٹونک تھا اور مسکن جے پور اور یہی مدفن ہے۔ یہاں کی ایک پلٹن میں ملازم تھے۔ پہلے حضرت جنوں اور پھر مولانا تسلیم کے شاگرد ہوئے۔ فارسی استعداد اچھی تھی۔ جے پور میں بہت سے شاگرد تھے جن میں سے اب صرف منشی لچھمی نرائن سخا حیات ہیں۔

ترتیب تذکرہ اپنے زمانہ کے شعرائے جے پور کا ایک تذکرہ آپ نے بھی لکھا تھا جس میں ہر شاعر کا صرف ایک ایک شعر درج کیا تھا۔ وہ تذکرہ آپ کے بعد سخا صاحب کے پاس رہا۔ اب کچھ پتہ نہیں۔

دیوان تحقیق ہوا ہے کہ آپ کا ضخیم دیوان تھا جس میں فارسی کلام بھی تھا۔ مگر اب اس کا کوئی سُراغ نہیں چلتا۔

کلام پر تبصرہ روانی و پختگی۔ مضمون آفرینی۔ لطفِ زبان۔ محاکات کے نمونے اور تاثیر آپ کے کلام میں بخوبی پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام چند اشعار بطور نمونۂ کلام حسب ذیل ہیں:۔

فرقت، کا غم کبھی، کبھی جورِ بتاں رہا — کیا کیا ستم نہ ہم پہ تہِ آسماں رہا
اُٹھائے لطف کیا کیا کچھ مے و شاہد کے رندوں نے — کوئی زاہد سے پوچھے آپ نے دنیا میں کیا پایا

وہی ہیں آپ وہی ہیں ہوں یاد تو کیجے — کہ وعدے آپ کے تھے مجھ سے مہرباں کیا کیا

بل ہے کبھی ابرو پہ کبھی چیں ہے جبیں پر — باندھی ہے کمر کیا بُتِ بیداد نے کیں پر

لوحِ ہستی بھی تو ہے ایک طلسمِ حیرت — ہٹ گیا دیکھتے ہی دیکھتے کیا کیا ہو کر

کچھ ہو بلا سے بیٹھ گئے مثلِ نقشِ پا — اُٹھتے ہیں جیتے جی کوئی اب تیرے در سے ہم

شامت جو دل کی آئے تو پہلو کو چھوڑ کر — دیوانہ جا کے اُلجھا کہاں زلفِ یار میں

قسمت میں میری کیوں نہ لکھا وصل جائے جبر — یارب تھی یہ تو بات ترے اختیار میں

آپ اور سیرِ کوچۂ اصنام خیر ہے — کہیے تو آج حضرتِ واعظ ادھر کہاں

کیا کہتے ہو گلوں میں وفا ہی کہاں وفا — ہم دیکھے بیٹھے ہیں چمنِ روزگار کو

گلچیں کا رشک گاہ گہے خوف باغباں — بلبل خزاں سے سمجھے ہے بہتر بہار کو!

غیر سے خوب مری ضد پہ نبھائی تم نے — واہ دنیا میں کوئی تم سا طرحدار تو ہو

خط میری ضد سے غیر کو تحریر کیوں نہ ہو — ظاہر مرا نوشتۂ تقدیر کیوں نہ ہو

وہ در پردہ فانوس میں شمع ساں ہے — نہاں کا نہاں اور عیاں کا عیاں ہے

صورت دکھائی بھی تو ہمیں آ کے نزع میں — بے وقت مہرباں وہ ہوئے بھی تو کیا ہوئے

پھر آپ ہوں گے اور وہی اُلفتِ بتاں — دو دن کو کیا ہوا کہ عطا پارسا ہوئے

اے عطا حسن پرستی ہی ہمارا مذہب — اس میں کافر کوئی سمجھے کہ مسلماں سمجھے

عطا تخلص۔ پہلے نظر کرتے تھے۔ مگر نواب مکرم کی ناپسندیدگی کے باعث تبدیل کر لیا۔ عطاء اللہ نام۔ والد بزرگوار کا اسم گرامی قاضی برکت اللہ۔ نسباً شیخ انصاری۔ مذہباً اہل سنت۔ وطن قصبہ جیور۔ ضلع بلند شہر۔ مسکن جے پور۔

ولادت و خاندانی حالات آپ کی ولادت ۴ر مئی سنہ ۱۹۰۴ء کو وطن میں ہوئی آپ کے مورثِ اعلیٰ محمد بن قاسم کی ہمراہ ہندوستان آئے تھے اور آپ کے

جدِ امجد "حضرت جی میاں حفیظ اللہ رح" جیور میں متوطن ہوئے۔ جن سے بہت لوگ اس نواح کے فیض یاب ہوئے۔

آغاز شعر گوئی اور تلمذ | آپ کو بچپن ہی سے ذوقِ سخن ہے۔ اوّل قاضی عبدالرحمٰن دریاؔ تلمیذ حضرتِ مضطرؔ خیرآبادی سے تلمذ اختیار کیا۔ پھر حضرتِ نشترؔ تلمیذ رساؔ سکندرآبادی سے۔ اب جنابِ بسملؔ سعیدی ٹونکی سے مشورہ کرتے ہیں۔

جے پور میں مستقل قیام | نواب ممتاز الدولہ محمد مکرم علی خاں مکرمؔ کی مصاحبت کے باعث سنہ ۱۹۲۳ء سے جے پور میں مستقل قیام ہے۔

کلام پر تبصرہ | کلام میں روانی۔ بیان میں شوخی و دلکشی اور پختگی ہے۔

نمونۂ کلام | نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

تسلیم جب سے اُنکی رضا کر چکا ہوں میں — احساس جبر کا ہے نہ کچھ اختیار کا

میں ترکِ بادہ تو کر چکا تھا نہ پوچھ وجہِ شکستِ توبہ — کسی نے پھر روبرو بلا کر ملا کے نظریں پلا کے چھوڑا

ہر اک نشیمن کو باغباں نے قفس میں تبدیل کر دیا تھا — قفس قفس کو چمن میں ہم نے نشیمن اپنا بنا کے چھوڑا

اب وہ جانیں اور ان کا دل جانے — اپنے دل میں تو کوئی بات نہیں

وہ بنے تھے ہمارا دردِ دل — ہم نے درماں بنا لیا اُن کو

ہر نظر میں سما کے ہم نے نظر — ہر نظر سے بچا لیا اُن کو

اس اختیار پر بھی تو کم بخت عشق میں — مجبور ہو ہی جاتا ہے انساں کبھی کبھی

دل سے احساسِ معصیت ہو اگر — معصیت معصیت نہیں رہتی

جب نظر سے نظر ملائی ہے — کوئی جھگڑا نہ کچھ لڑائی ہے

قیامت ہو گیا بس شاخِ گل پر آشیاں ہونا — یہ بربادی ہوئی ہے بر بنائے آشیاں میری

چھوڑ بھی دیر و حرم اہلِ خرد کے واسطے
اے جنوں بڑھ جادہ اُن کا آستاں ہے سامنے

عیش تخلص۔ نظام الدین نام نظام بخش عرف وطنِ قدیم قصبہ سانبھر۔ وطنِ مابعد جے پور۔ فارسی استعداد بہت اچھی تھی۔ تلاشِ معاش میں یہاں آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ مولد سانبھر۔ مدفن جے پور۔ نسباً شیخ۔ مذہباً سنی حنفی ۱۸۹۶ء ۱۳۱۳ھ میں ۷۸ (اٹھتر) برس کی عمر میں انتقال کیا۔

وضعداری کی ایک مثال صبا صاحب راوی ہیں کہ حضرتِ عیش ابتداءً میونسپلٹی جے پور میں بزمرۂ اہلکاران ملازم ہوئے تھے۔ چونکہ ہوشیار و کارگزار اہلکار تھے اس لئے اُن کے افسر نے ترقی عہدہ کی سفارش کی تو مصاحبت اعلیٰ کے اجلاس سے حکم ہوا کہ منشی رام جیداس جی میر منشی امتحان لے کر رپورٹ کریں۔ شیخ (عیش) صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے۔ رامجیداس میرا کیا امتحان لے گا۔ اور اس جاہلِ[1] مطلق نے مجھے کیا سمجھا ہے۔ مگر حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔ معاملہ تھا ترقی کا۔ بلا تعمیلِ حکم کامیابی ممکن نہ تھی مجبوراً ایک روز "منشی جی" کی خدمت میں "سشر بہ"[2] پہنچے اور سلام کیا اُنہوں نے وجہ آمد دریافت کی تو آپ نے حال عرض کیا۔ منشی جی نے کہا کہ "ہاں حکم تو آیا ہے مگر آپ کا امتحان کیا؟ میں رپورٹ کردوں گا آپ تو اپنی ترقی کی جگہ سنبھالئے" یہ اخلاق دیکھ کر شیخ صاحب ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہر جمعہ کو منشی جی کی حویلی پر سلام کو ضرور پہنچتے تھے اور آپ کے بعد آپ کے خلف الصدق منشی معین الدین نے یہ وضعداری قائم رکھی۔

ملازمت بزمرۂ اہلکاران آپ ترقی کر کے محکمہ عدالت دیوانی جے پور کے

---

[1] مراد ٹھاکر فتح سنگھ۔ مصاحبِ اعلیٰ جے پور جو ناخواندہ تھے ۱۲

[2] سرکاری محلات میں سے ایک محل کا نام۔ یہ لفظ غالباً سرا پردہ تھا جو کثرتِ استعمال سے سشربہ مشہور ہو گیا ۱۲

سررشتہ دار ہو گئے تھے اور یہ عہدہ تین پشت تک آپ کے یہاں برقرار رہا۔

شرکتِ مشاعرہ اپنے زمانہ کے طرحی مشاعروں میں ضرور شریک ہوتے تھے۔ اور طولانی غزلیں پڑھنے کا شوق تھا۔ حتی الامکان کوئی قافیہ چھوڑتے نہ تھے بعض دفعہ پانچ پانچ سو شعر کی پانچ پانچ سات سات غزلیں پڑھ ڈالتے تھے ادھر آپ نے غزل شروع کی اور اُدھر مشاعرہ پر خواب سکوت کا غلبہ ہوا تمام بزم خاموش سُنتی رہتی۔ مگر کیا مجال ہے کہ طولِ کلام کا شکوہ کوئی اشارتاً بھی کر سکے آپ اپنی رَو میں داد و بیداد کی پروا کئے بغیر سُنائے جاتے۔ آخری مقطع کے بعد اساتذہ مجموعاً داد دے دیتے۔ اگرچہ شیخ صاحب اس سے بھی بے نیاز تھے۔

تصانیف آپ نے اپنے کلام کا بہت مختصر انتخاب کرنے کے بعد اس کو ترتیب دیا تو کئی کئی سو صفحات کے سات دیوان مُرتّب ہوئے۔ جن میں سے تین اُردو کے اور ایک فارسی کا اُن کے پوتے منشی نعیم الدین پنشنر سرکل انسپکٹر پولس جے پور کے پاس ابھی محفوظ ہیں۔

کلام پر تبصرہ آپ کے کلام میں پُرگوئی کے ساتھ اُستادانہ زور اور رنگ پایا جاتا ہے مضمون آفرینی کے ساتھ ندرت تخیئل کے بھی نمونے بکثرت ملتے ہیں۔

نمونۂ کلام ایک دیوان سے بطور نمونہ چند اشعار درج ذیل ہیں:۔

نکلا جو یادِ زُلف میں شب دودِ آہ کا
حسرت سے منہ سفید تھا ابرِ سیاہ کا

آئنے سے خط کے خوب رہا حُسن یار کا
کانٹوں سے بند و بست ہوا لالہ زار کا

مجموعۂ بہار وہ چہرہ ہے یار کا
جس کے عرق نے عطر نکالا بہار کا

رقیبِ بدنظر کو چھوڑ کر یہ نیم جاں باندھا
کیا اُلٹا ہوں نے چور کھولا پاسباں باندھا

سخت جانی سے ہوا اک دم کا اُکھڑنا مشکل
دل کا کیا ٹوٹنا اک ہاتھ جو مارا ٹوٹا

وحشت نے نہ چھوڑا جو کوئی تار کفن کا
اچھا کیا تن بیہ نہ رہا بار کفن کا

بے پردہ جلوہ گر رُخِ پُرنور ہو گیا
محفل میں نورِ شمع کا کافور ہو گیا

ہنگامِ مے کشی لبِ رنگیں کے عکس سے
جامِ عقیق۔ ساغرِ بلّور ہو گیا

عشق دکھلاتا نہ ہرگز اس کو زندانِ حباب
گر نہ ثابت جرمِ غمازی کا ہوتا بادبے

چڑھ گیا آسمان پر پلّہ
مہر کا حُسن سے ترے تُل کر

کیا کیا جفائیں آپ کی ہم نے نہیں سہیں
لیکن گئی تمہاری تو اب تک نہیں نہیں

بہت اچھا ہوا کانٹے بچھائے جو رقیبوں نے
بہانہ ہاتھ آیا ٹھیرنے کا کوئے جاناں میں

کسی نے کہا عیش مرتا ہے تم پر
تو کچھ مُسکرا کر کہا جانتے ہیں

غم آیا دل مرا گھبرا کے بھاگا
نکالا میہماں نے میزباں کو

چمن کی سیر کرنے کون مستانہ آتا ہے
کہ لالہ خاک سے باہر لئے پیمانہ آتا ہے

گرا یا پائے قاتل پر سر اپنا تیغ لگتے ہی
مجھے اس طرح کرنا سجدۂ شکرانہ آتا ہے

خدا ہلکا کرے تو عیش ہو جائے
گنہ کا دوش پہ بارِ گراں ہے

غازی | تخلص۔ غازی حسین نام نسباً سید۔ مذہباً سنی حنفی۔ وطن ریواڑی تھا اب کراچی ہے۔

ملازمت | سنہ ۱۹۱۵ء میں آپ ریاست جے پور میں افسر تھانہ (سب انسپکٹر پولس) بھرتی ہوئے۔ پھر سنہ ۱۹۲۸ء میں انسپکٹر ہو گئے۔ عرصہ تک سی۔ آئی۔ ڈی۔ انسپکٹر رہے۔ جے پور کے نیک نام اور ہر دل عزیز پولس افسروں میں تھے بہ سنہ ۱۹۵۰ء میں پنشن لی اور پاکستان چلے گئے۔

اخلاق و عادات | مرنجان و مرنج طبیعت پائی ہے۔ انکسار و استغنا آپ کی کتابِ اخلاق کے روشن ابواب ہیں۔

ذوقِ سخن اور کسرِ نفسی | ذوقِ سخن سنِ شعور سے ہے۔ مگر باقاعدہ تلمذ کسی سے نہیں۔ رنگِ قدیم میں غزل بھی کہتے ہیں اور قومی نظمیں بھی۔ نیز اکبر الہ آبادی کا

رنگ بھی استعمال کرتے ہیں۔ کلام میں صفائی و سادگی ہے۔ دو شعر بطور یادگار درج ذیل کرتا ہوں :-

ہمارے دل میں لیلیٰ ہے یہ دل ہی اُس کا محمل ہے ۔ نہ ہم ناقہ سمجھتے ہیں نہ ہم محمل سمجھتے ہیں
حیاتِ جاودانی کے مزے لیتے ہیں مر مر کر ۔ طلبگارِ فنا ہر موج کو ساحل سمجھتے ہیں

غریب تخلص۔ محمد علی نام۔ چاند پول اسکول جے پور میں مدرس تھے۔ یہ شعر آپ کا ہے :-

غریب اس دارِ محنت میں کسے آرام ملتا ہے ۔ مآلِ مال۔ غم ہوگا اگر دولت فراہم کی

فارغ تخلص۔ لکشمی نارائن نام۔ حضرتِ سیماب اکبر آبادی سے تلمذ ہے ۶/ جنوری سنہ ۱۹۰۹ء مطابق ۲۴/ پوہ سمت ۱۹۶۵ بکرمی کو بمقام قصبۂ ریاسی پیدا ہوئے۔ آجکل سکریٹری ایٹ راجستھان میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں۔

نمونۂ کلام یہ ہے :-

تیری تلاش سے مجھے اپنا پتہ ملا ۔ یہ تیری جستجو تھی کہ اپنی تھی جستجو
میں ہر اک نقشِ پا سے پوچھتا ہوں ۔ سکونِ روح کی منزل کہاں ہے
تمہیں گو یاد کر لیتا ہے فارغ ۔ تمہاری یاد کے قابل کہاں ہے

فاضل تخلص۔ محمد عبد الرشید نام۔ نسباً سید۔ مذہباً سُنّی حنفی مشرباً چشتی النظامی قرولی (اسٹیٹ) کے جاگیردار بھسابڑ (علاقہ ریاست بھرت پور) اور ہنڈون (علاقہ ریاست جے پور) کے ملکی۔ پہلے قرولی وطن تھا اب کراچی ہے۔ والد بزرگوار کا نام مولوی سید نثار حسین نثار۔

ولادت و تعلیم سنہ ۱۹۰۵ء میں بمقام قرولی پیدا ہوئے۔ اپنے والدِ بزرگوار اور حکیم سید محمد عبد الرزاق و مولوی سید طالب حسین طالب سے تعلیم پاکر منشی، منشی عالم، اور منشی فاضل کے امتحان پاس کئے۔ مہاراجہ ہائی اسکول قرولی سے

میٹرک پاس کیا۔ ایف۔ اے اور بی۔ اے کے امتحان لاہور کالج سے پاس کئے۔ لاہور میں شفاء الملک حکیم فقیر محمد مرحوم کے فیض سرپرستی سے بھی مستفیض ہوئے اور حضرتِ شاداں بلگرامی مرحوم سے بھی استفادہ کیا۔ علامہ اقبال کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہنے کا شرف حاصل کیا۔ جے پور آنے کے بعد آگرہ یونیورسٹی سے اُردو اور فارسی میں ایم۔ اے کے امتحانات پاس کئے۔ اور ادیبِ فاضل کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کر لیا۔

جے پور میں آمد۔ ملازمت اور ادبی خدمات آپ سنہ ۱۹۳۱ء کے آغاز میں جے پور آئے۔ اول مشن ہائی اسکول جے پور میں صدر مدرس اُردو فارسی کے رہے پھر مہاراجہ ہائی اسکول جے پور میں مددگار استاد کی حیثیت سے درجہ دہم کو اُردو کی تعلیم دیتے رہے۔ اور علمی و ادبی خدمات میں نمایاں طور سے حصّہ لیا۔

سنہ ۱۹۴۹ء میں پاکستان چلے گئے۔ وہاں "اردو کالج کراچی" کے شعبۂ فارسی میں لیکچرار ہیں۔

تصانیف آپ کی حسب ذیل مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف ہیں:-

مطبوعہ (۱) "ترجمانِ خودی" علامہ اقبال کی مثنوی "اسرارِ خودی" کا منظوم اُردو ترجمہ۔

(۲) "علامہ اقبال" اقبال اور ان کے مصلحانہ پیغام پر ایک کتابچہ۔

(۳) "شرحِ لوائحِ جامی" علاوہ شرحِ رباعیات۔ مولانا جامی کے حالات اور اُنکی نظم و نثر پر تبصرہ مع تشریح مسئلہ وحدت الوجود

غیر مطبوعہ۔ (۴) شرحِ مہر نیم روز۔ (۵) شرح بال جبریل۔ (۶) شرح رباعیات عمرِ خیام۔ (۷) خودی اور مثنوی اسرار خودی پر مختصر رسالہ۔ (۸) شرح باقیات فانی۔ (۹) نظمِ فاضل۔ آپکے کلام کا مجموعہ۔ (۱۰) نثرِ فاضل۔ آپکے مضامین کا مجموعہ۔

کلام پر تبصرہ آپکے کلام میں پختگی و عالمانہ رنگ کے ساتھ مضمون آفرینی و دقت نظر پائی جاتی ہے۔

نمونہ کلام | نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :۔

غزل

بیخودیِ شوق سے جب ہوش میں آتا ہوں میں
جانے کیوں کھویا ہوا سا آپ کو پاتا ہوں میں

دیکھتا ہوں یہ جمالِ یار کی نیرنگیاں
یا خدا جانے، فریبِ ہا سوا کھاتا ہوں میں

کہہ نہیں سکتا خودی ہی یا خدا بینی ہے یہ
ہوں تصور میں کسی کے اور نظر آتا ہوں میں

ختم تو کرنی ہی تھی کر لی کتابِ زندگی
پر وہ پہلا ہی سبق بھولا ہوا پاتا ہوں میں

فائزؔ | تخلص۔ پہلے منتظر بھی تخلص کرتے تھے۔ محمد رشید الدین نام۔ ابو المکارم کنیت۔ نسباً شیخ فاروقی۔ مذہباً سنی حنفی۔ والد بزرگوار کا نام مولانا محمد صلاح الدین اور جد امجد کا اسم گرامی مولانا محمد حمید الدین۔

ولادت و تعلیم | ۱۲۲۲ھ میں بمقام نارنول پیدا ہوئے۔ علم و فضل کا چرچا پشت ہا پشت سے گھر میں چلا آتا تھا۔ آپ کے والد ماجد جید عالم بھی تھے۔ اور درویش ممتاز و مرتاض بھی۔ آپ نے تعلیم کے قابل عمر ہونے پر اپنے بزرگوں سے پڑھنا شروع کیا۔ بارہ سال کی عمر میں درسِ نظامی کی تکمیل کر کے دستارِ فضیلت حاصل کی۔ مگر وفورِ علم کا شوق دِلّی لے گیا جہاں کئی برس علوم عقلی و نقلی کا استفادہ مزید مشہور و متبحر علماء و فضلاء سے کیا۔ سیرابیِ ذوق کے بعد وطن واپس چلے آئے اور سلسلۂ درس جاری کر دیا۔

طالب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ | آپ کے شوقِ حصولِ علم کی زیادتی کے بہت سے واقعات متعدد ثقہ بزرگوں سے سُنے ہیں۔ مثلاً مطالعہ ہمیشہ کسی صاحبِ فیض بزرگ کے مزار پر بیٹھ کر کیا کرتے تھے۔ رمضان کے مہینہ میں بعد نمازِ فجر کتاب لے کر کسی مزار پر جا بیٹھتے۔ مثلاً مولانا تاج الدین دانشمند رح یا حضرت عثمان فرملی رح وغیرہم کے مزار پر اور وقت افطار جب گھر آتے تو اکثر کتاب ختم کر کے آتے تھے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے نہایت وثوق و دیانت سے بیان کیا کہ ایک بار بزمانہ

طالبِ علمی بعد نمازِ فجر بحالتِ صوم "ہدایہ" کے آخرین مطالعہ کو لے کر ایک مزار کے سرہانے جا بیٹھے اور شام کو جب آئے تو دونوں رُبع ختم کر کے آئے۔

ملازمت اور واپسی وطن | دلّی سے وطن (نارنول) آکر کچھ عرصہ طلبار کو درس دیتے رہے کہ نواب عبدالرحمٰن خاں والیِ جھجھر نے شاہی خاندان کے طلبار کی تعلیم کے لئے آپ کو بُلا لیا۔ کچھ مدّت وہاں رہے۔ اُس زمانہ میں نارنول جھجھر ہی کا علاقہ تھا۔ غدر سے پہلے جب نواب مذکور۔ بغرض زیارتِ مزاراتِ بزرگانِ دین بالخصوص حضرت سید محمد اتا ترک نارنولی رح جن کی خانقاہ میں جھجھر کے شاہی خاندان کے بہت سے افراد آسودہ ہیں نارنول آئے تو آپ بھی ہمراہ تھے۔ نارنول پہنچکر ایک روز نواب صاحب مزار مذکور تک پہنچ گئے مگر بلا فاتحہ خوانی یہ کہتے ہوئے کہ "مجھے کن کھنڈروں میں لے آئے" واپس ہو گئے۔ بوجہ اس کے کہ حضرتِ فائزؔ کو بزرگانِ دین سے خاص عقیدت تھی یہ الفاظ سُن کر رنج ہوا۔ اور ملازمت ترک کر دی۔ کہتے ہیں کہ آپ نے حکم لگا دیا تھا کہ اب یہ نوابی قائم نہیں رہ سکتی[1]۔ بعدِ ترکِ ملازمت وطن میں مقیم رہے۔ اور شُغلِ درس و تدریس جاری رہا۔

جے پور میں آمد۔ ملازمت اور وفات | ۱۲۷۰ء ہجری میں آپ جے پور آئے۔ اور "اورنیٹل کالج جے پور" میں مدرّسِ اوّل مقرر ہو گئے۔ آخر عمر تک اسی کالج میں عربی و فارسی کے مدرّس رہے اور بڑے درجوں کے طلباء کو بحیثیت پروفیسر تعلیم دیتے رہے۔ یکم ربیع الاوّل ۱۳۰۴ء ہجری مطابق ۲۸ نومبر ۱۸۸۶ء بیاسی (۸۲) برس کی عمر میں یہیں انتقال کیا۔ ان ستائیس (۲۷) برس میں خدا جانے کتنے طلبہ نے فیض پایا۔ کس قدر نے فارغ التحصیل ہو کر

---

[1] تفصیل راقم کی تصنیف "تذکرہ اتا" میں ملاحظہ ہو ۱۲

استادِ دانشمندی حاصل کیں۔ اور کتنوں کو آپ کے فیضان و دستِ پُرفیض نے دستارِ فضیلت عطا کیں۔ مدرسہ کے علاوہ بہت سے طلباء آپ کے گھر پر حاضر ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے جس کا کوئی معاوضہ نہ تھا۔

پڑھانے کے شوق اور شفقت کا ایک واقعہ پڑھانے کے شوق اور شفقت کا عجیب عالم تھا۔ چنانچہ جھجھر کا ایک تیلی جو غدر میں تباہ و برباد ہو گیا تھا اپنے لڑکے کو بغرضِ تعلیم لے کر آپ کی خدمت میں جے پور آیا اور سپرد کر کے چلا گیا۔ لڑکے کی عمر تخمیناً چھ سات برس کی ہوگی۔ وہ نہایت طبّاع و ذہین مگر بے حد شوخ و بدشوق تھا۔ آپنے اپنے گھر پر اُس کو رکھا اور پڑھائی شروع کی۔ اُس کا جب پڑھنے کو جی نہ چاہتا تو بہانے کرنے لگتا۔ مثلاً کہتا نیند آرہی ہے۔ سر میں درد ہے۔ آپ فرماتے "اچھا۔ میرے زانو پر سر رکھ کر لیٹ جا۔ میں پنکھا جھلتا ہوں اور ایک کہانی سُناتا ہوں۔ نیند اچھی آئے گی۔" وہ کہانی علمی مسائل ہوتے تھے جو بطور افسانہ اُس کو سُناتے اور اس طرح اسکو پڑھا کر فارغ التحصیل کر دیا۔

تلامذہ اور ان کا حُسنِ عقیدت آپ کے متعدد تلامذہ کا ذکر تذکرہ ہذا میں آیا ہے۔ مثلاً مولانا تسلیم۔ مولانا مبین۔ منشی۔ ناظم۔ مونس۔ ہاتفی وغیرہ وغیرہ۔ کئی صاحبان سے ملنے اور گفتگو کرنے کا راقم الحروف کو بھی اتفاق ہوا۔ میں نے آپ کے ہر شاگرد (تلامذہ میں شاعر کی تخصیص نہیں ہے) سے جب بھی آپ کا ذکر سُنا تو محسوس کیا کہ یہ اپنے استاد کا نہیں بلکہ پیر و مرشد کا ذکر کر رہے ہیں اور نہایت ہی عقیدتمند مُرید ہیں۔ مثلاً منشی ظہور محمد مرحوم پنشنر سررشتہ دار فوجداری۔ جب کبھی ذکر چھیڑتے تو گھنٹے۔ دو گھنٹے سے پہلے ختم نہ کرتے۔ بعض دفعہ تو اُن کی شفقت کا حال بیان کرتے کرتے آب دیدہ ہو جاتے۔ منشی گنیشی لال اجمیرا سابق منصرم جب ذکر کرتے تو جب بھی

مولوی صاحب کا نام لیتے۔ بلاقصد اُن کے ہاتھ جُڑ جاتے اور سر جُھک جاتا مولانا سُہا کی زبان سے جب کبھی بھی سُنا" دادا مولوی رشید الدین علیہ الرحمۃ" ہی سُنا۔ بہت سے مستند اہلِ علم و فضل کی زبان سے میں نے بارہا سنا ہے :۔

"مولوی رشید الدین عالم و فاضل ہی نہ تھے بلکہ عالم و فاضل گر۔ تھے"۔

"مولوی رشید الدین سے کسی نے ایک حرف بھی پڑھ لیا تو تمام عمر ننگا بھوکا نہ رہا"۔

"جے پور میں علوم کی روشنی و اشاعت مولانا ضیاء الدین اور مولوی رشید الدین کے انوار و رُشد کا نتیجہ ہے"۔

ایک واقعہ ایک بار متعلقہ یونیورسٹی کا مقرر کردہ انسپکٹر جو انگریز تھا۔ کالج کے معائنہ کو آیا تو آپ کے کلاس میں بھی گیا۔ آپ "دُرِ نادرہ" پڑھا رہے تھے۔ اُس نے پوچھا "مولوی صاحب! ہر لغت کے معنی سمجھانے میں کوئی دقت تو نہیں ہوتی"۔ آپ نے جواب دیا۔ "دقت کیا معنی؟ کہیئے تو میرے شاگرد "دُرِ نادرہ" جیسی دس کتابیں لکھ دیں"۔ پرنسپل نے جو ساتھ تھا آپکی شخصیت و فضیلت سے آگاہ کیا تو وہ معذرت خواہ ہوا۔

مدرسہ بُروں ہی کو اچھا بنانے کے لئے ہے ایک بار آپ کے چند شاگردوں کو اُن کی شرارتوں کی شکایت پر پرنسپل نے کالج سے خارج کردیا! اتفاق سے آپ اس وقت تک اُس روز کالج نہ پہنچے تھے۔ وہ سب آپکے انتظار میں کالج سے باہر کھڑے رہے۔ آپ آئے تو یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ سب کو ساتھ لے کر پرنسپل کے پاس پہنچے اور وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا "یہ بُرے لڑکے ہیں"۔ آپ نے کہا "مدرسہ بروں ہی کو اچھا بنانے کے لئے ہے"۔ اور سب کو اُن کے درجوں میں بھجوادیا۔

لباس و درس گاہ گرمی کے موسم میں۔ باریک ململ کی دوپلی ٹوپی۔ ململ کا سفید انگرکھا۔

مشروع کا وضعدار رنگین پاجامہ۔ دیسی نری کا سرخ جوتہ۔ ایک سیاہ یابو سواری میں تھا۔ جہاں راستہ میں کسی نے سلام کیا اور وہ ٹھیرا۔ اس لئے کہ ہر شخص بعد سلام کچھ نہ کچھ بات ضرور کرتا تھا۔ کالج پہنچکر۔ عمارت کی آخری چھت پر کلاس اس طرح لگتا تھا کہ بلا فرش چھت پر صدر میں زمین پر آپ بیٹھ جاتے تھے اور سامنے حلقہ باندھ کر شاگرد۔ یکے بعد دیگرے ہر درجہ کے طلبہ یہیں آتے رہتے اور سبق لیتے رہتے۔ اس زمانہ میں ہر موسم میں مدرسہ کا وقت صبح ہی کا ہوتا تھا۔ جاڑے میں عمامہ اور رومدار انگرکھا استعمال کرتے تھے اور درسگاہ کمرہ ہوتا تھا۔

تصانیف عربی، فارسی میں آپ کی سات تصانیف کا پتہ چلتا ہے جن میں سے ایک فارسی ادب میں "ریاضِ رنگیں" نامی محفوظ ہے۔ جو ۱۲۸۱ھ ہجری میں طبع ہوئی ہے۔ باقی کے لئے یہ تو تحقیق ہے کہ ایک آتش زدگی کے حادثہ میں جل کر ختم ہو گئیں مگر وہ کن علوم میں تھیں یہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ ایک کلیات میں عربی و فارسی کا اور دوسرے میں اردو کا کلام تھا۔

شاعری شاعری کا شوق کب سے ہوا۔ اور تلمذ کس سے تھا۔ یہ کچھ تحقیق نہیں۔ البتہ چند اشعار بطور نمونۂ کلام درج ذیل ہیں :-

ایک فارسی نظم کے پانچ شعر

بنظمِ بزمِ چمن اہتمامِ بادِ صباست ترانہ سنجیِ بلبل بہوئے گل زیباست

سبو سبو نکشد چوں مئے دو آتشہ گل کہ لالہ جامِ عقیقیں، صنوبرش میناست

ہنوز در طلبِ یک دو ساغر دیگر چو نیم مست اشاراتِ نرگسِ شہلاست

دمید روح نباتے بسبزہ زارِ چمن مگر ہبوبِ نسیمِ سحر دمِ عیسی است

بصحنِ باغ زگلہا طراز رنگا رنگ
نگار خانۂ فصلِ ربیع صنعِ خداست

ایک عزائیہ مسدس کے چھ بند :-

عشرے کو دمِ صبح نے صورت جو دکھائی بدلی جو ہوا غم کی ہوئی رنگ روائی
اُڑنے لگی مہتاب کے مُنھ پر بھی ہوائی مُرغانِ چمن کرنے لگے نوحہ نوائی
چلنے لگی وحشت میں اِدھر بادِ صبا بھی
غنچوں کے اُدھر ٹوٹ گئے بندِ قبا بھی

تاریکیاں طاری تھیں ہر اک جلوہ گری میں افسردگیاں ساری تھیں ہر تازہ تری میں
تاثیر تھی صرصر کی نسیمِ سحری میں داغِ دلِ گل تھا۔ گلِ داغِ جگری میں
گلہائے شگفتہ چمنِ آلِ عبا کے
زیبِ سرِ دستار تھے گلچینِ قضا کے

ریحاں سے گئی نازکی بولا کھوں ہی فرسنگ اور افسرِ ماتم زدگاں تھا گلِ اورنگ
غم سے، گلِ سوری کے شگوفے بدلِ تنگ ہر ہر گلِ مہندی کے بھی ہاتھوں کا اُڑا رنگ
خوں نوش جو تھے دردِ شہادت طلبوں سے
سُرخی تھی نمودار شگوفوں کے لبوں سے

حیراں سببِ دیدہ سپیدی میں سمن زار سوسن کی زباں وجہ کبودی کی طلب گار
اور آتشِ لالہ سے عیاں گرمیِ بازار سودا کے ہویدا رُخِ خورشید پہ آثار
چھایا تھا عجب چاندنی پہ یاس کا عالم
مانندِ کتاں تھا گلِ عباس کا عالم

حیرانیِ نرگس ہمہ حیرانیِ عالم سُنبل بھی پریشاں بہ پریشانیِ عالم
ہر سروِ سہی بے سروسامانیِ عالم نخلِ چمنی، غولِ بیابانیِ عالم
ہر سبزۂ نوخیز نمونہ تھا سناں کا
مشقہ تھا ہر اک تختۂ گلزار خزاں کا

سُنتے ہی موذن کی صدا اللہ اکبر جبریل کے پر ہو گئے حلقوم پہ خنجر
اور حلقۂ بے داد بنا خانۂ خاور خورشید تھا، خورشیدِ قیامت کے برابر

جاں بیچا اُس سُوق میں شاہِ دوسرا تھا
بیعانہ دو عالم تھے خریدار خدا تھا

فائز تخلص بھی ہے اور بطور اپنے قلمی نام کے بھی استعمال کرتے ہیں محمد عبدالحی نام۔ حضرت مولوی ہدایت علی خاں نقشبندیؒ کے فرزند سوم ہیں۔ نسباً افغان۔ وطنِ اصلی رام پور۔ اور سکونتِ مستقل جے پور عربی فارسی کی تعلیم مولانا قدیر بخش بدایونی مفتی راجستھان سے جے پور میں حاصل کی۔ اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی کی بہت سی اسناد کے مالک ہیں۔ پہلے سیاسیات آپ کا خاص میدان تھا مگر اب بعض احباب و متبعین کی سرد مہری و بے اعتنائی سے برداشتہ خاطر ہو کر کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ مقرر بہت اچھے ہیں طباع و ذکی ہیں۔ شعر بہت کم کہتے ہیں۔ یہ شعر آپ کا ہے :-

وہ زندگی نہیں کہ نہ ہو جس میں سوز و ساز دل زندگی کا راز ہے آنسو ہے دل کا راز

فدا تخلص۔ ریاض الدین احمد نام۔ اکبرآباد کے رہنے والے تھے۔ اور جے پور رزیڈنسی میں "میر منشی" تھے۔ عرصہ دراز تک یہاں مامور رہے۔ غلام محمد خاں رہاؔ اکبر آبادی سے تلمذ تھا۔ باعلم و صاحبِ ذوق شاعر تھے۔ حضرتِ رونق کے مشاعروں میں بھی شریک ہوئے ہیں اور ان کے بعد۔ راقم و مبین و ظہیر وغیرہ کی صحبتوں میں بھی دادِ سخن دیتے رہے۔ آپ کا دیوان طبع ہو گیا ہے۔ کلام میں پختگی۔ شوخی۔ متانت۔ مضمون آفرینی اور جدت طرازی نمایاں ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درجِ ذیل ہیں :-

کس پہ نظر ہے دیدۂ جاناں کو دیکھنا کس فکر میں ہے زُلفِ پریشاں کو دیکھنا

تیز جب نشۂ شراب ہوا — چہرہ کافر کا آفتاب ہوا

نیرنگِ دہر جلوۂ جانانہ بن گیا — کعبہ کہیں بنا کہیں بُت خانہ بن گیا

رات کو وہ آئے بدلا رنگ چرخِ پیر کا — پوچھتے کیا ہوا اثر اس نالۂ شبگیر کا

امید شہادت کی نزاکت سے نہیں ہے — وہ قتل کو اُٹھیں بھی تو خنجر نہ اُٹھے گا

کبھی خنجر کو کبھی اہلِ وفا کو دیکھا — آج قاتل ترے کوچہ کی ہوا کو دیکھا

مضمونِ چشم خوب پسند آئے یار کو — جس شعر پہ نظر پڑی اک صاد کر دیا

کاٹ کیا ہو ابروئے خمدار میں — بال سے ہیں بال اس تلوار میں

رخنہ انداز انہیں بند نہ کر بہرِ خدا — میری آنکھیں ہیں یہ روزن نہیں دیواروں میں

کوئی بغیر موت اگرچہ مرا نہیں — لیکن وہ تم پہ مرتے ہیں جنکی قضا نہیں

تو ہے زمین پر تو وہ ہے آسمان پر — تجھ سے سوا مزاج ترے پاسباں کا ہے

فدا تخلص۔ فدا حسین نام۔ میر مراد علی کے فرزند۔ میر قادر علی چراغ کے برادرِ خورد۔ جنھوں نے ان کے مرثیہ کی مثنوی "تاریخِ فدا" لکھی ہے، نسباً سید۔ وطن جے پور۔ خوش استعداد و ذی علم شخص تھے۔ "مہاراجا اورنٹیل کالج جے پور" میں اردو فارسی کے مدرس تھے۔ اور شاعر خوش فکر۔ مگر اب کلام نایاب ہے۔ حتیٰ کہ آپ کے برادرزادے میر ظفر حسین ظفر بھی کچھ نہ دے سکے۔ صرف ایک قطعۂ تاریخ بطور یادگار درجِ ذیل ہے۔ ۱۲۹۶ھ میں یہیں انتقال کیا۔

شہ نسیم نارنولی کی بنا — دیکھ کر سب نے کہا ایوانِ شاہ

جب کہ فرمائش ہوئی تاریخ کی — کہہ اُٹھا میں۔ اے خوشا ایوانِ شاہ

۱۲۹۲ ہجری

فدا تخلص۔ فدا حسین نام۔ وطن جے پور اور یہی مولد و مدفن۔

تعلیم و تلمذ فارسی مولانا مبین سے پڑھ کر اچھی خاصی استعداد پیدا کر لی تھی۔

حضرتِ آگاہ سے تلمذ تھا۔ شاعری کا شوق سنِ شعور سے پیدا ہوا۔ اُستاد کی شفقت اور ذی علم شرفا کی عاطفت نے اس میں اضافہ کیا۔ خواجہ تاشوں میں منشی عبد الحمید اخگر کی ہمنشینی نے مشق بڑھائی۔ فکرِ معاش سے بے نیاز تھے لہٰذا فکرِ شعر میں محو رہنے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اچھا شعر کہنا شروع کر دیا۔ آپکے خواجہ تاشوں میں یقیناً حضرت عزیز کے سوا اور کوئی آپسے زیادہ پُرگو نہیں ہوا۔

اساتذہ کی مجوزہ زمینوں میں طبع آزمائی کا شوق

یقیناً یہ منشی اخگر کی صحبت کا اثر تھا۔ نیز آگاہی اس باب میں عام طور پر دلیر ہیں کہ اساتذہ کی غزلوں پر غزلیں کہیں لہٰذا آپ کو بھی اس کا بے حد شوق تھا اور بعض دفعہ بہت اچھا شعر بھی کہتے تھے۔ چنانچہ انتقال سے کچھ پہلے میر کی مشہور غزل

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے		اُسکی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

کے جواب میں بھی اچھی غزل لکھی تھی جس کے دو شعر یاد رہ گئے ہیں ملاحظہ ہوں :۔

اُس کی زلفوں میں کیا اسیر ہوئے		دونوں عالم سے گوشہ گیر ہوئے
پوچھتے کیا ہو تم فدا کا حال		اُس کو مدت ہوئی فقیر ہوئے

اسی طرح میر انیس کے سلام

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو		خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

کے جواب میں جو سلام لکھا ہے اس میں آستینوں کا قافیہ خوب باندھا ہے۔ کہتے ہیں :۔

زہے شجاعتِ آلِ محمدِ عربی		صفیں اُلٹ گئیں اُلٹا جو آستینوں کو[1]

---

[1] میر انیس کے یہاں یہ قافیہ یوں ہے :۔
یہ جھرّیاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف پیری سے ؛ چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو۔
کسی صاحب کے اس شعر میں بھی جھُرّیوں کا مضمون خوب ادا ہوا ہے :۔
آئینہ میں اپنے رُخ کی جھُرّیاں دیکھا کئے ؛ کاروانِ عمرِ رفتہ کے نشاں دیکھا کئے۔ ۱۲

خطابات | یہ لے ایسی بڑھی کہ میر انیس کے سولہ[16] اور مرزا دبیر کے چار[4] مرثیوں کو مسدس سے معشر کر ڈالا۔ بعض صاحبان نے اس کو گستاخی کہا۔ کچھ نے فعل عبث قرار دیا اور اکثر نے محنت کی داد دی مگر مناسب و موزوں صلہ دینے پر سب متفق ہوئے۔ لہٰذا ستم ظریف اصحاب نے "معشر الشعرا" خطاب تجویز کیا اور اس کے ایسے عجیب معنی بیان کئے کہ فدا مرحوم نے اس کی قبولیت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھا چنانچہ یہ خطاب مع طلائی تمغا آپ کو پیش کیا گیا جس کے شکریہ میں آپ نے ۹ر مارچ ۱۹۳۵ء کو ایک بڑے پیمانہ پر مشاعرہ دیا۔ اس میں پاؤ پاؤ بھر کا ایک ایک لڈو رنگین کاغذ میں لپٹا ہوا ہر شاعر و سامع کو آپ کی طرف سے تقسیم کیا گیا۔

دوسرا خطاب "تربیع الملک" کا مذکور الصدر اصحاب نے آپ کو اس صلہ میں دیا کہ آپ نے عمر خیام کی رباعیوں کے جواب میں بمطابقت عدد بسم اللہ ۷۸۶ رباعیاں کہیں۔ اگرچہ یہ سب اردو میں ہیں مگر بعض رباعی بہت اچھی ہے۔
میں نے چاہا تھا کہ معشر کے دو ایک بند اور کچھ رباعیاں بطور نمونہ درج کردوں مگر باوجود کوشش دستیاب نہ ہوئیں۔

وضعداری | جے پور کے پہلے آل انڈیا مشاعرے میں جس شان سے غزل پڑھی اس کا ذکر "ماضی و حال" میں آچکا ہے۔ شعر پڑھتے وقت بیخود سے ہو جاتے تھے۔ جوش و خروش میں نیم قد تک کھڑے ہو جاتے۔ اور دونوں ہاتھ صف سامعین سے آگے تک نکل جاتے۔ زیادہ داد ملنے پر سرو قد کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ سے سلام کرتے۔

تصانیف | آپ نے حسب ذیل تصانیف چھوڑیں۔ مگر افسوس کہ طبع ایک بھی نہ ہوئی نہ آپ کی صاحبزادی فردوسی جان نے اس طرف توجہ کی، نہ آپ کے نواسے

حیرت جے پوری نے۔ جو "لال دوپٹہ" اور "آجا مورے بالماں تیرا انتظار ہے" کی بدولت۔ فلمی دنیا میں کافی مشہور ہیں۔

(۱) دیوانِ غزلیات۔ (۲) نعتیہ دیوان۔ (۳) مجموعۂ عشرات۔
(۴) مجموعۂ رباعیات۔ (۵) ہفت قلزم یعنی مجموعۂ سلام و مجرا۔ (۶) شش جہت یعنی مجموعۂ مخمسات و مسدسات وغیرہ۔
(۷) دیوانِ منقبتی۔ (۸) متاعِ ضربات درفنِ موسیقی۔ (۹) گنجینۂ اسرارِ مخفی درفنِ موسیقی۔
(۱۰) تنقیحات۔ ایک مقالہ متعلق موسیقی۔

کلام پر تبصرہ آپ کے کلام میں پختگی و پُرگوئی اور مشاقی کے علاوہ مضمون آفرینی و بلند پروازی بھی پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام کلام کا نمونہ حسبِ ذیل ہے:۔

جگر میں ٹوٹ رہنا گاہ دل کے پار ہو جانا
ترے ناوک سے کوئی سیکھ لے عیار ہو جانا

عدم میں فرد تھا ہستی میں لاجواب ہوا
کہاں کہاں میں بشر ہو کے انتخاب ہوا

کسی کی راہ میں مجکو بھی کیا کیا لُطف حاصل تھا
نہ اُٹھا سر کہ ہر نقشِ قدم سجدے کے قابل تھا

ٹھوکر بھی جو کھائی تو گرے اُسکے قدم پر
ہم سے نہ ہوا ترکِ ادب لغزشِ پا میں

نیکی کے عوض آئے ہیں کیا کام گنہ آج
رونق مری فریاد سے ہے روزِ جزا میں

پھر جینے کو اک حشر کا جھگڑا نکل آیا
ہم چھپ نہ سکے مر کے بھی دامانِ قضا میں

کیونکر میں کہوں ہمقدم اُس کا نہیں دشمن
نقشِ کفِ پا اور ہے نقشِ کفِ پا میں

اُٹھے تھے ابھی ہاتھ کہ اُمّید بر آئی
بس بات یہی چاہیئے تاثیرِ دعا میں

جو ہیں بافیض مٹنے پر بھی اُن کا فیض جاری ہے
جہاں میں آج تک سے ہے نشانی ساغرِ جم کی

صدا ہر قم باذنی کی انا الحق کوئی کہتا ہے
خدائی کر رہی ہے خلق میں اولادِ آدم کی

رہِ غم میں ایسا مٹا ہوں کہ اب تک
مجھے رو رہے ہیں جرس کارواں کے

فرحت تخلص۔ احمد حسین نام۔ قاضی اشرف حسین کے فرزند اکبر۔ اصل وطن قصبہ سنگھانہ (ضلع شیخاواٹی) تھا۔ وہاں کے قاضی صاحبان میں سے تھے۔ آپ کے بزرگ جے پور آئے۔ اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ نسباً شیخ صدیقی۔ "اورینٹل کالج جے پور" سے "منشی فاضل" پاس کیا تھا۔ فارسی استعداد اچھی تھی۔ عربی کی تعلیم جاری تھی کہ ملازم ہوگئے۔ آخری زمانے میں "کورٹ آف وارڈس جے پور" میں سررشتہ دار تھے۔ حضرتِ مائل سے تلمذ تھا۔ دیوان نہایت خوش خط لکھا ہوا مکمل تھا یہ دیوان میری نظر سے بھی گزرا ہے اور سنہ ۱۹۴۸ء تک محفوظ تھا۔ اسکے بعد جب آپ کے فرزندِ اکبر مصلح الدین صاحب پاکستان جانے لگے تو میں نے قیمتاً یا امانتاً اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی مگر انھوں نے منظور نہ کیا۔ پاکستان جاکر اُن کا بحالتِ فاترالعقلی انتقال ہوگیا۔ اب دیوان کا کچھ پتہ نہیں فرحت کے نبیرگان مظہر النعیم اور رضی الدین سے میں نے معلومات کی۔ مگر ان کے علم میں کچھ نہیں ہے۔ آپ کافی مشاق شعرا میں تھے۔

بطور یادگار پانچ شعر درجِ ذیل ہیں:-

شکایت کیا کریں وعدہ خلافی کی وہ کہتے ہیں
حسینوں کی تو عادت ہی نہیں وعدہ وفا کرنا

نکلنا جان کا آساں نہیں ہوتا جدائی میں
سحر ہونی بہت دشوار ہوتی ہے شبِ غم کی

دلِ بیتاب کی تسکین کو یہ بھی اک سہارا تھا
وفا کا ذکر ہی کیا ہے جفا بھی آپ نے کم کی

یہ سُرعت سے گزری نہ دیکھے زمیں پر
نشانِ قدم تک بھی عمرِ رواں کے

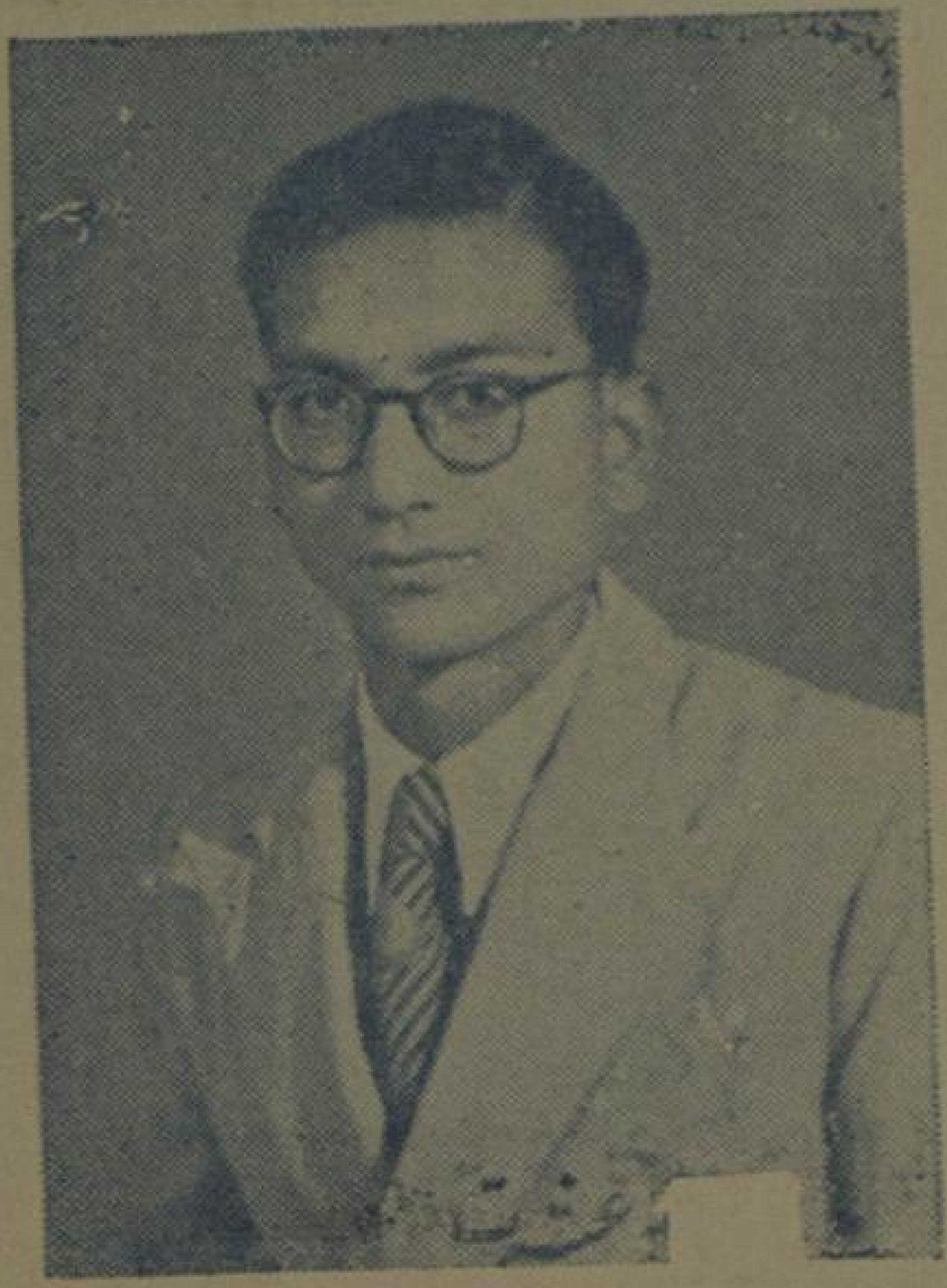
اللہ کیا بشر کا تجھے اعتبار ہے
اک مُشتِ خاک اور ترا رازدار ہے

فضا تخلص۔ محمد ایوب خاں نام۔ وطنِ قدیم فرخ آباد (یو۔پی) وطنِ حال جے پور یہاں وکالت کرتے ہیں۔ اور پُرانے زمانے کے اچھے وکلا میں ہیں۔ حضرتِ جوہر سے تلمذ بھی ہے اور اُن کے جانشین بھی ہیں۔ اپنے اُستاد کی طرح


عاصم


زین العابدین خاں عابد


فاضل

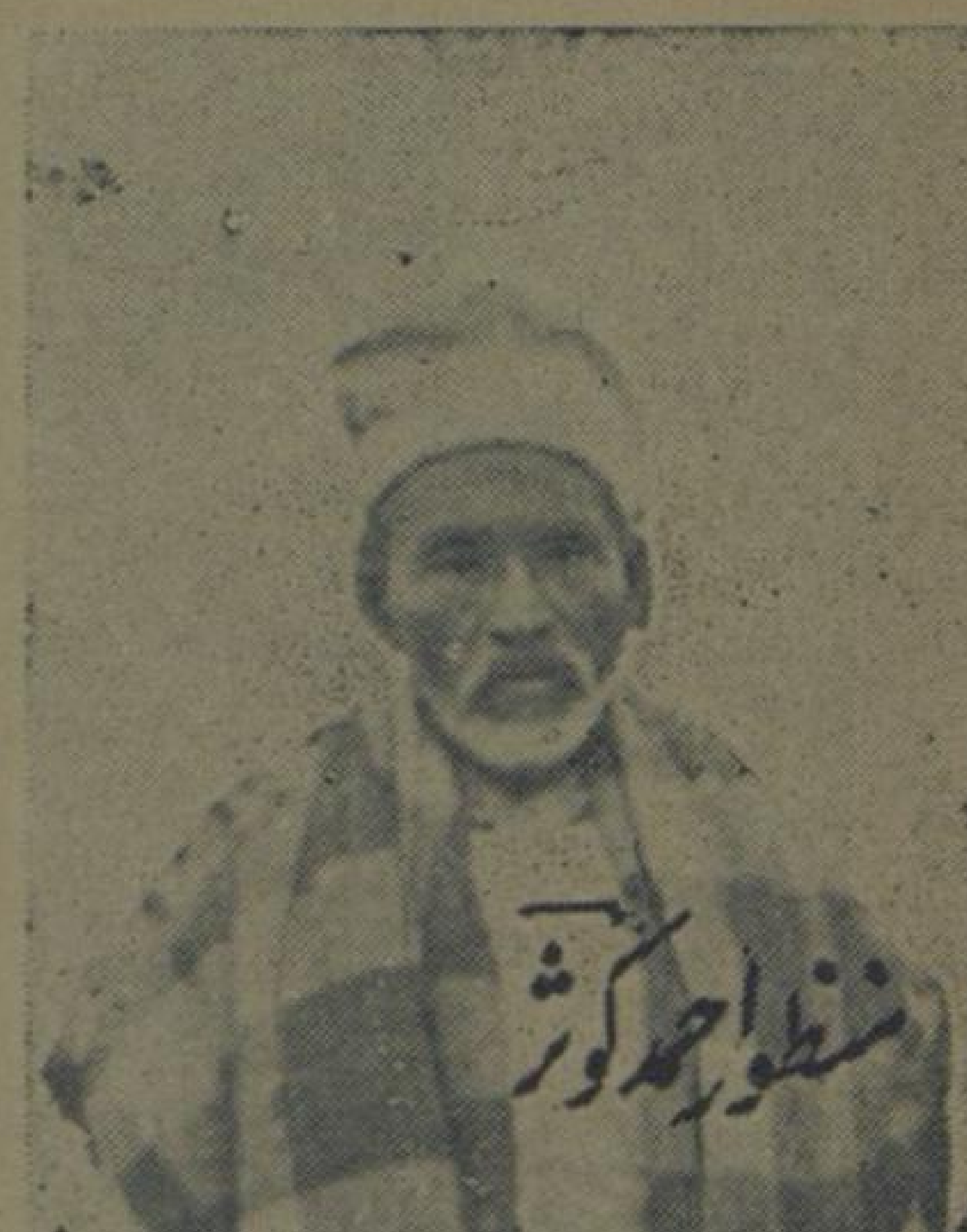





فضا


قمر


کامل


منظور احمد کوثر


کوکب


کیفی


ماہر

تحت اللفظ بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ جانشینی تک مشاعروں میں برابر شریک ہوتے تھے اس کے بعد سے کمی ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اب شاذ و نادر ہی کسی صحبتِ سخن میں نظر آتے ہیں۔ کلام میں زور اور حضرتِ جوہر کے رنگ کی جھلک ہے۔ میں نے آپ سے حالات اور انتخابِ کلام عطا کرنے کی استدعا کی مگر وعدہ شرمندۂ وفا نہ ہوا۔ جو کچھ کلام مجھے مل سکا اُس میں سے چند اشعار بطور نمونۂ کلام درج ذیل ہیں:-

مزے آ گئے وقتِ شہادت وصلِ باہم کے
مری گردن پہ خنجر تھا مرے سینہ پہ قاتل تھا

بتوں کے عشق میں مجکو خدا نظر آیا
گناہ کرنے سے ہیں داخلِ ثواب ہوا

آتا ہی نہیں ہائے اثر میری دُعا میں
بندے کی سماعت نہیں درگاہِ خدا میں

کچھ وہ ہی سمجھتا ہے جسے کام پڑا ہو
جادو سا ہے جادوئے نگہِ ہوش رُبا میں

فضا کچھ چاٹ ایسی دخترِ رز کی پڑ گئی ہم کو
نہ چھوٹی مرتے مرتے بھی بہت چاہا بہت کم کی

قاتل ہی کے قدموں پہ گرا حشر کے دن بھی
انساں کی بدلتے ہوئے عادت نہیں دیکھی

ہائے دشمن سے انھیں دست و گریباں دیکھا
خواب دیکھا بھی تو کیا خواب پریشاں دیکھا

یہ بھی تقدیر میں لکھا تھا کہ سب نے مجھ کو
کوچۂ غیر میں اور سر بگریباں دیکھا

نکلے جنت سے مگر پھر بھی ہیں جنت ان کی
کچھ عجب چیز ہیں یہ حضرتِ انساں دیکھا!

یہ تو فرمایئے حضرت کی بغل میں کیا ہے
آپ کو ہم نے فضا صاحبِ ایماں دیکھا

فضل

تخلص۔ میر فضل محمود تاریخی نام ہے اس طرح سنہ ولادت ۱۲۵۸ھ ہے۔ مولد و مدفن ریواڑی ضلع گوڑگانوہ۔ والدِ بزرگوار کا نام حکیم سیّد طفیل علی۔ جدِ امجد کا اسمِ گرامی حکیم سید محمود علی تھا۔ سیّد نجیب الطرفین تھے۔ اصل وطن نارنول تھا اور آپ کا خاندان۔ خاندانِ محتسبان کے نام سے مشہور تھا اس لئے کہ آپ کے متعدد بزرگ محتسب شہر رہے تھے۔ نارنول سے سکونت ترک کر کے ریواڑی میں آپ کے والدِ بزرگوار آباد ہوئے۔ جو بہت بڑے مرتبے کے

طبیب بھی تھے، اور عالمِ باعمل بھی۔ آپ کو بھی علمِ طب میں کمال حاصل تھا، اور اُس نواح میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ مسلمانوں سے زیادہ ہندو۔ اور ہندوؤں سے زیادہ مُسلمان آپ کے مُعتقد و ارادت مند تھے۔ قصبۂ ریواڑی میں رئیسانہ زندگی بسر کی۔ اور بہت بڑی عزّت و شہرت کے مالک تھے۔ مردانہ مکان مہمانوں اور عقیدتمندوں سے بھرا رہتا تھا۔ سرکاری مدرسہ میں برائے نام فارسی کے مدرّس بھی تھے۔ مگر اصل ذریعہ آمدنی طبابت اور عقیدتمندوں کے نذرانے تھے۔ فنِ موسیقی و مصوّری کے بھی قدردان تھے اور ان میں خاصی بصیرت تھی۔ جانوروں سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ کبوتر۔ مُرغ۔ بلبل۔ لال۔ طوطے اور تیتر آپ کے یہاں بہترین نسل کے تمام عمر رہے۔ اور ان کا شوق رکھنے والے لوگ کثرت سے آپ کے شاگرد تھے۔ فنِ طب میں بھی بہت لوگوں نے باقاعدہ استفادہ کیا۔ موزونیِ طبع کی بنا پر شعر کہتے تھے مگر ہمیشہ نعت یا مُناجات۔ تلمذ کسی سے نہ تھا۔ شعر نہایت سیدھا سادہ اور جذبات کا عکس ہوتا تھا۔ نعتیہ دیوان مطبوعہ یادگار ہے۔ جے پور سے قریبی اور گہرا تعلق تھا۔ اعزہ و اقارب اور بہت سے دوست احباب یہاں آباد تھے اس لئے بکثرت یہاں آمد و رفت تھی اور کافی دن قیام رہتا تھا۔ اس لئے یہاں کی علمی و ادبی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے۔ دو شعر تبرّکاً درجِ ذیل کرتا ہوں۔

۱۷ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۱۹ء کو ریواڑی میں انتقال کیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

جلاتی ہی مجھے ہر دم رسول اللّٰہ کی فرقت ۔۔۔ نہ دل کو چین حاصل ہے نہ ہے اب جان کو راحت
کوئی ایسا سبب ہو ہند سے جاؤں مدینہ کو ۔۔۔ یہی ہے آرزو باقی یہی ہے اب حسرت

فقیر تخلص۔ فرزند علی نام۔ پہلے نشاط تخلص کرتے تھے۔ اس کے تبدیل کرنے کی وجہ حسبِ ذیل قطعہ میں بیان کرتے ہیں اور اپنا سلسلۂ تلمذ بھی:۔

شاگرد ہوں میں حضرتِ شورِ[1] شریف کا — اور شور باغِ حضرتِ گل[2] کے تھے خوش صفیر
اور گل وہ تھے کہ اُن کی بہارِ کلام سے — آتی مشامِ عقل میں تھی بوئے باغِ میر[3]
اُستاد کی عطا ہے تخلص مرا نشاط — کرتا رہا اطاعتِ حکم آج تک فقیر
ہے انقلابِ دورِ فلک سب پہ آشکار — پہلے تو میں جوان تھا اب ہوگیا ہوں پیر
دورِ نشاط ختم ہوا اب کہاں نشاط — کیسی نشاطِ عمر۔ کہ ہے نوبتِ اخیر
میں چاہتا ہی تھا کہ تخلص کروں کچھ اور — احباب بھی ہوئے مرے اس باب میں مشیر
ناچار لے کے حضرتِ تسلیم[4] سے رضا — قطعِ نظر نشاط سے کی ہو گیا فقیر
یارو خدا کے واسطے اب میں فقیر ہوں — کوئی فقیر پر نہ کرے اس میں دار و گیر
پیری میں فکرِ شعر جوانانہ کرنے سے — عاجز ہے بندہ، ہاں مگر اللہ ہے قدیر

آپ نسباً شیخ عباسی اور مذہباً اہلِ سُنّت والجماعۃ تھے۔ غالباً نواحِ پانی پت کے باشندے تھے۔ آپ کے بزرگوں میں سے کوئی صاحب جو درویش تھے مہاراجہ سوائی جے سنگھ بانیِ جے پور کے عہد میں یہاں اس وقت آئے کہ جب جے پور کی داغ بیل پڑ رہی تھی۔ کہیں کہیں کچھ جھونپڑیاں نظر آتی تھیں۔ چنانچہ وہ بھی ایک پٹریہ ڈال کر یادِ الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ یہ مقام اب محلہ بساطیان، چوکڑی گھاٹ دروازہ میں ہے۔ اور "قاضی جی کا چوک" کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے بعد حضرتِ فقیر کے پردادا جانشین ہو کر درویشانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کو بطور مددِ معاش اور صلہ قضائت سرکار سے ایک گاؤں عطا ہوا اور وہ قطعہ زمین بھی برائے رہائش ملا کہ جس پر اب قاضی صاحبان کے مکان ہیں۔

حضرتِ فقیر نے سرکاری ملازمت بھی کی اور آخر میں خانہ نشین ہوگئے تھے۔

۱؎ شیخ عطا حسین شور ۱۲ ۲؎ مرزا اکبر علی خاں گل ۱۲ ۳؎ میر محمد تقی میر ۱۲ ۴؎ مولوی سلیم الدین تسلیم ۱۲

شعر و شاعری کا خاص ذوق تھا۔ مشاعروں میں شریک ہو کر دادِ سخن دیتے تھے مولانا حالی جب جے پور آئے تو آپ ہی کے یہاں فروکش ہوئے تھے۔

حضرت فقیر کے خاندان میں سے قاضی حشمت علی عباسی نے خود کے پاس ایک قلمی کتاب ہونا ظاہر کیا تھا کہ جس میں اس خاندان کے مفصل حالات اور جے پور کے بہت سے تاریخی واقعات درج ہونا ظاہر کیا تھا۔ نیز حضرت فقیر کے اُردو و فارسی کے دیوانوں کی موجودگی بھی تسلیم کی تھی اور ان ہر سہ کتب کے دکھانے کا بھی اقرار کیا تھا۔ چنانچہ میں کئی بار حاضر ہوا مگر ان کے نہ ختم ہونے والے وعدے شرمندۂ ایفا نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ وہ پاکستان چلے گئے۔ لہٰذا جو کچھ کلام مجھے میسر آسکا اس میں سے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل کرتا ہوں۔ کلام میں پختگی۔ بندشوں کی مضبوطی اور شوخی بخوبی ظاہر ہے۔

ازل سے آئے تھے دنیا میں ہم کس کس تمنا سے
یہاں آ کر الٰہی جز غم و اندوہ کیا پایا

خارِ صحرا کی قسم، پنجۂ وحشت کی قسم
عمر بھر ہم نے نہ دامن نہ گریباں دیکھا

دیکھیں تو، اُسے دیکھ کے کافر نہ ہو واعظ
حضرت کو بڑا ناز ہے پابندیٔ دیں پر

اپنی آنکھوں سے رواں خونِ جگر دیکھتے ہیں
رنگ پر اب تو تجھے دیدۂ تر دیکھتے ہیں

کیا وہ غمخوار ہیں، اپنے سرِ بیکاں کے لئے
گاہ دل دیکھتے ہیں گاہ جگر دیکھتے ہیں

دیکھنا خوب ہو بیری میں حسینوں کا فقیر
اُٹھ کے اچھوں ہی کا مُنھ وقتِ سحر دیکھتے ہیں

بلبل نے یادِ گل میں عبث اپنی جان دی
نخلِ مُرادِ عشق میں ہے ہی ثمر کہاں

بہت سیاہ ہے لوحِ مُراد دیکھو تو
لکھا ہوا ہے ہمارا بھی اس میں نام کہیں

دلربا تم نہ سہی دلبر و دلجو نہ سہی
اور کچھ بھی نہ سہی خیر، دل آزار تو ہو

دیتا نہیں جگہ وہ کسی خاکسار کو
ہے آفریں تمہارے دلِ بے غبار کو

قیامت کا ماتم ہے کس کس کو رووُں
نہ پہلو میں دل ہے نہ قالب میں جاں ہے

مرے دردِ دل سے بنایا تھا جس کو جفائیں تو دیکھو وہی آسماں ہے
دامِ تزویر سے تو چھوٹے ہوئے ہیں بارے واعظو ہم خمِ گیسو کے گرفتار سہی
ہاتھ کو کیا ہے گریباں سے عداوت آخر آبلوں کو تو مذاقِ خلشِ خار سہی

روزِ ازل سے اپنے زمانہ تک اے فقیرؔ
معشوق جو جہاں میں ہوئے بے وفا ہوئے

قتیل تخلص جمید الحسن نام نسباً سیّد مذہباً شیعہ۔ والد بزرگوار کا نام میر باقر حسین جو یہاں کے اچھے مرثیہ خواں تھے۔ وطن قصبہ پہرسر ضلع بھرت پور تھا اور مستقل سکونت جے پور۔ حضرت نسیم بھرتپوری سے تلمذ تھا، مشاق و پرگو تھے۔ متعدد نو مشق آپ سے اصلاح لیتے تھے۔ تحت اللفظ اچھا پڑھتے تھے۔ مرثیہ خواں بھی تھے۔ کلام بہت کچھ چھوڑا تھا مگر اب نہیں ملتا۔

سید شوکت حسین کاظمی بی۔ اے۔ نے ایک مبسوط مضمون بعنوان "حقوقِ والدین و فرائضِ اولاد" لکھا ہے۔ جو رسالہ "شادماں" جے پور میں ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۶ء تک بالاقساط شائع ہوا ہے اس میں جا بجا آپ کے اشعار بھی ہیں جو اخلاقی و اصلاحی ہیں، بطور نمونہ چند درج ذیل ہیں :۔

کیا خوب ہدایت ہی یہ اربابِ صفا کی ماں باپ کی طاعت بھی عبادت ہی خدا کی
ترقی اپنے سے بڑھ کر کسی کی کس کو بھاتی ہی فقط ماں باپ ہی میں یہ تمنا پائی جاتی ہی
سختیاں دل میں سمجھتے ہو جنھیں ماں باپ کی ان میں بھی مضمر فلاح و بہتری ہی آپ کی
تلخ دارو دشمنی سے جب نہیں دیتا طبیب کب عداوت پر ہوں مبنی سختیاں ماں باپ کی
وقت بے وقت میں بھی فرق بڑا ہوتا ہی وقت پر قطرہ بھی دریا سے سوا ہوتا ہے
ہر سخن اپنے محل پر ہی بھلا ہوتا ہے بے محل سانس کا لینا بھی برا ہوتا ہے

جے پور میں ۶ مارچ ۱۹۲۷ء کو انتقال کیا۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے

جس میں شوخی وآمد اور زور پایا جاتا ہے :-

اللہ رے سیر چشمی رندانِ بادہ کش
رکھدی اُٹھا کے طاق میں صوفی کے نام کی

مرے خط کے پُرزے اڑا کر یہ بولے
یہ ارمانِ دل ہیں کسی نیم جاں کے

غبارِ غریباں کی اللہ رے رفعت
کہ اُڑ اُڑ کے پہنچا پرے لامکاں کے

نہ کر اس قدر نالۂ گرم بلبل!
نہ جل جائیں تنکے کہیں آشیاں کے

قدسی تخلص۔ محمد عبدالرزاق نام بنسباً سیّد۔ مذہباً سنی حنفی۔ اصل وطن قرولی ہے (سابق ریاست) جے پور میں مستقلاً مقیم ہیں۔ سمت ۱۹۳۵ بکرمی میں آپ کی قرولی میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم فارسی عربی کی گھر پر پائی۔ مگر علمی وادبی مشاغل کے بجائے تفریحی مشغلوں میں نوجوانی اور کچھ حصّۂ جوانی گزرا تھا کہ سنہ ۱۸۹۸ء سے سنہ ۱۹۰۳ء تک دہلی میں حکیم عبدالمجید خاں اور حکیم واصل خاں مرحومین کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا اور حکیم اجمل خاں کے خواجہ تاش ہونے اور اُن کی رفاقت کا وقت آیا۔ اس زمانے میں علمی مشاغل میں انہماک کلی رہا۔ اور طب، منطق۔ فلسفہ طبعیات، الٰہیات اور ادبیات وغیرہ میں مہارتِ تامّہ حاصل کی۔ آپ کے طبّی ساتھیوں میں حکیم الیاس خاں پروفیسر طبّیہ کالج دہلی وصدر یونانی کانفرنس اور حکیم انوار احمد منیجر ہندوستانی دواخانہ دہلی وغیرہ ہیں۔ دہلی سے فارغ التحصیل ہوکر آنے کے بعد۔ زیادہ وقت مہاراجہ قرولی کی دربارداری اور اپنی جاگیر کے موضع کی دیکھ بھال میں گزارا۔ اور بطور مشغل دفع الوقتی طلبہ کو درس بھی دیا اور مریضوں کو نفع بھی پہنچایا۔ مگر اہلِ کمال کے مخصوص استغنا کا دامن ہاتھ سے نہ دیا دیسے بمبئی کا بھی سفر کیا۔ اور دیگر مقاماتِ معروف پر بھی گئے۔ مگر مالی حالت درست نہ ہوئی۔

میں لئے آپ سے حالات اور کلام عطا کرنے کی درخواست کی تو رقم فرمایا

در کلبۂ درویشے در محنتِ بے خویشے بگذار مرا با من ہر سُو مکن افسانہ

اور تحریر کیا کہ :-

مکن ہلاک کہ شادم بنا روائی خویش بروئے من مکشا چشمِ اعتبارِ مرا

چشم کشودہ اند بکردارہائے من زائیدہ ناامیدم و دوز گردہ شرمسار

شاعری جب تک دہلی نہ گئے تھے۔ برقؔ تخلص کرکے اُردو میں شعر کہتے تھے اور مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ مگر یہ کلام آپ کو پسند نہ آیا مُبتذل سمجھا۔ اور تلف کردیا۔ دلّی سے واپسی پر فارسی میں طبع آزمائی فرمائی۔ قدسیؔ تخلص کیا اِس فارسی کلام کے بقولِ خود حضرتِ قدسیؔ نے دو حصّے کئے ہیں۔ ایک کو آپ مُغلق۔ کا خطاب دیتے ہیں۔ یعنی شانِ علمیت و فلسفیت لئے ہوئے۔ شعریت ہو تو ہو۔ وَ اِلّا ضروری نہیں۔ مثلاً ۹۹ شعر کا ایک قصیدہ ہے جس کے چند شعر ملاحظہ ہوں :-

رہرو ملکِ سخن یعنی کہ طبعِ نکتہ زا اشہبِ میدانِ معنی فکرِ جودت انتما

ایں بکے اندر قمودِ دامِ عزلتِ منضمحل در تگاپوئے تردد وانِ گر فرسودہ پا

چند اشعار کے بعد تلازمۂ بہار بعد مطلعِ ثانی

باز صحنِ بوستاں شد مایۂ نورِ نظر باز اعجازِ مسیحامی کند لطفِ ہوا

گل بکف آید نبات از حکمِ قوتِ بلفعل می کند طفرہ مگر در طیِّ درجاتِ نما

بعد سبزہ لاتناہی فلسفی برہاں بیار جزو را کل می کند عندالتطابق ناہیا

در قفائے صحنِ گلشن سُلّمِ سُلّم شکست از نمو لایستقرالسطح کیف الزادیا

دوسرا حصّہ۔ جذباتِ دلی کے اظہار کے لئے ہے۔ مثلاً ایک قصیدہ حضرتِ غوث پاکؒ کی منقبت میں لکھا ہے۔ مطلعِ اوّل میں ہوا کو مخاطب کرکے چند اشعار کہے ہیں۔ پھر مطلعِ ثانی فرماتے ہیں :-

از کلبۂ گدایاں تا قصرِ شہریاراں | ہر جا تو بار یابی بے دار و گیر درباں
آسودہ از دمِ تو در ماندگاں بصحرا | نازاں بیاریٔ تو در بحر ناخدایاں
در خواب خفتگاں را راحت دہی بہ بستر | دامن کشی سحر گہ بر اشکِ شب نشیناں
در خاک بے نوائے بر تخت پادشاہے | از لطفِ جنبشِ تو در کیفِ خواب یکساں
بر بوئے آنکہ آری گردے زکوئے یارے | ہر صبح فرشِ راہت چشمِ امیدواراں

بعد چند اشعار۔ وہاں پہنچ کر، صبا دیکھتی ہے۔ صبا کو ہدایت عرض

ہاں اے صبا خدا را بہر درونِ ریشم | بارے گزر نمائی در خاکِ پاکِ گیلاں
بر مسندِ فقیری بنشستہ پادشاہے | بر سر کلاہِ فقر و در کف عنانِ دوراں
پس عرض کن بمنّت سر بر زمیں نہادہ | کاے دستگیرِ عالم محبوبِ خاصِ یزداں
تو شاہِ انس و جانی مقصودِ دو جہانی | سلطانِ لامکانی ای صدرِ بزمِ امکاں
اے صاحبِ کرامت افتادہ ام براہت | جانم فدائے آستانت نظرے بخاکساراں

فی زمانہ باوجود ضعیفی و پریشاں خاطری نیز مصروفیات مطب۔ محض تقاضائے علم و ادب سے مجبور ہو کر۔ مرزا غالبؔ کے اُن مشکل اشعار کی شرح لکھنے پر متوجہ ہیں کہ جن کو شارحین نے مہمل و بے معنی قرار دیا ہے۔ یا معنے کرنے میں حضرتِ قدسیؔ کے خیال سے غلطی کی ہے۔

راقم الحروف نے حسبِ ذیل اشعار کی شرح دیکھی جو حضرتِ قدسیؔ نے نہایت دقتِ نظر و تعمقِ فکر سے تمام شارحین کے اقوال و اعتراضات کو سامنے رکھ کر اُن کی مدلل تردید کی ہے اور معنیِ اشعار بیان کئے ہیں:۔

بہ فیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں ہے | کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گُل
یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

اس دورِ قحط الرجال میں آپ کی ہستی بسا غنیمت ہے۔

قدسی تخلص۔ ولی احمد خاں نام۔ نسباً افغان۔ نواب امیر خاں بانیٔ ریاست ٹونک کے پڑپوتے ہیں۔ والد بزرگوار کا نام صاحبزادہ علی احمد خاں اور جدامجد حضرتِ رونق تھے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ بزرگوں کا اصل وطن تو بنیر تھا مگر پڑدادا نے ٹونک کی ریاست قائم کی اور جدامجد نے مستقل سکونت جے پور کی اختیار کرلی اس لئے اب یہی وطن ہے اور سکونت مستقل جے پور لیفٹیننٹ کرنل اعزازِ منصب ریاست جے پور کے تشینی تعظیمی سردار ہیں اور ریاست ٹونک کے شاہی خاندان سے۔

ولادت و تعلیم جناب قدسی سنہ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ جے پور اور لاہور کے مدارس سرکاری میں تعلیم حاصل کر کے۔ ایم۔ اے اور ایم۔ ایف۔ (علوم مشرقی) کی ڈگریاں حاصل کیں۔

تصانیف اور خدمتِ علم و ادب آپ کے متعدد مضامین مختلف رسائل و جرائد میں طبع ہو چکے ہیں۔ جن میں طنز و مزاح کے ساتھ ادبی چاشنی اور بلند و شستہ خیالی خوب ہے۔ یہی آپ کی طرزِ خاص ہے۔ حسبِ ذیل آپ کی مستقل تصانیف ہیں:-

(۱) مختصر دنیا (۲) اچھوتا سفر (۳) انشائے سلمیٰ (۴) محاوراتِ داغ اور (۵) انگریزی محاورات با ترجمہ اُردو ہندی۔

دہلی و پنجاب یونیورسٹیوں، اجمیر بورڈ، اور فیڈرل پبلک سروس کمیشن آف انڈیا کے پانچ چھ سال ممتحن رہ چکے ہیں۔ تعلیمی بورڈ میرواڑہ۔ سنٹرل انڈیا، ایجوکیشن کانفرنس اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی تھے۔ مسلم ایجوکیشن کانفرنس علی گڈھ، ریڈ کراس، اور سینٹ جانس ایمبولینس سوسائٹی کے لائف ممبر ہیں۔

ملازمت آپ ریاست جے پور میں منصف و مجسٹریٹ رہے۔ پھر مختصر عرصہ

ریاست سروہی میں چیف منسٹر۔ پھر ریاست دوجانہ میں دیوان ریاست، پھر ریاست ٹونک میں منسٹران ویٹنگ، اور بعد میں ہزہائی نیس نواب صاحب ٹونک کے ایڈوائیز (مشیر) فی زمانہ جے پور میں مستقلاً مقیم ہیں۔

شاعری | شعر و سخن کا ذوق طبعی ہے۔ اور نہایت ستھرا مذاق ہے۔ مولانا اطہر سے اصلاح لی ہے۔ اگرچہ کم کہتے ہیں۔ مگر جو کچھ کہتے ہیں وہ خوب ہوتا ہے۔ آپ کی متعدد نظمیں شائع بھی ہو چکی ہیں۔ اپنا کلام اور مضامین محفوظ نہیں کرتے۔ آپ کے صاحبزادے خلیل احمد خاں ایم اے ایل ایل۔ بی کا بھی ادبی ذوق اچھا ہے۔ ان کی بھی دو تصانیف "راتیں اور باتیں" اور "اسلامی ریاستیں" شائع ہو چکی ہیں۔

نمونۂ کلام | کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:۔

اک ہجوم یاس ہے جس وقت گھبراتا ہوں میں
دم نکلتا ہی نہیں گھبرا کے رہ جاتا ہوں میں

کوئی مجبوری وہاں ہے۔ بانئ جلوہ گری
یہ دلاسا دیکے اپنے دل کو سمجھاتا ہوں میں

ان کا جلوہ دیکھ کر بے طرح بے شرطِ قبول
اک فورِ شوق میں سجدے کئے جاتا ہوں میں

آنے سے ضد۔ بلانے سے ضد۔ نامہ بر سے ضد
اللہ میری کیسی مصیبت کی بات ہے

قرآں پہ ہاتھ رکھ دیا مسجد میں بیٹھ کر
اس پر بھی بدگمان ہو حیرت کی بات ہے

قمر | تخلص۔ (راوت) آنند سنگھ نام، ٹھکانہ مہار کلاں (ریاست جے پور) کے جاگیردار تھے جو تعظمی ٹھکانہ تھا۔ حضرت آگاہ سے تلمذ تھا۔ شفیق استاد نے دیوان قریب تکمیل پہنچا دیا تھا۔ مگر اب تلاش ہی بے سود ہے۔ یہ شعر بطور یادگار درج ذیل ہے:۔

تصور میں چھپ چھپ کے آتے ہیں کیونکہ
انھیں تو ہیں پردے لگے اک جہاں کے

قمر تخلص۔ احمد علی شاہ نام۔ "جعفری صاحب" عرف عام۔ نسباً سیّد جعفری۔ وطن اکبر آباد۔ مسکن جے پور۔

شرافتِ نسب آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید ابراہیم قطب مدنیؒ شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں واردِ ہندوستان ہوئے۔ آپ کے جدِ امجد حضرت مولانا امجد علی شاہ قادری المتخلص بہ اصغرؒ متعدد سلاسلِ باطنی کے پیشوا تھے۔ اور پھر آپ کے جدِ بزرگوار حضرت مولانا مظفر علی شاہ اللّٰہیؒ۔ صاحب "جواہرِ غیبی" مقتدائے عصر و رہنمائے شریعت و طریقت رہے۔ اطرافِ ہند میں اُن کا فیض جاری و ساری تھا۔ حضرت قمر کے والد ماجد حضرت مولوی سید اصغر علی شاہؒ اپنے وقت کے مرجعِ خواص و عوام اور سرآمدِ روزگار بزرگ تھے اور اب آپ کے برادرِ بزرگ سید محمد علی شاہ میکشؔ قادری و نیازی ان فضائلِ آبائی کے حامل اور فنِ شعر و ادب میں کامل ہستی ہیں۔ دولتخانہ آگرہ کے میوہ کڑے میں ہے۔[1]

ولادت و تعلیم قمر۔ فروری ۱۹۰۴ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ صرف تین ماہ کی عمر تھی کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ تین چار برس کی عمر سے لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ تقریباً پانچ سال کی عمر تھی کہ قرآن مجید ختم کیا۔ اور فارسی شروع کر کے گلستاں و بوستاں کے چند باب ختم کئے۔ تقریباً سات سال کی عمر میں عربی شروع کی اور دس برس کی عمر ہو گی کہ صرف اور نحو کی تمام درسی کتابیں شرح ملا تک ختم کیں۔ فقہ کی چند کتابیں پڑھیں اور قرآن مجید با معنی پڑھ کر مشکوٰۃ شریف اور تفسیر جلالین کے درس میں شریک ہوئے۔ چونکہ درس میں خدمت قرأت آپ کے ذمّہ تھی اس لئے

---

[1] تذکرہ اللّٰہی۔ انوار العارفین۔ تحفہ طہران۔ سادات الصوفیہ۔ مشاہیر اکبر آباد گلشنِ بے خار نسب نامہ معصومی۔ وغیرہ ۱۲

صحتِ اعراب کی تکمیل بہت جلد ہوگئی۔ تقریباً دو سال گھر پر انگریزی پڑھکر بارہ سال کی عمر میں یعنی ۱۹۱۵ء میں انگریزی اسکول کے چھٹے درجے میں داخلہ لیا۔ اس طرح انگریزی و عربی تعلیم میں توجہ منقسم ہوگئی۔ تاہم منطق میں "شرح تہذیب" اور "قطبی"۔ فقہ میں "ہدایہ" اور تفسیر میں "تفسیر بیضاوی" ختم کی۔ انگریزی میں اسکول لیونگ سرٹیفکٹ کا امتحان ۱۹۲۱ء میں پاس کیا نیز ایک ماہ بعد ہی پنجاب یونیورسٹی سے "منشی فاضل" کی سند حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء میں بی۔ اے ۱۹۲۷ء میں ایم۔ اے اور ۱۹۲۸ء میں ایل ایل۔ بی۔ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ "صحاح ستہ" کے دور کی تکمیل کا شرف بھی حاصل کیا۔

والدۂ ماجدہ کی تربیت کے بہترین اثرات اور اخلاق و عادات　خاندانی روایات اور قدیم طرزِ تعلیم کے اثرات آپ کی زندگی کے ہر پہلو میں بخوبی نمایاں ہیں۔ خوش خلقی، انکسار، تواضع اور خوش طبعی و بذلہ سنجی آپ کی کتابِ اخلاق کے روشن ابواب ہیں۔ آلام و مصائب کی حالت میں بھی دامنِ صبر و استقلال کبھی ہاتھ سے نہیں دیتے۔ یہ سب کچھ نتیجہ ہے آپ کی والدۂ ماجدہ مدظلہا کی حسنِ تربیت اور کمالِ سرپرستی کا کہ اللہ تعالیٰ نے یتیمی کے بُرے اثرات سے محفوظ رکھا اور تہذیبِ اخلاق سے بہرہ ور کیا۔ موصوفہ نے باوجود شکستہ دلی اور بے پایاں محبت کے تعلیم و تربیت کا غیر معمولی اہتمام کیا اور اس افسردہ مگر باضابطہ ماحول میں جذبات کو کبھی بے لگام ہونے کا موقع نہ دیا۔ یہاں تک کہ عید کی خوشی بھی اس مبارک گھر میں سہمی سہمی آتی تھی۔

مشاغلِ معاش　جولائی ۱۹۲۸ء سے نومبر ۱۹۲۹ء تک وکالت کا شغل رہا۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۲۹ء کو ریاست جے پور میں عہدۂ منصفی سے ملازمت کا آغاز ہوا مئی ۱۹۴۴ء میں سول اینڈ اسسٹنٹ سشن جج کے عہدے سے ایڈیشنل سشن ججی پر

واپس ہوئے اور دسمبر ۱۹۴۷ء میں جج عدالتِ خفیفہ کے عہدے سے پھر محکمۂ سپلائی میں تبادلہ ہو کر ڈپٹی کمشنر سول سپلائی ڈپارٹمنٹ گورنمنٹ آف راجستھان مقرر ہوئے۔ پھر ڈپٹی سیکرٹری محکمہ سپلائی اور آج کل کلکٹر سوائی مادھوپور ہیں۔ ان جملہ سرکاری عہدوں پر فرائضِ منصبی نہایت خوبی و دیانت سے انجام دئے اور دے رہے ہیں۔

ذوقِ سخن اور رنگِ کلام | آپ کو شعر گوئی کا ذوق دراصل آپ کے برادرِ معظم حضرتِ بیکش کی صحبت کا اثر ہے اور انھیں سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ آپ کی شاعری کی ابتدا سنہ ۱۹۱۱ء سے ہوئی۔ مگر سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق سنہ ۱۹۱۶ء کی عید الفطر کی خوشی کی حالت میں پہلی باقاعدہ غزل لکھی جس کے تین شعر ملاحظہ ہوں۔

شکر صد شکر کہ اُس شوخ کو میں یاد آیا ۔۔۔ غیر کے سامنے ذکرِ دلِ ناشاد آیا

میری تسکیں کو خیالِ غمِ فرہاد آیا ۔۔۔ جب محبّت میں مصیبت کا پہاڑ آ ٹوٹا

قتل کرنے کو نئی طرز سے جلّاد آیا ۔۔۔ رنگ بدلے ہوئے، تیور چڑھے اور خالی ہاتھ

آپ کی شادی مولوی سیّد انوار الرحمٰن بسملؔ کی صاحبزادی سے ہوئی ہے۔ جن کے یہاں دن رات شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے مگر سنہ ۱۹۳۵ء تک بجز مخصوص احباب کے کسی کو آپ کا تخلص تک معلوم نہ تھا۔ مگر جب مولوی محمد اسمٰعیل خاں رزمی نے شہنشاہِ جارج پنجم کی سلور جوبلی کے سلسلے میں مشاعرہ کیا اور احباب کے اصرار پر آپ نے غزل پڑھی تو یہ حال معلوم ہوا۔ اور باصرار آپ کو شریکِ بزم کیا جانے لگا۔

حضرتِ قمر شاعر بھی ہیں اور ناثر بھی بہت اچھے ہیں۔ سرکاری مصروفیات کے باعث لکھنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ پھر بھی جو کچھ لکھتے ہیں بہت اچھا لکھتے ہیں۔ اشعار میں بلند پروازی، تاثیر محاکات

شستگیِ زبان اور چستی بندش کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ آمد کی بہتات ہے کلام کا بیشتر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔

نمونۂ کلام نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:-

تو ردانِ سرو وسمن سہی کبھی رنگ و بوئے سمن میں آ
تو حریم دل میں نہاں سہی کبھی آنکھ کے بھی چمن میں آ

میں بصد عوارضِ بندگی ہوں تری حدود میں گامزن
بہزار قدرتِ سروری کبھی قیدِ دار و رسن میں آ

سنور کر، ناز سے دیکھا مجھے اور ہنس کے یہ بولے
گریں گی آج دل پر دشمنوں کے بجلیاں کیا کیا

آہِ دل کامیاب ہے گویا
وہ تبسم جواب ہے گویا

عشق ہی سے سرشت ہے میری
دل کی مٹی خراب ہے گویا

دل مرا آئینہ ہے عالم کا
یہ ورق اک کتاب ہے گویا

دل سنبھلتا نہیں سنبھالے سے
یہ بھی اُن کا شباب ہے گویا

دید بھی بے حجاب کب ممکن
حُسن بھی اک نقاب ہے گویا

طلب جب تک نہیں ہوتی کرم شامل نہیں ہوتا
سخی بھی بے نیازِ دامنِ سائل نہیں ہوتا

محبت کی کشش سے داغ دل جب تک نہ ہو روشن
مہ نو کچھ بھی ہو مثلِ قمر کامل نہیں ہوتا

قمر! چاند کو مجھ سے نسبت ہے کیا
کجا داغ دل اور کجا دردِ دل

مشربِ اہلِ حقیقت میں نہ تھا ذوقِ مجاز
تیری صورت سے یہ رخنہ پڑا ایمانوں میں

چُپ آج تو غم خوار ہے معلوم نہیں کیوں
خوش ہجر کا بیمار ہے معلوم نہیں کیوں

برباد ہوئے سینکڑوں دل جس کی نظر سے
سب کہتے ہیں دلدار ہے معلوم نہیں کیوں

پیتے تو کسی نے بھی قمر کو نہیں دیکھا
دن رات وہ سرشار ہے معلوم نہیں کیوں

غم تری سرشت ہے، غم کی شکایتیں نہ کر
گردشِ روزگار میں شوخیِ چشمِ یار دیکھ

گر نہ بہار کی خوشی ہوگا نہ پھر خزاں کا غم — دل کو تو بس میں کر قمر زیست کی پھر بہار دیکھ

کبھی رستے میں ملتے ہیں کبھی دشمن کی محفل میں — ملاقاتیں ہیں کچھ ایسی کہ دل قابو سے باہر ہے

یہ سرگوشی عدو سے بزم میں گو ہم نہیں سمجھے — مگر باتیں ہیں کچھ ایسی کہ دل قابو سے باہر ہے

حسن نہیں ہے پردہ دار، پردہ ہے عشق کا شعار — خیرہ اگر ہو چشم زار، جلوۂ یار کیا کرے

یہ چلتی پھرتی صورتیں جو دیکھتے ہیں آپ — کتنے ہیں ان میں واقعی انساں نہ پوچھئے

جوابِ نامہ کیا لاتا خود اپنا دل بھی دے آیا — میں اب سمجھا سکوتِ نامہ بر یوں بھی ہے اور یوں بھی

سرور و نور چہرہ پر ہے غم کے داغ سینہ میں — تمہارا چاہنے والا قمر یوں بھی ہے اور یوں بھی

قمر تخلص۔ محمد ایوب خاں نام۔ نسباً افغان۔ مذہباً اہلِ سنت والجماعۃ۔ وطن جے پور۔ والد بزرگوار کا نام غلام رسول خاں جو فنِ نقشہ نویسی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے جس کی شاہد جے پور کی متعدد عمارتیں مثل میوزم وغیرہ ہیں۔

خاندانی حالات آپ کے مورثِ اعلیٰ الف خاں، شہاب الدین محمد غوری کے لشکر میں بحیثیت ایک اعلیٰ عہدہ دارِ فوج ہندوستان آئے۔ اور یہیں کے ہو رہے انھیں قصبہ لوان علاقہ جے پور میں چار کنویں اور ایک سو ساٹھ (۱۶۰) بیگہ زمین انعام میں ملی تھی اس لئے قصبہ مذکور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ پھر آپ کے جد امجد چھوٹے خاں جو گولہ اندازی میں کمال رکھتے تھے اغلباً سنہ ۱۸۳۱ء میں جے پور آکر فوج میں صوبہ دار ہو گئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں صحیح گولہ اندازی ہی ضامن فتح ہوتی تھی۔ اور یہ فن بنظرِ عزت دیکھا جاتا تھا۔ اس وقت سے آپ کا خاندان "گولہ اندازوں کا خاندان" مشہور ہے۔

ولادت و تعلیم قمر سنہ ۱۸۹۳ء یا سنہ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے برادر محترم عبداللہ خاں اور محمد شریف کاتب بال چندر پریس سے پائی۔ پھر الور چلے گئے۔ حفظ قرآن مجید کی تکمیل حضرت قاری سید واحد علی شاہؒ کی خدمت میں کی۔

جن سے آپ کو شرفِ بیعت بھی حاصل ہے اور اسی نسبت سے اپنے کو "واحدی" کہتے ہیں۔ علمِ تجوید کی تکمیل کے بعد جے پور آنا پڑا۔ یہاں مولوی ریاض الحسن نارنولی سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات السنہ مشرقیہ کی تعلیم شروع کی اور باقاعدہ خیاطی کا فن بھی سیکھا۔ مگر ریاض الحسن صاحب کا انتقال ہو جانے سے تمام نظامِ تعلیم درہم و برہم ہو گیا۔ تاہم آپ نے اپنے خواجہ تاشوں کے اتفاق سے اُن کے سوم کے دن عہد کیا کہ ان کا مشن جاری رکھیں گے۔ چنانچہ خود بھی تعلیم جاری رکھ کر "منشی عالم" "مولوی" "منشی فاضل" کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے پاس کئے۔ اور سنہ ۱۹۴۰ء تک تقریباً ساٹھ ستر طلبا کو یہ امتحانات دلائے۔

مشاغلِ معاش سنہ ۱۹۱۵ء میں جے پور میں اپنی ذاتی دُکان خیاطی کی جاری کی۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں چودھری نذیر احمد وکیل مرحوم کے "مسلم راجپوت اسکول جے پور" میں مدرس ہو گئے۔ اور جنوری سنہ ۱۹۲۵ء میں "جے سنگھ ہائی اسکول کھیتڑی" میں ہیڈ مولوی ہوئے۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں جب انقلابی طوفان اُٹھا اور نارنول میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تو بوجہ قرب کھیتڑی میں بھی اس کے اثرات ظاہر ہوئے۔ لہٰذا آپ ترکِ ملازمت کر کے جے پور چلے آئے۔ اور نومبر سنہ ۱۹۴۷ء میں "اس کاٹش مشن ہائی اسکول جے پور" میں ہیڈ مولوی ہو گئے اور اب تک یہ سلسلۂ ملازمت جاری ہے۔

ذوقِ سخن۔ تلمذ اور ادبی خدمات زیرِ تعلیم ہونے کے زمانے میں شعر کہنے کا شوق ہوا پھر بزمانۂ قیام جے پور۔ منشی عزیز الرحمن اور ذہین درزی کی تحریک پر شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے اور قمر تخلص کر کے شعر کہنے لگے۔ کھیتڑی پہنچنے پر مولوی مسعود احمد خلف امیر مینائی کی صحبت سے بہت فائدہ ہوا

جو وہاں حاکمِ عدالت تھے اور آپ کے ہمسایہ۔ اُنھیں کی تحریک پر حضرتِ حسرت موہانی سے باقاعدہ تلمذ اختیار کیا۔ جنھوں نے چند غزلیں دیکھنے کے بعد آپ کو فارغ الاصلاح کر دیا۔ مشقِ سخن کی تاکید فرمائی۔ اور بصیرت کے لئے اپنے رسالے "نکاتِ سخن" "محاسنِ سخن" اور "معائبِ سخن" عنایت کئے جن سے آپ نے پورا استفادہ کیا۔

کھیتڑی میں رہنے کے زمانہ میں آپ نے ایک "بزمِ ادب" قائم کی جس کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے حسبِ ذیل شعرا وہاں تھے جو شریک ہوتے تھے۔ کبھی کبھی بیرونی سخنوروں کو بھی بلایا جاتا تھا:۔ (۱) مولوی مستطاب خاں ناطق۔ (۲) مولوی عبدالحمید رضوی (۳) بابو شمس الحق شمس دہلوی۔ (۴) منشی احمد علی خاں ماہر۔ (۵) منشی قطب الدین رسوا وغیرہ۔

اسی زمانہ میں حشمت حسین صاحب عثمانی ایم۔ اے وہاں ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے تو ادبی دُنیا کی شوکت میں نمایاں اضافہ ہو گیا اور باقاعدہ دارالمطالعہ قائم کیا جا کر اس کے لئے جُدا عمارت تعمیر کرائی گئی۔ ہزارہا کتابیں اس میں فراہم ہو گئیں۔ اُس ادارہ کا الحاق "انجمن ترقیِ اُردو ہند" سے تھا اور اُسکی خدمات کو مرکز بھی بنظرِ استحسان دیکھتا تھا۔

سنہ ۱۹۵۰ء میں ابوالفضل محمود الدین عثمانی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مولوی و منشی فاضل نے "اُردو کالج جے پور" کا اجراء کیا جس کے پرنسپل آپ منتخب کئے گئے۔ اور اب تک یہ فرائض باحسن الوجوہ آپ نہایت توجہ و ہمدردی سے انجام دے رہے ہیں۔ اس کالج کا الحاق "جامعہ اُردو علی گڑھ" سے ہے۔ اور ہر سال معتدبہ تعداد میں طلباء امتحانات میں شریک ہوتے ہیں۔ متعدد تلامذہ کی اصلاحِ کلام بھی آپ فرماتے ہیں۔

کلام پر تبصرہ آپ کے کلام میں پختگی۔ زورِ مضمون آفرینی۔ اور روانی بخوبی پائی جاتی ہے۔ زبان و اسلوبِ بیان بھی اچھا ہے۔

نمونۂ کلام نمونہ کلام حسبِ ذیل ہے :-

یہ حال ہے کہ پئے جارہا ہوں مستی میں
ترا خیال ہی میرے لئے شراب ہوا

کبھی سکون کا باعث ہوئی پریشانی
کبھی سکون ہی خود وجہ اضطراب ہوا

کچھ تری حُسن آفرینی میں اضافہ ہوگیا
بڑھ گیا ہے یا مرا ذوقِ نظارہ کے برس

دیکھ لیں کیا رہم پھر تیری طوفاں خیزیاں
پھر برس ہاں پھر برس ای چشمِ تراب کے برس

تیرا ضرور ہاتھ ہے قسمت کے ساتھ ساتھ
اے چرخ اس قمر کے عروج و زوال میں

ذرا سا بھی نشاطِ بے خودی جسکو میسّر ہے
وہ آخر ہوش میں کیوں آئے کیوں ہشیار ہو جائے

تعجب ہے جسے کافی نہ ہو کونین کی وسعت
تصوّر میں وہی تصویر کیونکر کھینچ لی میں نے

مجھے دیکھو کہ میں اپنی پرستش آپ کرتا ہوں
کیا ہے اک نیا ایجاد طرزِ زندگی میں نے

اور کچھ دیکھتے ہیں اہلِ نظر
حُسن پر اکتفا نہیں کرتے

ہیں نمایاں ہزار پردوں میں
اُن کے جلوے چھپا نہیں کرتے

سُن رہے ہیں کان سے جو نغمۂ بے ساز ہم
یہ کسی مطرب کی پہچانی ہوئی آواز ہے

آہ پھنس کر رہ گئے ماحولِ رنگ و بو میں ہم
کس قدر محدود اپنی رفعتِ پرواز ہے

آج تو جی بھر کے کر لے کوئی سجدہ رہ نہ جائے
اے جبینِ شوق اُن کا آستاں ہے سامنے

کیا سناؤں ہم نشیں افسانۂ عہدِ شباب
اب وہ اک بھولی ہوئی سی داستاں ہے سامنے

ہوئی نشو و نما ہی اپنی گرداب و تلاطم میں
ہمارا کیا بگاڑیں گے تصادم موج و طوفاں کے

قمر تخلص۔ ہادی حسن نام۔ نسباً سیّد۔ بریلی وطن۔ امیر مینائی سے تلمذ تھا۔ مولوی سید اشتیاق حسین ناطق کے بڑے بھائی تھے

اور صاحب علم و فضل، جے پور میں کسی سرکاری عہدہ پر مامور تھے حضرت ناطق کے انتقال کے بعد سے بہت ہی مغموم رہتے تھے۔ اُن کا مرثیہ بھی لکھا تھا۔ جس کا ایک مصرع یہ ہے :- مزہ صبحِ وطن کا ہے مجھے شامِ غریباں میں۔

مشاعروں میں نہایت بلند آہنگی سے غزل پڑھتے تھے۔ بمشکل تمام مولانا کوثر کے حافظہ سے قمر کا ایک شعر میسّر آسکا جو ہدیۂ ناظرین ہے :-

قہرِ محشر میں یہ کہتا ہے کہاں ہیں مجرم　　عفو کہتا ہے یہاں کوئی گنہگار نہیں

کامل

تخلص۔ ابوالفیض کنیت۔ سلطان الاسلام نام۔ اسلام الدین عرفِ عام۔ راقم الحروف کے فرزند پنجم ہیں۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو جے پور میں پیدا ہوئے۔ اول قرآن مجید ختم کیا پھر دینیات کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ فارسی راقم الحروف سے پڑھ کر اول پنجاب یونیورسٹی سے "منشی" پاس کیا۔ پھر ۱۹۴۷ء میں "منشی فاضل" کا امتحان دیا۔ "جامعہ اردو علی گڑھ" سے "ادیب کامل" پاس کیا ہے۔ "مہاراجہ کالج جے پور" سے بی۔ اے۔ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی ایڈ کے امتحانات پاس کئے۔ شعر و سخن سے دلچسپی ہے۔ متعدد مقابلہ کے انعامی مشاعروں میں انعامات حاصل کئے ہیں۔ مولانا کوثر سے تلمذ ہے۔ آج کل اس کانٹش مشن ہائی اسکول جے پور میں مدرس ہیں۔ ورزشی کھیلوں میں شکار کا بے حد شوق ہے۔ اور یہ ان کے استاد مولوی مسعود احمد ایم۔ اے۔ ساکن جھجھاؤں اور میرے عزیز دوست منشی عبدالحمید خاں انسپکٹر پولس راجستھان کی خدمت میں حاضر باشی کا نتیجہ۔ یہ شعر آپ کا ہے۔ شاعری کا ابتدائی دور ہے۔

جلتے ہیں پرِ فرشتوں کے جب کوئے یار میں
پھر کیا کہیں کہ ہم ہیں وہاں کس شمار میں

کلیم تخلص۔ ارشاد الدین نام نسباً شیخ عثمانی مذہباً اہلِ سنت والجماعة والد بزرگوار کا اسمِ گرامی قاضی حافظ محمد حسیب الدین۔ مولانا تسلیم و مبین کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۲۷۶ھ میں بمقام نارنول پیدا ہوئے مولانا محمد رشید الدین خائز فاروقی۔ اپنے ماموں سے تعلیم حاصل کرکے فارغ التحصیل ہوئے۔ نہایت طباع و ذہین تھے حافظہ بے حد قوی تھا۔ اول افسر تھانہ پولس (سب انسپکٹر پولس) جے پور ہوئے۔ پھر نائب جنرل سپرنٹنڈنٹ پولس کے سررشتہ دار ہوگئے تھے۔ ۲ر فروری ۱۸۹۵ء ۶ر شعبان ۱۳۱۳ھ ہجری ماہ ۔۔۔ سمت ۱۹۵۱ بکرمی کو بروز شنبہ جے پور میں انتقال ہوا۔ اصلاحِ کلام مولانا تسلیم سے لیتے تھے اور ان کے بعد مولانا مبین سے۔ مرزا مائل مرحوم سے نہایت درجہ خلوص تھا۔ حضرتِ کلیم کا دیوان بالکل مکمل تھا۔ جس کو طباعت کی غرض سے پیرجی امیر الدین تھانہ داران کے دوست لے گئے تھے۔ تھوڑے ہی دن بعد کلیم راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ پیرجی طباعت کی فکر میں ضرور رہے مگر ہوا کچھ نہیں۔ دیوان انھیں کے پاس رہا اور اب تو پیرجی کے خاندان کا ایک فردِ واحد بھی یہاں نہیں نہ پاکستان میں کوئی پتہ۔ یقیناً دیوان تلف ہوا۔ صرف دو بند تضمین کے بطور نمونۂ کلام درج ذیل کرتا ہوں :-

وہ جسمِ پاک جو ہمشکل تھا آئینہ جاں کے رکھا اُسکو زمیں نے اپنے دل میں مثلِ ایماں کے
وہ نورِ کبریا عظمت میں تھا مانندِ قرآں کے نہ کم قدر اس کی شیرازہ بکھر جانے سے ارکاں کے
نہ افزوں رتبۂ قرآں مُجزاسے مجلّد کا

خدا پر بھی فدا اور اُمتِ عاصی پہ بھی مائل یہاں کی یاد بھی دل میں وہاں کا ذوق بھی حاصل
حبیبِ حق رؤفِ خلق ان اوصاف میں کامل اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق کے شامل
خواص اُس برزخِ کبریٰ میں تھا حرفِ مُشدّد کا

کلیم تخلص۔ رضوان الولا نام۔ مولانا جوہر کے فرزند۔ وطن قصبہ نبت۔ ابتدائی تعلیم جے پور میں پائی۔ پھر ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے کر کے مظفر نگر میں وکالت شروع کی۔ بسنہ ۱۹۲۵ء میں جے پور میں اسسٹنٹ سشن جج ہو گئے تھے۔ اور پھر سشن جج۔ کچھ عرصہ بعد ترک ملازمت کر کے پھر مظفر نگر چلے گئے اور وکالت کرتے رہے۔ بسنہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان ہجرت کر گئے اور وہیں سنہ ۱۹۵۲ء میں انتقال کیا۔ مولانا جوہر ہی سے تلمذ تھا۔ یہ شعر آپ کے ہیں:۔

تخیل غول رہ سے کم نہ تھا رستہ بھلانے میں
نگاہ قیس میں جا دوں طرف محمل ہی محمل تھا

مکاں چلتا ہوا ہم نے مکیں کے ساتھ اب دیکھا
جو نکلا تیر سینہ سے تو اس کے ساتھ ہی دل تھا

وہ جھک جھک کر تماشا دیکھتے ہیں دم نکلنے کا
بہار عمر ہیں گھڑیاں مرا اکھڑے ہوئے دم کی

مرے پر بھی چھریاں چلانی نہ چھوڑیں
کہ قطرہ زن بنائے مرے استخواں کے

ہم اپنا بناتے اُسے پاؤں پڑ کر
کہیں پاؤں ٹکتے بھی ہوا آسماں کے

کوثر تخلص۔ شجاعت علی نام۔ مولانا اطہر سے تلمذ تھا اور "اس کاٹش ہشن ہائی اسکول جے پور" میں مدرس تھے۔ تقاسمۂ ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ یہ شعر آپ کے ہیں:۔

تابش صاعقۂ حسن ہر خود حوصلہ سوز
شمع نے آگ لگائی نہیں پروانوں میں

رہ گئے کعبے میں بس رسم پرستی کے قیود
نام اللہ کا باقی ہے صنم خانوں میں

کوثر تخلص۔ محمد منظور (۱۲۸۸ھ) تاریخی نام ہے۔ مگر منظور احمد مشہور ہیں۔ وطن سندیلہ (یو۔ پی) مولد آگرہ مستقل سکونت جے پور نسباً شیخ۔ مذہباً سُنی حنفی۔ مسلکاً چشتی الجمالی (حضرت شاہ محمد خلیل الرحمٰن جمالی سرسادی سے بیعت ہیں) مولانا شیخ وارث علی مرحوم مصنف "شمس التواریخ" کے فرزند۔

آپ کے والد ماجد کا مختصر حال مولانا وارث علی۔ عربی۔ فارسی کے عالم اور سنسکرت کے

ماہر تھے۔ انگریزی سے بھی واقف تھے۔ سیرتِ پاک میں "شمس التواریخ" آپ کی غیر فانی یادگار ہے۔ اُن کا قصد پوری تاریخ اسلام لکھنے کا تھا۔ مگر خلافتِ صدیقی پر ایک جلد تک مکمل کرنے پائے تھے کہ داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ مولانا مبین نے اُن کی تاریخِ وفات کہی "وفاتِ پاک وارث علی"
"شمس التواریخ" بالاقساط اخبارِ "وکیل" میں بھی چھپا کرتی تھی اور پھر کتابی شکل میں ۱۱۷۸ صفحہ پر طبع ہوئی ہے۔ اُنھوں نے بامحاورہ اردو میں تفسیر بھی لکھنا شروع کی تھی۔ مگر چند ہی پاروں کی لکھ سکے تھے کہ راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ اُن کے بعد مالکِ مطبع نے حضرتِ کوثر کو لکھا۔ کہ آپ چاہیں تفسیر واپس لے لیں یا چھپوا کر فائدہ اُٹھائیں مگر آپ نے دونوں باتیں منظور نہ کیں اور لکھ دیا کہ "جب والدِ ماجد مرحوم آپ کو دے چکے تو آپ ہر طرح مختار ہیں جو مناسب ہو کریں"۔

مولانا وارث علی مرحوم کے مزاج میں غضب کا استغنا تھا اور وارستہ مزاجی میں تو جواب ہی نہ رکھتے تھے۔ متعدد ملازمتوں کی بابت آپ سے استدعا کی گئی۔ حتیٰ کہ مہاراجہ الور نے اپنے ولیعہد کا اتالیق مقرر کرنا چاہا مگر آپ نے ایک کو بھی منظور نہ کیا۔ یہی کیفیت "منظور" میں نظر آتی ہے۔

تعلیم و ذوقِ سخن اور تلمّذ | حضرتِ کوثر نے فیروزپور جھرکہ میں اپنے نانا شیخ امیر علی کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کی جو وہاں مستقلاً سکونت پذیر تھے۔ گورنمنٹ ہند سے تھانہ داری کی اور ریاست الور سے نائب فوجداری کی پنشن پاتے تھے۔ مولوی عبدالمجید پاٹودوی کوثر کے اُستاد تھے۔ انہیں شعرگوئی کا بھی شوق تھا اور مقامی مشاعروں میں شریک ہوتے تھے جو تقریباً ہر ماہ ہوا کرتے تھے۔ مگر مولوی صاحب بالکل معلمانہ یا طالب علمانہ

شعر کہتے تھے۔ کوثرؔ کو قدرت نے موزونیِ طبع کے ساتھ صفائیِ زبان بھی عطا کی تھی۔ اس لئے ان کے شعر مولوی صاحب کے اشعار سے اچھے ہوتے تھے لہٰذا وہ ان سے غزل لکھواتے اور مشاعرہ میں پڑھ کر داد حاصل کرتے۔ جناب کوثرؔ مشاعروں میں تو جاتے مگر غزل نہ پڑھتے۔ اسی زمانہ میں وہاں پنڈت برجموہن ناتھ کیفیؔ دتاتریہ سے دوستی ہوگئی جو اپنے ایک بزرگ پنڈت جیون رام تحصیلدار کے پاس رہتے تھے اور زیرِ تعلیم تھے۔ دونوں کا بچپن تھا اور دونوں کو ذوقِ سخن۔ تھانہ اور تحصیل کے قریب ایک باغیچی تھی جس میں امرود وغیرہ کے درخت تھے۔ دونوں درختوں پر بیٹھ جاتے اور شعر خوانی کرتے۔ وہ اتحاد بدستور قائم رہا۔ ایک دوسرے کو بھائی کہتے تھے اور برادرانہ تعلقات تھے چنانچہ ایک بار جب کیفیؔ بیمار ہوئے (اب سے چند سال قبل) تو صبا دلی جا رہے تھے۔ اُن کے ہاتھ کوثرؔ نے یہ قطعہ ارسال کیا:۔

جا کے دلّی میں بھائی کیفیؔ سے کہیو پیغام یہ صباؔ میرا
اور ساتھی تو چل بسے۔ کوئی رونے والا نہیں رہا میرا
چھوڑ کر تم کہیں نہ چل دینا تم کو لکھنا ہے مرثیا میرا

انھوں نے بھی جواب میں کئی شعر لکھ کر بھیجے۔ جن میں سے صرف یہ تین مصرعے میسّر آسکے۔

جا کے جے پور میں بھائی کوثرؔ سے کہنا پیغام یہ صباؔ میرا
.... جوں توں لکھ لینا مرثیا میرا

دونوں کے یہاں ایک لفظ قابلِ توجہ ہے۔ "کہیو" قدیم زبان اور پُر تاثیر "کہنا" محاورۂ حال اور فصیح۔

حضرتِ کوثرؔ اب سے تقریباً ساٹھ ۶۰ پینسٹھ ۶۵ برس پہلے تعلیم سے فارغ

ہو کر جے پور اپنے عزیزوں کے پاس آ گئے جو پہلے سے یہاں آباد تھے۔ یہاں آنے پر منشی اکرام الدین شوق اور حضرتِ تسنیم سے دوستانہ تعلقات ہو گئے۔ اُس زمانہ میں محلہ موتی کٹرہ میں حضرت شاہ خلیل الرحمٰن جمالیؒ کی قیام گاہ پر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ شوق نے شرکت کا اشتیاق پیدا کیا اور غزل پڑھنے پر آمادہ۔ چنانچہ کوثر نے مشاعرے میں پہلی طرحی غزل پڑھی اُس مشاعرے میں مولانا مبین بھی تشریف رکھتے تھے۔ صبح کو مولانا کے پاس جب مولوی ولایت احمد سندیلوی مترجم "قدیم ہندوستان کی تہذیب" تشریف لائے۔ جن کا روزانہ آنے کا معمول تھا تو مشاعرہ کا بھی ذکر آیا۔ مولانا مبین نے کہا کہ "رات کو آپ کے یہاں کے ایک لڑکے نے بھی غزل پڑھی تھی۔ ماشاء اللہ بہت ہموار غزل تھی اور بہت اچھی طرح پڑھی"۔ چنانچہ کوثر اُن کے دوست تسنیم کی معرفت گھر سے بُلائے گئے۔ اس دوران میں مرزا مائل بھی آ گئے۔ اور دوبارہ غزل سُن کر حوصلہ افزائی کی گئی۔ اسی وقت مولوی ولایت احمد مرحوم نے مولانا مبین و مرزا مائل کا جنابِ کوثر کو باقاعدہ شاگرد کر دیا۔ اور شعر گوئی میں ترقی شروع ہوئی حضرتِ کوثر کا قول ہے کہ "میں نے بحیثیت شاگرد تو مولانا مُبین ہی سے ہمیشہ اصلاح لی۔ اور فنی استفادہ و بصیرت بھی حاصل کی۔ البتہ مرزا مائل مرحوم کی خدمت میں حاضر باشی سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ اصلاح کسی غزل پر مرزا صاحب سے اسی وقت لی کہ جب مولانا جے پور میں نہ ہوئے۔ اور دو ہی چار غزلوں پر مرزا صاحب کی اصلاح ہے۔ باقی سب مولانا مُبین ہی کا فیض ہے۔ اور یہ شرف مجھے ہی حاصل ہے کہ بیک وقت دو اُستادوں سے تلمذ حاصل کیا"۔

اُس پہلی غزل کا کچھ پتہ نہیں، نہ کوئی شعر یاد ہے۔ واضح رہے کہ

مولانا کوثر کے حالات جو میرے علم میں تھے وہ بھی اور دیگر حالات بھی میں نے مولانا سے تحقیق کر کے درج کئے ہیں۔

ایک بار آپ نے بیک وقت دونوں اُستادوں کی خدمت میں کوئی غزل بغرض اصلاح پیش کی۔ (میرزا صاحب کی نشست مولانا کے یہاں ہی رہتی تھی) اور بالاتفاق اصلاح دی گئی۔ مگر ایک مصرع میں لفظ "ترکش" تھا جو مولانا نے بدستور رہ کھا۔ مگر مرزا صاحب اُس کو "خنجر" سے بدلنا چاہتے تھے۔ مولانا نے کہا۔ "مرزا بلحاظ نوعیتِ مصرع، یہاں ترکش میں زیادہ وسعت ہے" چنانچہ ترکش ہی رکھا گیا۔ وہ مصرع یا غزل کا کوئی شعر اب یاد نہیں۔

بالعموم اصلاح و مشق کی یہ صورت ہوتی کہ کوثر شعر سناتے مولانا اگر کوئی نقص ہوتا تو بتاتے اور کوثر ہی سے پے در پے مصرعے کہلاتے اور خود بھی اچھے اور دانستہ ناقص مصرعے کہہ کر سب کا حُسن و قبح سمجھاتے اور جب تک خاطر خواہ مصرع خود کوثر سے نہ کہلا لیتے آگے نہ بڑھتے۔ اس طرح گھنٹوں اور بعض دفعہ کئی کئی دن ایک ایک غزل میں لگ جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دن میں فن پر پورا عبور ہو گیا اور عمدہ و پُر تاثیر شعر کہنے لگے۔ تذکیر و تانیث کی بحث چھڑ جاتی تو یکساں نوعیت کے بہت سے الفاظ کی تذکیر و تانیث بتاتے اور ثبوت میں کوثر سے بھی شعر پوچھتے اور خود بھی سُناتے بعض الفاظ کی نسبت فرماتے کہ "میاں ان کی تذکیر و تانیث معلوم و ظاہر ہے مگر ذوقِ سلیم پر پوری نہیں اُترتی۔ مثلاً "جراحت" بمعنی زخم مونث ہے مگر "جراحت آئی" یا "جراحت آیا" سامعہ پر گراں گزرتا ہے۔ اس لئے ایسے الفاظ کو تاوقتیکہ کوئی خاص ضرورت نہ ہو مذکر و مونث کے اظہار سے بچ کر استعمال کرو۔"

وارستہ مزاجی کے کرشمے | وارستہ مزاجی مولانا کوثر کو ورثہ میں ملی ہے۔ چنانچہ اس ذوقِ سخن اور مشاقی و شفقتِ اساتذہ کے باوجود جب جی نہ چاہتا مشاعرے کی غزل ہی نہ لکھتے۔ مولانا مبین مشاعرے کے دن جب دریافت کرتے اور آپ انکار کرتے تو وہ ناخوش ہوتے اور اکثر فی البدیہہ غزل کہلا کر اپنے ساتھ مشاعرے میں لے جاتے اور فرماتے "منظور تم کفرانِ نعمت کرتے ہو"

آپ کو جے پور آئے کافی دن ہو چکے تھے اور کہیں ملازمت اختیار نہ کی تھی۔ عزیزوں نے ملازمت کے لئے کہا تو جواب دیا کہ "میرے والد ماجد نے کسی کی ملازمت نہیں کی۔ میں اُن کی سنت کیوں چھوڑوں" غرض نہ اس ضرورت سے کہیں گئے۔ نہ کوئی درخواست دی۔ آخر آپ کے رشتہ کے بھائی شیخ معشوق علی سررشتہ دار محکمۂ تعلیم جے پور نے اپنی طرف سے درخواست دے کر آپ کے لئے مدرسی کی جگہ تجویز کرائی۔ اور مجبور کر کے آپ کو ملازمت پر بھیجا گیا۔

اپریل ۱۹۳۵ء میں جب آل انڈیا مشاعرہ جے پور میں ہوا تو باوجودیکہ علامہ کیفی بھی اس میں آئے تھے۔ مگر آپ جے پور چھوڑ کر اجمیر چلے گئے اور ختم مشاعرہ پر واپس آئے۔

ایک بار جے پور کے ایک شعر نواز اعلےٰ حاکم و رئیس نے اپنے یہاں مشاعرے میں ایک معزز قاصد کے ذریعہ آپ کو بلایا۔ سواری کو کار بھیجی مگر آپ یہ حال معلوم کر کے ایسے غائب ہوئے کہ باوجود تلاش کہیں نہ ملے۔

ایک بار شبرات پر بازار سے گھی خریدنے کو گھر سے روانہ ہوئے۔ گھی خاطر خواہ نہایت اچھا ملا مگر گھر لانے کے بجائے جہاں ضرورت و انتظار تھا۔ اپنے دوست مولوی حمید اللہ خاں یوسف زئی کے پاس

اجمیر جا پہنچے اور کہنے لگے۔ "میاں! گھی بہت اچھا مل گیا اس لئے تمہارے لئے لایا ہوں۔" اور وہاں سے کئی روز بعد واپس آئے۔

منشی سرفراز الدین سررشتہ دار میونسپلٹی جے پور سے دوستانہ تھا۔ ایک بار رات کو ۹-۱۰ بجے کے قریب اُن کے مکان کے قریب کھڑے ہوئے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ منشی صاحب یہ کہہ کر کہ آپ یہیں ٹھیریں میں ابھی آتا ہوں گھر چلے گئے اور واپس آنا بھول گئے۔ مگر آپ دوسرے دن صبح تک جبتک کہ منشی صاحب واپس نہ آگئے وہیں ٹہلتے رہے۔

منشی صاحب مذکور کو زبردستی شاعر بنا کر کئی مشاعروں میں اُن سے بھی غزل پڑھوا دیں۔ چنانچہ ان کا ایک شعر ہے۔

مری جبہ سائی اور اس کا یہ کہنا — کہ گھستے ہیں پتھر مرے آستاں کے

مرزا مائل مرحوم ہمیشہ مخمل کی چوگوشیہ ٹوپی اوڑھتے تھے۔ اور ایسی ہی حضرتِ کوثر۔ مرزا صاحب جب اپنے لئے ٹوپی بنواتے تو ایک آپ کے لئے بھی سلواتے۔ اور جب تک دوسری ٹوپی عنایت نہ کرتے آپ وہی پہلے والی استعمال کرتے رہتے خواہ کتنی ہی پُرانی ہو جائے۔ تقریباً بارہ۔ پندرہ برس ہوئے کہ مولانا ضیاء الدین رح کی درگاہ میں اُن کے عُرس میں کسی طرح ٹوپی سر سے گر کر گم ہو گئی۔ اُس وقت سے ٹوپی اوڑھنا ہی چھوڑ دیا۔

فرض شناسی | بسلسلۂ ملازمت آپ سانبھر اور جے پور میں رہے۔ فرائضِ منصبی اور اوقاتِ مدرسہ کی پابندی کو خلاف توقع نہایت سختی سے ملحوظ رکھا۔ ملازمت کے آخری زمانے میں جب آپ کی حسن لیاقت اور کارگزاری کے صلہ میں آپ کو اسپیشل طور پر ترقی تنخواہ دی گئی تو بجائے خوش ہونے کے رنجیدہ ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ "میرے توکل میں

خلل واقع ہو گیا۔"

ادبِ اُستاد | اپنے اُستادوں کا بے حد ادب کرتے تھے۔ اب بھی کوئی بے ادب اگر کسی قسم کا گستاخانہ لفظ اُن کی شان میں استعمال کرتا ہے۔ تو آپکو بے حد رنج ہوتا ہے اور یہ ملال دنوں قائم رہتا ہے۔ اُستاد بھی بے حد شفقت فرماتے تھے۔ مرزا صاحب کا تو آخر زمانہ میں یہ دستور سا ہو گیا تھا کہ اپنی تازہ غزل جب تک کوثرؔ کو نہ سنالیں چین نہ آتا تھا۔ ہوتا یہ تھا کہ مرزا صاحب اپنی غزل پڑھنا شروع کرتے۔ آپ آنکھیں بند کئے بغور سُنتے رہتے۔ اور اس میں محو ہو جاتے۔ جو شعر پسند آتا۔ اس کی داد "ہوں" اور سر کے اشارے سے دے دیتے۔ اور جو ناپسند ہوتا۔ اُس کے لئے "اوں ہوں" کہہ کر ذرا مُنھ بنا لیتے۔ مرزا صاحب ہر چند پوچھتے: "میاں! کیا بات ہے کیوں ناپسند ہے کچھ نقص ہے تو بتاؤ۔" مگر آپ وہی "اوں ہوں" کہتے رہتے حتیٰ کہ مرزا صاحب یا تو خود ہی کوئی لفظ بدل کر آپ سے پسند کرا لیتے یا شعر کو نظری کر دیتے۔ گویا مرزا غالبؔ و شیفتہؔ کی سنت ادا ہوتی تھی۔ لہٰذا غالبؔ کے شعر

غالبؔ بفنِ گفتگو نازد بریں ارزش کہ او نوشت در دیواں غزل تا مصطفےٰ خاں خوش نکرد

کو اس طرح پڑھنا بے جا نہ ہو گا:۔

مائلؔ بفنِ گفتگو نازد بریں ارزش کہ او نوشت در دیواں غزل تا آنکہ کوثرؔ خوش نکرد

اسی ادبِ اُستاد کی بنا پر چونکہ صباؔ کو آپ ہی نے حضرتِ مائلؔ کا جانشین قرار دیا ہے لہٰذا ہر مشاعرے میں ان سے پہلے غزل پڑھتے ہیں اور ایک مقطع میں کہتے ہیں:۔

وصالِ حضرتِ مائلؔ کے بعد اے کوثرؔ صباؔ غزل کے لئے ہے۔ غزل صباؔ کے لئے

ایک بار اپنی غزل لے کر صباؔ کے پاس پہنچے کہ غزل کی اصلاح کر دیجئے وہ حیران اور پریشان کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ انھوں نے ہر چند عذر و معذرت

کی مگر آپ ماننے والے کب تھے۔ آخر صبا نے ساری غزل بنظر اصلاح سُنی اور کہا "ان دو شعروں کو مقدم و موخر کر دیجئے یہی اصلاح ہے"۔ تب پیچھا چھوڑا۔ حالانکہ صبا آپ کا ایسا ہی ادب کرتے ہیں جیسا مرزا صاحب کا کرتے تھے۔ اور اپنا کلام تا وقتیکہ مولانا کوثر کو نہ سُنا لیں مطمئن نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک بار صبا کسی آل انڈیا مشاعرے میں دلی جا رہے تھے۔ روانگی سے ایک دن پہلے مولانا کو غزل سُنائی اور انھوں نے منظور کر لی۔ دوسرے دن جب ریل پر سوار ہونے اسٹیشن پہنچے تو دیکھا کہ اسٹیشن کے دروازہ پر کوثر موجود ہیں۔ پوچھا "مولانا آپ کہاں؟" کہنے لگے "اماں! کل والی غزل کے ایک مصرعے میں یہ نقص ہے کہ "جگر" اور "کلیجہ" اس طرح بندھ گیا ہے کہ دونوں علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اس مصرعے کو بدل لو۔ یا وہ شعر ہی چھوڑ دینا۔ اتنا وقت نہ تھا کہ ہیں مکان پر آتا اس لئے یہاں آگیا"۔ وہ مصرع یا شعر اور دیگر تفصیل اب دونوں صاحبان میں سے کسی کو یاد نہیں۔

قلتِ کلام اس قدر شغف و ذوقِ شعر اور مشاقی کے باوجود کلام بہت کم محفوظ ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اپنے کلام کی کبھی حفاظت کی ہی نہیں۔ اب میں نے بمشکل تمام بعد اصرارِ بسیار۔ محض آپ کی یاد کی بدولت۔ چار رباعیاں۔ چار نعت جن کے ۲۹ شعر ہیں۔ ۱۲ غزلیں اور چند متفرق اشعار جن سب کی تعداد صرف ۱۱۸ شعر ہیں اپنے پاس محفوظ کئے ہیں گویا اس وقت آپ کا کل سرمایۂ ادب ۱۵۵۔ اشعار ہیں۔

شاگرد کرنے سے پرہیز باقاعدہ شاگرد کرنے سے بہت گھبراتے ہیں جب تک حضراتِ اظہر و تنویر یہاں رہے جب کسی نے شاگرد ہونا چاہا تو یا حضرت

اطہر کی طرف اُسے دھکیل دیا۔ یا جناب تنویر کی جانب۔ ویسے کوثر کی موج ہے کہ جی چاہے تو کسی کے گھر پہنچکر غزل بنا آئے۔ اُن صاحبان کے بعد سے جب کوئی شخص گدائے مبرم کی طرح پیچھا ہی نہ چھوڑے تو پھر اصلاح دینی پڑتی ہے۔ اور اصلاح جب دیتے ہیں تو پھر کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

طریقِ اصلاح | طریقِ اصلاح یہ ہے کہ بیٹھے۔ لیٹے۔ چلتے۔ پھرتے اشعار سُننا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر شعر خاطر خواہ ہے۔ تو۔ "ہوں" کہہ کر درست ہونے کا اشارہ کر دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی نقص ہے تو دوسرے مصرع کی ہدایت کر کے اسی وقت مصرع کہلاتے ہیں اور خود بھی سوچتے رہتے ہیں تاوقتیکہ مرضی کے مطابق شعر نہ بن جائے۔ آگے نہیں بڑھتے۔ اس طرح اکثر ایک ایک غزل کی اصلاح میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں۔ اور شاگرد ساتھ ساتھ پھرتا رہتا ہے۔

خاص خاص تلامذہ | خاص خاص شاگرد حسبِ ذیل ہیں:۔
(۱) پنڈت چاند نراین تنکو مہرؔ (۲) ٹھاکر بھنور سنگھ نازشؔ (۳) عبد الغفور شیداؔ (۴) عبد الرحمٰن (بندو خاں) پارساؔ۔

کلام پر تبصرہ | آپکے یہاں زبان کی صفائی۔ روانی۔ جزالت۔ سبک الفاظ۔ اور مضبوط بندش کے علاوہ تاثیر غضب کی ہے۔ سہل ممتنع کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:۔

(رباعی)
کھانے کا مزہ آہ نہ پانی کا مزہ
بے یار نہیں ہے زندگانی کا مزہ
پیری میں کرینگے یاد کیا لُطفِ شباب
کیا خاک ہے ہجر میں جوانی کا مزہ

(نعتیہ):
دکھا دیجے جمالِ عالم آرا یا رسول اللہ
خدارا یا رسول اللہ خدارا یا رسول اللہ
مزہ جب ہے کہ دیں وہ جام پر جام اور کہے کوثرؔ
یہی ہر بار۔ پی۔ پی کر دوبارا یا رسول اللہ

مجکو خاکِ درِ محبوبِ خدا ہونا ہے
خاک ہونا ہے مگر خاکِ شفا ہونا ہے

مجکو اکسیر سے رتبہ میں سوا ہونا ہے
یعنی خاکِ درِ محبوبِ خدا ہونا ہے

نالے کرتے ہوئے اُٹھیں گے تمہارے عاشق
حشر میں اور بھی اک حشر بپا ہونا ہے

اک کریم ایک رحیم ایک محب اک محبوب
حشر ہونا ہے مگر حشر میں کیا ہونا ہے

مددا اے رحمتِ عالم مددا اے شافعِ حشر
میں گنہگار ہوں اور روزِ جزا ہونا ہے

تو وہ بندہ ہے تری شان جو دیکھے وہ کہے
بندہ ہونا ہی حقیقت میں خدا ہونا ہے

بندۂ ساقیِ کوثر ہوں ، بقولِ اُستاد[۱]
مے کے دو گھونٹ سے واعظ مجھے کیا ہونا ہے

سجدہ پائے بتاں خوب نہیں اے کوثر
جبہ سائے درِ محبوبِ خدا ہونا ہے

مرے دردِ دل کی دوا کر رہا ہے
ارے چارہ گر تجکو سودا ہوا ہے

مدینہ سے کیوں جاؤں کعبہ کو واعظ
یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے

ہمارا خدا ہے ۔ ہمارا محمدؐ
ہمارا محمدؐ ہمارا خدا ہے

پرے رہ پرے مجھسے نارِ جہنم
مرے ہاتھ میں دامنِ مصطفےٰ ہے

انتخابِ غزل

تلاشِ دانہ میں پھرتا ہوں خوار اس سے تو بہتر تھا
گرفتارِ قفس ہوتا اسیرِ دام ہو جاتا

ہم تنگ ظرف نہیں راز جو مستی میں کہیں
شورِ قلقل ہے عبث شیشۂ صہبا تیرا

رات دن اب درِ میخانہ ہے اور تو کوثر
حیف وہ زہد ترا ہائے وہ تقویٰ تیرا

اب ہو خزاں کی فصل کہ موسم بہار کا
وہ رنگ ہی نہیں چمنِ روزگار کا

زاہد کو خوف کیوں نہ ہو روزِ شمار کا
قائل نہیں ہے رحمتِ پروردگار کا

راضی ہوا ہے وعدۂ فردائے حشر پر
اللہ رے حوصلہ دلِ امیدوار کا

مطرب کوئی غزل کہ یہ وقتِ نشاط ہے
ساقی شراب لا کہ ہے موسم بہار کا

---

[۱] مرزا مائل کا شعر ہے :-
دو گھڑی کے لئے توبہ سے جُدا ہونا ہے
مے کے دو گھونٹ سے واعظ مجھے کیا ہونا ہے

ہے روزِ عید گھر میں ہر اک بادہ خوار کے
سن سن کے ذکر رحمتِ پروردگار کا

شاہد پرست رند ہو کوثر سا شیخِ وقت
کیا اعتبار اب کسی پرہیزگار کا

نے تو دنیا کا رکھا اور نہ دیں کا رکھا
تو نے ہم کو بتِ کافر نہ کہیں کا رکھا

کیا کہیے آہ ایک مصیبت ہے جان پر
گویا کسی نے مہر لگا دی زبان پر

دیکھا مجھے جو خاک اڑاتے تو کہتے ہیں
یارب تری زمین چلی آسمان پر

آتے ہیں وہ تو میں نہیں ہوتا ہوں آپ میں
جاتا ہوں میں تو وہ نہیں ملتے مکان پر

وہی ہے میکدہ یارب مگر یہ کیا قیامت ہے
نہ وہ شیشے نہ وہ ساغر نہ وہ ساقی نہ وہ محفل

کس لئے آتے ہیں اغیار ترے کوچے میں
کہیں چل جائے نہ تلوار ترے کوچے میں

اب ہے ہنگامۂ اغیار ترے کوچے میں
ہمیں ہم تھے کبھی اے یار ترے کوچے میں

نہیں آنے کے رہے ہم نہ کہیں جانے کے
ہو گئے آ کے گرفتار ترے کوچے میں

دیر کہیے تو بجا کعبہ سمجھئے تو درست
جمع ہیں کافر و دیندار ترے کوچے میں

جان دینے کے لئے خاک میں ملنے کیلئے
روز آ جاتے ہیں دو چار ترے کوچے میں

گالیاں کھائیں تو ہم مار پڑے تو ہم پر
ہیں ہمیں ایک گنہگار ترے کوچے میں

کیونکر نہ جگہ پائے دلِ اہلِ صفا میں
خشتِ خم مے خانہ ہے مسجد کی بنا میں

خوشا قسمت کہ وہ صورت بنا کر آئے ہیں غم کی
خدا نے آبرو رکھ لی ہماری بزمِ ماتم کی

اگر ہم ہیں تو کیا ہیں اور نہ ہونگے ہم تو کیا ہوگا
رہیں وہ جن کے دم سے رونقیں ہیں بزمِ عالم کی

الٰہی بشر ہوں فرشتہ نہیں
خطا ہو گئی کیا خطا ہو گئی

محبت ہے کیا شے شکایت تری
پہنچتے ہی لب پر دعا ہو گئی

خیالِ عدو دل میں آنے لگا
تمہاری جفا اب جفا ہو گئی

ہاں مجھے رشکِ رقابت بھی گوارا ہو جائے
کوئی تجھ سا ہی حسیں تجھ پہ جو شیدا ہو جائے

مزے لئے بھی تو کیا ہم نے دل لگی کے لئے
کہ کھوئی جان سی چیز ایک بے وفا کے لئے

ترے فقیر کی اللہ رے شانِ استغنا
کہ ہاتھ بھی نہ اُٹھائے کبھی دُعا کے لئے
نہ کیوں خطا پہ خطا ہو نہ کیوں عطا پہ عطا
کہیں خطا کے لئے ہوں تو وہ عطا کے لئے
ہمیں اِی واعظِ ناداں یہ نقشے باغِ رضواں کے
نہ دکھلا تو کہ ہم ہیں رہنے والے کوئے جاناں کے
عجب انداز ہیں سودائیِ زلفِ پریشاں کے
کہ لٹکائے ہوئے ہیں تار سر سے جیب و داماں کے

نہ وہ شیشے نہ وہ ساغر نہ وہ ساقی نہ وہ میکش
وہ رنگ اگلے سے کوثر اب کہاں ہیں بزمِ رنداں کے

کوکب تخلص۔ محمد عبد الرحمٰن نام۔ "نجم الشعرا" خطاب۔ نسباً نومسلم راجپوت (شیخ) مذہباً اہلِ سنت والجماعت۔ تاریخی نام رحمت خاں ۔ ۱۲۹۹ھ

والدِ بزرگوار کا نام اصلی تو کریم بخش تھا۔ مگر منت کا نام میراں بخش تھا۔ اور اسی سے مشہور تھے۔

مولد و وطن اور کچھ خاندانی حالات آپ کا مولد سانبھر ہے اور وطن جے پور تھا مگر اب پاکستان ہے۔

بقول آپ کے۔ آپ کے پر دادا غلام محمد۔ موضع "گھڑوتہ" ریاست "پونچھ" کے رئیس تھے جن کو راجہ کا خطاب تھا وہ مشرف باسلام ہوئے۔ اور وطن و ریاست کو خیر باد کہہ کر پنجاب چلے آئے۔ امرتسر میں تجارت شروع کر دی آپ کے والد میراں بخش مرحوم نے آگرے آکر ڈاکٹری پاس کی اور ۱۸۶۲ء میں امرتسر جا کر پریکٹس شروع کی۔ ۱۸۷۱ء میں الور آکر ڈاکٹر ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد جے پور آکر کچھ دن پولس میں تھانہ دار رہے پھر ڈاکٹر ہو کر جے پور اور مضافات کے شفاخانوں میں مامور رہے۔ پھر کسی جنگ کے سلسلہ میں فوجی ڈاکٹر ہو کر لام پر چلے گئے اور وہاں سے واپس آکر ٹھاکر فتح سنگھ مدار المہام جے پور کے فیملی ڈاکٹر ہو گئے۔ ۱۹۱۴ء میں بمقام جے پور انتقال کیا۔

تعلیم وملازمت اور ترکِ وطن | پرائیویٹ طور پر "منشی فاضل" تک تعلیم پائی۔ کرکٹ کے شوق اور شعر گوئی کے ذوق نے تعلیم کے میدان میں آگے نہ بڑھنے دیا۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں جے پور کی ایک پلٹن میں جمعدار بھرتی ہو کر صوبہ دار میجر تک ترقی کی مگر سنہ ۱۹۱۱ء میں بوجہ علالت مستعفی ہو گئے۔ اور مختلف وکلا کی محرری کرتے رہے۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں۔ جے پور پولس میں اہلکار ہو کر سب انسپکٹری پولس تک ترقی کی اور ۱۳ر مارچ سنہ ۱۹۴۶ء کو کورٹ سب انسپکٹر پولس کے عہدے سے پنشن لی۔ ۲۰ر مارچ سنہ ۱۹۵۰ء کو ترک سکونت کر کے پاکستان چلے گئے۔

ذوقِ سخن۔ تلمذ اور دستار بندی | کوکب نے پہلی غزل سنہ ۱۹۰۰ء میں لکھی اور حضرت آگاہ کی خدمت میں اصلاح کے لئے لے کر حاضر ہوئے جس میں یہ شعر بھی تھا۔

گرمیِ عشق نے پھونکا ہی یہاں تک مجھ کو میرے سینے سے نکلتا ہی دھواں آپ سے آپ

اُستاد نے "مجھ کو" کی بجائے "کوکب" بنا دیا۔ آپ اُستادِ موصوف سے برابر اصلاح لیتے رہے۔

حضرت آگاہ کا انتقال اگرچہ سنہ ۱۹۱۷ء میں ہو گیا تھا مگر اُن کی جانشینی کا سوال ۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء کے بعد اُٹھا۔ جس کی وجہ یقیناً جناب صبا کی تقلید۔ اور حافظ محمد یوسف علی خاں عزیز کی خواہشِ جانشینی تھی۔ مگر اکثر شعراء کوکب کو جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اس پر کافی بحث و مباحثہ ہو کر قرار یہ پایا کہ حضراتِ سائل و بیخود سے تصفیہ کرایا جائے۔ چنانچہ شعرائے جے پور کی جانب سے محمد ایوب خاں فضا ایک خط لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُنھوں نے کوکب کے حق میں فیصلہ کیا۔ اور سید انور علی شاد کے مکان پر جلسہ ہو کر نبی مرزا صاحب نبیرۂ حضرت آگاہ کے ہاتھ سے آپ کے دستار بندی ہو گئی اور نجم الشعرا کا خطاب دیا گیا۔

تصانیف | آپ کا مکمل ضخیم دیوان تیار ہے مگر طباعت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

کلام پر تبصرہ | آپ کے کلام میں مشاقی کا زور، مضمون آفرینی اور بلند پروازی کی سعی۔ بخوبی ظاہر ہے۔

نمونۂ کلام | کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:-

خدا کا شکر ہے مر کر ٹھکانے لگ گئی مٹی
کفن کشتہ کا گویا دامنِ شمشیرِ قاتل تھا

اُدھر وہ شست سے نکلا اِدھر یہ سینے سے
کسی کے تیر کا ارمانِ دل جواب ہوا

تمنا بن کے رہ جائے نہ جانے پائے تیر اُن کا
درِ دل پر ہجومِ آرزو دیوار ہو جانا

اثرِ بوئے گلِ تر سے نہ اُٹھتا گر کر
مل گیا مجھکو سہارے کیلئے دوشِ بہار

مجھ میں تو ضعفِ ہجر سے طاقت نہیں رہی
اب کر سکیں تو شب کو فرشتے سحر کریں

وہ بُت خلاف ہم سے اثر سے دُعا خلاف
نالے اثر کریں تو کہاں تک اثر کریں

کوکب! بتوں کے عشق میں سُن ہو گیا ہے دل
پتھر کا کیا علاج مرے چارہ گر کریں

کچھ وصل کے طالب نہ غمِ ہجر سے خائف
ہیں ان کے ہوا خواہ کسی اور ہوا میں

ابھی جو اُٹھیں قیامت بپا کریں کوکب
وہ اپنے پاؤں سے محشر دبائے بیٹھے ہیں

جنوں میں اب یہ نقشے رہے آشفتہ ساماں کے
گریباں پھاڑ کر پڑے بنائے بابِ زنداں کے

اگر ہم نے شکایت کی نہ سننے دیں گے محشر میں
کھڑے ہو جائیں گے فتنے زمین کوئے جاناں کے

خزاں سے باغ ہو جائے اگر پت جھڑ العجب کیا
یہاں تو فصلِ گل میں تار گرتے ہیں گریباں کے

عدو سے پوچھتے جاتے ہیں کچھ اور ہنستے جاتے ہیں
تعجب سے خوشی میں سُن رہے ہیں داستاں غم کی

ستم کے بے وفا نے یہ نئے پہلو نکالے ہیں
زباں پھیری، نظر بدلی، وفا چھوڑی جفا کم کی

آفت ہے قیامت ہے مُصیبت کا زمانہ
یارانِ وطن میں بھی رفاقت نہیں دیکھی

کیوں گردشِ گردوں سے پریشان ہو کوکب
تم نے ابھی اللہ کی قدرت نہیں دیکھی

کیفی تخلص فضل الرحمٰن نام، مولد و وطن جے پور، الحاج حافظ عبداللہ صاحب کے فرزند جو یہاں کے مشہور نامآور جوہری ہیں اور بیرونی ممالک تک میں جواہرات کی بڑے پیمانے پر تجارت کرتے ہیں۔

کیفی ادیب ماہر پاس ہیں مگر بسلسلۂ تجارت ملایا۔ جاپان۔ انگلستان اور فرانس جاتے رہتے ہیں اس لئے وہاں کی زبانیں بھی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ شعر و سخن سے ذوق رکھتے ہیں۔ تقریباً سات آٹھ سال سے شعر کہتے ہیں۔ حضرت قمر ایوبی سے تلمذ ہے اسی لئے اپنے کو کیفی ایوبی لکھتے ہیں۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے :۔

مبارک ہو تجھے یہ کامیابی کاروانِ دل | جہاں باقی نہیں اب کوئی منزل وہ مقام آیا

سامنے اُن کا رُوئے تاباں ہو | یا تصور میں میرے قرآں ہے

مجھ کو دھوکا ہی عرش کا اس پر | خانۂ دل میں کون مہماں ہے

گُل گل بھی تخلص ہے۔ اور نگار بھی۔ نیز ہندی کلام میں پھول تخلص کرتے ہیں۔ میں نے ان کے متعلق جے پور کے سن رسیدہ اصحاب سے معلومات کی مگر کوئی حال دریافت نہ ہو سکا۔ جو کچھ حال بتایا۔ وہ ان کے کلّیات نے یا فقیر کے ایک قطعہ نے جو اُن کے حال میں درج ہے۔

کلیات کی دستیابی ان کا کلیات دستیاب ہونے کی یہ صورت ہوئی کہ منشی نظام الدین عیش مرحوم کے حالات اور کلام میں نے منشی نعیم الدین پنشنر انسپکٹر پولس جے پور سے طلب کیا کہ جو عیش کے پوتے ہیں۔ انھوں نے عیش مرحوم کا بہت مختصر حال لکھ بھیجا۔ اور چار قلمی ضخیم جلدیں بھیجدیں کہ یہ اُن کے دیوان ہیں۔ کلام ان میں دیکھ لیا جائے۔ میں نے دیکھا تو ایک کلیات گل کا تھا جو $\frac{17 \times 27}{4}$ سائز کے ۷۶ھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور تقریباً جملہ مرحم

اصنافِ سخن اس میں موجود ہیں۔ مگر کتاب کے اوّل و آخر میں نہ کوئی نام کتاب درج ہے نہ مصنف کا اظہار نہ سنہ تحریر۔ اردو کے علاوہ ہندی۔ فارسی اور مخلوط زبانوں میں بھی متعدد اصناف کلام موجود ہے۔ لہذا تمام کلیات پڑھنے پر حسبِ ذیل حالات کا اظہار ہوا۔

نام تخلص۔ تلمذ۔ معاصرین | مرزا اکبر علی خاں نام۔ گُل۔ بلبل نے تخلص تجویز کیا ہے۔ مگر یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ بلبل کون ہیں۔ اور نگار۔ استاد کا مجوّزہ ہے۔ میر تقی میرؔ سے تلمذ ہے۔ اور حسبِ ذیل صاحبان معاصرین ہیں :۔
فگار۔ بندہ۔ مہدی اور اظہر۔ مگر ان چاروں اصحاب کا بھی حال معلوم نہ ہو سکا۔ ثبوت میں ان کے اشعار ملاحظہ ہوں :۔ *

نگار۔ استاد نے بلبل نے گُل رکھا تخلص جب ۔۔۔ کیا اکبر علی خاں نے قبول احکام دونوں کا
گُل رکھا بلبل نے اور استاد نے رکھا نگار ۔۔۔ میرزا اکبر علی خاں کے ہوئے ہیں نام دو
نہ کیوں گوہر فشاں اشعار ہوں میرؔ زمانے میں ۔۔۔ مرا استاد ای گُل میرؔ سا یکتائے دوراں ہی
لے فگار و بندہ و مہدی و اظہر سے یہ گُل ۔۔۔ اس غزل پر آفریں ای بندہ پرور تو سہی

اسی غزل کا ایک اور شعر ملاحظہ کیجیے :۔

گو قدمبوسی سے اب محروم ہوں پر بعدِ قتل ۔۔۔ پائے قاتل پر گرے کٹ کر مرا سر تو سہی

سکونتِ جے پور | سکونتِ جے پور کے ثبوت میں حسبِ ذیل اشعار ملتے ہیں :۔

(۱) ایک غزل کے ۲ دو شعر ملاحظہ ہوں۔ پوری غزل کے ۷ شعر ہیں۔

آہ اے دوست! ترے ہجر میں یارِ جے پور ۔۔۔ مثلِ ویرانہ سمجھتے ہیں دیارِ جے پور
بے شبہ خاک سمجھنا اُسے مرقد کی مرے ۔۔۔ پہنچے تم تک جو کبھی گردو غبارِ جے پور

(۲) جے پور کے ایک معزز باشندے منشی "جے لال" کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے (منشی جی کے نام پر جے پور کے چاندپول بازار میں ایک راستہ بھی ہے) اس کا ایک شعر یہ ہے :۔

---

* احکام کو واحد استعمال کیا ہے۔ اس غزل کا مطلع یہ ہے :۔
جگر پہ داغ دل پہ گُل کیا آرام دونوں کا ؛ کیا آخر تری فرقت نے ظالم کام دونوں کا

ایسا ہے کون منشی جے لال کے سوا جس کا ہو بحرِوش بجہاں فیض بار دست

(۳) حضرت رحمت علی شاہؒ خلیفہ و جانشین حضرت مولانا ضیاءالدین فخریؒ جے پوری کا قصیدۂ مدحیہ جس کا ایک شعر یہ ہے۔

جز ترے دُنیا میں اے رحمت علی شاہِ جہاں کون رکھتا ہے بسانِ ابر گوہر بار دست

مولانائے موصوف کا ۱۲۲۸ھ میں وصال ہوا جو اس مادۂ تاریخ سے ظاہر ہے۔

درِ جنّت کُشاد و رضواں گفت مرحبا آنکہ ضیاءالدین
۱۲۲۸ھ

(۴) ۱۲۵۴ھ میں گُل نے یہ قطعۂ تاریخ لکھا ہے:-

بعد شادی چوں برات آمد بہ جے پور با خوشی موجزن شد بحرِ عشرت چار سو از خرّمی
داد ہاتف این ندا از بہرِ تاریخش بہ گُل بادہیموں شادیِ فرزند سندر لال جی
۱۲۵۴ھ

(۵) مسٹر راس پولیٹیکل ایجنٹ جے پور کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جس کے جستہ جستہ اشعار درج ذیل ہیں۔ اس سے بھی ان کا جے پور سے تعلق، اور یہاں کی سکونت ظاہر ہے:-

نام تیرا ہے ضیا افزا مہ و خورشید دار خلق میں اے راس صاحب اصاحبِ عز و وقار
حکم تیرا ہے مساوی کمپنی کے حکم کے تجکو گر کہیئے گورنر ہے بجا اے نامدار
ہے یقیں آفاق کے دل پر کہ تیرے حکم سے بلدۂ جے پور کا جاری ہی سارا کاروبار
حلِ مشکل کیلئے آیا ہوں تیرے پاس۔ میں گردشِ ایام سے ناچار ہو کر بے شمار
میں بھی امرازادہ ہوں اور قوم کا اشراف ہوں ہی بزرگوں کا مرے آفاق میں نام آشکار
حاکمِ جے پور کو مت سونپ میرا کام تو وہ رکھیں لیت و لعل میں مجکو تا روزِ شمار
خود تجھے معلوم ہے کرنا یہاں کی منصفی! سُن چکا ہوگا مقرر شہر جے پور کی۔ اَبار[۱]

---

[۱] مقامی زبان میں بمعنی ابھی اور اصطلاحاً وہ اقرارِ واثق جو کبھی پورا نہ ہو ۱۲

کلام پر تبصرہ | گُل کو زبان پر پوری قدرت ہے۔ بعض جگہ فارسیت کا غلبہ ہے اور بیشتر غزلیات میں صاف و سلیس زبان استعمال کرتے ہیں۔ تشبیہ و استعارہ سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ بلندیِ تخییل۔ اور دقت پسندی کی بہت سی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ زورِ بیان بھی ہے اور تاثیرِ کلام بھی۔ سنگلاخ زمینوں کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور خوب شعر نکالتے ہیں۔

نمونۂ کلام | کلام کا نمونہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:-

واضح رہے کہ ہر شاعر کے کلام کا نمونہ درج کیا گیا ہے نہ کہ انتخاب

قیس کے پاس پسِ مرگ نہ نکلی کچھ شے　　ہر بُنِ مو سے مگر خارِ مغیلاں نکلا
پونچھتا آنسوؤں کو چشم سے اپنی کیونکر　　جامۂ گل میں تو اتنا بھی نہ داماں نکلا
ہے سلاسل میں مقید آج تک تصویرِ قیس　　جُرم کیا ثابت کیا اے عشقِ بے تقصیر کا
یہ کس عشوہ گر نے اشارا کیا　　مرے دل نے مجھ سے کنارا کیا
نہ دی مجھ کو دشنام تک بھی کبھی　　میں ہر چند دامن پسارا کیا
پس از میر و مرزا بملکِ سخن　　سُنا ہے کہ گُل نے اجارا کیا
رشتہ کبھی ہم سے غمِ ہجراں کا نہ ٹوٹا　　تار اس لئے اشکِ گہر افشاں کا نہ ٹوٹا
شعلہ اُٹھے تو دے مری چشمِ پُر آب داب　　رکھتا ہوں آگ عشق کی پانی میں داب داب
جھلکے ہاہی دلا آفتاب در تہِ آب　　عرق سے اور ہوئی رُخ کی آب در تہِ آب
مجھ پہ تقصیر کرے دشتِ ہجراں ثابت　　موسمِ گل میں رکھوں میں جو گریباں ثابت
اے ماہ کہاں اُس کے ہو تو پشت برابر　　خورشید نہ ہو جس کے کبھو پشت برابر
نکلا ہے استخوان کو تیشہ سے توڑ کر　　تھا طائرِ جنوں کا سرِ کوہ کن قفس
داغ رکھتے ہیں ترے حُسن سے ای مایۂ ناز　　لالہ و ماہ و دلِ سوختگاں تینوں ایک
فصلِ گل۔ وصفِ صنم۔ بزمِ طرب ای ساقی　　اس کو تحقیق سمجھ پھر یہ کہاں تینوں ایک

جب ہیں دریا کنارے غیر سے وہ مِل کے مِل
کیوں نہ بحرِ رشک میرا توڑ دیوے پل کے پل

ایسے شیدا کو کریں کیا یادِ زنجیرِ چمن
ہو جسے صحرا و موجِ بادِ زنجیر و چمن

نہیں قرار ایک دم، مری جاں ہمیشہ دن رات چرخ زن ہیں
سپہر سات[۷] اور بروج بارہ[۱۲] عقول دس[۱۰] یہ غلام ہیں سو

اس اشک و نالے کے ہیں اثر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
اُدھر وہ چمکے اِدھر یہ برسے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

بحرِ ہستی سے گذرتا ہوں ابھی مثلِ حباب
لطف ای گردشِ گرداب کہ مہماں ہوں میں

مجھ سے مت تنگ ہو پل مارتے ڈھل جاؤنگا
پرورش یافتہ دامنِ مژگاں ہوں میں

بوقتِ سرمہ کشی مردمانِ خانۂ چشم
عصائے ناز پہ اہتمام لیتے ہیں

اس قدر فرطِ جنوں ہے ترے دیوانے کو
تار چھوڑا نہ گریباں میں قسم کھانے کو

پھرتی ہی غبارِ تنِ دیوانہ کی خاطر
زنجیر لئے موجِ صبا دیکھئے کیا ہو

ضعف پیراہن دری کرنے نہیں دیتا مجھے
ورنہ دستِ چاک زن سے کیا گریباں ڈر رہے

حالتِ دل کباب کی سی ہے
سانس بھی اضطراب کی سی ہے

عشق کے ہاتھ سے مجھے ای گُل
زندگی اک عذاب کی سی ہے

میں نے پوچھا کہاں ہے میرا دل
ہنس کے بولے مری بلا جانے

ناتواں کو ترے بروئے زمیں
خلق دیکھے تو نقشِ پا جانے

پڑے پھپولے جو اے ستمگر جگر کے اوپر قدم کے نیچے
تو کیوں نہ دیکھیں مثالِ اخگر جگر کے اوپر قدم کے نیچے

آپ اک دل کیلئے گُل سے خفا ہوتے ہیں
جان حاضر ہی یہ کیا تم نے بڑی بات کہی

دہنِ حرص کردیا ہم نے
دوختہ سوزنِ توکل سے

مجھ سے کہتا ہی یہی پنجۂ وحشت اے گُل
آپ یہ بارِ گریباں نہ اُٹھایا کیجے

آئے دو فصلِ بہاری کو ذرا پھر دیکھوں
آپ سیتے ہیں مرے چاک گریباں کتنے

ہندی اشعار :-

برہ ہیا میں ہُول دے کیسے دیکھوں پھُول
بن پی دیکھوں پھول جب لگے ہیا میں ہُول
ریکھ لکھی کرتار کی میٹ سکیں کب لوگ
ہُو۔ برہن کے بھاگ میں بدھنا لکھیا جوگ
پانی برسا مینھ کا اُوگیا ئی سب گھاس
بھیگت ہیں وہ مینھ میں جن کا جنگل باس
آہ کروں تو تن جلے چُپ کئے من جل جائے
ایسی بھاری پیڑ ہیں کیسے کر کل آئے

مخلوط کلام :-

مرضِ عشق سے ای خضر میں کب بچتا ہوں
سر بسر دیجئے گر چشمۂ حیواں مجکو
کالی ناگن نینھ کی جا کا من ڈس جائے
امرت وا کے جیو کو بس کا گُن دکھلائے
چہ کنم سیر لب جوئے جہاں مثلِ حباب
کہ بقائے منِ جاں سوختہ بے بنیاد است

لائق تخلص فضل الرحمن نام۔ قصبۂ بہٹ ضلع مظفر نگر وطن تھا۔ بغرض ملازمت جے پور آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ مختلف محکموں میں ملازمت کی مولوی سید اشتیاق حسین ناطق سے تلمذ تھا۔ اُن کے بعد حضرت جوہر سے اصلاح لیتے تھے۔ سفر اسّی غزلیات کی ایک بیاض بھی جواب ناپید ہے۔ گنگا پور علاقہ جے پور میں تقریباً ستر بہتر برس کی عمر میں انتقال کیا جس کو دس پندرہ سال کا عرصہ ہوا۔ صرف ایک شعر بطور یادگار درجِ ذیل ہے :-

مٹائے مرے ضعف نے ایک دم میں
رسائی میں دعوے تھے جو کچھ فغاں کے

ماہر تخلص۔ عبدالرشید نام وطن و مولد جے پور حضرت قمر واحدی سے تلمذ ہے میونسپل کونسل جے پور میں کلرک ہیں۔ نو مشقی کا زمانہ ہے۔ آثار اچھے ہیں۔ یہ اشعار نمونۂ کلام ہیں :-

ہم سمجھتے تھے بہت سہل ہے مرنا لیکن
زندگی اور بھی مشکل ہوئی آساں ہو کر
دین و دنیا کے بکھیڑوں سے ملی اس کو نجات
جو محبت میں رہا بے سر و ساماں ہو کر

ماہر تخلص۔ قادر علی نام۔ حضرت تنویر سے تلمذ ہے۔ "طبیب حاذق" پاس ہیں جے پور کے "اسکول آف آرٹس" میں ملازم تھے۔ اب پنشن پاتے ہیں۔ اور مطب کرتے ہیں۔ نعتیہ اور عشقیہ دو دیوان مکمل ہیں۔ یہ شعر آپ کا ہے۔

تمنا بسملوں کی جانستاں ہے خنجر ابرو ۔۔۔ زبانِ خنجر ابرو کو ہم قاتل سمجھتے ہیں

مائل تخلص۔ محمد تقی بیگ نام نسباً مغل۔ مذہباً سنی حنفی مسلکاً چشتی اجمالی وطن دہلی اور مسکن و مدفن جے پور۔

مختصر خاندانی حالات آپ کے مورثِ اعلیٰ شہنشاہ ہمایوں کے دوسرے دورِ سلطنت میں ایران سے ہندوستان آئے اور فوجی معزز عہدوں پر مامور رہے۔ شہنشاہ شاہجہاں کے ساتھ۔ آگرے سے دلی آکر آباد ہوئے۔ اور یہ تعلق سلطنت مغلیہ کے انقراض تک قائم رہا۔ چنانچہ آپکے والدِ بزرگوار مرزا مغل بیگ آخری تاجدار دہلی کے درباریوں میں تھے۔ ننھیالی رشتہ میرزا مائل کا نواب سعداللہ خاں وزیر اعظم شاہجہاں سے ملتا ہے دلی میں بزرگوں کا مسکن مٹیا محل تھا۔ اور آپ بھی جب تک دلی میں رہے وہیں رہے۔

ولادت تعلیم۔ شادی اور تلمذ بقول سید انور علی شاد۔ مولفِ "شاہد غم" مرزا صاحب کی ولادت ۱۸۵۲ء میں بمقام دہلی مٹیا محل میں ہوئی۔ مگر خود مرزا صاحب کا قول یہ ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء میں اُن کی عمر سات برس کی تھی جسکی تصدیق بحوالہ بیان مرزا صاحب صبا صاحب کرتے ہیں۔ اس طرح ۱۸۵۰ء قرار پاتا ہے۔ میں نے بھی اپنی تصنیف "سرنوشت مرزا مائل" میں ۱۸۵۲ء بعد تحقیق از مرزا محتشم بیگ خلف مرزا مائل۔ درج کیا تھا۔ مولد متفق علیہ ہے۔ غدر کے بعد آپکے خاندان کو بھی مصائب و افلاس کا شکار ہونا ناگزیر تھا۔ چنانچہ مرزا کی تعلیم پر بھی اس کا اثر پڑا۔ پڑھنا لکھنا شروع کیا مگر

فارغ التحصیل نہ ہو سکے۔ لہٰذا اس کمی کو آپ نے اہلِ علم کی صحبت سے پورا کرنے میں ایک حد تک کامیابی حاصل کی۔ آپ کے زمانۂ طالب علمی ہی میں آپ کے والد نے انتقال کیا اور ایک مصیبتِ مزید سے دوچار ہونا پڑا۔ ذریعۂ معاش مکانات کے کرایہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ طالب علمی ہی کا زمانہ تھا کہ چودہ ۱۴ برس کی عمر میں ذوقِ سخن پیدا ہوا۔ سید امراؤ مرزا انورؔ سے تلمذ اختیار کیا اور مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ اٹھارہ سال کی عمر تھی کہ شاہزادگانِ بنارس میں سے خسرو مرزا کی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوگئی۔

ترکِ وطن اور فائزی جے پور | مرزا صاحب نے مالی مشکلات سے مجبور ہو کر وطن کو خیرباد کہا اور پچیس برس کی عمر میں اپنے ماموں صاحب کے پاس گوالیار چلے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں کوشش کی کہ کوئی سلسلہ معاش قائم ہو جائے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ تو ۱۸۷۹ء میں جے پور چلے آئے۔ حضرت انورؔ ان سے پہلے جے پور آچکے تھے کچھ دنوں یہاں بھی ان سے اصلاح لیتے رہے۔ پھر مولانا تسلیمؔ کے تلامذہ میں شامل ہو کر استفاضہ شروع کیا۔ چنانچہ کہتے ہیں :-

آتا نہ مجھے فنِ سخن کچھ کبھی مائلؔ
گر انورؔ و تسلیمؔ سے اُستاد نہ ہوتے

اور کہتے ہیں :-

مضمون نئے جہاں ہوں وہاں سے لاؤں
گر یاں نہ ملیں تو لامکاں سے لاؤں
پر یہ تو کہو حضرتِ مائلؔ مجھ سے
تسلیمؔ سا اُستاد کہاں سے لاؤں

جے پور آکر اول نیلگروں کے نالہ (نام محلہ) میں مکان کرایہ پر لے کر سکونت اختیار کی۔ پھر محلہ "نگاسیاں کی مسجد" میں حاجی شیخ جلال الدین مرحوم کے مکان میں کرایہ پر رہنے لگے۔ یہاں عرصہ دراز تک رہے۔ پھر حسب ضرورت مکان تبدیل کرتے رہے۔ مگر اسی نواح میں قیام رہا۔

ملازمت ۱۸۸۶ء میں نہایت قلیل ماہانہ کی ایک اہلکاری آپ کو ریاست جے پور میں مل گئی۔ آپ نے اسی کو غنیمت سمجھا اور فرائضِ منصبی بہوشیاری تمام انجام دینے لگے۔ اس سلسلہ میں تیرہ[۱۳] سال سانبھر میں رہے باقی عرصہ ملازمت جے پور میں گزرا۔ ۱۹۲۵ء میں پنشن لے لی اور مستقلاً سانبھر چلے گئے۔ البتہ جے پور میں آمد و رفت برابر قائم رہی۔

وضع وقطع اور حلیہ ولباس بلحاظ وضع وقطع اور تہذیب معاشرت، مرحوم۔ وضعِ قدیم کا نمونہ تھے۔ چنانچہ "مسوری" کے مشاعرے میں آپنے یہ مقطع پڑھا تھا، جہاں آپ حکیم اجمل خاں صاحب کے ساتھ تفریحاً گئے ہوئے تھے۔

مائل لئے ہوئے ہیں جو وضعِ قدیم کو　　ہر ایک پوچھتا ہے یہ حضرت کہاں کے ہیں

سر پر پٹے۔ اونچی چوگوشیہ ٹوپی۔ جو ہمیشہ مخمل کی۔ سبز۔ نیلی۔ اودی یا سُرخ ہوتی تھی۔ عدالت میں جاتے وقت سفید ململ کا عمامہ۔ کشادہ پیشانی۔ لمبا چہرہ۔ کشیدہ قامت۔ گندمی رنگ۔ مضبوط اور سڈول اعضا بشرے سے متانت و سنجیدگی نمایاں۔ طبیعت میں بے حد ظرافت و بذلہ سنجی مگر حد درجہ مہذب و متین فقرے فقرے سے ہوشمندی و لطافت عیاں۔ آواز بھاری مگر صاف۔ گفتگو سلیس و جاذب سمع۔ "حضت" تکیہ کلام اور ٹھیٹھ دلی کی زبان۔ گنجان داڑھی۔ جوانی میں چڑھاتے تھے۔ آخرِ عمر میں شانہ کی دستیاری سے ڈیڑھ پایہ پر رہتی تھی۔ خضاب کبھی نہ کیا۔ آخر عمر میں صرف ایک سامنے کا دانت باقی رہ گیا تھا۔ اُس نے بھی انتقال سے قبل مفارقت کی مصنوعی دانتوں کے خلاف تھے اور کہا کرتے تھے۔ کہ "مصنوعی دانت ہی وہ ترکہ ہے جس سے کوئی وارث فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

ایک مشہور سخنورِ لکھنؤ نے کہا تھا۔ ع دنداں گئے کہ جوہرِ تیغِ زباں گیا۔

مائل کہتے ہیں :-

ٹوٹے ہیں جب سے دانت یہ آرام تو ملا دیتا نہیں ہے اب کوئی دنداں شکن جواب

ہمیشہ سفید لٹھے کا گھیرا انگرکھا یا جاڑے میں کسی یکرنگ کپڑے کا رومال ورنہ زیادہ تر گرم چادر استعمال کرتے تھے۔ قمیص تمام عمر نہ پہنی سفید ململ کا دیسی کرتہ اور سفید لٹھے کا سیدھا پاجامہ سلیم شاہی جوتہ سادہ نری کا۔ ایک بار ایک دوست نے کہا آپ بوٹ کیوں نہیں پہنتے؟ کہنے لگے "ابھی پاؤں کرسٹان نہیں ہوئے ہیں" ایک لمبا چوڑا سفید لٹھے کا رومال کاندھے پر اور کبھی فکرِ سخن میں سمٹا ہوا ہاتھ میں۔ بانس کی لکڑی ہاتھ میں رکھتے تھے مگر چھتری نہ لگاتے جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک بار دلی میں "دریبہ" سے آرہے تھے مسجد کے قریب پہنچے تو ہوا کا ایک تند جھونکا۔ ہاتھ سے چھتری اُڑا لے گیا۔ مڑکر دیکھا تو سر سے ٹوپی غائب۔ فوراً رومال سر سے باندھ کر گھر کی راہ لی اور پھر کبھی چھتری نہ لگائی۔ بینائی بہت اچھی تھی۔ آخر عمر تک عینک استعمال نہ کی۔ البتہ دو جوان صاحبزادوں کے انتقال کے بعد نظر میں نمایاں کمی ہوگئی تھی۔

اخلاق و عادات حضرتِ مائل خوش اخلاق۔ ملنسار متواضع مخلصین کے لئے نہایت منکسر اور متکبرین کے مقابلہ میں بے حد خود دار تھے۔ تعلقات کو نباہنے کی انتہائی کوشش کرتے تھے۔ وضعداری اُن کی طبیعتِ ثانیہ تھی "وہ جان جائے مگر نہ جائے آن" کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

حقہ پینے کے شائق تھے۔ اور تمباکو ہمیشہ "کانا کماں" نامی تمباکو فروش کے یہاں سے خریدتے تھے۔ آپ سے کہا گیا کہ اس دوکان کا تمباکو تو نہایت خراب اور بہت گراں ہوتا ہے دوسری فلاں دوکان سے لیجئے جو اچھا بھی ہے اور ارزاں بھی تو جواب دیا کہ "بھئی جب ہم دلی سے آئے تھے

تو پہلے اسی کے یہاں سے تمبا کو خریدا تھا۔ اب کہیں اور سے لینا وضعداری کے خلاف ہے۔"

جب سانبھر میں ہوتے تو رات کا کھانا تیار ہو جانے کے باوجود ۹ ۹½ بجے شب سے پہلے نہ کھاتے۔ عرض کیا جاتا تو جواب دیتے کہ "بھئی ذرا توقف کرو شاید اس ریل سے کوئی مہمان آجائے تو ساتھ ہی کھالیں گے۔"

ایک بار سخت علیل ہو کر جے پور سے سانبھر چلے گئے مگر علاج جے پور ہی کے حکیم عظیم الدین خاں دہلوی کا رہا۔ زمانہ علالت طویل ہو گیا تو احباب و اقربا عیادت کو جے پور سے جانے لگے۔ مرزا صاحب کے فرزند مرزا محتشم بیگ کا بیان ہے کہ میں دوسرے تیسرے دن دوا لینے اور حال کہنے کے لئے جے پور جایا کرتا تھا۔ ایک روز جب میں جے پور جانے لگا تو ابا نے فرمایا کہ "تم مولوی صاحب (مولانا مبینؒ) کے پاس ضرور جانا۔ دوا بھی بعد میں لینا اور اُن سے میری طرف سے کہنا کہ مجھے پوچھنے سب ہی آئے اور جو نہ آسکے اُن کے خط آئے مگر آپ کا خط تک نہ آیا۔ چنانچہ میں ریل سے اُتر کر اوّل مولوی صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ جوتہ بھی نہ اُتارنے پایا تھا کہ مولوی صاحب نے پوچھا "اماں مرزا کا کیا حال ہے؟" میں نے بعد سلام حال بیان کیا اور پیغام عرض کیا تو مجھے تو ایک ڈانٹ دی۔ اور فرمایا کہ "اس سے کہنا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو محض پوچھنے آئیں یا خط بھیجیں۔ میں اپنے کرنے کا کام کر رہا ہوں (دُعا) گھبراتا کیوں ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ ضرور اچھا ہو جائے گا۔" یہ جواب جب میں نے والد صاحب کو جا کر دیا تو زار زار رونے لگے۔ اور کہا کہ "اب یقیناً میں اچھا ہو جاؤں گا۔"

احباب خاص سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں مرزا صاحب کبھی نہ چوکتے تھے۔

میرزکی مرحوم سے تو ایک گونہ لاگ ڈانٹ سی تھی کیونکہ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور مرزا صاحب اُن کو نہ گانٹھتے تھے میر صاحب کسی کے شاگرد نہ تھے۔ چنانچہ اُن پر تعریض کرتے ہیں :-

اپنا تو اعتقاد ہے مائل خدا گواہ شاگرد جو نہیں ہے وہ اُستاد بھی نہیں

میر صاحب مرزا صاحب کو "تک بند" کہتے تھے۔ چنانچہ ایک مقطع میں اس کا جواب دیتے ہیں :-

مائل مرے کلام کے منکر ہیں وہ ہی لوگ اعجاز کو جو کہتے ہیں جادو گری نہ ہو

ایک بار میر صاحب موصوف نے اپنا ایک متوحش خواب مولانا تسلیم سے بیان کیا۔ یہ کہ "میں دیکھتا ہوں کہ شلجموں کی گڈی میری بغل میں ہے بازار سے آرہا ہوں اور ایک سُور میرے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ مرزا صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ فوراً بول اُٹھے۔ "واہ! گوشت اور ترکاری دونوں ساتھ"۔ مولانا تسلیم تو منھ پھیر کر مُسکرانے لگے۔ مگر میر صاحب بہت ناراض ہوئے۔ مرزا صاحب اُٹھ کر یہ جا وہ جا۔

مولانا مُبین کا بڑا احترام کرتے تھے مگر ایک مقطع میں فرماتے ہیں :-

مائل سے میکدے میں جو ملنے کو آتے ہیں سلطانِ دیں ہے نام تخلص مُبین ہے

حاجی احمد حسین دہلویؒ سے بے حد اتحاد تھا۔ وہ کبھی کسی شعر کی داد دیتے تو کہتے۔ "حضرت آپ کو اس کوچہ کی ہوا نہیں لگی"۔

آپ کے ایک بے تکلف دوست نے ایک طوائف کی لڑکی کی تاریخِ ولادت کی فرمائش کی تو یہ شعر مع مادہ تاریخ اُن کو لکھ دیا :-

ایسی لڑکی کہے کسے۔ اَبّا
جس کی تاریخ دخترِ قحبا
۱۳۱۵ھ

عُجبُ غرورسے بہت دور تھے مگر زبان پہ ناز ضرور تھا چنانچہ کہتے ہیں :-

پڑھے مائل نے گو دو چار ہی شعر — مگر لُطف آگیا اُردو زباں کا

فصاحت کے کتبخانے ہیں مائل — پس قرآں مرا دیوان نکلا

ادب نے حضرتِ حافظ کے سمجھایا مجھے مائل — ارادہ تھا کہ کردوں حملہ اُردو کا صفاہاں پر

کہہ دو یہ شاعروں سے تبرک ہیں بانٹ لیں — ٹکڑے ہزار ہا مری اُردو زباں کے ہیں

طواف آکر مری تربت کا کرجائے کہ آخر ہوں — کوئی دلی میں میر یا اگر اہلِ زباں پھرہو

رشک و حسد اور مناقشات، دیر و حرم سے کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں :-

کسی سے ہو گیا رشک بزم جہاں ہیں — چھلک جائے کیا جانے پیمانہ کس کا

حشر ہیں شیخ و برہمن کے یہ جھگڑے پھیلے — کوئی پُرساں نہ ہوا ہم سے گنہگاروں کا

نہ کعبہ ہی تجلی گاہ ٹھیرا یا نہ بُتخانہ — لڑانا خوب آتا ہی تمہیں شیخ و برہمن کو

چھوڑ دے مائل خیالِ کفر و ایماں چھوڑ دے — کام کر اپنا حقِ گبر و مسلماں چھوڑ دے

صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے اور اوراد و وظائف کے بھی۔ تہجّد کی نماز پڑھ کر طویل دُعائیں مانگتے اور زار و قطار روتے۔ مگر تسبیح کبھی ہاتھ میں نہ رکھی۔ چنانچہ کہتے ہیں :-

یہ جو حلقہ ہے ترے ہاتھ میں سو دانوں کا — میں سمجھتا ہوں اسے شیخ کمندِ دُنیا

آلِ رسول سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ مولوی سید انوار الرحمٰن بسمل نے حسب ذیل واقعہ بیان کیا تھا :-

"جب میں نائب فوجدار تھا اور مرزا صاحب میرے سررشتہ دار تھے، ہم دونوں ایک مشاعرے میں شریک ہوئے۔ مرزا صاحب نے چاہا کہ مجھ سے پہلے غزل پڑھیں اور میں ان سے پہلے پڑھنے پر مُصر تھا۔ بات کچھ بڑھ گئی

مگر میں نے غزل شروع کردی۔ البتہ ایک گونہ ملال جانبین میں پیدا ہوگیا۔ خان بہادر مولوی احمد علی خاں ممبر کونسل جے پور صیغہ عدالتین کے یہاں مرزا صاحب کی روزانہ آمد و رفت تھی۔ اُن کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے مرزا صاحب کا تبادلہ میرے اجلاس سے دوسری جگہ کر دیا۔ اس کا مجھے اور بھی ملال ہوا کئی دن بعد۔ ایک روز مرزا صاحب میرے یہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ "حضرت! آپ نے میری نماز خراب کر رکھی ہے۔" میں نے پوچھا کس طرح؟ تو فرمایا کہ "نماز میں تو ہم آلِ رسول پر درود بھیجیں اور دنیاوی معاملات میں جھگڑا کریں" اس فقرہ کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میری کدورت رفع ہوگئی۔

مرزا صاحب کا دستور تھا کہ ہر محرم پر کم از کم ایک سلام ضرور ہی لکھتے تھے اور غزل کہنا موقوف کر دیتے تھے۔ ایک بار آپ ٹونک تھے کہ محرم آگیا۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہاں کہیں مجلسِ عزا ہوتی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں "محرم نہیں ہوتا" کہنے لگے کہ "کیا یہاں گیارہ ہی مہینے ہوتے ہیں؟"

منہیات شرعی سے کوئی واسطہ نہ تھا چنانچہ کہتے ہیں:۔

مائل شراب خوار نہیں ہوں خدا گواہ کیفیتوں سے مست ہوں اپنے کلام کی

ایک بار آپ دلی میں لالہ سری رام۔ صاحب "خم خانۂ جاوید" کے یہاں مہمان تھے۔ خود مرزا صاحب کہتے تھے کہ "ایک روز جب ان کے احبابِ خاص جمع ہوئے تو مجھے بھی شریک کیا گیا۔ دورِ جام و سبو بھی شروع ہوا تو میرے سامنے بھی ایک جامِ لبریز رکھ دیا گیا۔ میں نے انکار کیا تو فرمانے لگے کہ یہاں غیر کوئی نہیں ہے آپ بے تامل شوق فرمائیں۔ آخر میں نے جب یقین دلایا تو تعجب سے کہنے لگے کہ ہم پینے والوں کو یہ مضمون نہیں

سوجھتے جو آپ لکھ جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی کیفیت سے آپ واقف ہی نہیں۔"

اہلیہ محترمہ سے بہت تنگ تھے | حضرت کی اہلیہ محترمہ طبعاً بھی نازک مزاج و بددماغ تھیں۔ یہ شاہی خاندان کا اثر تھا۔ یہاں افلاس کا دور دورہ تھا اور کثیر العیالی وہ ذرا ذرا سی بات پر ایسی سخت ناراض ہوتیں کہ مرزا صاحب عاجز ہو کر حکیم محمود علی خاں محمود دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حال عرض کرتے۔ وہ چونکہ مُسِن شخص تھے اور شاہی خاندان سے اُن کا قریبی تعلق رہا تھا اس لئے بیگم صاحبہ اُن کا ادب و لحاظ کرتی تھیں۔ وہ آتے اور مصالحت کرا دیتے۔ ایک بار جو مرزا صاحب نے شکایت کی تو حکیم صاحب نے فرمایا۔ "ہم نثر میں نہیں سُنتے۔ نظم میں کہو جب سماعت ہوگی۔ لہٰذا مرزا صاحب نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا:۔

لڑتی ہے بات بات پہ آفت ہے کم نہیں جورو اگر یہی ہے تو مائل کا دم نہیں

آخر حکیم صاحب گئے اور مصالحت کرا آئے۔

صدماتِ جانکاہ | باوجودیکہ مرزا صاحب نہایت خوش طبع تھے۔ اسی لئے ان کے کلام میں حزنیہ اشعار بہت کم ہیں۔ مگر آخری عمر میں تین صدماتِ جانکاہ نے اُن کا رنگِ طبیعت بدل دیا تھا اور "واہ" کی جگہ "آہ" نے لے لی تھی۔ ان کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ پہلے سب سے چھوٹی لڑکی کا عین عالم شباب میں انتقال ہوا جس کی شادی کو زیادہ دن نہ گزرے تھے۔ پھر چھوٹے صاحبزادے محمد بیگ کا ۳۵ برس کی عمر میں ۱۳۴۳ھ میں اور ان کے بعد منجھلے فرزند محترم بیگ کا ۴۵ برس کی عمر میں۔ چنانچہ مصائب سے تنگ آ کر کہتے ہیں:۔

جی میں ہے کارخانۂ قدرت کو پھونک دوں دل کو مصیبتوں میں گرفتار دیکھ کر

فتوئے کفر | بحوالہ بیان مرزا صاحب مولانا کوثر اور مرزا محمود بیگ محمود سانبھری راوی ہیں کہ ایک بار مرزا صاحب کی دلی میں نواب سائل کے یہاں، مولانا شبلی نعمانی سے ملاقات ہوئی۔ نواب صاحب نے تعارف کرایا تو مولانا نے کچھ سُنانے کی فرمائش کی۔ مرزا صاحب نے یہ غزل پڑھی :-

خیال آیا تھا مجکو جب بنائے کعبہ پڑتی تھی
کہ یہ دھوکے میں ڈالے گا بہت گبر و مسلماں کو

مولانا اشعار کی داد دیتے رہے اور غزل ختم ہونے پر کہا کہ آپ کا یہ شعر (مندرجہ صدر) میں نے کسی رسالہ میں بطور عنوان پڑھا تھا۔ الحمدللہ کہ آج شاعر سے بھی ملاقات ہوگئی۔ مرزا صاحب نے کہا کہ "حضرت اس شعر کی بنا پر تو کفر کا فتوےٰ مجھ پر لگ چکا ہے" مولانا نے کہا۔ "ہاتھ ملاؤ ہم اور آپ برابر ہوئے"

دروغ گویم بر روئے تو | ایک بار جے پور کے ایک مشاعرے میں مرزا صاحب بھی شریک تھے اور دیگر شعرا بھی۔ طرح ایسی تھی کہ جس میں مرزا صاحب کی پہلے سے غزل موجود تھی وہی غزل آپ لے گئے۔ قتیل پہر سری بھی مشاعرے میں موجود تھے اُن حضرت نے مرزا صاحب کی پوری غزل اپنے نام سے سُنا ڈالی۔ خوب داد ملی۔ مرزا صاحب بھی خاموش سُنتے رہے۔ قتیل جب پڑھ چکے تو مرزا صاحب نے حضرتِ جوہر سے جو برابر بیٹھے تھے کہا کہ اب "مجھے اجازت ہو میری غزل تو آپ سُن ہی چکے"۔ یہ راز ظاہر ہوا تو مولانا جوہر نے آواز دی "میاں قتیل! ذرا یہاں آنا"۔ قتیل نے بہت اچھا تو کہا مگر جوتیاں ہاتھ میں لے یہ جاوہ جا۔ آخر سامعین کے اصرار پر کچھ شعر فی البدیہ کہکر مرزا صاحب نے سُنائے۔

نثر نگاری | مرزا صاحب بڑے شاعر ہی نہ تھے بلکہ نثر بھی لکھتے تھے جس میں خاصی دلکشی و ادبیت ہے۔ اُن کے متعدد مضامین ماہنامہ "صلائے عام"

میں شائع ہوئے ہیں مثلاً مضمون عنوانی "یا مجیب" متعلق حکیم عبدالمجید خاں دہلوی مرحوم۔ اس میں تحریر کرتے ہیں کہ :۔

"میں ہمیشہ مضامین سچے لکھتا ہوں جھوٹ سچ کی باتیں نہیں بناتا"

ایک مضمون عنوانی "مقبولِ خدا و رسول" متعلق اوصاف نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ و حسرتی جہانگیر آبادی۔

ایک مضمون عنوانی "دادِ سخن" میں رقم کرتے ہیں :۔

"مجھے افسوس یہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے سخن فہم ناثر ہوں کہ ناظم شعر فہمی تو شعر فہمی اُن کو طریقہ داد دینے کا بھی نہیں آتا۔ حضرت! کیا عرض کروں داغ مرحوم جس زمانہ میں جاتے ہی نوکر ہوئے ہیں تو جے پور بھی دو ایک روز قیام کیا تھا۔ میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس وقت اُن کو دورانِ سر تھا۔ مجھ سے فرمایا کہ "کچھ پڑھو"۔ میں نے عرض کیا آپ کو دورانِ سر ہو رہا ہے۔ کہا کہ "اس کا علاج یہی ہے" میں نے پڑھنا شروع کیا تو پندرہ غزلیں میری ایک جلسہ میں ایک حالت میں سُنیں۔ ہر شعر کو آنکھیں بند کرکے نہایت غور و خوض سے سنا اور معمولی داد جیسی لوگ دیا کرتے ہیں "واہ واہ" کسی شعر کی نہیں دی۔ ہر شعر کے عیوب و محاسن بیان کرتے چلے گئے۔ اگرچہ نیاز مند نے حالی۔ سالک۔ انور ظہیر۔ رونق اور مجروح وغیرہ کو بھی کلام سُنایا اور داد جیسی چاہیئے پائی۔ مگر وہ مزہ داغ کا سا نہ آیا۔

ایک مضمون عنوانی "اخلاقِ ناسخ" متعلق ناسخ تحریر کیا ہے۔ جس میں ناسخ و رونق کی ملاقات کا حال درج ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی مضمون ہیں۔

خان بہادر ناصر علی خاں ایڈیٹر "صلائے عام" کی مرزا صاحب کی نثر نگاری کے متعلق حسب ذیل رائے ہے :۔

"میں سمجھے ہوئے تھا کہ جس کو نظم میں کمال ہوتا ہے اس سے نثر بن نہیں پڑتی مگر حضرت مائل کو نظم و نثر دونوں میں ید طولیٰ ہے۔"[1]

وفات مرزا محتشم بیگ کا قول ہے کہ "ابا ہمیشہ ہی جے پور جایا کرتے تھے مگر ۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ء کو جب سانبھر سے جے پور جانے لگے تو کچھ اس طرح کی گفتگو فرمائی کہ میں آبدیدہ ہوگیا۔ اور خیال ہوا کہ کیا ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہے ہیں! میں اسٹیشن تک ریل پر سوار کرانے ساتھ گیا۔ لوٹا تو بہت مغموم تھا۔

جے پور میں مشاعرہ ہونے والا تھا۔ طرح تھی ع حال کہتا ہوں در و دیوار سے۔

۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ مطابق ۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء یوم جمعہ کو پنشن لینے خزانہ گئے۔ راستہ میں منشی مظہر حسین ناظم ملے۔ انھوں نے مشاعرے کی غزل کی بابت دریافت کیا تو جواب دیا کہ "دل پر تو لکھ لی ہے اب بعد نماز جمعہ کاغذ پر اور لکھ لوں گا۔" خزانہ پہنچے تو اہلکار متعلقہ نے کہا کہ ۲ بجے تشریف لائیے۔ لہٰذا ٹھاکر ہری سنگھ جاگیردار کھاٹو سے ملنے کو روانہ ہوگئے۔ رستے میں ۱۲ بجے دن سے کچھ پہلے گرمی محسوس ہوئی، ایک سنار کی دکان پر دم لینے کو ٹھیرے کہ حالت غیر ہوگئی۔ منشی محمد ابراہیم کورٹ انسپکٹر ایکسائز۔ سواری میں ڈال کر مکان پر لائے۔ گھر پہنچکر ایک سانس لیا اور طائر روح گلشن فردوس کو پرواز کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

انتقال کی خبر شہر میں نہایت سرعت سے پھیل گئی۔ جوق در جوق بلا تفریق مذہب و ملت لوگ جمع ہونے لگے۔ مرزا محتشم بیگ کو ذریعہ فون سانبھر اطلاع دی گئی۔ مولانا کوثر نے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ اور اسی روز بعد مغرب گھاٹ دروازے باہر "احاطہ بھوراشاہ" میں دفن کیا گیا۔

---

[1] صلائے عام بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۵ء

جنازہ کے ساتھ لوگ کثرت سے تھے اور سب متاثر و متاسف اور مرحوم کے اس شعر کا منظر پیشِ نظر تھا۔

کیوں نہ آئے رشک مائل کا جنازہ دیکھ کر — کس عقیدت سے ہر اک گبر و مسلماں لے چلا

اسی قسم کے حسبِ ذیل شعر اور ملاحظہ ہوں :۔

اس گل رہے ہمیشہ زمانہ بہار پر — دو پھول جو چڑھائے ہمارے مزار پر

کیسا ہوا ہوں خوش درِ میخانہ جان کر — دروازۂ بہشت کھلا جب مزار میں

اب آگئے ہیں یاں تو اٹھاتے چلیں نہ فیض — مائل سے بادہ خوار کی تربت یہی تو ہے

مرحوم کی لوحِ مزار کے لئے حضرتِ تنویر نے یہ مادۂ تاریخ کہا تھا۔

"مزارِ مرزا محمد تقی بیگ مائلِ جمالی دہلوی"

۱۳۵۰ھ

سید انور علی شادؔ نے "شاہدِ غم" ۱۳۵۰ھ شائع کیا۔ جس کا حال اُن کے ذکر میں درج ہے مگر حسبِ ذیل واقعہ ناقابلِ فراموش ہے :۔

۱۹۳۷ء میں جب حضرتِ سیماب سے مَیں آگرے میں ملا اور مرزا صاحب کے متعلق گفتگو ہوئی تو انھوں نے دریافت کیا کہ قبر پر کوئی کتبہ ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ تو فرمایا "شاعر جس طرح زمانۂ حیات میں گمنام رہتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد لوحِ مزار تک نصیب نہیں ہوتی"۔ حقیقتاً آج تک لوحِ مزار نہ لگ سکی اور جے پور میں اب چند ہی نفوس ہیں جو مرزا صاحب کی قبر بتا سکتے ہیں۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ انشاءاللہ لوحِ مزار ضرور لگوا دی جائیگی۔

شاعری مرزا صاحب حقیقی شاعر تھے۔ ہر فرصت کے وقت فکرِ سخن ضرور کرتے تھے۔ چلتے پھرتے بھی اکثر ہونٹ ہلتے رہتے تھے جیسے وظیفہ پڑھ رہے ہوں۔ یہ علامت تھی اس بات کی کہ فکرِ سخن میں ہیں۔ اکثر بعد نمازِ تہجد غزل لکھنے بیٹھ جاتے تھے۔ نعت کہتے وقت بیشتر باوضو ہوتے تھے۔

عام طور پر تنہائی میں حقّہ کے کش پر کش لگاتے جاتے اور غزل کہتے رہتے پنسل تمام عمر پاس نہ رکھی۔ دیسی کاغذ کے پورے صفحے پر غزل یا نعت لکھنا شروع کردیتے۔ اور سر صفحہ پر اوّل لازمی طور پر "یا فتاح" لکھتے تھے پھر کوئی شعر درج کرتے۔ یادداشت اچھی تھی اس لئے بعض دفعہ پوری غزل چلتے پھرتے کہہ لیتے اور پھر سپردِ قرطاس کرتے۔ انھوں نے غزل کے علاوہ اور بھی اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے حتیٰ کہ سجعے بھی کہے ہیں۔ مثلاً سید محمد میر سابق منتظم محکمہ خبر جے پور کا سجع کہا ہے :-

سارے نبیوں میں ہیں - محمد - میر

مگر بہت کم اور برائے نام۔ وہ صرف غزل گو شاعر تھے۔ رنگِ تغزّل میں ان کا کلام ڈوبا ہوا ہے۔ نعت ہو سلام ہو یا منقبت۔ حتیٰ کہ مرثیہ تک اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ نعتیں بھی کافی لکھی ہیں اور عاشقانہ مضامین عجب عجب انداز میں نظم کئے ہیں۔ جن کا نمونہ آئندہ درج کیا جاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ جوان بیٹے محمد بیگ کا مرثیہ لکھ رہے ہیں اور رنگ تغزل پھوٹا پڑتا ہے۔ حسبِ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں :-

وہ نہیں جس سے کہ آبادی تھی۔ گھر کو کیا کروں ۔۔۔ وہ نہ آئے جب نظر نورِ نظر کو کیا کروں
اے محمد بیگ مر کر حشر برپا کر دیا[1] ۔۔۔ ایک دو ہوں تو سنبھالوں گھر کے گھر کو کیا کروں
تھی نہ ایسی بے مروّت پھر بھی لیجاتی تجھے ۔۔۔ تو جو کہتا اے اجل بوڑھے پدر کو کیا کروں
دیکھتا مُڑ مُڑ کے ہوں شاید کہ وہ آتا نہ ہو ۔۔۔ جب نہ دیکھوں اُسکو آتے رہگزر کو کیا کروں
دیکھنا خود تو اُجاڑا خانۂ دل کو مرے ۔۔۔ خود ہی کہتا ہی کہ اب ویرانے گھر کو کیا کروں

۱؎ اس مصرعے کو بحر بدل کر یوں پڑھا جائے تو محمد بیگ کا سنہ وفات ۱۳۴۳ھ نکل آتا ہے۔ ع حشر برپا کر دیا مر کے اے محمد بیگ ۱۲

وہ تو آدھی رات سے پہلے ہی رخصت ہوگئے ۔۔۔ اے دعائے نیم شب تیرے اثر کو کیا کروں ؎۱
یہ تو مانا کارگر ہے زخمِ دل پر اے خدا ۔۔۔ جب نہ نکلے جان تن سے کارگر کو کیا کروں
میرے دل میں دفن کر دو اس جواں کی لاش کو ۔۔۔ پھر نہیں کہنے کا میں زخمِ جگر کو کیا کروں
آہ مائل کیا کروں جو کچھ مرے سینے میں تھا ۔۔۔ سب بہایا اس ستمگر چشمِ تر کو کیا کروں

چند اشعارِ نعت بطورِ نمونہ ذیل میں ملاحظہ ہوں :-

کلامِ خدا ہے سخن مصطفےٰ کا ۔۔۔ زباں مصطفےٰ کی دہن مصطفےٰ کا
خدا کو لکھو خط تو مائل پتہ کیا ۔۔۔ لفافہ پہ لکھ دو وطن مصطفےٰ کا
نسیمِ باغِ جنت تو بُرا مانے بھلا مانے ۔۔۔ مجھے تو یاد آتی ہے مدینے کی ہوا کیا کیا
تصور میں محمدؐ کے الگ بیٹھے رہے ہم تو ۔۔۔ خدا جانے کہ میدانِ قیامت میں ہوا کیا کیا
جب کھینچکر وہ تیغِ کرشمہ سنبھل گیا ۔۔۔ ہر بُت یہ کہہ اُٹھا کہ ہمارا عمل گیا
اِک میں ہی کیا خدا بھی اُدھر دیکھتا رہا ۔۔۔ میدانِ حشر میں وہ جدھر کو نکل گیا
موسیٰؑ سے تو کلام میں بازی لئے ہوئے ۔۔۔ عیسیٰؑ سے تو عروج میں آگے نکل گیا
مائل بندھی ہوئی ہو شفاعت کے واسطے ۔۔۔ وہ ہی کمر کہ جس میں سے پٹکا نکل گیا
خدا کو دکھالوں تو بہتر ہے مائل ۔۔۔ غزل یہ پڑھوں گا حضورِ محمدؐ
دلکش جو اُس کا نام نہ آتا زبان پر ۔۔۔ مسجد میں لوگ آہی تو جاتے اذان پر!
دکھا حضرتِ موسیٰؑ کو کوہِ طور سے تو لو ۔۔۔ جمالِ روئے احمدؐ کو خدا کے نور سے تو لو
کہتے ہیں جاؤ خلد میں طیبہ کو چھوڑ کر ۔۔۔ کیسی غضب میں جان ہے اہلِ قبور کی
ممکن نہیں لکھا جائے کوئی نعتِ پیمبر ۔۔۔ رکھا ہو قلمدان میں جبرئیل کا پر بھی
طعن یوں کرتے ہیں مجھ پر عاشقانِ مصطفےٰ ۔۔۔ کیا محبت آپ کی مائل خدا سے بڑھ گئی
حشر میں جب تری امت کے مسلماں نکلے ۔۔۔ برا اُٹھا شور کہ وہ صاحبِ ایماں نکلے

؎۱ محمد بیگ کا انتقال آدھی رات سے پہلے ہو گیا تھا ۱۲

ہم نے دیکھی جو پسِ مرگ فضائے جنت　　یہی دو چار مدینے کے بیاباں نکلے
ہم نے تو شافعِ محشر کے قدم لے ہی لئے　　اب نکلنے دو اگر دفترِ عصیاں نکلے

چار شعر سلام کے ملاحظہ ہوں :-

اہلِ دوزخ صف بہ صف ہیں اہلِ جنت صف بہ صف　　عرصہ گاہِ کربلا ہے روزِ محشر کا جواب
پانی کا ابنِ سعد جو کرتا ہے انتظام　　کانٹے خدا کی راہ میں بونے کے واسطے
مائل شبِ شہادتِ آلِ رسول ہے　　اُٹھئے کہ رات یہ نہیں سونے کے واسطے

یہ سر ہے نیزے پہ کس حسین کا کہ جس کو خورشید تک رہا ہے
اِدھر بھی گیسو لٹک رہا ہے اُدھر بھی گیسو لٹک رہا ہے

منقبت کا ایک شعر ہے :-

خدا کو فکر ہے اپنے ہر اک خزانہ کی　　خطاب دینے کو دے تو دیا غریب نواز

اگرچہ مرزا صاحب کے یہاں تعقید ضرور پائی جاتی ہے مگر زبان اور تاثیر میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اُن کے کلام کی جان ہی زبان۔ اسلوبِ بیان اور تاثیرِ کلام ہے۔ "رحمتیات" و "خمریات" کے اشعار اُن کے یہاں بکثرت ملتے ہیں جن کی تعداد آئندہ درج کی جاتی ہے۔ حضرت حسرتِ موہانی۔ جنھوں نے "اردوئے معلیٰ" میں مرزا صاحب کے دونوں دیوانوں کا انتخاب درج کیا ہے۔ مرزا صاحب کو خمریات کا اسپیشلسٹ (SPECIALIST) قرار دیتے ہیں۔

تاثیرِ کلام کا ایک واقعہ | حاجی شیخ عاشق علی کاکوروی راوی ہیں کہ "میں پہلی بار جب حج بیت اللہ شریف کو گیا تو میں نے طواف میں ایک صاحب کو دیکھا کہ طواف میں مرزا صاحب کی مشہور غزل (مندرجہ ذیل) پڑھ رہے ہیں۔ اور زار و قطار رو رہے ہیں۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ بعد ختمِ طواف میں اُن سے ملا اور دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ حضرت قبلہ مائل کا کلام ہے۔ بہ دورانِ گفتگو جب میں نے اُن کو

بتایا کہ حضرت مائل تو جے پور میں رہتے ہی میرے یاں ہیں تو اُنھوں نے یہ کہتے ہوئے کہ آپ حضرتِ مائل کے دیکھنے والے ہیں میرے قدم لے لئے۔ وہ غزل یہ ہے:۔

یہ نرگس میں ہے رنگِ مستانہ کس کا ۔ زباں پر ہے سوسن کے افسانہ کس کا
جو اس رنگ و بو پر بھی ہے چاک داماں ۔ خدا جانے یہ گل ہے دیوانہ کس کا
خبر شمع کو بھی نہیں ہے کہ بے خود ۔ بنایا ہوا ہے یہ پروانہ کس کا
مرے دل کو توڑو پر اتنا سمجھ لو ۔ کہ برباد ہوگا یہ کاشانہ کس کا
دوئی دل سے نکلے تو ہو جائے ظاہر ۔ کہ کعبہ ہے کس کا صنم خانہ کس کا

طوافِ حرم میں جو پڑھتے تھے مائل
خدا جانے تھا شعر رندانہ کس کا

اس غزل کی شانِ تصنیف بحوالہ بیان مرزا صاحب صبا صاحب سے یہ معلوم ہوئی کہ جس زمانہ میں حضرت شاہ محمد خلیل الرحمٰن جمالی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام محلہ موتی کٹرے میں۔ میر عبداللہ صاحب کے مکان پر ہوا کرتا تھا اور وہ مشاعرے کیا کرتے تھے اُس زمانے میں ایک بار مرزا صاحب کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور عین مشاعرے کے دن حاضر ہوئے۔ شب کو مشاعرہ تھا۔ حضرت نے دریافت فرمایا "مرزا غزل لکھی ہے" اُنھوں نے عرض کیا "حضور نہیں" تو ایک جگہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہاں بیٹھ جاؤ اور ابھی غزل کہہ کر سناؤ۔ لہٰذا التعمیل ارشاد میں یہ غزل کہہ کر پیش کی اور بجائے داد دُعا لی۔

اب سے کافی عرصہ پہلے جے پور میں بھی یہ غزل بے حد مقبول عام تھی مراثنیں تک ہر تقریب میں اس کو گایا کرتی تھیں۔

تعدادِ اشعار | مرزا صاحب کے اشعار کی حسبِ ذیل تعداد ہے :۔

غزلیات ۹۱۵ (نوسو پندرہ)	جن کے اشعار کی تعداد	۱۴۹۴۷	(چودہ ہزار نوسو سینتالیس)
نعتیں ۱۰۹ (ایک سو نو)	ایضاً	۱۷۵۳	(ایکہزار سات سو ترپن)
دیگر اصنافِ سخن	ایضاً	۱۰۹۴	(ایکہزار چورانوے)
میزان کل		۱۷۷۹۴	(سترا ہزار سات سو چورانوے)

ان اشعار میں ایک ہزار چار سو سولہ (۱۴۱۶) اشعار خمریات کے ہیں اور نوسو تین (۹۰۳) حمتیات کے باقی عاشقانہ و نعتیہ وغیرہ دیگر مضامین کے۔

طباعت دیوان کا مرحلہ | دیوان کے انتخاب کا سوال برائے طباعت تو اُن کی زندگی ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ خود مرزا صاحب نے چند صاحبان کی ایک چھوٹی سی انتخاب کنندہ کمیٹی بنا دی تھی جو مرزا صاحب کی موجودگی میں انتخاب اشعار کی خدمت انجام دیتی تھی مگر ان میں ایک سے زائد صاحبان کا رویّہ ایسا تھا جس سے مرزا صاحب کو تکلیف ہوتی تھی مگر طبیعت پر جبر کر کے خاموش رہتے تھے۔ مرزا صاحب کا کوئی شعر جب نظری کیا جاتا تو اُن کے دل پر چوٹ لگتی تھی۔ شیخ ذوالفقار علی وفا کا تو یہ بھی خیال ہے کہ "منجملہ دیگر وجوہ وصدمات اُن کی ناگہانی وفات کی ایک وجہ یہ انتخابِ کلام بھی تھا۔ کیونکہ ان کو کوئی شعر نظری کر دینے سے روحی تکلیف ہوتی تھی۔ سچ ہے۔

خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے   تب نظر آتی ہے اک مصرعِ تر کی صورت

مرزا صاحب کے بعد اُن کے دیوان کی طباعت کا سوال دوبارا اٹھا اور رقم بھی کسی قدر جمع ہو گئی۔ دوسری مرتبہ خان بہادر مولوی احمد علی خاں ریٹائرڈ جج چیف کورٹ جے پور نے ایک معتدبہ رقم بھی عنایت کی۔ ایک جزو چھپ بھی گیا اور کئی اجزا کی کاپی بھی ہو گئی مگر دیوان نہ چھپنا تھا نہ چھپا۔ اور اب تو کوئی امید ہی نہیں۔

فی الحال قلمی نسخے حسب ذیل اصحاب کے پاس ہیں :-

اصل دیوان جو بہت خستہ حالت میں ہے۔ صبا صاحب کے پاس جے پور میں
اصل دیوان سے صاف شدہ مکمل نقل قلمی صبا صاحب "
ایک مکمل نسخہ سید انور علی صاحب شاد کے پاس پاکستان میں
ایک مکمل نسخہ صاحبزادے عبد القیوم خاں ضابط کے ورثا کے پاس ٹونک میں
ایک نامکمل نسخہ جسکو مکمل کیا جارہا ہے۔ شیخ ذوالفقار علی وفا کاکوروی کے پاس جے پور میں
ایک نسخہ جو نہایت صاف و عمدہ لکھا ہوا قلمی خورشید علی مہر تھا وہ ۱۹۴۷ء کی ہنگامہ آرائی میں دہلی میں بک گیا

خاص خاص تلامذہ آپ کے چند تلامذہ کے نام ردیف وار حسب ذیل ہیں۔

مرحومین :-	موجودین :-
اختر۔ مرزا اختر یار بیگ	ذہین۔ مولوی محمد طٰس۔ مقیم پاکستان
تسنیم۔ مولوی اساس الدین احمد	رزمی۔ مولوی محمد اسمٰعیل خاں ایضاً
ضابط۔ صاحبزادہ عبد القیوم خاں ٹونکی	شاد۔ محمد اسمٰعیل۔ جے پوری
ضیا۔ مولوی سید ضیا حسین	شاغل۔ مؤلف ہذا
فرحت۔ قاضی احمد حسین	صبا۔ منشی چند بہاری لال ماتھر جے پوری
متین۔ مولوی ممتاز حسین	عاصم۔ محمد عبد الوہاب خاں۔ مقیم پاکستان
محشر۔ منشی محمد شفیع	کوثر۔ مولوی منظور احمد۔ ساکن جے پور
نسیم۔ مولوی مجاہد الدین احمد	محمود۔ مرزا محمود بیگ۔ مقیم پاکستان
یوسف۔ شیخ یوسف علی	مہر۔ حکیم سید خورشید علی ایضاً
	وفا۔ شیخ ذوالفقار علی۔ ساکن جے پور

نمونۂ کلام چند اشعار بطور نمونۂ کلام ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

جب سے سنا ہے غلغلۂ عفوِ الٰہ کا
ہی عرش پر دماغ ہمارے گناہ کا

یادِ بتاں میں دل ہے اگر بت بنا ہوا
رکھا صنمکدے میں قدم اور خدا ہوا

دل پر رہیں گی نقش یہ بے مہریاں تری
جانا اور اس طرح سے کہ مڑ کر نہ دیکھنا

کس کس کو بھلاوئے گی تو شمع سحر تک
جو بزم میں بیٹھا ہی وہ کیونکر نہ اٹھے گا

رکھئے جنت میں تو رکھنے کو جگہ بھی نہ ملے
کس قدر عیش کا میخانے میں ساماں نکلا

رحمتِ حق کے لیئے زاہد وسیلہ چاہیئے
تو کفن میں ٹانک رکھ دامن کسی میخوار کا

تم تو کیا جنت میں مجکو لے چلوگے واعظو
آؤ میں رستہ بتاؤں خانۂ خمسار کا

کعبہ میں مجھے ہائے صنم کہہ کے رلایا
مائل نے کیا ہے وہ ستم کہہ نہیں سکتا

شہر میں ہیں سینکڑوں ہی میکدے
کیا پتہ ہے مائلِ میخوار کا

کچھ تو کر رحمتِ حق پر بھی بھروسا واعظ
کچھ تو دے ساتھ کبھی تو بھی گنہگاروں کا

توبہ کا اعتبار بھی مائل نے کھو دیا
دیکھا جو ابرِ قبلہ تو کم بخت رو دیا

لپٹ ہی جاتے ہیں یہ دونوں منھ لگانے سے
جنابِ شیخ ہوئے ساغرِ شراب ہوا

قبول کیا ہو کہ مسجد میں دل نہیں لگتا
شراب خانے میں وقتِ دعا نہیں ملتا

خدا کے ملنے کا رستہ ہو اور یہی مائل
حرم کے جانے سے مردِ خدا نہیں ملتا

کوثر پہ جاتے جاتے نشہ تازہ ہوگیا
ساقی کی چشمِ مست کا اندازہ ہوگیا

قسمت تو دیکھئے مرے تارِ نگاہ کی
اس کی بیاضِ حسن کا شیرازہ ہوگیا

ہر میکدے میں شور ہے یارو غضب ہوا
منصور کی زباں سے اناالحق نکل گیا

شیشوں کے اٹھتے اٹھتے گھٹائیں برس پڑیں
توبہ کے کرتے کرتے زمانہ بدل گیا

شگون بادہ کشی کا ذرا سا کر لیتے
بہار پھیرے گی دم بھر یہ اعتبار نہ تھا

خدا کے سامنے سجدے میں سر جھکا تو لیا
بتوں کے سامنے اتنا بھی اختیار نہ تھا

میں قفس میں وہ شاخِ گل پر ہے
یہ مقدر ہے آشیانے کا

کیوں نہ دیں غسل خضر مائل کو
رہنما تھا شراب خانے کا

مے فروشوں نے مجکو آگھیرا
یہ بھی روزِ حساب ہونا تھا

میکدے میں اب بھی ہر رنگِ خلوص
جس طرف ساقی گیا ساغر گیا

بنالیں گے گلشن میں پھر آشیاں
جو تنکے کا ہم کو سہارا ہوا

شگونِ نیک نہیں ہے یہ شمع کا رونا
سحر تک اور نہ ہو جائے رنگ محفل کا

درد منزل کر دیا اور داغ منزل کر دیا
اب ہزاروں کام کا اس نے مراد دل کر دیا

روزے سی پاک چیز کو اس نے کیا حرام
ادنیٰ سا اک کرشمہ ہے یہ روزِ عید کا

مائل مہ صیام میں مر کر کھلے نصیب
خلدِ بریں میں جاکے کیا جشن عید کا

اپنے گھر سے وہ خدا کے گھر گیا
لوگ کہتے ہیں کہ مائل مر گیا

زاہد کو بادہ خواری کا چسکا لگا دیا
یہ کام عمر بھر میں ہوا ہے ثواب کا

یارانِ زندہ دل ہوں جو دو چار ساتھ میں
ہر باغ پھر جواب ہے باغِ بہشت کا

قطرے قطرے کا ہی نصیب خدا
کوئی گوہر کوئی شراب ہوا

دل لگا بیٹھے ہیں کہیں حضرت
چہرہ اترا ہوا ہے مائل کا

میں نے جو کہا غیر کے ملنے میں ہی کیا لطف
کہتا ہے ترے سر کی قسم کہہ نہیں سکتا

اس ڈر سے کہ پوشیدہ نہ ہو جائے نظر سے
کوچے کو ترے باغِ ارم کہہ نہیں سکتا

پروانہ تجھ پہ بزم میں ہونے لگا نثار
یہ بھی خدا کی شان نظر باز ہو گیا

دیکھنا شوقِ شہادت میرا
مجھ سے خنجر نہیں دیکھا جاتا

طور پر دیکھنے جاتے ہیں کلیم
دل کے اندر نہیں دیکھا جاتا

نہ ہونگے حشر میں ہم سے جو روسیہ دو ایک
ظہورِ رحمتِ پروردگار کیا ہوگا

ہزار رنگ بدلتا ہی عشق دم بھر میں
خدا ہی جانے کہ انجام کار کیا ہوگا

محتسب پھر تو کریگا ادبِ جامِ شراب
جامِ کوثر سے ملادوں لبِ جامِ شراب

ہیں رندِ بادہ خوار جو واعظ نگاہ میں
کیا در پہ میکدے کے کبھی پا پیادہ تھے آپ

مائل گیا جو خدمتِ پیرِ مغاں میں۔ آج
کہنے لگے کہ "آئیے قبلہ کہاں تھے آپ!"

ہم چھیڑتے ہیں رسمِ قدیمانہ سمجھ کر
وہ بات بھی کرتے نہیں دیوانہ سمجھ کر

محرومیٔ تقدیر کو روتا ہوں حرم میں
آیا تھا بڑی دور سے میخانہ سمجھ کر

کوثر پہ نظر آئے جو میخانہ نشیں لوگ
واعظ نہ گیا مجمعِ رندانہ سمجھ کر

واعظ نہ بڑھا شوکتِ دروازۂ مسجد
میخوار چلے آئیں نہ میخانہ سمجھ کر

مائل سے بڑھ کے نکلے ہیں مائل کے یار رند
دیتے ہیں اُس کی فاتحہ جامِ شراب پر

اُس کے کوچہ میں ہوس پیشہ جلانے کو مرے
نام لکھ لکھ کے چلے آتے ہیں دیواروں پر

ہر گنہ کے ساتھ ہی توبہ بھی ہے لکھی ہوئی
کیا خجل ہوں نامۂ اعمال اپنا دیکھ کر

فتنے جو بک گئے ترے قامت کے ہاتھ پر
بیعت کئے ہوئے تھے قیامت کے ہاتھ پر

مجنوں سنبھل کے وادیٔ وحشت میں رکھ قدم
بیعت ہے خار خار کو وحشت کے ہاتھ پر

اے شوقِ سجدہ تیری کرتے ہیں آزمائش
وہ آستاں کا اپنے پتھّر بدل بدل کر

آئینہ سامنے ہے خود لطف اٹھا رہے ہیں
زُلفیں بنا بنا کر زیور بدل بدل کر

کہاں ہیں صحبتیں ایسی کہ دم بھر غم غلط کیجے
چلے آتے ہیں چل پھر کر یہاں ہو کر وہاں ہو کر

جاتا ہوں اُسے ڈھونڈھنے محفل میں عدو کی
دیکھوں تو بگڑتی ہے یہ تقدیر کہاں تک

سُن سُن کے تری وسعتِ رحمت کو بڑھا دل
دیکھوں تو کہے خلق گنہگار کہاں تک

لیجا کے اسے چشمۂ کوثر میں ڈبو دیں
دیکھیں تو پیے مائلِ میخوار کہاں تک

قتیلِ ابرو و مژگاں جدھر سے ہو کر نکلتے ہیں
کہیں کھنچتی ہیں تلواریں کہیں خنجر نکلتے ہیں

قیامت دو دو سجدے ترے قامت کو کرتی ہے
تری ٹھوکر سے بچ کر فتنۂ محشر نکلتے ہیں

نہ گھبرا سخت جانی سے مری اے خنجرِ قاتل
مرے ارماں نکلتے ہیں ترے جوہر نکلتے ہیں

قیامت ہے کسی پردہ نشیں پر دل کا آجانا
نہ جا سکتے ہیں ہم اندر نہ وہ باہر نکلتے ہیں

کیوں نہ دو

مے فروش مائلِ میخوار دیکھو تو
جدھر ہو کر جنابِ ساقیِ کوثر نکلتے ہیں

...بہ کر لی کبھی توڑ ڈالی
کٹی عمر ساری اسی دل لگی میں

میکدے میں جو پہنچی تو بولے گھبرا کر
یہ کس نے آگ لگا دی ہوا کے پردے میں

شگون...ب کہ دیکھے وہ حُسن کا عالم
سُنا کرے تری باتیں بٹھا کے پردے میں

وہ ہی جانتے ہیں کہ یہ بادہ خوار ہے
مائل کہیں تو ساقیِ کوثر سے کیا کہیں

دو چار اہلِ درد بھی جس بزم ہوں شریک
واعظ وہ بزم - بزمِ خرابات ہی نہیں

مائل یہ ابرِ قبلہ نہ برسا تو آج سے
رندوں کے ہم بھی قبلۂ حاجات ہی نہیں

ایسی کیا تھیں عتاب کی باتیں
میں تو کہتا تھا خواب کی باتیں

سر مرا اور نشانِ پائے عدو
دیکھنا اضطراب کی باتیں

ایک حضرت ہیں آپ بھی مائل
سُن چکا ہوں جناب کی باتیں

ڈوبا ہوا اُٹھوں دمِ محشر شراب میں
دیدیں کفن جو یار ڈبو کر شراب میں

وہ رندِ بادہ کش ہوں کہ مائل پسِ فنا
آئے گی میری روح بھی کھنچ کر شراب میں

زندگی آپ ہی اپنی مجھے منظور نہیں
ورنہ راہِ درِ جاناں تو کچھ دور نہیں

عظمتِ کعبہ مُسلّم ہے مگر بت کدہ میں
ایک آرام یہ کیسا ہے کہ کچھ دور نہیں

پینے کی تو طاقت نہیں احباب کو دیکھو
نسخہ کو بھگوتے ہیں مرے آبِ بقا میں

بے جُرم تہِ تیغ جو کرتے ہیں تو کر جائیں
اک خون ہمارا بھی سہی راہِ وفا میں

یہ کافر و دیندار کا جھگڑا ہی مٹا دوں
بتخانہ کو رکھ آؤں نہ درگاہِ خدا میں

ہم تو بک جاتے ہیں اُن اہلِ کرم کے ہاتھوں
کر کے احسان بھی جو نیچی نظر رکھتے ہیں

ہم تو کہتے ہیں کہ ہیں آپ فرشتہ صورت
شیخ کہتے ہیں کہ ہم شکلِ بشر رکھتے ہیں

ذرا سا بھی عتابِ حضرتِ پیرِ مغاں پھر ہو
ٹھکانا میری توبہ کا خدا جانے کہاں پھر ہو

یہ دیوانوں سے سُن سُن کر بہار آئی بہار آئی
جنوں سے کہنے جاتا ہوں کہ میرا میہماں پھر ہو

پشیماں ہو رہا ہوں یوں کہ سر لاؤں کہاں سے میں
یہ کہنے کو تو کہہ بیٹھا کہ میرا امتحاں پھر ہو

مفتیٔ میکدہ فرماتے ہیں مائل مجکو
یاد ہیں بادہ کشی کے وہ مسائل مجکو

یہ شوقِ خود نمائی دیکھئے کیا رنگ لاتا ہے
اُٹھا دیتے ہیں ہر حیلے سے سو سو بار چلمن کو

نہ کیونکر شمع کے رونے پہ رونا مجکو آجائے
محبّت درد کا پتلا بنا دیتی ہے انساں کو

توبہ کی ہی تلاش جو ابرِ سیاہ کو
لایا لگا کے ساتھ ہی عفوِ الٰہ کو

کہہ دوں جو میں حقیقتِ عفوِ الٰہ کو
دل ہی میں کہیں چھپا کے فرشتے گناہ کو

کُھلیں گے جوہرِ حُسن و شباب آہستہ آہستہ
اُٹھے گا پردۂ شرم و حجاب آہستہ آہستہ

نہ کوہِ طور ہی جلتا نہ موسیٰ ہی کو غش آتا
اُلٹتا گر وہ جانِ جاں نقاب آہستہ آہستہ

شرابِ ناب تو کیسی قیامت تک نہ ہوش آئے
پلا دوں گھس کے زاہد کو اگر زنجیرِ میخانہ

واللہ دشمنی ہے بڑی آبرو کے ساتھ
جانا کسی کے در پہ کسی آرزو کے ساتھ

اُس کا نصیب بختِ سکندر سے کم نہیں
اُٹھ جائے اس زمانہ میں جو آبرو کے ساتھ

کہاں تک آئے گا اے گلعذار آہستہ آہستہ
چمن پر چھا گیا ابرِ بہار آہستہ آہستہ

کیا کرتے ہو کیا افسوس مائل حال پر اپنے
یہ مٹ جائینگے سب نقش و نگار آہستہ آہستہ

خدا کے واسطے اتنا تو مجکو سمجھا دو
کسی پہ جان بھی دیتا ہے بے سبب کوئی

تاثیر تو کرتی نہیں تدبیر کسی کی
سینے سے لگی رہتی ہے تصویر کسی کی

اُمیدِ کرم پر تری یاں تک تو ہیں گستاخ
جھوٹی کبھی کھا لیتے ہیں ہم تیری قسم بھی

بُتخانے میں رہتے ہوئے مدّت ہوئی مائل
جی میں ہے کہ دیکھ آئیں کسی روز حرم بھی

سو سو طرح سے بات بنائی بگڑ گئی
اک اُن کے ساتھ ساری خدائی بگڑ گئی

غصّہ میں ہنس دئے جو وہ تلوار کھینچ کر
کہنے لگی ادا کہ لڑائی بگڑ گئی

خدا کے واسطے مائل کہیں تائب نہ ہو جانا
یہ رونق سب ہے میخانہ میں حضرت آپکے دم کی

بکتا اسے بازارِ محبت میں تو دیکھا
دل کی کہیں ملتی ہوئی قیمت نہیں دیکھی

تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ میخانہ سمجھ کر
واعظ نے پسِ مرگ بھی جنت نہیں دیکھی

کہتے ہیں کہ ہچکی کی بھی طاقت نہیں اس میں
مرجائے گا مائل جو اسے یاد کریں گے

مائل ہمیں تو رات کہیں رہ کے کاٹنی
مسجد میں جا پڑیں گے جو میخانہ بند ہے

کہتے کیا ہو تنِ انساں میں جگر ہوتا ہے
یوں کہو اک ہدفِ تیرِ نظر ہوتا ہے

ہم تو اس فکر میں رہتے ہیں کہاں کا انصاف
دیکھئے داورِ محشر بھی کدھر ہوتا ہے

نہیں ہوتی تو دعا میں نہیں ہوتی تاثیر
اور جو ہوتا ہے تو باتوں میں اثر ہوتا ہے

جی میں آتا ہے کہ دشمن سے بدل کر دیکھوں
پھر بھی بنتی ہے کہ تقدیر بگڑ جاتی ہے

اشکِ خوں نے نہ بہا جوشِ جنوں میں مائل
رنگ بھرنے سے یہ تصویر بگڑ جاتی ہے

نعمت ملی ہو عشق کی اب اور کیا ملے
وہ چیز مل گئی ہے کہ جس سے خدا ملے

کس کس سے انجمن میں اشارے نہیں ہوئے
اب اُن کی آنکھ ہم سے ملے بھی تو کیا ملے

غبار آلودہ جب تک گیسوئے تقدیر دیکھیں گے
تجھے ٹوٹا ہوا اے ناخنِ تدبیر دیکھیں گے

جو مرجائیں سلامِ شوق فصلِ گل سے کہہ دینا
اگر زندہ رہے تو پھر تجھے زنجیر دیکھیں گے

آگیا ابر بھی ساقی بھی گنہ کیا میرا
کر دئے تو نے پُرشکن سارے ہی ساماں تو نے

اپنی کہتے نہیں پھرتے ہو بنے فصلِ بہار
مجھ سے کہتے ہو کہ توڑا درِ زنداں تو نے

بہار اچھی تو دے مجنوں ذرا تو دل کے ہاتھوں سے
گرا پڑتا ہے پردہ صاحبِ محمل کے ہاتھوں سے

یاد ہے کہنا وہ گھبرا کر ہر اک کھٹکے کے ساتھ
چھوڑ دے کمبخت اب تو میرا دامن چھوڑ دے

چلے ہو دیر سے اُٹھ کر جو حضرتِ مائل
ارادہ قبلۂ حاجات اب کہاں کا ہے

گھبرا لیا یہ آمدِ فصلِ بہار نے
مشکل ہوئے ہیں طاق سے شیشے اُتارنے

یوں چھیڑتے ہیں مجکو جوانانِ میکدہ
مائل تمہیں سلام کہا ہے بہار نے

دوڑے مری طرف جو فرشتے گناہ کے
بخشش نے دی ندا کہ ہمارا شکار ہے

پیرانِ مے فروش کا شجرہ پڑھو تو شیخ
مائل ہے جس کا نام یہی خاکسار ہے

ہمیں جانتے ہیں خدا اُس کو بخشے
بہت خوبیاں تھیں محمد نقی میں

مُبینؔ تخلص۔ ابوالبرہان کُنیت۔ سلطان الدین احمد نام۔ نسباً شیخ عثمانی۔ مذہباً سنی حنفی۔ مسلکاً چشتی جمالی النظامی۔ والدِ بزرگوار کا اسم گرامی قاضی حافظ حسیب الدین تھا۔ مولانا تسلیمؔ کے چھوٹے بھائی تھے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ مولد و وطن نارنول تھا۔ اور مسکن و مدفن جے پور ہے۔

ولادت و تعلیم | آپ کی ولادت بروز سہ شنبہ ۲۳ رجب المرجب ۱۲۶۹ھ کو بمقام نارنول ہوئی۔ چار سال چار ماہ کی عمر ہونے پر اول قرآن مجید کی تعلیم اپنے والدِ بزرگوار سے شروع کر کے پانچ ماہ میں ختم کر دی۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں فارسی کی استعداد پیدا کر کے اپنے ماموں مولانا فائزؔ سے پڑھنا شروع کیا۔ جن کا ذکر تذکرہ ہذا میں کیا گیا ہے۔ سنِ بلوغ سے پہلے فارغ التحصیل ہو کر دستارِ فضیلت حاصل کر لی۔ مگر شغلِ کتب بینی میں نہایت انہماک رہا۔ اپنی تصنیف "ہفت انجمن" میں کہتے ہیں :۔

اے کہ در دانشوری بست و کشادم دادہ اند　　ہمچو مولانائے فائزؔ اوستادم دادہ اند
چونکہ من تلمیذِ مولانا رشید الدیں شدم　　ذہن والا، فکر عالی، خوش نہادم دادہ اند
آنکہ من از نسبتش فارغ ز افلاطوں شدم　　بختِ نادر، وقتِ خرم طبع شادم دادہ اند
آنکہ من از نسبتش با آنکہ کمتر بودہ ام　　ہر چہ گنجد در زباں زاں ہم زیادم دادہ اند
اے مبیںؔ دانشوراں را پست تر بینم ز خویش　　اللہ اللہ تا چہ والا اوستادم دادہ اند

اپنے وطن کے لئے اسی تصنیف میں کہا ہے کہ :۔

ہیں گو ہر افسرِ سرافرازی ہوں　　اوج و شرف و عزتِ جانبازی ہوں
گو، بعد میں گازروں، بدایوں ہو وطن　　پر اصل وطن میں خاص شیرازی ہوں

خطِ نسخ و نستعلیق نہایت نفیس و پاکیزہ اور باقاعدہ بیضاوی طرز کا تھا۔ کمال یہ تھا کہ نہایت تیز لکھتے تھے اور خط کی شان بدستور قائم رہتی تھی۔

آمد جے پور۔ ملازمت اور سبکدوشی مولانا عالمِ شباب میں جے پور آئے۔ اور اپنے برادرِ معظم حضرت تسلیم کے پاس مقیم ہوئے۔ تھوڑے ہی دن میں ملازمت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ محکمہ دیوانی (کمشنری) جے پور میں اہلکار ہو گئے۔ اور چند سال بعد رائل کونسل جے پور میں سررشتہ داری پر ترقی کر گئے۔ تقریباً پندرہ بیس سال سرکاری ملازمت کی اور پھر سبکدوشی حاصل کر کے خانہ نشین ہو کر علمی و مذہبی مشاغل میں مصروف رہے۔ ریاست جے پور نے از راہِ قدردانی ۳۰؍ ماہوار کا روزینہ تاحینِ حیات مقرر کر دیا نیز خدمتِ فتویٰ دہی بھی آپ کے سپرد کی گئی جس کو بلا معاوضہ آپ نے قبول کیا اور آخر وقت تک مفتیِ جے پور مقرر کردہ حکومت رہے۔

تبحرِ علمی کے کرشمے مولانا اپنے زمانہ کے زبردست فاضل متبحر تھے اور قوتِ گویائی تو اللہ تعالیٰ نے ایسی عطا کی تھی کہ دور دور اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ طلباء کو اپنے مکان پر ہمیشہ مفت درس دینے کے علاوہ محافلِ میلاد شریف اور مجالسِ عزا بھی آپ کو بکثرت پڑھنی پڑتی تھیں جن میں علمی نکات اور تحقیقِ واقعات کے دریا بہا دیتے تھے۔ وہ پیشہ ور واعظ ہرگز نہ تھے۔ نہ کسی موضوع پر پہلے سے تیاری کرنے کے عادی۔ مولانا کی زبان سے میں نے خود بارہا سنا ہے کہ "تقریر کے لئے میں کبھی کوئی خیال پہلے سے نہیں کرتا بلکہ عین موقع پر جو کچھ وہابِ حقیقی سے عطا ہو جاتا ہے وہی بیان کر دیتا ہوں۔

مولانا کا دستورِ بیان و وعظ یہ تھا کہ اول عربی میں درود و سلام پڑھتے اس کے بعد اپنی نعتیہ یا منقبتی کچھ رباعیاں اور پھر کوئی مخمس یا

مسدس تحت اللفظ پڑھتے اور اس کے بعد کوئی آیتِ شریف پڑھ کر تفسیر بیان کرتے اور اُسی کے تحت میں سیرتِ پاک یا واقعاتِ کربلا وغیرہ محققانہ و ناقدانہ طریق پر نہایت پُر زور و پُر تاثیر انداز میں بیان فرماتے۔ اکثر دیکھنے میں آیا کہ سامعین ایسے محوِ حیرت ہوتے تھے کہ دو ڈھائی گھنٹے کا وقت جس میں آپ تقریر فرماتے گزرتا ہوا معلوم ہی نہ ہوتا۔ آپکے بائیں جانب جواب خواں کی کرسی ہوتی تھی جو آپکے اشارے پر بدورانِ تقریر وقتاً فوقتاً نعت یا کوئی سلام وغیرہ حسبِ موقع پڑھتا تھا۔ زیادہ تر ابّن خاں مرحوم جواب خواں ہوتے تھے جو بہترین نعت خواں تھے۔ اس زمانے میں محافلِ میلاد و مجالس عزا کا ایک عام ذوق و شوق تھا۔ بماہ ربیع الاول اور محرم میں بعض دن تو پانچ پانچ سات سات جگہ تقریر کرنی ہوتی تھی اور ہر تقریر میں اندازِ بیان بالکل نیا ہوتا تھا۔ تفسیر بیان کرتے وقت ایسے نکات اور علمی رموز و غوامض بیان کرتے کہ سامعین کے نعرہ ہائے داد سے بزم گونج اُٹھتی تھی۔ سامعین کی تعداد صدہا سے گزر کر بعض دفعہ ہزارہا تک پہنچ جاتی تھی اور اُن میں بکثرت عالم و فاضل ہوتے تھے۔ مثلاً نواب سید احمد سلطان۔ مولوی سید سراج الدین احمد کنتوری۔ حافظ سید آغا علی دہلوی حافظ محمد معز الدین خاں۔ میر شاکر حسین۔ میر زکی۔ حافظ ظفریاب خاں، غلام حیدر خاں۔ میر جی بدر الدین حکیم محمود علی۔ حکیم خورشید حسن۔ نواب مخلص الدولہ وغیرہ۔

مولانا کا بیان ہمیشہ وسعتِ رحمت کے موضوع پر ہوتا تھا۔ ایکبار آپنے بدورانِ بیان حدیثِ شریف مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ کی تشریح کرتے ہوئے رحمت کی اس قدر وسعت بیان کی کہ کوئی شے

اس کے احاطہ سے نہ بچ سکی۔ اور رَحْمَتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ کی تفسیر سے ایسا ہو گیا کہ بعض صاحبان تو اس کو محض زورِ بیان پر محمول کرنے لگے۔ چنانچہ بعد ختم بیان منشی اکرام الدین خاں مرحوم نائب ناظم جے پور نے داد دیتے ہوئے کہا کہ مولانا! اس بیان کو تو بالضرور طبع کرا کر شائع کر دیجیے۔ مولانا نے کہا کہ "خدا کو منظور ہو گا تو ایسا بھی ہو جائے گا۔ معاملہ رفت و گشت ہوا دوسرے دن صبح کو مولانا درس دے رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مولانا کی بینائی ختم ہو گئی تھی کہ یکایک منشی صاحب مذکور آئے اور انھوں نے مولانا کے پیر پکڑ کر معافی چاہنا شروع کیا۔ مولانا نے ہر چند روکا۔ اور وجہ دریافت کی مگر وہ مُصر رہے کہ پہلے معاف کر دیجئے تو عرض کروں۔ آخر مولانا نے کہا کہ "میرے علم و یقین میں تو آپ سے کوئی خطا ہوئی نہیں، تاہم آپ مُصر ہیں تو میں نے معاف کیا"۔ تو انھوں نے کہا کہ "آپ نے جو کل بیان کیا تھا میں نے اس کو غلط سمجھا اور اس کے طبع کرانے کی اس لئے خواہش کی تھی کہ اہلِ علم دیکھیں تو نعوذ باللہ اس غلط بیانی کو حدِ ضلالت تک پہنچا دیں اور آپ کو حقیقت کھل جائے۔ مگر میں نے رات کو خواب میں اپنے پیر و مرشد کو دیکھا کہ مجھ پر سخت برہم ہیں اور وجہ خفگی میری مذکورہ سوءِ ظنی ہے۔ لہٰذا میرے معذرت کرنے پر انھوں نے فرمایا کہ:-

"آنچہ مولوی سلطان گفتہ حق است۔ توبہ کن و عذر بخواہ"

میری آنکھ کھل گئی۔ اُسی وقت صدق دل سے توبہ کی اور آپ سے معافی چاہنے حاضر ہوا ہوں"۔

مولانا نے بعد دلجوئی واطمینانِ مزید معانقہ کر کے منشی صاحب کو رخصت کیا۔

ایک بار لوگوں نے بہت زور دیا کہ آپ ہمیشہ رحمت کا بیان کرتے ہیں لوگ عمل نیک سے غافل ہو جائیں گے۔ کبھی غضب کا بھی تو بیان کیجئے۔ آپ نے بادلِ ناخواستہ اقرار کیا اور دوسری ہی بزم میں غضب الٰہی کا اس زور شور سے بیان کیا کہ سامعین کے دل ہل گئے۔ اور کئی صاحبان بیہوش ہو گئے مگر رات ہی کو خواب میں آواز آئی "سلطان! کیا ہماری رحمت اتنی ہی تھی کہ جس کا بیان ختم ہوا" اُس کے بعد سے آخر دم تک آپ رحمت و شفاعت ہی کا بیان کرتے رہے۔ کبھی قہر و غضب کا موضوع اختیار نہ کیا۔

مولانا کے مواعظ میں باوجود کثرت سامعین کوئی انتظام "ناشر الصوت" آلہ کا نہ ہوتا تھا۔ اس لئے کہ اُس زمانے میں اُس کا وجود ہی نہ تھا۔ مگر آواز سب کو پہنچتی تھی۔ اس کو کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سید انور علی شاد راوی ہیں کہ پہلی بار جب مولانا کلکتہ گئے تو میں ساتھ تھا۔ مسجد ناخدایاں میں بھی وعظ ہوا۔ مولانا منبر پر بیٹھے ہوئے بیان فرما رہے تھے اور میں بالکل قریب بیٹھا ہوا تھا۔ مگر سامعین کا مجمع کثیر مسجد کے باہر تک تھا میرے دل میں خیال آیا کہ جو لوگ اس قدر دور بیٹھے ہوئے ہیں، اُن کو کیا سنائی دیتا ہو گا۔ لہٰذا میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور سیڑھیوں کے قریب آخری صف میں جا بیٹھا۔ میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ مولانا زور سے کچھ کہتے ہیں تو زور کی آواز آتی ہے اور آہستہ بولتے ہیں تو ویسی اور پوری تقریر بلا دقت سُنائی دیتی ہے۔"

ایک بار "میر جی کے باغ" میں کسی تقریب کے سلسلے میں جس میں بیرونی علماء بھی بطور مہمان آئے ہوئے تھے۔ مولانا کی تقریر ہوئی۔ بیان کے لئے جب مولانا کرسی پر بیٹھنے لگے تو سید عبد الرحمٰن مرحوم بانیِ بزم و صاحبِ خانہ

نے کہا کہ معراج شریف کا بیان فرمائیے تو نوازش ہو۔ مولانا نے کہا بہت اچھا۔ لہٰذا حسب معمول آیہٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ الخ پڑھ کر تفسیر شروع کر دی۔ مولانا چونکہ معراج جسمی کے قائل تھے۔ وہی پرواز اختیار کیا تو مہمان علماء میں سے ایک صاحب نے جو معراجِ روحی مانتے تھے بدورانِ بیان پوچھا کہ "اگر جسمی معراج ہوئی تو قطع نظر معجزہ اور حکم الٰہی کے فطرتاً بر بنائے عقل کرۂ نار سے صحیح و سالم گزر کس طرح ممکن ہے" مولانا نے فوراً جواب دیا کہ "بالکل اسی طرح جیسے ایک پرِ کاہ بسرعت تمام آگ کی لپٹ سے صحیح و سالم گزر جاتا ہے"۔

اس بزم میں راقم الحروف بھی حاضر تھا۔

یوں تو مولانا کے یہاں یکم محرم سے ۱۰ر تک مجالسِ عزا اور یکم ربیع الاول سے ۱۲ر تک محافل میلاد شریف ہر سال ہوتی ہی تھیں جن میں تقریر فرماتے تھے مگر یارہا یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا اور مولانا بیان کرتے رہے۔ ایک مرتبہ مولوی بادشاہ حسین رعناؔ نے عید میلاد کی کل تقاریر کو جو مولانا نے کیں، نہایت شرح و بسط سے قلمبند کر کے ایک ضخیم جلد میں مدون کیا تھا۔ مگر افسوس اب اُس کا کوئی پتہ نہیں۔ میں نے حضرت رعناؔ کے صاحبزادے امیر احمد عثمانی ایم۔ اے سے بھی معلومات کی مگر اُن کو کوئی علم نہیں۔

ان مذہبی اور علمی و ادبی مشاغل کا نتیجہ اور مولانا کی ذاتی وجاہت و تبحر علمی کا ایک حیرت انگیز اثر یہ تھا کہ سُنّی و شیعہ ایسے شیر و شکر ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے کے صحیح جذبات کا پورا خیال رکھتے تھے اور دل آزارانہ حرکات و رسوم کا قطعاً سد باب ہو گیا تھا۔ چنانچہ مرزا حیرت نے جب "کرزن گزٹ" (دہلی) میں ایک مقالہ "تیرہ سو برس کے بعد ایک حیرت انگیز راز کا افشا" کے عنوان سے لکھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے سے انکار کیا

تو اُس کی تردید جے پور سے مولانا مبین ہی نے کی اور پے در پے چار رسالے شائع کئے۔ رفعِ حیرت۔ دفعِ حیرت۔ ردِ حیرت اور سلطان مبین۔ اگرچہ ہندوستان کے گوشے گوشے سے مرزا حیرت کی مخالفت ہوئی اور جوابات دئے گئے مگر مولانا کا استدلال اور اسلوب جواب تردید اس قدر مضبوط و مستحکم تھا کہ اس کے جواب میں حیرت محو حیرت ہی رہے۔ مولانا نے آیۂ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا۔ الآیۃ (سورۂ انفال) کی تفسیر کرتے ہوئے دلائل عقلی و نقلی سے حضرتِ امامؑ کی شہادت ثابت کی چنانچہ میر شاکر حسین مؤلف "مجیط التواریخ ۱۳۱۵ھ" نے۔ اس تاریخ کی ایک جلد "مجاہد اعظم" میں کہ جس میں واقعاتِ کربلا کی نہایت دقتِ نظر سے تحقیق کی ہے مولانا ہی کے جوابات کو تمام تردیدات کے مقابلہ میں ناقابلِ تردید تحریر کیا ہے۔

اسی حد تک نہیں بلکہ غیر مسلم اصحاب میں سے بہت سی ہستیاں ایسی تھیں جو مولانا کے ہر بیان میں لازمی طور پر شریک ہوتی تھیں۔ بلکہ بعض صاحبان تو ملازمتوں سے رخصت لے کر آتے تھے اور اپنی جانب سے اس قدر اخلاص و اعتقاد سے محافل و مجالس کرتے تھے کہ جس کی صحیح مثال آج مسلم اصحاب میں بھی مشکل سے ملتی ہے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔

حُلیہ، لباس اور نظامِ اوقات | اوسط قد۔ فربہ اندام۔ سُرخ و سفید رنگ۔ بڑا سر کشادہ پیشانی۔ دراز گیسو۔ گنجان و مقطع ریش۔ جن پر مہندی کا خضاب کرتے تھے متوسط بینی۔ آنکھیں متوسط مگر روشن۔ گول اور نہایت بارُعب چہرہ۔ آخر عمر میں دونوں آنکھوں میں پانی اُتر آیا تھا۔ پہلے بائیں آنکھ بنوائی مگر وہ خراب ہوگئی روشنی نہ آئی۔ پھر دوسری کا آپریشن نہایت کامیاب ہوا۔ اور بینائی ایسی اچھی ہوگئی تھی کہ اوسط قلم کی عبارت چاند کی روشنی

میں پڑھ لیتے تھے۔ کشادہ و فراخ سینہ جس پر بکثرت بال تھے۔ آواز نہایت بلند اور بھاری مگر دلکش و جاذب سمع۔ رفتار بہت تیز اتنی کہ جوان آدمی ساتھ چل کر تکان محسوس کرتا تھا۔

عمامہ بالعموم ملاگیری استعمال کرتے تھے۔ یا ترکی وضع کی اونچی باڑ کی بہت بیش قیمت کپڑے کی پُر تکلف ٹوپی۔ باریک ململ کا سفید یا کبھی ملاگیری نیچا کُرتہ۔ ایک پاٹ کا عمدہ لٹھے کا غرارہ۔ بلحاظ موسم ٹھنڈا یا گرم انگرکھا۔ کاندھے پر سانگانیری رومال۔ باہر جاتے وقت ہمیشہ جبہ اور عصا در دست۔ دیسی عمدہ کام کا جوتہ اور ہمیشہ باریک موزہ۔

بعد نمازِ فجر ورد و وظائف اور تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول رہتے۔ روزانہ ایک منزل قرآن مجید کی تلاوت آپ کا معمول تھا۔ نظر خراب ہونے کے باعث آخر عمر میں چوب قلم مصحف کی تلاوت کرتے تھے اور آخری عمر میں پندرہ پارے حفظ بھی کر لئے تھے۔ اشراق کی نماز کے بعد باہر تشریف لاتے تھے کیونکہ علیحدہ مکان میں تنہا رہتے تھے۔ اوّل زنانے میں تشریف لیجاتے اور خیر و عافیت معلوم کر کے مردانے میں آکر طلباء کو درس دینا شروع کر دیتے دس۱۰ گیارہ۱۱ بجے تک جس قدر بھی طالب علم موجود ہوتے ان کو درس دیتے اسی دوران میں جو احباب تشریف لاتے ان سے ملاقات کرتے اور درس ملتوی کر دیتے۔ بارہ بجے کھانا کھا کر آرام فرماتے۔ اور ظہر کے وقت اُٹھ کر اول نماز و تلاوت سے فارغ ہوتے اور تھوڑی دیر بعض منتہی تلامذہ کو درس دیتے۔ اس وقت سے احباب وغیرہ کی آمد کا سلسلہ بکثرت شروع ہوتا۔ جو رات کے گیارہ بجے تک رہتا تھا اس کے بعد آرام کرتے۔ اور تہجد کی نماز کو پھر اُٹھتے۔ احباب سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی۔

اور نہایت شگفتہ صحبت رہتی جس میں مرزا شمس الدین بیگ وکیل کے فلک شگاف قہقہے بھی ہوتے تھے اور مرزا مائل کے سنجیدہ لطیفے اور مزاح بھی۔ قاضی عبدالکریم ٹونکی۔ المعروف بہ "صُاحِب" (صاحب کا تلفظ بقرأت تمام ادا کرتے تھے اس لئے صاحب مشہور ہو گئے تھے) کی مخارج حروف کی پوری رعایت وصحت کے ساتھ گفتگو بھی اور اہل جے پور میں سے جن صاحبان کو قاضی صاحب نے خاص ناموں سے نامزد کر رکھا تھا اُن پر بے لاگ تبصرہ بھی وغیرہ وغیرہ۔

طرزِ تعلیم واصلاحِ کلام اصلاحِ کلام کے متعلق مولانا کوثر کے حال میں کچھ بیان کیا جا چکا ہے۔ بعض تلامذہ کو عام قاعدے کے مطابق بھی اصلاح دیتے تھے یعنی غزل وغیرہ رکھ لیتے اور فرصت کے وقت بنا کر واپس کر دیتے۔ تعلیم کی یہ صورت تھی کہ ہم سبق طلباء میں سے کوئی ایک نمبروار قرأت کرتا اور باقی اپنی اپنی کتابیں دیکھتے رہتے۔ مطالعہ دیکھنے پر پورا زور دیتے تھے۔ بلا مطالعہ کئے اگر طالب علم نے پڑھنا شروع کر دیا ہے تو پھر اس پر غلطی کرنے پر غضب ہی ٹوٹ پڑتا تھا۔ اس لئے کہ مولانا کا غصّہ بھی ایک گونہ قہرِ الٰہی تھا۔ اور یہ پتہ فوراً چل جاتا تھا کہ مطالعہ دیکھا گیا ہے یا نہیں اس لئے کم از کم جس کی قرأت کا نمبر ہوتا تھا وہ تو بخوبی تیار ہو کر آتا تھا۔ مولانا کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ متعدد کتب تفسیر وحدیث۔ فقہ وبلاغت اور منطق وادب کا درس دیتے وقت شاگرد کی آسانی کے لئے دوسری کتابوں کا حوالہ صفحہ تک دے دیتے تھے اور بعض دفعہ حاشیہ کی عبارت بھی بتا دیتے اور یہ کہ کس کس لفظ پر کیا کیا حاشیہ ہے۔ مطبوعہ کتاب خریدنے کی کسی طالب علم کو ضرورت ہوئی تو مطبع نول کشور کی چھپی ہوئی کتاب کو ترجیح دیتے تھے۔

ذوقِ سخن | ذوقِ سخن سنِ شعور ہی سے تھا۔ اور مولانا تسلیمؔ سے تلمذ تھا۔ طبیعت میں بلا کی تیزی و جولانی اور غضب کی آمد و قدرتِ کلام تھی۔ مگر شاعری پر ناز نہ تھا۔ میں نے مولانا کے متعدد معاصرین سے سُنا ہے کہ "یہ کمال مولوی سلطان الدین ہی کو حاصل تھا کہ الفاظ ہم معنی اُن کے سامنے صف بستہ کھڑے رہتے تھے جس کو جہاں مناسب سمجھا وہیں نظم کر دیا"۔

ایک بار چند اہلِ علم اصحاب مولانا تسلیمؔ کے یہاں حسبِ معمول جمع تھے۔ مولانا مُبینؔ بھی موجود تھے۔ دیگر علمی و ادبی اذکار کے سلسلہ میں عرفیؔ و انوریؔ کے حسبِ ذیل قطعہ و قصیدہ کا ذکر بھی آگیا۔

قصیدہ	جرمِ خورشید چو از حوت در آید بحمل	اشہبِ روز کند ادہمِ شب را ارجل	انوری
قطعہ	چہرہ پرداز جہاں رخت کشد چوں بحمل	شب شود نیم رخ و روز شود مستقبل	عرفی

ایک صاحب نے فرمایا کہ ان صاحبان نے یہ قطعہ و قصیدہ ایسا لکھا ہے کہ جواب ممکن نہیں۔ اُردو میں سوداؔ نے بہت زور لگایا مگر ان کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکا اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ اُردو میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ فارسی کا مقابلہ کر سکے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے جب زیادہ مبالغہ کیا تو مولانا مُبینؔ نے تردید کی اور کہا کہ "عرفیؔ و انوریؔ اپنے وقت کے مسلّم الثبوت شاعر ہیں انکا ہر شعر اچھا ہے۔ مگر شاعری نبوت تو نہیں کہ ختم ہو گئی ہو۔ مبدءِ فیاض کا فیض بدستور جاری ہے۔ رہا سوال مرزا سوداؔ کا تو ان کے کامل الفن ہونے میں کیا شک ہے۔ انھوں نے اس زمین میں جو قصیدہ لکھا ہے وہ نہایت کامیاب ہے۔ اور مرزا سوداؔ تو رفیع المرتبت ہیں ہی۔ آج بھی اُردو میں اس فارسی کا جواب دیا جا سکتا ہے"۔ بات بڑھی اور معترض نے کہا کہ کوئی قصیدہ کہہ کر دکھائے تو مانا جا سکتا ہے۔ نرے زورِ تقریر سے

کام نہیں چلتا۔ مولانا بہت اچھا کہہ کر خاموش ہو گئے اور قصہ ختم ہوا۔ یہ گفتگو رات کو دس اور گیارہ کے درمیان ہوئی اور تھوڑی دیر بعد صحبت ختم ہو گئی۔ مولانا مبینؔ نے اُسی شب فکر کی اور دوسرے دن رات کو جب حسبِ معمول احباب جمع ہوئے تو گذشتہ شب کا حوالہ دیتے ہوئے قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ کہتے ہیں کہ اکیس ۲۱ مطلعے اور چار سَو سے زائد اشعار تھے۔ سامعین نے تو جو کچھ داد دی وہ دی مگر معترض صاحب کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا۔ اور سلطانِ مبینؔ کا سکّہ بیٹھ گیا۔ مگر فاضل مصنف نے اس دماغ سوزی کو اتنا بھی قابلِ اعتنا نہ سمجھا کہ دیوان میں لکھ تو لیا جاتا۔ مسودات میں ڈال کر ایسا بھولے کہ اب میری کافی تلاش پر ایک کرم خوردہ ورق پر چار مطلعے اور چوہتر ۷۴ اشعار بطور مسودہ بہت تیز لکھے ہوئے دستیاب ہوئے لہٰذا چاروں مطلعوں کے ساتھ دو دو چار چار شعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں :-

مطلعِ اول

ملکِ خاور کے شہنشاہ کا جس وقت عمل　　ہو سراسر نسق آرائے گزر گاہِ حمل

شب بنے نقطۂ موہومِ ریاضی کی مثال　　دن بنے صفحۂ گیتی پہ طلائی جدول

شب بڑھے بھی تو بڑھے نقص میں اور ہوا نقص　　دن گھٹے بھی تو گھٹے نقص میں اور ہوا مکمل

شب گھٹے اتنی کہ انجام کو گھٹتے گھٹتے　　لفظ شب کا بھی تو الفاظ میں ٹھیرے مہمل

دن کے بڑھنے کی یہ صورت کہ اگر شام بھی ہو　　تب بھی چھپنے کیلئے مہر کو پائے نہ محل

مطلعِ دوم

وادیٔ بہمن و دَے ہی جو خرابی کا محل　　نظمِ اردی سے بنے خلدِ بریں کا مبدل

قوتِ نامیہ کے فیض کا ہو جوش یہ کچھ　　شاخ کی شاخ ہو جو شاخ سے پھوٹے کونپل

موسمِ گل کی یہ تاثیر کہ ہر خار کے بھی　　سمن و یاسمن و گل سے ہوں پُر جیب و بغل

ہوئے کہسار میں وہ لالۂ خودرو کا وفور　　کہ نہ ہو پیک نظر کو بھی گزر گہ کا محل

تا بکجا عالمِ صورت کا بیانِ مہمل — دل تجھے پردۂ باطن میں جو چلنا ہی تو چل
دیکھ تو تیزیٔ صہبائے سخن کا عالم — لب کیا تھا نہ ابھی تر کہ گیا فکر پگھل
جب یہ عالم ہے تو چل راہِ حقیقت میں کہیں — گزر اس راہِ مجازی سے کہ ہے یہ مہمل
سایۂ ہستیِ مطلق کے ہیں سارے انداز — راحت و رنج و غم و شادی و حرمان و امل
یاریٔ طبع سے اندیشہ ہوا مستکمل — دل تجھے گنجِ معانی میں جو چلنا ہی تو چل
سیکھ لے مبدءِ فیاض سے جو کچھ سیکھے — ہے یہی خلق جسے کہتی ہے استادِ ازل

میر حیدر حسن زکی و یکتا دہلوی اپنے زورِ طبع و نازِ علم و ادب کے باعث بڑے بڑوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جے پور میں وہ اگر کہیں سرِ تسلیم خم کرتے تھے تو وہ صرف مولانا تسلیم کی ذات تھی۔ باوجودیکہ مولانائے موصوف کے بعد بھی مولانا مبین کے پاس میر صاحب کی روزانہ آمد و رفت تھی مگر اپنی فوقیت کا خیال اور بالخصوص شعر و سخن میں خود کے بے مثال ہونے کا دعوےٰ ضرور کرتے تھے۔ چنانچہ اس خیال کے ماتحت انھوں نے مولانا مبین کی ایک نعت کو تضمین کیا اور اس کے گیارہ اشعار پر پینتالیس ۴۵ بند لکھے اور ایسے مصرعے لگائے گویا مولانا کے اشعار اپنا لئے جس کا نمونہ میر صاحب کے حال میں درج ہوگا۔ یہ اُس زمانہ کا قصہ ہے جب مولانا مبین نے اپنے یہاں مشاعروں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ لہٰذا مولانا نے میر صاحب کے ایک سلام کو جس کے پینتیس ۳۵ اشعار ہیں پانچ سو پینسٹھ ۵۶۵ بند میں تضمین کر کے مخمس کیا اور باقاعدہ مجالس منعقد کر کے علماء و شعراء شہر جے پور کو جن میں خود میر صاحب بھی شریک تھے کئی روز میں سُنا کر ختم کیا اور سامعین سے مع میر صاحب اپنی فضیلت تسلیم کرا کر چھوڑی اس تضمین کا تاریخی نام مخمس بے مثل ہے۔ اس طرح یہ واقعہ ۱۳۲۲ھ کا ہے۔ اس مخمس کے نو ۹ بند مطابقت اعدادِ پنجتن و چار یار درج ذیل کرتا ہوں :۔

پُر ہو رہا ہے مجھ میں یہ شوق سر سے پا تک — پہنچے سلام میرا خاصانِ کبریا تک
پہنچائی اس لئے ہی یہ التجا خدا تک — یارب سلام میرا پہنچا دے مصطفےٰ تک
اور آلِ باصفا سے اصحابِ باوفا تک

داخل ہیں دونوں عالم ایزد کی معرفت میں — شامل ہیں دونوں عالم حضرت کی مرحمت میں
اس واسطے ہی سب کچھ انساں کی مقدرت میں — اک حق کی معرفت میں اک آپ کی صفت میں
حیراں ہیں اولیا تک ششدر ہیں انبیا تک

گر کی جہاں کشائی، کی زور کی گدائی — تقویٰ و پارسائی ہے صاف خود نمائی
دولت جو ہاتھ آئی۔ ہے اس میں بے وفائی — ترکیب کیمیائی پائی تو خاک پائی
پائی نہ جب رسائی اُس خاکِ پاکِ پا تک

اخلاقِ ذاتِ عالی جتنے ہیں سب جمیلہ — اوصاف بے مثالی جتنے ہیں سب جلیلہ
جنبش تمہارے لب کی ہو مغفرت کا حیلہ — کیا مغفرت کا حیلہ گر تم نہ ہو وسیلہ
مشکل ہے التجا تک دشوار ہے دُعا تک

محبوبِ حق سمجھ کر پیغمبرِ خدا کو — جن و بشر نے مانا اُس شاہِ اصفیا کو
سنگ و شجر نے مانا اس ماہِ اجتبا کو — قسمت کے پیچ دیکھو محبوبِ کبریا کو
بوجہل نے نہ مانا پیغمبرِ خدا تک

فارغ ہر ایک غم سے آزاد ہر الم سے — بے فکر بیش و کم سے اور ہستی و عدم سے
سرخوش ترے کرم سے اور رحمتِ اتم سے — وابستہ تیرے دم سے لپٹے ہوئے قدم سے
سلطانِ باکرم سے درویشِ بے نوا تک

خجلت برس رہی ہے ہر لحظہ چشمِ تر پر — اور انفعال غالب ہر وقت ہی نظر پر
تھم تھم کے کہہ رہا ہے اور ہاتھ ہے جگر پر — ٹوٹی ہوئی کمر پر۔ بارِ گناہ سر پر
آیا ہے تیرے در پر مجھ سا شکستہ پا تک

اڑتے ہیں تیرے در پر احسان کے پھریرے — دستِ کرم نے گوہر رحمت کے ہیں بکھیرے
الطاف کے یہ ساماں دیکھے جو میں نے تیرے — آیا ہوں در پہ تیرے لیکن ہی یاس گھیرے
بیحد ہیں جرم میرے شاہد ہیں دست و پا تک

شرمندگی کا عالم چھایا جو ہے نظر میں — طوفاں بھرا ہوا ہی ہر اشک چشم تر میں
سو نا امیدیاں ہیں ہر آہِ بے اثر میں — ہوں عالمِ سفر میں اک بحرِ پُر خطر میں
کشتی تو ہے بھنور میں ناخوش ہی ناخدا تک

مولانا کی نسبت مولانا تسلیم کا قول تھا کہ "سلطان اپنی تقریر و تخئیل میں اس قدر بلند، پرواز کرتا ہے کہ اُس کے گرنے کا اندیشہ ہو جاتا ہے"۔

مولانا مبین کو بوجہ تبحر علمی اور قدرت وزور کلام۔ نیز اس جہت سے کہ وہ مولانا تسلیم کے جانشین اور حضرت مولانا شاہ محمد خلیل الرحمٰن جمالی رح کے خلیفہ اعظم تھے اپنے معاصر شعراء میں فضیلتِ خاص حاصل تھی۔ وہ جب کسی مشاعرے میں شریک ہوتے تو آخری غزل اُنھیں کی ہوتی تھی۔

ادبِ مُرشد | مولانا کو اپنے پیر و مرشد کا جیسا ادب کرتے ہوئے دیکھا ہے اس کی مثال آج مفقود ہے۔ باوجودیکہ خود مولانا کی وجاہت و جلال ایسا تھا کہ کسی کو نظر ملا کر بات کرنے کی مجال نہیں ہوتی تھی۔ مگر مولانا کی یہ حالت تھی کہ پیر و مرشد کے سامنے نظر اُٹھا کر بات نہ کرتے تھے۔ اور گھنٹوں موصوف کی خدمت میں حاضر رہتے اور دو زانو کے سوا دوسری نشست اختیار نہ کرتے۔ اسی طرح مجلس سماع میں ہمہ وقت دو زانو ہی بیٹھے رہتے۔

اخلاق و عادات | مولانا نہایت خوش اخلاق، خوش طبع، شگفتہ مزاج نفاست پسند، ظرافت دوست۔ مہماں نواز و متواضع اور فیاض و سیر چشم تھے۔ بالعموم دو ایک مہمان تو روزانہ رہتے ہی تھے۔ بعض صاحبان کا قیام

مہینوں بھی رہتا تھا۔ اور ایسے بھی بہت سے صاحبان تھے جن کے بوجہ قرابت یا ہموطنی مولانا ہی کفیل ہوتے تھے تا آنکہ اُن کا مستقل سلسلۂ معاش قائم نہ ہو جائے کوئی سائل آپ کے در سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ پیر و مرشد کی خدمت و تواضع میں تو کہ جن کا قیام مہینوں آپ کے یہاں رہتا تھا۔ خرچ اخراجات میں بے قابو ہوتے تھے۔ تمام عمر نہایت آن بان اور امیرانہ شان و شوکت سے بسر کی۔

وفات و اولاد محرم ۱۳۳۶ھ میں مولانا علیل ہوئے۔ کچھ دن بعد عجب استغراقی حالت پیدا ہو گئی۔ ہر وقت چارپائی پر لیٹے رہتے اور غشی سی طاری رہتی۔ البتہ نمازوں کے وقت حالت بالکل درست ہو جاتی اور وضو یا تیمّم کر کے نماز ادا کرتے اور پھر وہی کیفیت ہو جاتی۔ یا جس وقت حضرت قبلہ شاہ محمد خلیل الرحمٰن جمالیؒ کا والا نامہ ڈاک کے ذریعہ آتا کہ جو اُس زمانے میں روزانہ آتا تھا تو ادھر پوسٹ مین نے خط دیا اور اُدھر مولانا نے بلا کسی اطلاع کے دریافت کیا کہ "کوئی خط آیا" جواب میں مکتوب پیش کیا جاتا جس کو سُنتے اور اُسی وقت کسی حاضر الوقت سے جواب لکھوا کر روانہ کر دیتے۔ مولانا کے وصال سے تین دن پہلے جو والا نامہ صادر ہوا۔ اُس میں تحریر تھا۔ "مولانا! آپ عالمِ سکوت کی منزل طے کر رہے ہیں۔ قدمِ استقلال بدستور قائم رہے۔" یہ خط آپ نے بچشمِ خود پڑھا۔ اور جواب میں "بہت اچھا" کہہ کر خط کو سرہانے رکھ کر لیٹ گئے۔ علاج مُعالجے میں کوئی کسر نہ رکھی گئی مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔

مولانا منظور احمد کوثر راوی ہیں کہ میں جب بھی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو وہ کوئی نہ کوئی نہایت اچھا شعر ضرور سُنایا کرتے تھے۔ خواہ کسی کا ہو۔ یومِ وصال بھی عیادت کو حاضر ہوا۔ اُس روز طبیعت زیادہ خراب اور غشی سخت ترین تھی۔ مجھے رستہ میں خیال آیا کہ دیکھیں آج بھی مولانا

کوئی شعر سناتے ہیں یا نہیں؟ میں پہنچا اور چارپائی کے پاس بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ اور اُسی انداز سے جو مولانا کے شعر پڑھنے کا تھا یہ شعر پڑھا:۔

رونقِ عہدِ شباب است دگر بستاں را می رسد مژدۂ گُل بلبلِ خوش الحاں را

میں سمجھ گیا کہ وقتِ وصال قریب ہے۔ اور یہ ارادہ کر کے بیٹھا رہا کہ اب مولانا کے جنازے کے ساتھ ہی یہاں سے اُٹھوں گا۔ بعد وصال وہیں بیٹھے بیٹھے مجھ پر غنودگی طاری ہوئی تو میں نے دیکھا کہ مولانا نہایت سفید لباس پہنے بحید شاداں و فرحاں تشریف فرما ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا تو وصال ہو گیا اب کوئی بات پوچھیں بھی تو کس سے؟ "فرمایا کیا وقت ہے؟" میں نے عرض کیا کہ فی الحال تو آپ کے مادۂ وصال ہی کا فکر ہے۔ فرمایا:۔

ہم نہیں ہیں نہ سہی فکر نہ کر اور کہہ دے می رسد مژدۂ گُل بلبلِ خوش الحاں را

میری آنکھ کھل گئی۔ لفظ "ہم" اور "فکر" کا ع می رسد مژدۂ گُل بلبلِ خوش الحاں را کے اعداد میں سے تخرجہ کیا تو سنہ وصال تیرہ سو چھتیس ۱۳۳۶ برآمد ہو گیا۔

مولانا کوثر بعدِ عصر سے مولانا کی چارپائی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ منزلِ زیریں میں مولانا علیل تھے۔ اور بحکم حضرت پیر و مرشد۔ بالائی منزل میں مولانا کے پیر بھائی نمازِ عصر سے فارغ ہو کر ختم خواجگان میں مشغول تھے۔ یہ ۱۹ ر صفر المظفر ۱۳۳۶ھ مطابق ۵ ر دسمبر ۱۹۱۷ء یوم چہار شنبہ کا واقعہ ہے۔ وہ لوگ ختم سے فارغ ہو کر نیچے اُتر رہے تھے کہ اذانِ مغرب کی آواز آئی اور ادھر مولانا نے نعرہ لگایا "اِلّا اللہ" اور روح پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے روز قبل دوپہر چاند پول دروازے باہر میر شہباز علی شاہ جمالیؒ کی درگاہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ جنازے کے ساتھ بلا تفریقِ مذہب و ملت

ایک کثیر مجمع تھا۔ خان بہادر مولوی احمد علی خاں ممبر کونسل جے پور بھی شریک تھے جنھوں نے اک آہِ سرد بھر کر کہا۔ "یہ مولوی سلطان الدین کا جنازہ نہیں ہے۔ جے پور کے علم و فضل کا جنازہ ہے۔"

بعدِ وفات بہت سے صاحبان نے قطعات وفات وغیرہ کہے مثلاً مولوی مجاہدین احمد نسیم کا مادہ تاریخ ہے۔ سلطان مُبینم خلدنشیں ۱۳۳۶ھ سید انور علی شاد کا مصرع ہے۔ شد مسلم رحلتِ سلطان دیں ۱۳۳۶ھ۔ راقم الحروف کا نتیجۂ فکر حسب ذیل ہے:۔

مُبینِ جمالی و سلطانِ دیں ز دُنیا بدار النعیم آمدہ
ندائے ز رضواں بگوشِ جہاں لقد فاز فوزاً عظیم۔ آمدہ
۱۳۳۶ھ

مولانا کے دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔ بڑے صاحبزادے منشی ملک الدین ملکؔ ناکتخدا عالمِ شباب میں مولانا کے سامنے ہی راہی ملکِ بقا ہوئے۔ چھوٹے صاحبزادے مولوی ناصح الدین حیات ہیں۔

تصانیف | مولانا نے حسب ذیل تصانیف چھوڑیں:۔

(۱) جمال النبی۔ سیرۃ پاک میں بطور مولود شریف (اُردو) مطبوعہ
(۲) لیالیِ عشرہ بحالات معرکہ کربلا (اُردو) مطبوعہ
(۳) فروغِ جاوید۔ نعتیہ ترکیب بند ۱۳۱۰ھ (اُردو) مطبوعہ
(۴) تحیتِ شبیر ۱۳۳۰ھ۔ نئے انداز کی مثنوی حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت کی مبارکباد میں (اُردو) مطبوعہ
(۵) رفعِ حیرت (۶) دفعِ حیرت
(۷) رد حیرت (۸) سلطانِ مبیں } حسب شرح بالا (اُردو) مطبوعہ
(۹) نعتیہ دیوان (اُردو) غیر مطبوعہ۔

(۱۰) نعتیہ ترکیب بند بلحاظ ردیف ستّر بند (فارسی) غیر مطبوعہ

(۱۱) عشقیہ دیوان (اُردو) "

(۱۲) مجموعہ رباعیات (اُردو و فارسی) "

(۱۳) مخمس بے مثل مندرجہ بالا (اُردو) "

(۱۴) ہفت انجمن۔ بحالات حضرت سید محمد اتا ؒ شاہ ولایت نارنول (اُردو) غیر مطبوعہ

(۱۵) شرح سورۂ علق۔ نامکمل (اُردو) غیر مطبوعہ

(۱۶) رسالہ در شرح حدیث شریف مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ الخ (اُردو) "

(۱۷) ماثر الامرا۔ تاریخ۔ نامکمل (اُردو) "

کلام پر تبصرہ | مولانا کے کلام میں زورِ علم و فضل کے علاوہ اعلیٰ تخئیل و نزاکت بلندیٔ مضامین، روانی و زور۔ جزالت۔ بہترین محاکات۔ زبان کا چٹخارہ اور تاثیر بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام | نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

نعتیہ

مجھے اپنی زندگی پر اگر اختیار ہوتا
تو فدا انہی پہ ہر دم میں ہزار بار ہوتا

یہ گناہ کا بکھیڑا فقط آپ نے نبیڑا
نہیں عاصیوں کا بیڑا تو کبھی نہ پار ہوتا

تری رحمت اپنا جلوہ جو دکھاتی آشکارا
تو مقامِ اہلِ جنّت یہیں آشکار ہوتا

نورِ جبیں بنا ہی جو عرشِ عظیم کا
جلوہ ہی آستانِ رسولِ کریم کا

مطلعِ صبحِ جہانتابِ ازل ہی رُوئے دوست
مقطعِ شامِ جہانگیرِ ابد ہی موئے دوست

ناز اپنے عشق پر کیونکر نہ ہو مجکو مُبیںؔ
جانتا ہوں میں کہ ہی عاشق نوازی خوئے دوست

بزمِ میلاد وہ ہی بزمِ مبارک جس میں
نعت پڑھتے ہوئے جبریلِ امیں آتے ہیں

عاصیو! رحمتِ حق کہتی ہی لو نامِ نبی
عمرِ رفتہ تو نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

کہاں ہیں عرش پہ تارے مگر ہیں عرش کے تارے
وہ ذرّے جو چمکتے ہیں مدینے کے بیاباں میں

حقیقت خلوتِ معراج کی یہ تھی کہ گویا تھا
خدا ذاتِ محمدؐ میں۔ محمدؐ ذاتِ یزداں میں

ہمیں مطلب نہ دُنیا سے نہ دیں سے
غرض ہے رحمۃ للعالمیںؐ سے

ملے گی راہ کوئے مصطفیٰؐ کی
ذرا آگے بڑھو عرشِ بریں سے

تیرے امکاں میں ہوا ہے باعثِ ایجادِ جہاں
جس کا امکان نہ تدبیر نہ تقدیر میں ہے

سارا قرآنِ مبارک ہی تری مدح و ثنا
معتبر اک یہی تفسیر تفاسیر میں ہے

عشقیہ

اول جو میکدے میں چلا دورِ جام کا
وہ تھا جنابِ ساقیِ کوثر کے نام کا

پیرِ مغاں کے حکم سے ای شیخ پی بھی لو
کرتے ہو کیا خیال حلال و حرام کا

سنتے ہی نام راہِ محبت کا چل دیئے
اب کیا پتہ ہی خضر علیہ السلام کا

سخندانِ ازل نے لکھ کے اک مصرع قیامت کا
غضب کا مصرعِ ثانی لکھا ہی اسکے قامت کا

ڈبویا دفترِ کونین میں نے بحرِ حیرت میں
ابھی اک حرف بھی پورا نہ سیکھا تھا محبّت کا

ہوسِ خلد میں زاہد تو گرفتار رہا
وہ ادا کر کے عبادت بھی گنہگار رہا

دل ضبط کر سکا نہ ترے رُخ کی تاب کا
خود جلوے نے ہی کام کیا ہی نقاب کا

دم بھر میں کائنات فنا ہے اگر کہیں
کُھل جائے کوئی بند کسی کی نقاب کا

مری تسکین کو ڈالا ہے پردہ بے نیازی کا
کوئی انداز تم سے سیکھ لے دشمن نوازی کا

وہ کہتے ہیں ہماری دلبری میں فرق آجائے
اگر ہم کو پسند آجائے شیوہ دل نوازی کا

خدا کے واسطے انصاف تو کیجے کہ زاہد کو
جنان و حور و غلماں پر ہی دعویٰ پاکبازی کا

بیقراری کیوں ہی بلبل فصلِ گُل آنے تو دے
شاخِ گُل پر بھی کسی دن آشیاں ہو جائیگا

اگر ایمان کھو کر بت پرستی میں خدا پایا
تو اب کہہ تو ہی زاہد ہم نے کیا کھویا تھا کیا پایا

عالم کچھ آج اور ہی ابرِ بہار کا
چھایا ہی کیا خیال کسی بادہ خوار کا

ہے وصل کی امید الم ہجرِ یار کا
یارب عجب طلسم ہے یہ انتظار کا

واعظ کہاں شراب کہاں میکدہ کہاں
جادو ہے ایک یہ بھی نسیمِ بہار کا

پردے میں خلد و کوثر و طوبیٰ کے ذکر ہے
میخانہ کا شراب کا ابرِ بہار کا

غمِ فراق نہ ہو آپ کا ہی یہ بھی کہیں
بلا ہے خضر کو جو عمرِ جاوداں ہو کر

اس شوخ سے ملنا دلِ دیوانہ سمجھ کر
شرمائے جو آپ اپنے سے بیگانہ سمجھ کر

سرسبز ہے گلزارِ محبت مرے دم سے
کاٹو نہ مجھے سبزۂ بیگانہ سمجھ کر

دُنیا تو عجب بزمِ دل آرا نکل آئی
وحشت میں چلے آئے تھے ویرانہ سمجھ کر

مجکو اثرِ صحبتِ رنداں نے سنبھالا
کعبہ کو چلا ہی تھا صنم خانہ سمجھ کر

ہے گرمیِ بازارِ محبت مرے دم سے
دھوکے میں نہ آنا مجھے دیوانہ سمجھ کر

اک الف بیش نہیں کثرتِ عالم کہ یہاں
لائے کچھ رنگ دکھایا ہے تو الّا ہو کر

اللہ رے تابِ دیدِ زلیخا کہ بچ گئی
یوسف سے خوبرو کو کئی بار دیکھ کر

کہو اب کیا کریں نالے مرے آتش فشاں ہو کر
غبارِ کوئے جاناں چھا گیا ہے آسماں ہو کر

کیا رُسوائے عالم حسنِ یوسف کو زلیخا نے
جواں سے پیر ہو کر پیر سے پھر نوجواں ہو کر

سخت جانی تو دیکھنا میری
کاٹ دی ہے فراق کی شب تک

ساقی کے انتظار میں ہے انجمن خراب
شیشے جُدا جُدا ہیں تو ساغر الگ الگ

کیونکر چلوں میں راہ میں تم سے جُدا جُدا
خود مُسکرائے دیتے ہو کہہ کر الگ الگ

دیکھیں حرم سے راہ ہے سیدھی کہ دیر سے
واعظ تو ہیں اُدھر سے چلے اور اِدھر سے ہم

میں نے کہا کہ آپ میں مہر و وفا نہیں
بولے کہ تجکو دردِ محبت بلا نہیں

اے چرخ کیا اثر ہو ترے انقلاب میں
باقی ہی کیا رہا ہے جہانِ خراب میں

قاصد سے لیکے نامہ پڑھا پڑھ کے رکھ لیا
پھر کہہ دیا کہ جا یہی کہہ دے جواب میں

مرا دل خون ہو کر رہ گیا ہے کوئے جاناں میں
چلو چل کر بلا آئیں اُسے خونِ شہیداں میں

حریفانِ سبوکش رفتہ رفتہ اٹھتے جاتے ہیں
بھلا کیا خاک بیٹھوں دل لگا کر بزم دوراں میں

ہوسِ قتل بھی ہے حسرتِ دیدار بھی ہے
بن گیا کام کہ دم یار کے خنجر میں نہیں

جانِ حسنِ بتاں پہ دیتا ہوں
فکرِ حسنِ مآل ہے مجھکو

دل اپنا درد اپنا یار اپنا
تعلق ہم سے کیا ہے آسماں کو

حرم جاتا ہوا لیجاؤں گا میں
تمہارے در کے سنگِ آستاں کو

ساقی یہ میرے گھر میں ہے مہمان دیکھنا
شرمندہ ہو نہ جاؤں شبِ ماہتاب سے

دامانِ دل سے داغِ خودی چھوٹتا نہیں
زاہد نہ دھوئیے اسے جب تک شراب سے

نہیں ہے سنگِ سیہ یہ جبیں پہ کعبہ کی
نشانِ سجدہ ترے سنگِ آستاں کا ہے

ہم نے مانا نہ سہی یہ کہ انا الحق - حق ہے
کہہ بھی سکتا ہے مگر گبر و مسلماں کوئی

واعظو آپ کے ارشاد بجا ہیں. لیکن
ابھی دیکھا نہیں غارتگرِ ایماں کوئی

دل میں ہے شوق نہ ارمان نہ حسرت نہ طلب
یارب ایسا تو نہ ہو بے سروساماں کوئی

نام جس کا دلِ عاشق ہے جہاں میں مشہور
وہ پرے ملکِ عدم کے ہے بیاباں کوئی

ہوتی ہے مجھ پہ دیکھئے کیا کیا جفا ابھی
کہتا ہوں مر ہی جاؤں تو کہتے ہیں کیا ابھی

یہ کس نے جا کے عرشِ بریں کو ہلا دیا
نکلی ہے میرے لب سے تو آہِ رسا ابھی

ان وعدہ ہائے وصل سے تسکیں نہ دیجئے
جن کے لئے بنی ہی نہیں ہے وفا ابھی

پوچھا جو میں نے لطف کروگے کہا نہیں
میں نے کہا کہ ظلم ہی کیجے کہا "ابھی"

کہیں پھر بھی سکتا ہے پھیر دو تو دیکھیں
یہ قابو تمہارا ابھی دل پر نہیں ہے

یہ مانا دل نہیں لگتا ہمارا باغِ ہستی میں
مگر دم بھر کو یہ بھی اک تماشا ہو ہی جاتا ہے

جفائیں کرتے ہیں اور پھر سنا کر مجھکو کہتے ہیں
کبھی ہم سے بھی آخر نازِ بیجا ہو ہی جاتا ہے

جو تم رات پہلو بدلتے بدلتے
خیالات پہلو بدلتے بدلتے

شکایت کسی کی نہ ہو جائے زاہد
مناجات پہلو بدلتے بدلتے

جنوں ہو نہ جائے کہیں شیخ صاحب
کرامات پہلو بدلتے بدلتے

کیوں نکلتے ہم اگر جنت میں کچھ ہوتی بہار
ہم تو جب جانیں کہ کوئی کوئے جاناں چھوڑ دے

صبح تک شمع ہوئی جل کے شبِ وصل میں خاک
اب تو کیفیتِ سوزِ غمِ پنہاں سمجھے!

کیا ہی دہشت زدۂ منعِ رقیباں ہیں کہ ہم
حلقۂ در کو ترے چشمِ نگہباں سمجھے

ہم اگر جا ہیں تو کچھ بات نہیں ہے اے شیخ
ہر خمِ مے کے تلے چشمۂ کوثر نکلے

لوگ کہتے ہیں کہ چشمہ ہے کوئی آبِ حیات
لطف جب ہے کہ یہ نامِ مے احمر نکلے

شہرتِ حسن عبث عشقِ زلیخا بیکار
حضرتِ یوسفِ کنعاں تو پیمبر نکلے

اغنیا جتنے نظر آئے وہ محتاج ملے
فقرا جتنے ملے سارے تونگر نکلے

گھر میں واعظ کے جو کل رات کو دیکھا ہم نے
سینکڑوں شیشۂ مے سینکڑوں ساغر نکلے

اُلجھا ہے محتسب سے کوئی رند بادہ خوار
میخانے کے قریب یہ کیا اژدحام ہے

جس کی طلب ہے اسکی گلی میں پڑے ہیں ہم
دیر و حرم کو دونوں کو اپنا سلام ہے

کس کی طلب متیںؔ کو ہے یا رب کہ آج کل
پروائے ننگ ہے نہ تقاضائے نام ہے

متین

تخلص۔ ممتاز حسین نام۔ اصل وطن قصبۂ سنگھانہ ضلع شیخاواٹی تھا۔ پھر جے پور ہوا۔ قاضی محمد حسین رضیؔ کے خلف الصدق نسباً شیخ صدیقی۔ مذہباً سُنّی حنفی۔

ولادت۔ تعلیم اور ملازمت اغلباً ۱۸۷۶ء میں جے پور میں پیدا ہوئے۔ اوّل اپنے بزرگوں سے اور پھر باقاعدہ اورنٹیل کالج جے پور میں تعلیم حاصل کر کے منشی۔ منشی عالم۔ منشی فاضل۔ مولوی۔ مولوی عالم اور مولوی فاضل کے، امتحانات پاس کئے۔ اور اس کے بعد بھی مولانا اعجاز اور مولانا مفتی غلام مبارز الدین سے برابر پڑھتے رہے۔ ۱۹۰۲ء میں مذکور الصدر کالج میں پروفیسر ہو گئے۔ ۱۹۰۷ء میں جب کالج ختم ہو گیا تو مہاراجہ ہائی اسکول میں

مدرس فارسی مقرر ہوئے اور آخر عمر تک اس عہدے پر مامور رہے۔ نیز خدمت فتویٰ بھی بحکم ریاست عرصہ تک آپ سے متعلق رہی۔ وفات سے تقریباً ایک سال پہلے پنشن لے کر خانہ نشین ہو گئے تھے۔

مشاغل و تصانیف اور وفات | آپ نے ساری عمر علمی و ادبی مشاغل میں گزاری داخلِ نصاب بہت سی کتابیں لکھیں۔ بہت سی کے خلاصے یا ترجمے یا فرہنگیں تیار کیں۔ مگر مالی حالت اچھی نہ ہونے کے باعث دوسروں کے نام پر قلیل معاوضہ پر منتقل کرتے رہے۔ اس طرح اپنی تصانیف کا عشر عشیر بھی اپنے نام پر باقی نہ رکھا۔ تاہم یہ تصانیف آپ کی ہیں:۔

(۱) خزینۃ القواعد فارسی
(۲) رسالہ معانی و بیان اور عروض و قوافی اُردو
(۳) گریجوئیٹیڈ ٹرانسلیشن اُردو
(۴) شرحِ مثنوی مولانا روم مشمولہ ایم۔ اے کورس آگرہ یونیورسٹی۔ اُردو
(۵) شرح انتخاب غزلیاتِ نظیری۔ مشمولہ ایم۔ اے۔ کورس پنجاب۔ "
(۶) شرح قصائدِ قاآنی۔ مشمولہ نصاب منشی کامل۔ لکھنؤ "
(۷) مکمل شرح دیوان نظیری۔ "
(۸) مفصل حالاتِ قاآنی۔ "
(۹) سوانح عمری۔ رشید الدین وطواط۔ "
(۱۰) ادبیاتِ عجم پر محققانہ نظر "

یہ تصانیف تو طبع ہو گئی تھیں اور ان کے علاوہ کچھ اور بھی مکمل و نامکمل غیر مطبوعہ تھیں۔ مثلاً بیاضِ کلام اُردو۔ اور بیاضِ کلام فارسی جن کو راقم الحروف نے بھی دیکھا تھا۔ مگر اب کسی کا کچھ پتہ نہیں تصانیف کے

علاوہ آپ کے کتب خانہ میں بعض نایاب کتابیں مطبوعہ و قلمی بھی تھیں۔ یہ سرمایہ آپ کے بزرگوں کے وقت کا بھی تھا اور خود کا جمع کردہ بھی۔ جو حضرت متین کے لئے باعثِ ناز تھا۔ کئی نادر مخطوطات بھی تھے مگر ۲۷ اپریل ۱۹۷۳ء کو حضرت متین کا انتقال ہوا اور یہ ادبی سرمایہ اُن کے ہمشیر زادے اور داماد قاضی مصلح الدین اور برادر نسبتی قاضی حشمت علی کے قبضہ میں چلا گیا۔ جنھوں نے پاکستان جاتے وقت ردّی کے بھاؤ بیچ کر ختم کر دیا۔ اُسی میں آپ کی بیاضیں بھی ضائع ہوئیں۔ اس لئے بطور یادگار صرف تین شعر درج ذیل کرتا ہوں۔ فارسی میں مولانا مُبینؔ سے اصلاح لیتے تھے اور اُردو میں مرزا مائلؔ سے۔

جہاں میں سرد مہری کی ہوئی ہے گرم بازاری
وفا ہر گز کسی سے اب اے اہلِ وفا کرنا

خیالِ یار آ آ کر نئے جلوے دکھاتا ہے
ہم اپنے کنجِ خلوت کو بھری محفل سمجھتے ہیں

عدم کے جانے والوں کو ٹھہرنے کی کہاں فرصت
جہاں وہ سانس لیتے ہیں اُسے منزل سمجھتے ہیں

متین تخلص۔ ناصح الدین نام نسباً شیخ عثمانی مسلکاً چشتی الجمالی۔ مولانا مُبینؔ کے فرزند اصغر ہیں۔ اصل وطن نارنول تھا پھر جے پور ہوا۔ اب پاکستان ہے۔ ۲۳ر محرم ۱۳۱۲ھ کو نارنول میں پیدا ہوئے۔ عربی۔ فارسی کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ جے پور کے صیغہ ریونیو میں بعہدۂ تعلقہ دار ملازم ہوئے۔ اب پنشن پاتے تھے۔ حضرت تسنیمؔ سے تلمذ تھا۔ نہایت صاف شعر کہتے ہیں طبعاً نہایت منکسر و قانع اور بہت کم گو ہیں۔ مرنجان و مرنج طبیعت پائی ہے۔ ایک شعر بطور نمونۂ کلام درج ذیل ہے:۔

چاہتے ہیں کہ کوئی تازہ ستم ہو ایجاد
اب وہ پھر مجھ پہ عنایت کی نظر رکھتے ہیں

مجبور تخلص، چھیتر مل نام نسباً ماتھر کالیستھ تھے۔ وطن تحقیق نہ ہوسکا۔ مولانا تسلیم سے فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی اور انھیں سے اصلاحِ سخن لیتے تھے۔ اور ان کے بعد حضرتِ رونق کو کلام دکھاتے تھے۔ جے پور کے بخشی خانہ فوج میں ملازم تھے۔ اور حضرت رونق کی سرکار میں بحیثیت کامدار کام کرتے تھے۔ حضرتِ مائل کے بے تکلف احباب میں تھے تفصیلی حالات دریافت نہ ہوسکے۔ شعر و سخن سے نہایت دلچسپی تھی۔ رستے چلتے چاہے جہاں کھڑے ہوکر اپنے واقف کار اصحاب کو شعر سنانا شروع کر دیتے۔ متعدد شاگرد بھی تھے۔ غزل کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ نعت۔ سلام۔ قطعاتِ تاریخ وغیرہ بھی کہے ہیں۔ یہ تحقیق ہے کہ اُن کا ضخیم دیوان تھا۔ اور کافی کلام تھا۔ مگر اب کچھ پتہ نہیں چلتا۔ متفرق غزلیات سے حسبِ ذیل اشعار بطور نمونہ کلام درج ذیل کرتا ہوں۔

لے کے دل بھی نہ ہوا حیف وہ دلبر اپنا
کچھ گلہ اس میں نہیں ہے کہ مقدر اپنا

شکایت اپنی خرابی کی تو نہ کر مجبورؔ
کئے ہیں عشق نے برباد خانماں کیا کیا

اشک کے ساتھ ہم اب لختِ جگر دیکھتے ہیں
لعلِ احمر کو بھی ہمراہ گہر دیکھتے ہیں

قدم بڑھائے چلو اے مسافرو اپنا
کہ راہ ہی میں نہ ہو جائے تم کو شام کہیں

یہ ڈھنگ کیا ہے ترے میکدے کا اے ساقی
سبو کہیں ہے صراحی کہیں ہے جام کہیں

اجل ہی آئے جو آتا نہیں وہ غیرتِ ماہ
شبِ فراق کا قصہ تو ہو تمام کہیں

دیکھ آیا ہے تری بحث کو پھر ابرِ بہار
ہاں ذرا دیدۂ تر تو بھی گہربار تو ہو

دل مبتلائے زلفِ گرہ گیر کیوں نہ ہو
دیوانہ ہے مقیدِ زنجیر کیوں نہ ہو

داغِ حسرت کے سوا کون ہے یاں محرمِ راز
کنجِ تنہائی میں اپنا یہی غمخوار رہی

دیر کو کعبہ، رہِ کفر کو ایماں سمجھے
صفحۂ عارضِ دلدار کو قرآں سمجھے

کاکل سے بچ کے زلف میں پھر مبتلا ہوئے — گر ہم رہا ہوئے بھی بلا سے تو کیا ہوئے

مجروح تخلص۔ مہدی حسین نام۔ نسبًا سیّد۔ وطن دہلی۔ آپ کے بزرگ گلشنِ مغلیہ کے آخری دَورِ بہار میں ایران سے دلّی آئے۔ اور مصاحبتِ شاہی میں منسلک ہوگئے۔ مجروح ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ ذوقِ سخن انھیں ورثہ میں ملا تھا۔ والد بھی نازک خیال شاعر تھے اور دیگر بزرگ اعزّہ بھی علم و ادب کی دولت سے مالامال تھے۔ تعلیم سے۔ گھر پر پڑھ کر فارغ ہوئے۔ نہایت خوش رو۔ خوش وضع۔ نفاست پسند۔ خوشبو کے دلدادہ۔ ہر وقت عطر میں معطّر رہتے تھے۔ ہوش سنبھالا تو گرد و پیش علم و ادب کے چرچے دیکھے۔ ذوقِ سخن ہر شخص پر غالب تھا۔ ذوق۔ غالب۔ مومن۔ آزردہ اور صہبائی کو بزمِ سخن میں سرگرمِ آرائش پایا۔ اور اُن کی نواسنجیوں سے دل گرمایا تو خود بھی ہم آہنگ ہوئے۔ مرزا غالب سے تلمذ اختیار کیا اور چہیتے شاگرد ہوگئے جس کا ثبوت خطوطِ غالب سے عیاں ہے۔ مگر افسوس خطوطِ مجروح بنام غالب نہیں ملتے۔

خزانِ غدر نے گلشنِ دہلی اُجاڑا تو یہ بلبلِ سخن بھی ترکِ وطن کرکے پانی پت محلہ انصاریان میں جا بسا۔ جب امن و امان ہوا تو بعد عرصۂ دراز الور گئے۔ مہاراجہ شیودان سنگھ نے قدردانی کی اور تحصیلدار کردیا۔ کچھ دن فارغ البالی نصیب ہوئی تھی کہ مہاراجہ کا انتقال ہوگیا۔ اور وہاں سے دل برداشتہ ہوکر جے پور چلے آئے۔ یہاں مہاراجہ سوائی رام سنگھ نے نائب کوتوال شہر جے پور مقرر کردیا۔ عرصہ تک یہاں رہے اور دادِ سخن دیتے رہے خستہ درویش کے مشاعروں میں شریک ہوکر دلّی کی بزموں کا سماں پیش کرتے تھے۔ مہاراجہ جے پور کے انتقال پر واپس دلّی چلے گئے اور وہیں

سنہ ۱۳۱۲ھ میں انتقال کیا۔ قدم شریف میں سپردِ خاک ہوئے۔ انھیں کی نسبت حالی نے سرِ مشاعرہ یہ شعر پڑھا تھا:۔

داغ و مجروح کو سُن لو کہ پھر اس گلشن میں ۔۔۔ نہ سُنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز

ان کے مفصل حالات متعدد کتب میں شائع ہو چکے ہیں اس لئے یہاں بالاختصار درج کیے گئے۔ نمونۂ کلام کے طور پر چند اشعار درجِ ذیل کرتا ہوں۔ زبان کی صفائی و روانی اور محاوروں کی بندش سے آپ کا دیوان مالامال ہے:۔

غیروں کو بھلا سمجھے اور مجھکو بُرا جانا ۔۔۔ سمجھے بھی تو کیا سمجھے جانا بھی تو کیا جانا

غم کے کھانے سے فراغت ہی نہیں ہے ورنہ ۔۔۔ ہم سے کیا زہر بھی فرقت میں نہ کھایا جاتا

ابر کی تیرگی میں ہم کو تو ۔۔۔ سُوجھتا کچھ نہیں سوائے شراب

غالب آئے ہیں لاؤ اے مجروح ۔۔۔ بادۂ ناب میں ملا کے گلاب

وہ تو باقی ہی نہیں جس سے کہ دلی تھی مُراد ۔۔۔ دھوکہ اب نام پہ دلی کے نہ کھانا ہرگز

کہاں گھر میں مفلس کے فرش و فروش ۔۔۔ وہ آئے تو آنکھیں بچھائیں گے ہم

خانماں سوزِ ماسوا ہوں میں ۔۔۔ اپنے سایہ سے بھی جدا ہوں میں

دل ہے شوقِ گناہ سے لبریز ۔۔۔ دیکھنے ہی کا پارسا ہوں میں

بحرِ امواج میں قطرے کا سنبھلنا معلوم ۔۔۔ کچھ خبر اپنی ہمیں جلوۂ جاناں میں نہیں

لٹنے میں یہ اٹھائی ہے لذت، کہ راہ میں ۔۔۔ ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ ہے راہزن کہاں

کیا ہماری نماز کیا روزہ ۔۔۔ بخشش دینے کے سو بہانے ہیں

زمانہ اہلِ غفلت سے ہے لبریز ۔۔۔ رہوں تنہا اگر ہشیار ہوں میں

اُس کا ملنا تو ہے بہت دشوار ۔۔۔ گم ہوں اس راہ میں ہمیں نہ کہیں

ولولہ خیزیاں گئیں دل کی ۔۔۔ یاس و امید اب برابر ہے

کیا سُنیں نغمہ سنجیِ بلبل ہائے دل ہی نہیں ٹھکانے سے
آگے سے ذرا اُس ستم آرا کے گذر جائے جس کو یہ تمنا ہو کہ بے موت کے مرجائے
اس دل ہی نے سب کام بگاڑے ورنہ وہ راہ پہ آجائے اگر صبر کیا جائے
رہ کے مسجد میں کیا ہی گھبرایا رات کاٹی خدا خدا کر کے
جو کہ غیروں کو آشنا جانے وہ بھلا قدر میری کیا جانے

محشر تخلص۔ محمد شفیع نام۔ فتح پور سیکری کے رہنے والے تھے۔ اوائلِ عمر میں بتلاشِ معاش جے پور آئے اور ملازم ہو گئے۔ عرصۂ دراز تک نظامت سوائی جے پور میں سررشتہ دار رہے۔ جوانی اور بڑھاپا یہیں ختم کیا۔ انتقال سے کچھ دن پہلے پنشن لے کر وطن گئے اور چند ماہ بعد انتقال ہو گیا۔ حضرت مائل سے تلمذ تھا۔ یہ شعر آپ کے ہیں :-

محبت ہی میں پورے ہو۔ نہ ہو پورے عداوت میں وفا کرنا ہی آتا ہے۔ نہ آتا ہے جفا کرنا
زاہد کو مزہ آئے تو کیا یادِ خدا میں حوروں کی ہوس میں ہے یہ جنت کی ہوا میں
چمن میں جس جگہ تنکے تھے میرے آشیانے کے
وہیں طوفانِ باد آیا وہیں برقِ بلا چمکی

محفوظ تخلص۔ محفوظ علی نام نسباً سید۔ جے پور کی ایک فوج میں صوبہ دار میجر تھے اور فنِ بنوٹ کے مسلّم اُستاد۔ فنِ سپہ گری سے بھی خوب واقف تھے۔ تمام عمر یہیں بسر کی۔ اور یہیں انتقال ہوا۔ شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ اور حضرت آگاہ سے تلمذ تھا۔

یہ شعر آپ کے ہیں :-

کچھ اور مُنھ سے نکل جائے کیا عجب اے شیخ نہ چھیڑنا کہ مجھے نشۂ شراب ہوا
ہمارے خون سے تر کر کے دامنِ خنجر وہ منفعل ہوا ایسا کہ آب آب ہوا

محمود تخلص محمود جان نام۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ محکمہ محتشمہ عالیہ کونسل جے پور میں انگریزی کے مترجم تھے۔ ۷ رجون ۱۹۱۰ء کو پنشن لینے کے بعد شاعری شروع کی مگر صرف حمد و نعت یا منقبت کہتے تھے اور نعت گوئی کو اپنا ذریعہ نجات سمجھتے تھے یا قطعات تاریخ کہنے کا شوق تھا۔ نعت میں حضرت مائل سے تلمذ تھا اور تاریخ گوئی میں مولانا سراج کنتوری سے۔ ان کے دیوان کا پہلا حصہ "نذر فقیر" (۱۳۴۰ھ) طبع ہو چکا ہے۔ حصہ دوم کا نام خیر التحائف (۱۳۴۰ھ) ہے ممکن ہے یہ بھی چھپ گیا ہو مگر دیکھنے میں نہیں آیا۔ محمود واعظ بھی تھے اور مولود خواں بھی۔ اپنی نعتیں بڑے جوش سے پڑھتے تھے۔ یہ شعر ان کا ہے۔

کچھ ایسی عاجزی سے ہم نے رو رو کر کیے سجدے ۔۔۔ کہ رحم آ ہی گیا اس کو ہماری جبہ سائی پر

محمود تخلص۔ محمود علی خاں نام۔ دہلی وطن تھا۔ اور حکیم احسن اللہ خاں وزیر اعظم۔ بادشاہ ابو ظفر ظفر کے عزیز تھے اور انھوں نے انھیں اپنا متبنیٰ قرار دیا تھا۔ ذی علم و فضل اور فن طب میں کامل تھے۔ حکیم مومن خاں مومن سے شعر و سخن میں تلمذ تھا۔ اور اس سے پورا شغف رکھتے تھے۔ بات بات پر کسی استاد کا کوئی شعر پڑھ دینا آپ کی عادت تھی۔ شاہی درباریوں میں شامل تھے اور امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔

ہنگامۂ غدر نے دہلی کو تباہ اور سلطنت کو برباد کیا تو اس باد سموم کے جھونکوں سے یہ کیونکر بچ سکتے تھے۔ یہ بھی تباہ و برباد ہو کر نکلے۔ اوّل الور گئے۔ اور کچھ دن قیام کر کے جے پور آ گئے۔ یہاں بساطیوں کے محلے میں نیچگروں کی مسجد کے سامنے والے مکان میں کرایہ پر رہنے لگے۔ طبیعت دنیا سے سیر ہو چکی تھی۔ اس لئے حکومت جے پور کی طرف سے ملازمت کیلئے

بلوایا بھی گیا۔ مگر منظور نہ کیا۔ اور متوکلانہ طریق پر زندگی بسر کردی۔

طب میں کمال ہونے کے باوجود بھی اس کو ذریعہ معاش نہ بنایا۔ البتّہ خدمتِ خلق سے عار نہ تھا۔ کوئی مریض حاضر خدمت ہوتا تو اس کو کوڑیوں کا نسخہ بتادیتے اسی سے شفا ہو جاتی۔ آپ کے طبّی کارنامے بہت سے سُننے میں آئے۔ مثلاً حاجی شیخ عاشق علی کاکوروی راوی ہیں کہ میرے ایک عزیز محفوظ علی کو ہچکیوں کا عارضہ ہو گیا۔ بہت سے علاج کرائے مگر فائدہ نہ ہوا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے آکر مریض کو دیکھا اور کمرے میں اِدھر اُدھر نظر پھیلائی۔ ایک کونے میں پُرانی چٹائی کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ کہا کہ ان میں سے تھوڑے سے چلم میں رکھ کر آگ رکھ لاؤ۔ اور مریض کو یہ حُقّہ پلاؤ۔ چند ہی کش مریض نے لئے تھے کہ سب شکایت رفع ہو گئی۔

منشی صبا راوی ہیں کہ راول جی سامود وزیرِ اعظم جے پور کی ٹھکرانی مٹی کے تیل سے جل گئیں اور اُن کے چہرے پر سیاہ داغ پڑ گئے۔ ہاتھوں پر بھی اثر ہوا اور دیگر حصّہ جسم پر بھی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ڈاکٹری علاج کرایا گیا۔ اور جے پور کے مشہور ویدوں اور طبیبوں سے بھی رجوع کیا گیا۔ مگر مُنھ اور ہاتھ کے داغ نہ گئے۔ کسی نے راول جی سے کہا کہ فلاں پلٹن میں حکیم سمیع الدین نارنولی اچھے طبیب ہیں۔ اُن کو دکھایا جائے۔ لہٰذا حکیم صاحب سے رجوع کیا گیا۔ انھوں نے حالات سُننے اور نبض دیکھنے کے بعد دوسرے دن دوا دینے کا اقرار کیا۔ مگر سمجھ میں نہ آیا کہ کیا دوا استعمال کرائیں۔ لہٰذا اپنے استاد حضرت محمودؔ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ معمولی غازہ میں یہ تین چیزیں اس مقدار سے اور ملا دو اور استعمال کراؤ۔ جن میں ایک تو مولی کے بیج تھے ۲ چیز یاد نہ رہیں۔ حکیم صاحب نے ایسا ہی کیا۔

اور اُسی سے خاطر خواہ فائدہ ہو گیا۔ غسلِ صحت پر جب حکیم صاحب کو خلعت و انعام دیا گیا۔ تو وہ جوں کا توں لے کر حکیم محمود علی خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب پیش کر دیا۔ انھوں نے ہاتھ رکھ کر سب کا سب واپس کر دیا کہ اپنے کام میں لاؤ۔

حضرتِ محمودؔ کے فنِ طب میں تین شاگرد ہوئے۔ (۱) حکیم مظہر علی عرف مظہر میاں۔ جو سرکاری طبیب خاص تھے اور اُن کو اس فن کی بدولت جاگیر بھی ملی تھی (۲) حکیم قاضی سمیع الدین۔ جن کو سرکاری ملازمت چھڑوا کر راول جی نے اپنے ٹھکانہ (سرکار) میں ملازم رکھ لیا تھا (۳) حکیم محمد شاہ جن سے اہلِ جے پور کو بہت فائدہ پہنچا۔ اور وہ اپنی بے نفسی و خاکساری میں اپنے زمانے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

حضرتِ محمودؔ جب دلّی سے نکلے تو ۲ چیزیں بطور یادگار ساتھ لائے تھے۔ ایک پادشاہ کی عطیہ گھڑی تھی جو انھوں نے اپنے شاگرد حکیم مظہر میاں کو عنایت کی اور دوسری حکیم علوی خاں کا معمولہ مطب تھا۔ یہ ایک ضخیم بیاض اُس خاندان کے صدری نسخوں کی تھی۔ جو ہلکے نیلے کاغذ پر پھیکی سیاہ روشنائی سے بہت خفی قلم سے خوشخط لکھی ہوئی تھی۔ صباؔ کا قول ہے کہ یہ بیاض میں نے دیکھی ہے۔ اور کچھ دنوں ہمارے یاں رہی بھی ہے۔ یہ حکیم سمیع الدین کو عنایت کی تھی۔

حکیم سید نصیر علی نگینوی کا قول ہے کہ میں نے اُس کے ایک نسخہ کی نقل دیکھی ہے۔ جو قوت کے متعلق تھا۔ اُس میں ایسے عمدہ اجزا تھے کہ جن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ ہمارے یاں کے معمولہ مطب میں اس مرتبہ کا ایک بھی نسخہ نہیں ہے۔

راقم الحروف نے اس بیاض کے متعلق حکیم سمیع الدین مرحوم کے ورثا سے معلومات کی تو وہ بالکل بے خبر نکلے۔ خیال ایسا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی یہ دولت ۱۹۴۷ء میں خریدارانِ ردّی کے ہاتھ لگ کر تلف ہوگئی۔

حکیم محمود علی خاں کے دیکھنے والے تو ابھی جے پور اور پاکستان میں متعدد صاحبان ہیں۔ مگر ان کے علمی و ادبی کارنامے کسی سے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ بمشکل تمام دو شعر میسر آسکے۔ پہلا مولانا کوثرؔ سے اور دوسرا میر جواد علی سے جو ہدیۂ ناظرین ہیں:-

تری زلف کے پیچ و خم دیکھتا ہوں　　مجھے دل کے اُلجھاؤ یاد آگئے

یہ روزہ اہلِ سُنّت کا نہیں ہے　　درِ میخانہ کھلتا سا کھلے گا

محوی تخلص۔ محمد بیگ نام۔ اصل وطن ریواڑی ضلع گوڑگانوہ تھا۔ وہاں سے دہلی چلے گئے تھے ذی علم و استعداد اور خوش لیاقت تھے مولانا امام بخش صہبائی سے تعلیم حاصل کی اور اُنھیں سے اصلاحِ سخن لیتے تھے۔ انھیں کے لئے مرزا غالبؔ نے کہا تھا:-

"محوی نام امردے از خمخانۂ صہبائی نعرۂ مستانہ زد" صورت یہ تھی کہ کسی مشاعرے میں مرزا غالبؔ بھی شریک تھے۔ محویؔ نے غزل پڑھی تو اُن کا کوئی شعر پسند آگیا۔ اُس پر یہ رائے قائم کی ہے۔

محویؔ دلی سے بتلاشِ معاش جے پور آئے اور یہاں ملازم ہوگئے مختلف خدمات ان کے سپرد ہوئیں۔ سرکاری مطبع کے منیجر بھی رہے۔ اور پھر صدر فوجداری میں سررشتہ دار ہوگئے تھے۔ جے پور ہی میں انتقال کیا۔

حضرت محویؔ کی حسبِ ذیل تصانیف اب سے تقریباً تیس سال قبل میں نے منشی نعیم الدین خاں انسپکٹر ایکسائز ریاست جے پور کے پاس

دیکھی تھیں مگر اب کچھ پتہ نہیں۔ ان کا پاکستان جا کر انتقال ہوگیا۔ زیادہ تر کتابیں وہ یہاں ردی میں فروخت کر گئے۔ کچھ تقسیم کر دیں۔ ان تصانیف کا خدا جانے کیا حشر ہوا۔ اُن کے ورثا میں سے یہاں کوئی نہیں اور وہاں کسی کو جواب دینے کی فرصت نہیں۔

(۱) دیوانِ فارسی۔ (۲) دیوانِ اُردو۔ (۳) مثنویات فارسی۔ (۴) مجموعہ مضامین فارسی۔ (۵) مجموعہ مضامین اُردو۔

کلام پر تبصرہ | حضرتِ محوی کے کلام میں اُستادانہ رنگ۔ زورِ بیان، ندرتِ تخیل اور چست و مضبوط بندشیں مضمون آفرینی اور زبان کا چٹخارہ پایا جاتا ہے۔

نمونۂ کلام | جو کچھ کلام بدقتِ تمام میسر آسکا اس میں سے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:۔

جوں نقشِ قدم آہ ترے راہ گزر سے　　اُٹھ سکتے نہیں نقشِ گرانبارِ محبت
کہتے ہیں کہ دشمن جسے درکار ہو لیلے　　دل بیچتے ہیں ہم سرِ بازارِ محبت

ایمان فدا ہی صنمِ خندہ جبیں پر　　آتی ہی ہنسی زاہدِ سجادہ نشیں پر
جب سے دلِ مضطر میں مرے رہنے لگے ہو　　اُڑ نکلے کہ رکھتے ہی نہیں پاؤں زمیں پر
میں اور اُٹھوں تیری گلی سے مگر اعدا　　طوفان اُٹھاتے ہیں ترے خاک نشیں پر
اُسکو جو دیا حُسن تو ہمکو بھی دیا عشق　　کیا خوب! تجھے جوڑ پہ چلنا تھا ہمیں پر
تم نے تو مقام اپنا نہ چھوڑا پہ نہ چھوڑا　　دل میں مرے آئے ہو جو آئے ہو زمیں پر

کیا بات تھی وہ ہم بھی سُنیں جس کے باب میں　　کہتا تھا کل رقیب کہ مرنے کو ہم نہیں
وہ شوخیاں کہ اپنی نظر میں ہیں وہ ہی وہ　　یہ لاغری کہ اُن کی نظر میں بھی ہم نہیں

نہیں کوئی سنتا ہی عاشق کی گویا　　تمہارا طرفدار سارا جہاں ہے
بیاں کیا ہو کیفیتِ چشم تیری　　کہ ہوش ایک کا دوسرے کو کہاں ہے
خبر لو کوئی جا کے محوی کی یارو　　کہ آج اُسکے کوچے میں شور و فغاں ہے

مسرور تخلص، مسرور احمد نام اور مسرور شاہ مشہور تھے۔ الور (ریاست) وطن تھا۔ درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ سلسلۂ قادریہ۔ اور چشتیۂ نظامیہ میں بیعت تھے۔ اپنے پیر کے خلیفۂ مجاز ہونے کے باعث مرید بھی کرتے تھے۔ جے پور میں مہینوں، منشی احمد علی خاں شوق جیلر سنٹرل جیل جے پور کے یاں قیام رہتا تھا۔ یہاں کے مشاعروں میں شریک ہو کر دادِ سخن دیتے تھے۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں قدرتِ کلام تھی۔ اُردو کے اچھے شعرا میں اُن کا شمار تھا اور یہاں اُن کے چند شاگرد بھی تھے۔ دیوان مرتب تھا مگر اب کچھ پتہ نہیں۔ اُردو کلام بھی نایاب ہے۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں الور سے جے پور آئے اور یہاں سے پاکستان چلے گئے وہاں وصال ہو گیا۔

موصوف کی ایک فارسی مثنوی (مطبوعہ) الموسوم بہ "بوستانِ معرفت" سے تین شعر بطور یادگار درج ذیل کرتا ہوں:۔

بحثِ عقل و عشق

بشنو اے طالب ز من بشنو سخن — بحثِ عقل و عشق را در گوش کن
عقل گوید دین و دُنیا کن حصول — عشق گوید درگزر اے بو الفضول
عقل گوید در جہاں منصب برآر — عشق گوید شو فنا در راہِ یار

مسیح تخلص۔ واحد علی خاں نام۔ وطن جے پور۔ نسباً سید۔ مذہباً امامیہ "خان" آبائی خطابِ شاہی۔ حضرتِ ظہیر سے تلمذ تھا۔ جے پور کے مشہور و باعلم اطبا میں شمار تھا۔ ریاست کی طرف سے آپ کے بزرگوں کو ایک گاؤں بھی ملا تھا جس پر آپ قابض تھے۔ اور جے پور میں سکنی جائداد بھی کافی تھی۔ خوش حالی سے گزر کرتے تھے۔ مگر سنہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب اور سنہ ۱۹۴۸ء کے ہنگاموں نے آپ کو تباہ کر دیا۔ نواز پورہ ضلع نارنول میں آپ کے اعزہ تھے۔ جو شہید کر دئے گئے۔ انھیں میں آپ کا ایک کمسن پوتا تھا جس کی دس بارہ برس

کی عمر ہوگی۔ مگر وہ مجلسِ عزا خوب پڑھتا تھا اور تقریر بھی نہایت شستہ و برجستہ کرتا آپنے اُس کو سکھا دیا تھا وہ بھی شہید ہوگیا۔ ان صدمات روح فرسا کا اثر ہونا لازمی تھا۔ دوسری طرف کسٹوڈین کا محکمہ جو مسلمانوں کے لئے عذابِ الٰہی سے کم نہ تھا آپ کا دشمن ہوگیا۔ کافی عرصہ آپنے ان مصائب کا مقابلہ کیا۔ آخر تابکے۔ جائداد کی ضبطی اور مقدمات کی کشاکش سے تنگ و پریشان ہوکر پاکستان چلے گئے جہاں آپ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت مسیحؔ تمام عمر علمی و ادبی مشاغل میں مشغول رہے۔ ماہنامہ "الکمال" آپ ہی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ "طبیہ کالج جے پور" کے عرصۂ دراز تک سکریٹری رہے۔ طلبائے طب کو درس بھی دیتے تھے۔ جے پور کے ہر علمی و ادبی اجتماع میں شرکت کرتے تھے۔

آپکے چند اشعار بطور یادگار اور نمونۂ کلام ذیل میں درج ہیں:۔

فروغِ حُسن سے ہی کس کو تابِ نظارہ
یہ خود حجاب ہوا جب وہ بے حجاب ہوا

وہ ایک ہیں کہ نظر میری نحن اقرب پر
وہ اک کلیم کہ جن سے وہ اجتناب ہوا

نہ عزت سے جینا نہ راحت پہ مرنا
رہے عشق میں ہم یہاں کے نہ واں کے

دردِ جگر سے اب تو یہ کچھ حالِ زار ہے
وہ پوچھتا ہے جو کہ تغافل شعار ہے

مُضطر تخلص بسعادت علی نام۔ وطن جے پور۔ قاضی فرزند علی فقیر کے قریبی عزیز تھے۔ یہاں وکالت کرتے تھے اور یہیں انتقال ہوا زیادہ تر مزاحیہ کہتے تھے۔ تین شعر ملاحظہ ہوں:۔

کام کا دیکھا جسے روزِ الست
کردیا آنکھوں نے تیری اکو مست

قسم تک میں نہیں کھاتا حیا سے تیرے کوچہ کی
عدو بڑھ بڑھ کے کھاتا ہے ترے دربان کی دھمکی

ازل سے اُس بُتِ کافر کا پتھر کا کلیجہ ہے
اُسے پروانہ مضطرؔ کی نہ بے خودؔ کی نہ بیدمؔ کی

مضطر تخلص۔ سلطان علی نام۔ نسباً سید۔ جے پور میں سب انسپکٹر پولس تھے۔ یہیں ۱۹۰۹ء میں بمقام سانگانیر انتقال کیا اور تھانہ کے سامنے متصل مسجد قبر ہے۔ شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔

یہ شعر آپ کا ہے :۔

عاصی کا تیرے رحم پہ دار و مدار ہے ورنہ گنہ شمار کے قابل نہیں رہے

مضطر تخلص۔ عبدالکریم نام۔ اصل وطن بھرت پور علاقہ الور تھا۔ آپ کے بزرگ تلاشِ معاش میں جے پور آئے۔ مضطر جے پور ہی میں پیدا ہوئے۔ یہیں اُردو فارسی پڑھ کر جے پور کی فوج میں جراح مقرر ہوئے بعد پنشن یہیں انتقال ہوا۔ مولوی عابد علی عابد سے اول اصلاح لیتے تھے۔ پھر حضرتِ تنویر کے شاگرد ہو گئے۔ مولود خواں بھی تھے۔ اپنی نعتیں بھی محفلِ میلاد شریف میں پڑھتے تھے۔ اور ایک گلدستہ نعت انکی نعتوں کا مجموعہ طبع بھی ہو گیا تھا۔ دیوان بھی مکمل تھا۔ جو اُن کے صاحبزادے کے پاس محفوظ ہے۔ یہ اشعار ان کے ہیں۔

دل میں خیال ہے جو کسی گلعذار کا نظارہ کر رہا ہوں جمالِ بہار کا
مجھ کو ہے ناز رحمتِ پروردگار پر زاہد کو ہے خطر تو ہو روز شمار کا

معصوم تخلص۔ محمد معصوم نام جے پور میں آکر ملازم ہوئے۔ عرصۂ دراز تک سررشتہ دار اجلاس نیابت نظامت رہ کر پنشن لی۔ "گلدستۂ معصوم" کے نام سے ان کا دیوان چھپا تھا جو اب نایاب ہے۔ موصوف کا ایک قطعۂ تاریخ بطور یادگار درج ذیل ہے :۔

شاعرِ نکتہ داں، مائلِ خوش بیاں لے گیا ساتھ اپنے زبانِ سخن
اُٹھ گیا مایہ دارِ سخن اُٹھ گیا ڈھ گئی بڑھ گئی اب دُکانِ سخن

لٹ گیا تاجِ ملکِ زباں لٹ گیا ۔۔۔ مٹ گئی مٹ گئی عز و شانِ سخن
لکھ دے تاریخ معصوم خستہ جگر ۔۔۔ رحلتِ بلبلِ بوستانِ سخن
۱۳۸۶ھ

مُکرّم | تخلص۔ محمد مکرم علی خاں نام۔ "نواب" اعزازِ خاندانی اور "ممتاز الدولہ" خطاب شتینی۔ اصل وطن قصبہ پہاسو ضلع بلند شہر ہے۔ اور مستقل سکونت جے پور۔

بالاختصار خاندانی حالات | شاہی زمانہ سے آپکے بزرگ ریاست پہاسو کے رئیس اور ہندوستان کے امراء میں تھے۔ آپ کے پردادا ممتاز الدولہ نواب سر محمد فیض علی خاں۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ اپنے عہد کے اعلیٰ مدبرین میں شمار ہوتے تھے۔ اور اپنی بیدار مغزی و سیاست دانی کے باعث گورنمنٹ برطانیہ کی نظر میں بڑی عزّت و وقعت کے مالک تھے۔ بلا تفریقِ مذہب و ملت ہندوستانی قوم کو اُن کی ذات سے بہت فائدے پہنچے۔ ریاست جے پور میں وہ وزیرِ اعظم تھے۔ انہوں نے اپنی خوش انتظامی سے غدر کی بادِ سموم کے جھکڑ اس خوبی سے روکے کہ انگریزوں کو ریاست کا شکر گزار ہونا پڑا۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جو کوٹہ ریاست کے رزیڈنٹ مقرر ہوئے۔ مہاراجہ سوائی رام سنگھ والیِ جے پور نے ان کو تعظیم و جاگیر بھی عطا کی۔ اور آخر وقت تک اس ریاست سے بہترین تعلقات قائم رہے۔ وہ سچے دیندار اسم با مسمیٰ رئیس تھے۔ اِن کے حالات میں ایک مستقل کتاب "مرقعِ فیض" ۱۳۰۰ھ شائع ہو چکی ہے۔

حضرتِ مکرّم کے جدِ نامدار ممتاز الدولہ نواب سر محمد فیاض علی خاں باقبالہٖ بھی اپنے والدِ بزرگوار کے نقشِ قدم پر گامزن رہے۔ آخر دم تک وہ ریاست جے پور کے وزیرِ اعظم تھے۔ مہاراجہ سر سوائی مادھو سنگھ کو اُن کی ذات پر بڑا اعتماد تھا۔ اور گورنمنٹ برطانیہ کو بھی پورا بھروسا۔ اُنکی رئیسانہ

شان و شوکت دیکھنے والی ہزارہا ہستیاں ابھی جے پور میں موجود ہیں۔ وہ دو وقتہ جب سیر کو جاتے تھے تو عمائدین و معززین شہر کی سواریوں کا سلسلہ جو سلام کو حاضر ہوتے تھے "ترپولیہ" (سٹی پیلیس کا صدر دروازہ) سے "سری جی کی ہوری" (نام مقام) تک ہوتا تھا۔ اور عام سلامیوں کا جم غفیر۔ جے پور کا کونسا بدنصیب خاندان ہوگا جس پر اُن کا احسان نہ ہو۔ فنِ عمارت سے خاص دلچسپی تھی۔ جے پور کو خوبصورت تر بنانے کی اولیت کا فخر انھیں کو ہے۔ طبیعت میں بے حد نفاست تھی۔ کوٹھی اور حویلی کے پودوں کے پتّے دھوئے جا کر کپڑے سے صاف کئے جاتے تھے۔ فرش پر کہیں کوئی تنکا یا شکن یا گرد نظر پڑ گئی تو جبین پر بل اور طبیعت کے تکدّر سے فوری اظہارِ ناخوشی ہو جاتا تھا اہلِ علم و فضل کے قدر دان اور اہلِ فن کے مُربّی تھے۔

والیِ جے پور کے بڑے مزاج شناس تھے اور ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرتے تھے۔ اُن کی نکتہ سنجی و قدر شناسی کا ایک واقعہ مجھے ٹھاکر ہری سنگھ جاگیردار کھاٹو نے سُنایا تھا جو آئندہ درج ہے۔

ٹھاکر صاحب خود بھی علم دوست اور اچھے فارسی داں تھے۔ سکندر نامہ کے صدہا شعر اور فارسی کی بیسوں ضرب الامثال ان کو یاد تھیں جو برمحل سناتے تھے۔ انھوں نے اُن لائق انگریزوں کے ساتھ کام کیا تھا جن میں سے ایک کا واقعہ حسبِ ذیل ہے :-

کرنل پریڈو جو کلکتہ کی "مٹیا برج" میں شاہِ اودھ کی خدمت میں منجانب حکومتِ ہند حاضر باش تھے وہ جے پور کے رزیڈنٹ مقرر ہوئے اور محکمۂ محتشمہ عالیہ کونسل جے پور کے اجلاسوں میں شریک ہو کر حکم احکام دینے لگے۔ اُس زمانے کے دستور کے مطابق "میر منشی" نے محکمہ دیوانی (کمشنری) جے پور کی

ایک تحریر سُنائی۔ جس میں رائے تحصیل کی سفارش کی گئی تھی۔ مسٹر پریڈو نے کاغذ سُن کر حکم دیا :۔

"بواپسی لکھا جائے کہ تحریرِ تحصیل نفس جلی نہیں ہے کہ واجب العمل ہو باقتضائے رائے خود کارروائی کریں۔"

میر منشی نے نفس کو سین سے لکھا۔ تو مسٹر پریڈو نے کہا "میر منشی صاحب! مہربانی فرماکر دندانۂ سین کو چھوڑ کر اور ثائے مثلہ کی تثلیث سے قطع نظر کر کے بصحتِ املا نفس مرقوم کیجئے"۔ اب کے انھوں نے "ث" سے لکھا۔ تو ریذیڈنٹ صاحب نے کاغذ اُن کے ہاتھ سے چھین کر املا کی تصحت کی اور اُس کے نیچے بقلم خود تحریر کیا۔

"آنکہ املایش درست نباید میر منشی گری را نہ شاید"

ہاں تو ٹھاکر صاحب بڑے ہوش گوش کے آدمی تھے۔ وہ بیک وقت محکمۂ پولس کے بھی افسرِ اعلےٰ تھے اور بخشی افواج کے بھی۔ اُن کا بڑا وقار تھا۔ اتفاقِ امر کہ مہاراجہ صاحب اُن کی کسی غلطی پر ناخوش ہو گئے یہ عہدے بھی چھین لئے اور جاگیر وغیرہ بھی ضبط کر لی۔ ٹھاکر صاحب عرصہ تک سخت پریشان رہے۔ نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک روز موقع پاکر یوں گفتگو شروع کی :۔

ٹھاکر صاحب۔ سرکار! میں نے سُنا ہے کہ بڑے سرکار (نواب فیض علی خاں) نے تمام عمر جھوٹ نہیں بولا۔ کیا یہ واقعی سچ ہے؟

نواب صاحب۔ جی ہاں بلا شک۔

ٹھاکر صاحب۔ وہ سرکار کو آواز دے کر بھی بلاتے ہوں گے؟

نواب صاحب۔ جی ہاں۔

ٹھاکر صاحب۔ سرکار کو کیا کہہ کر بلاتے تھے۔

نواب صاحب۔ "فیاض"

ٹھاکر صاحب۔ تو سرکار میرے معاملہ میں وہ فیاضی کیا ہوئی!!

نواب صاحب مسکرائے اور فرمایا "بہت اچھا" نتیجہ یہ ہوا کہ ٹھاکر صاحب کا معاملہ خاطر خواہ طے ہو گیا۔

حضرتِ مکرم کے والدِ بزرگوار کنور اکرام علی خاں کا انتقال نواب صاحب کی حیات ہی میں ہو گیا۔ داد و دہش اور شاہ خرچیوں میں وہ اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اور اولوالعزم ہستی تھے۔

ولادت، تعلیم اور ذوقِ سخن نواب مکرم ۲۶ر دسمبر ۱۸۹۵ء مطابق ۱۲ر ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو پہاسو میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے قابل ہونے پر اپنے جدِ نامدار کی نگرانی میں اردو فارسی کی تعلیم پرائیویٹ حاصل کی۔

قاضی ولی محمد آپ کے ٹیوٹر مقرر ہوئے۔ وہ جے پور کی مایۂ ناز ہستی تھے۔ موصوف نواب فیاض علی خاں مرحوم کے بھی پرائیویٹ سکریٹری رہے۔ اور پھر نواب حمید اللہ خاں سابق والیِ بھوپال کے ٹیوٹر بھی۔ نیز ہر ہائی نیس بیگم صاحبہ بھوپال کے پرائیوٹ سکریٹری بھی اور آخر کونسل آف اسٹیٹ بھوپال کے سکریٹری ہو گئے۔ "تاریخ اندلس" "تاریخ مصر" "سفر نامۂ مصر و اندلس" اور "سفر نامۂ یورپ" اُن کی تصانیف ہیں۔ اُنھیں شعر و سخن سے خاص ذوق تھا۔ اگرچہ خود شعر نہ کہتے تھے۔ انھوں نے فنِ شعر سے واقف کیا۔ مہاراجہ کالج جے پور میں بھی حضرت مکرم نے تعلیم پائی اور ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں بھی۔ ۱۳۳۳ھ میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو جانے پر آپ کے جدِ بزرگوار نے تعلیم ختم کر کے

اپنی ریاست کا کاروبار آپ کے سپرد کردیا۔ تاہم مولوی محمد طہٰ دہلوی سے فنِ شعر کے متعلق معلومات حاصل کرتے رہے۔ اور حکیم مرزا جمشید علی خاں دہلوی کی تحریک پر اپنے کلام کی تدوین کی۔

سفرِ یورپ اور مشاعرے کرنے کا شوق | آپ نے ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۶ء میں دو بار یورپ کا سفر کیا۔ دوسری بار جب سفر سے واپس آئے تو آپ کی سرکار کے منیجر قاضی حافظ الدین نشتر مقتدری تلمیذ حضرت رسا سکندرآبادی تھے۔ اُن کی تحریک پر بہت سے مشاعرے کئے اور طرحی غزلیں کہنا شروع کیا۔ یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ اور اب بھی سالانہ ایک مشاعرہ اپنی سالگرہ کی تقریب میں کرتے ہیں جو رئیسانہ انداز کا ہوتا ہے۔

ملازمت | آپ اپنے جدامجد کے انتقال کے بعد ریاست جے پور میں ممبر محکمہ محتشمہ عالیہ کونسل (منسٹر) بھی رہے اور یہاں سوئی اسپیشل مجسٹریٹ بھی۔

شانِ امارت | حدائق امارت کے اس دورِ خزاں میں اگر کہیں کوئی روشِ ریاست ملتی ہے تو وہ آپ کی ذات ہے۔ آنکھ میں لحاظ مزاج میں استغنا اور روپیہ کو کنکری سمجھنا آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ اگرچہ بقول آپ کے:۔

گذری ہے عمر اپنی مکرم گلوں کے ساتھ — اب بن کے رہ گیا ہوں فسانہ بہار کا

تاہم جو کچھ ہے غنیمت ہے۔ آپ کے بعد اس رنگ کا مالک بھی کوئی نہ ملے گا۔

اُردو سے دلچسپی | اردو سے خاص دلچسپی ہے۔ چنانچہ آپ "انجمن ترقی اُردو ہند شاخ جے پور" کے سرپرست ہیں۔ اردو کے لئے کہتے ہیں:۔

یہ افسانہ ہے وہ، دُنیا کی لذت جس میں ملتی ہے — مساوات اسمیں ملتی ہے محبت اس میں ملتی ہے

یہ سرچشمہ ہے تہذیب کہن کی یادگاروں کا — زبان علم و فن کی ساری دولت اسمیں ملتی ہے

کلام پر تبصرہ | آپ کے کلام میں شستہ زبان سلیس اسلوبِ بیان۔ روانی و برجستگی مضمون آفرینی

چُست بندشیں اور حسین ترکیبیں بکثرت ملتی ہیں۔ حضرتِ داغ کی پیروی کے دلدادہ ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں :—

حریفانِ ادب کی جدّتوں سے گلشنِ اُردو
جو ویراں ہوگیا تھا اس کو یوں آباد کرتے ہیں

مکرم! اگرچہ اب رنگِ سخن ہے اور لیکن ہم
زباں لکھتے ہیں تقلیدِ جہاں اُستاد کرتے ہیں

ضخیم بیاض بطورِ دیوان۔ آپ کی شاعری کی بین دلیل ہے جس میں غزلیات بکثرت اور اُن سے کم رُباعیات و قطعات ہیں۔ مگر دیگر اصنافِ سخن بہت کم ہیں۔

نمونۂ کلام | نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے :—

نعت

یہ کس حبیب کی اُمّت بُلائی جاتی ہے
قدم قدم پہ جو رحمت بچھائی جاتی ہے

متفرق

داورِ محشر کے آگے اب شکایت کیا کریں
سامنے بیٹھا ہے اپنے کوئی شرمایا ہُوا

آپ ہی قاتل نہیں ہیں جلوہ گاہِ ناز میں
ہر حسیں جس پر جوانی چھاگئی قاتل بنا

دھوکا دیا گُلوں نے کبھی بجلیاں گریں
کس کس طرح ہوا ہوں نشانہ بہار کا

اللہ رے یہ رحمت و عصیاں کا تعلق
بہتا نہ اِدھر بند درِ توبہ اُدھر بند

ہر لمحہ زندگی کا ترے واسطے ہے وقف
مرنا ترے بغیر نہ جینا ترے بغیر

پیتے بھی ہیں اور توبہ بھی کرتے ہیں مکرم
وہ شغل بھی ہر رات ہے یہ وِرد بھی ہر روز

دُزدیدہ نگاہوں سے نہ دیکھے کوئی ہم کو
ایسے کو پرکھ لیتے ہیں ہم ایک نظر میں

گِلہ محبّت کا کیا کسی سے بدل گئی ہے وفا کی دُنیا
کبھی جو آتے تھے دل لُبھانے نظر بچا کر وہ جارہے ہیں

بُرا ہوا یہ کہ دل لگایا بھلا ہوا یہ کہ تم نے چھوڑا
صلۂ وفا دل کا مل رہا ہے مزا محبّت کا پارہے ہیں

اسیروں کی حالت اگر دیکھنی ہو
تو زنداں کے دیوار و در آکے دیکھو

بدل دے تو بھی اب دُنیا مکرم
کہ دنیا اب بدلتی جارہی ہے

شکوۂ جور پہ ملال ہے کیوں
آپ جیتے حضور ہم ہارے

طور پہ عشق کی روداد مکمل نہ ہوئی
بارشِ حُسن ہوئی بھی تو مسلسل نہ ہوئی

پڑی نہ تھی ابھی بنیاد آشیانے کی — سمٹ کے آگئیں سب بجلیاں زمانے کی
جوانیوں پہ تھا جب ذوقِ مے کشی اپنا — بڑی حسین تھی دنیا شرابخانے کی
کسی سے کیجئے کیا رسمِ دوستی کا گلہ — بدل رہی ہے یکدم ہوا زمانے کی

مُلک تخلص۔ مُلک الدین نام۔ نسباً شیخ عثمانی۔ مولانا مُبین کے فرزند اکبر تھے۔ اپنے وطن نارنول میں سنہ ۱۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳ شوال سنہ ۱۳۲۵ھ کو جے پور میں انتقال کیا۔ جے پور پولس میں آپ تھانہ دار تھے۔ فارسی کے منتہی تھے اور بقدرِ ضرورت عربی بھی جانتے تھے مولانا مُبین ہی سے تلمذ تھا بہت خوش طبع و خوش وضع تھے۔ صاف شدہ بیاض تلف ہوگئی۔ مسودوں سے یہ شعر بطور یادگار درج کرتا ہوں۔

کس طرح مجکو ستاتا ہے فلک دیکھوں تو — اے غمِ فرقتِ جاناں مری جاں ہو جانا
چھیڑ دیکھو کہہ رہے ہیں مجکو شیدا دیکھ کر — ہم بھی دل دینگے کوئی محبوبِ عناد دیکھ کر
کیا کہیں حضرتِ واعظ کے بھی ہیں پر نکلے — میکدے سے جو لئے ہاتھ میں ساغر نکلے

منشی تخلص۔ کندن لال نام۔ نسباً بہارگو اور ریواڑی کی طرف کے رہنے والے تھے۔ بتلاشِ معاش جے پور آئے۔ حضرات مونس و ناظم (پنا لال) کے توسط سے مولانا فائز تک پہنچے۔ ان سے پڑھا بھی اور اصلاحِ سخن بھی لی۔ تاریخ گوئی میں میر جویا کے شاگرد تھے۔ ان کے زمانہ حیات میں جے پور والوں کی جو کتابیں چھپیں اُن میں زیادہ تر ان کے قطعاتِ تاریخ ہیں۔

ان کا مرتبہ ایک رسالہ فرحت الشعرا نامی۔ انہیں کا قلمی راقم الحروف کے پاس ہے جس میں انہوں نے اپنے زمانہ ۱۲۹۰ھ کے شعرا کا ہم طرح کلام جمع کیا ہے۔ سنتا ہوں کہ دیوان بھی مکمل تھا مگر اب اس کا کچھ پتہ نہیں۔

جے پور میں بزمرۂ اہلکاران ملازم تھے۔ عرصہ تک محکمہ "عدالت دیوانی" میں ناظر رہ کر پنشن حاصل کی۔ شاید جے پور ہی میں انتقال ہوا۔ درویشوں

اور سادھوؤں کے بیحد عقیدتمند تھے اور خود بھی درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

کلام میں جدت طرازی اور مضمون آفرینی ہے۔ بطور نمونہ چند شعر درج ذیل کرتا ہوں:۔

انکار اُن کو اور مرے پاس بھی نہیں — یارب یہ عمر بھر دلِ مُضطر کہاں رہا
راہ سے عشق کی تم واعظو واقف ہی نہیں — پھر کریں تم کو کس امید پہ رہبر اپنا
منشی ہو وسیلے سے زمانے میں بلندی — میں خاک نشیں آہ سے ہوں چرخِ بریں پر
دردِ جنوں کا نام یہاں تک مٹا دیا — زنجیر میں بھی نالۂ دل کی صدا نہیں
چمن، گل، زمیں کا تری بے نوا ہوں — ترا خار و خس ہو مرا آشیاں ہے
وعدہ وصل رقیبوں سے بھی اے یار سہی — جیسے مجھ سے کئے ویسے ہیں تو سو بار سہی
چشمِ میگوں پہ تری دیکھ کے ابرو ساقی — مست کے دوش پہ دو تیغ ہیں عریاں سمجھے

منظر تخلص۔ محمد بخش نام۔ وطن جے پور۔ سکریٹریٹ راجستھان میں کلرک ہیں۔ حضرت کوثر سے تلمذ ہے۔ آپ اپنی آبیاری ترنم سے عرصہ بزم کو گلکدہ بہشتی بنا دیتے ہیں۔ یہ شعر آپ کا ہے:۔

نگاہِ شوق یہ گستاخیاں اچھی نہیں تیری
نہ ہو جائیں کہیں مجروح جلوے حُسنِ جاناں کے

منظور تخلص۔ منظور احمد نام۔ نسباً شیخ۔ مذہباً سُنی حنفی مسلکاً چشتی الجمالی۔ اصل وطن قصبہ بنت تھا۔ تلاشِ معاش میں جے پور آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں بمقام بنت پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۵۰ء میں جے پور میں انتقال ہوا۔ عرصہ تک جے پور پولس میں محرر تھانہ رہے اور اُس سے سبکدوشی کے بعد تاحین حیات وثیقہ نویس۔ حضرت تنویر سے تلمذ تھا۔ بہت کہتے تھے مگر کلام سطحی ہوتا تھا۔ دیوان بھی مکمل کر لیا تھا۔ یہ شعر آپ کا ہے:۔

یہ منظرِ حیرت ہے تو وہ منظرِ عبرت　　بتخانہ کی وہ شان ہے یہ شان حرم ہے

منکسر تخلص۔ کریم خاں نام۔ اکبر آباد کے رہنے والے اور حضرتِ پریشاں سندیلوی مقیم۔ آگرہ مولف تذکرہ "شعر و سخن" ۱۲۸۶ھ کے شاگرد تھے۔ جے پور میں "میر جی کا باغ" میں رہتے تھے۔ اور یہاں حضرت جوہر سے اصلاح لیتے تھے بہت ہی نحیف و ضعیف تھے۔ سنہ ۱۹۱۴ء کے مشاعروں میں اُنھیں غزل پڑھتے دیکھا اور ان کا کلام سُنا ہے۔ ایک صاحب کا قول ہے کہ یہ شعر بھی انہیں کا ہے واللہ اعلم۔ چونکہ شعر اچھا ہے اس لئے درج کرتا ہوں کسی کا بھی ہو۔

مُنکسر کہہ کے پکار اٹھا کسی نے غش میں　　شدّتِ درد مجھے یاد ہے احساں تیرا

حضرتِ مُنکسر کے حسبِ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے :-

ستم کرکے وہ کہتے ہیں عدو کی پاسداری تھی　　جفا سے بھی زیادہ ہو گیا عُذرِ جفا کرنا

غیر سے پوچھ لیا کرتے ہیں اکثر مجھ کو　　شکر ہے وہ مری اتنی تو خبر رکھتے ہیں

گلستانِ عدم سے کھینچ کر صحرائے ہستی میں　　تجسس نے کسی کے خاک چھنوائی ہے عالم کی

مونس تخلص۔ ہیرا لال نام۔ نسباً بہار گو۔ اصل وطن قصبہ کوٹقاسم (راجستھان) تھا اور مستقل مسکن جے پور۔ آپ نے اپنے اور اپنے برادرِ کلاں منشی پنا لال ناظم کے حالات اپنی تصنیف "طغرائے نستعلیق" میں درج کئے ہیں۔ اسی سے آپ کا حال حسبِ ذیل درج ہے۔

ولادت و پرورش حضرت مونس اساڑھ بدا اشٹمی سمت ۱۹۱۰ بکرمی کو بروز سہ شنبہ جے پور میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کا نام منشی رام جیون لال تھا جو فارسی کے علاوہ انگریزی بھی جانتے تھے اور صاحبِ تصنیف و خوشنویس بھی تھے۔ ان کا انتقال ستائیس ۲۷ برس کی عمر میں سمت ۱۹۱۵ بکرمی میں ہوا۔ اس وقت مونس کی عمر پانچ سال کی تھی۔ اُن کی پرورش اُن کے دادا کے حقیقی

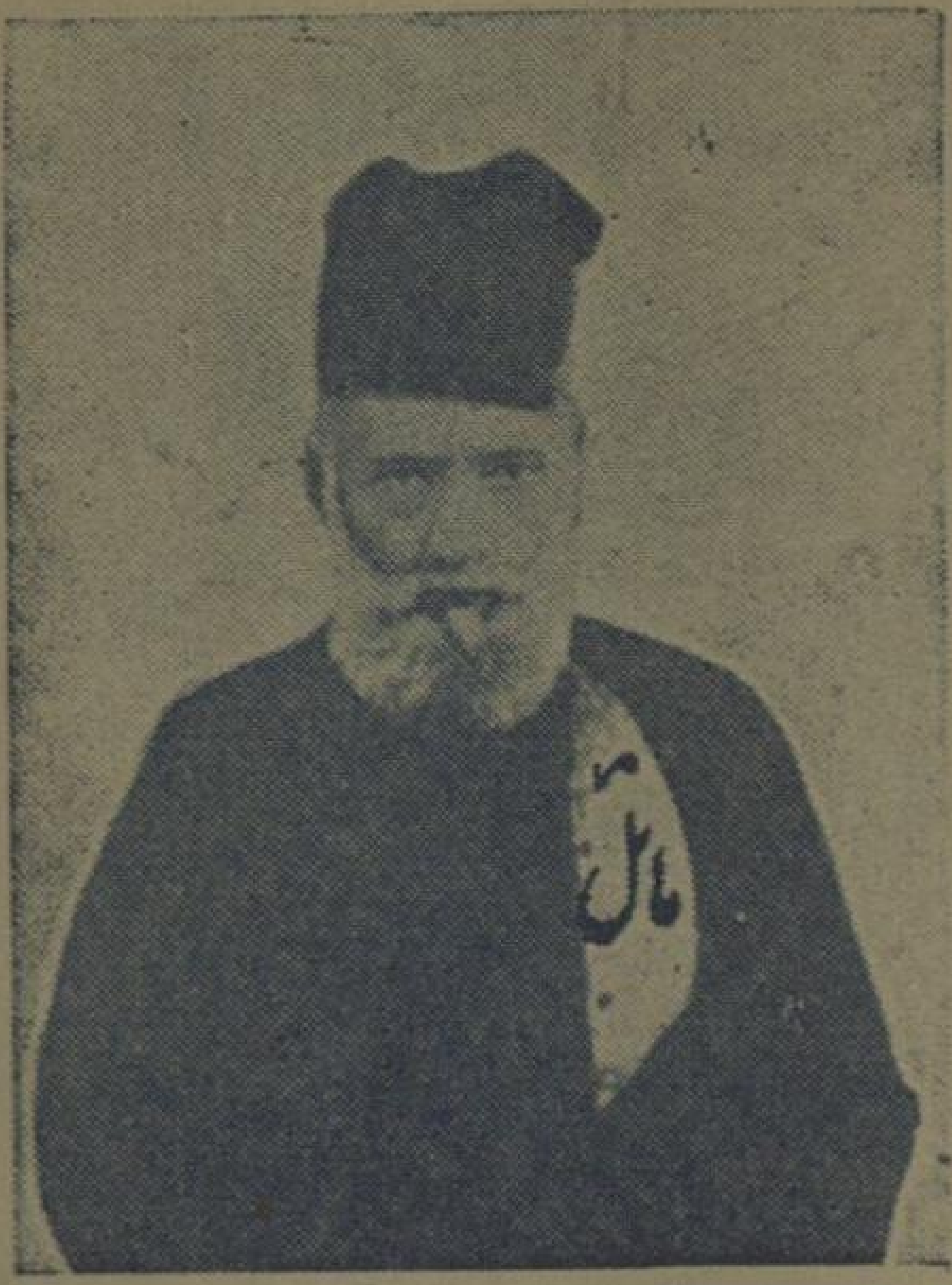
چھوٹے بھائی منشی رام پرشاد نے کی اور اپنا متبنّٰی بھی قرار دیا۔

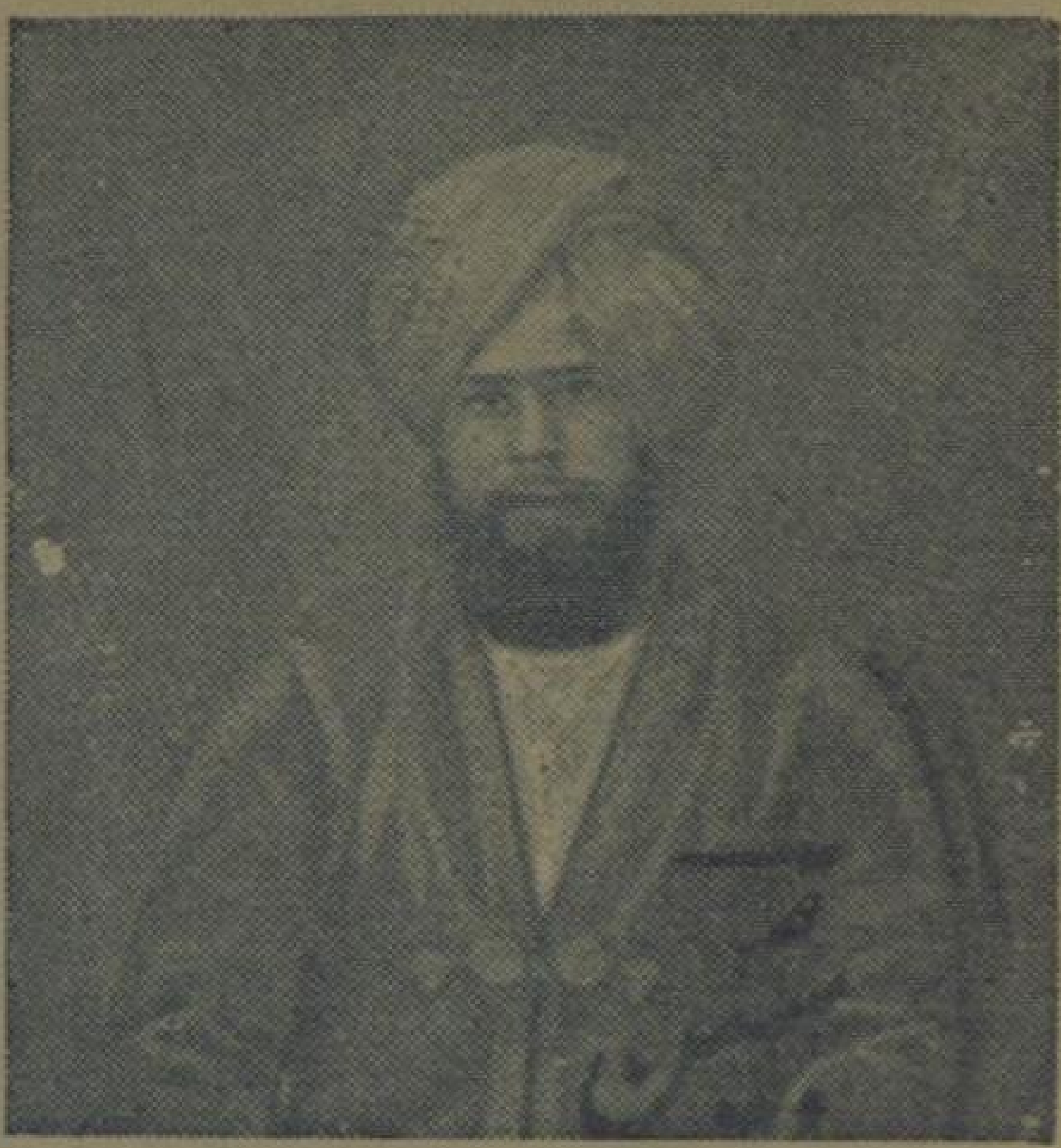
تعلیم و تلمذ | مونس نے سرکاری مدرسہ جے پور میں حضرت مولانا محمد رشید الدین فائز سے تعلیم حاصل کی اور انھیں سے نظم و نثر میں تلمذ اختیار کیا۔ فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کی صرف و نحو اور منطق کی چار پانچ کتابیں بھی پڑھیں۔ یہ سلسلۂ تعلیم سنہ ۱۸۸۲ء تک جاری رہا۔ اور منشی بہاری لال سارست برہمن سے جو سید محمد امیر رضوی عرف میر پنجہ کش کے شاگرد رشید تھے اور ایجنسی جے پور میں میر منشی خطِ نستعلیق کی مشق کی۔ انھیں کے شاگرد مونس کے والدِ بزرگوار تھے۔ اس لئے وہ انہیں "پوتا شاگرد" کہا کرتے تھے اور نہایت شفقت و محبّت سے تعلیم دیتے تھے۔ اُن کی تاریخِ وفات انھوں نے کہی تھی۔ "اللہ بخشا یدش" ۱۲۸۴ھ

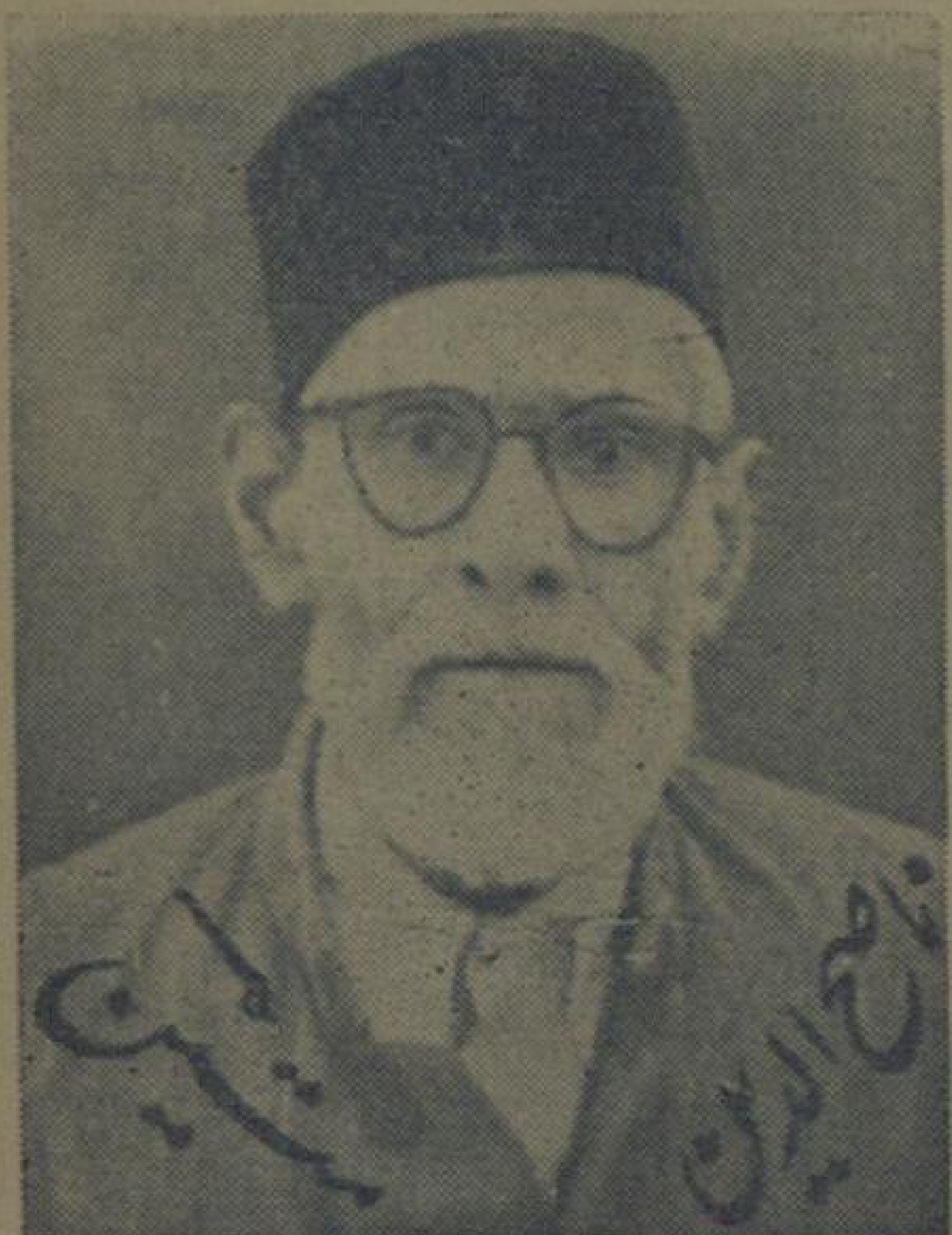
خطِ شفیعہ کی مشق حضرتِ مونس نے راجہ مہیش داس خلف راجہ سوہن لال بہادر معتمد جنگ سے کی تھی۔ وہ سلطنت مغلیہ میں وزیر تھے اور خطِ شکستہ کے اُستاد۔ راجہ صاحب نے یہ فن پنڈت شکر ناتھ سے سیکھا تھا۔ اور پنڈت صاحب مولوی حیات علی موجد خط شکست بقلم جلی کے شاگرد تھے۔

راجہ صاحب بعد غدر جے پور چلے آئے تھے اور یہیں ۱۲ر فروری سنہ ۱۸۸۴ء کو انتقال کیا۔

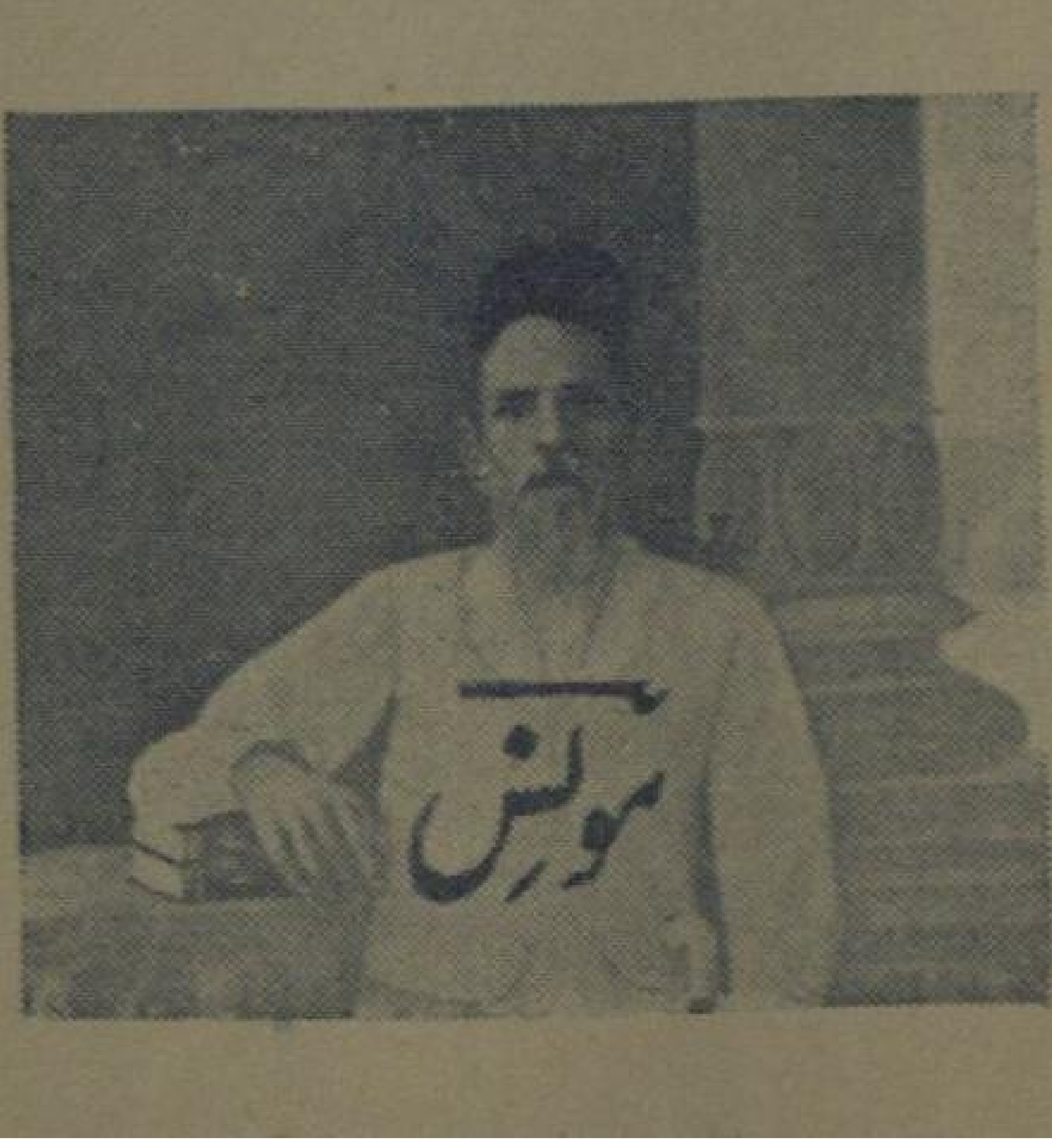
کمالِ خطاطی | حضرتِ مونس کو خطِ نستعلیق و شفیعہ کے علاوہ خطِ توام، خطِ معکوس، خطِ گلزار، خطِ غبار، خطِ ماہی، اور نستعلیق خطِ طغرا میں بھی کمال حاصل تھا۔ اور نقاشی و گلکاری میں بھی مہارتِ تامہ تھی۔ سنہ ۱۸۸۹ء اُن کی مشق کے شباب کا زمانہ تھا۔ اس لئے کہ منشی محمد ضمیر علی منتظم محکمہ سائرات جے پور حضرتِ مونس کے دوست بھی تھے اور ہم محلہ بھی۔ اُن کو بھی فنِ خطاطی میں کمال حاصل تھا۔ اور اُن کا سلسلۂ تلمذ بھی میر پنجہ کش تک پہنچتا تھا۔


حالی

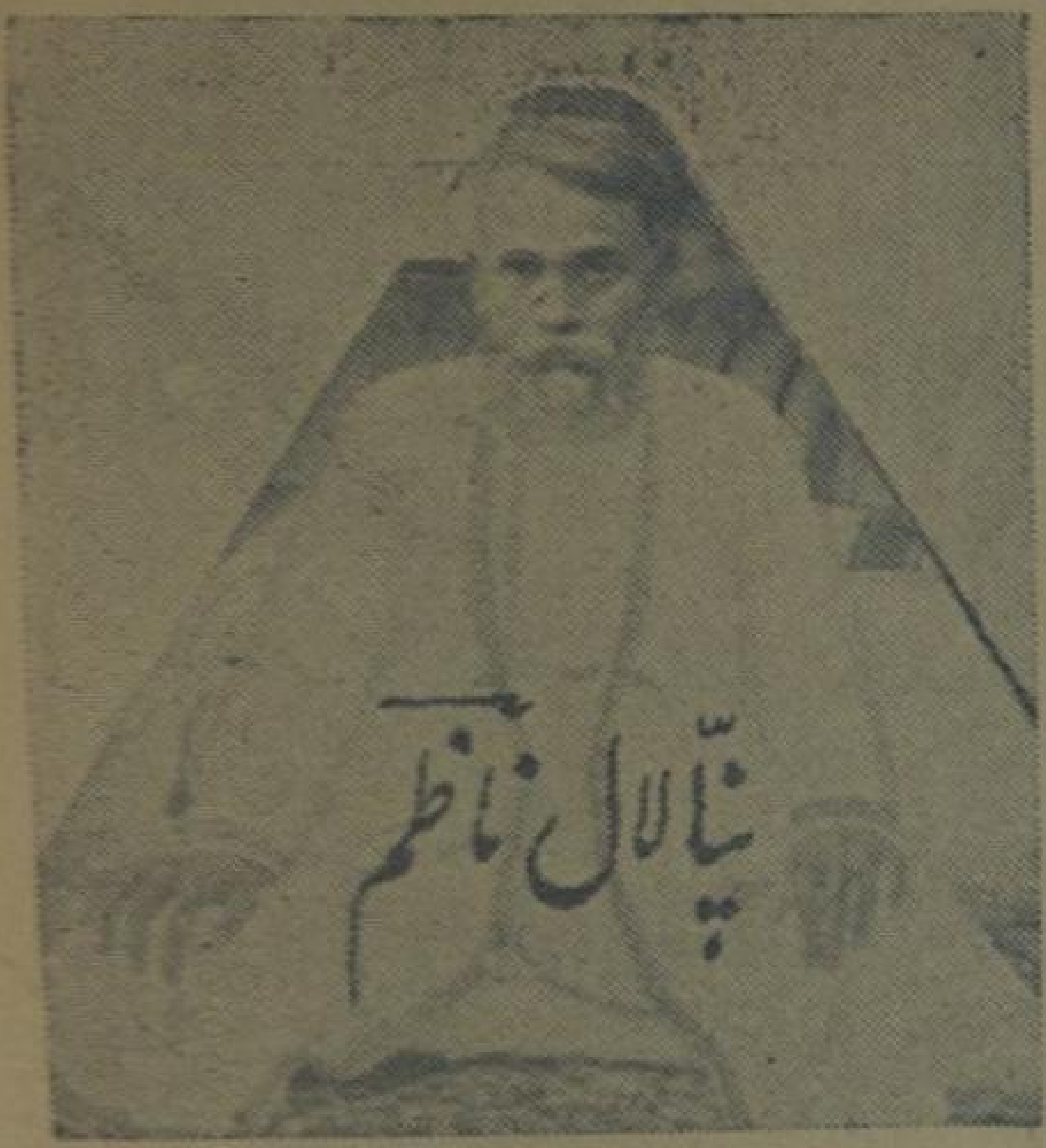


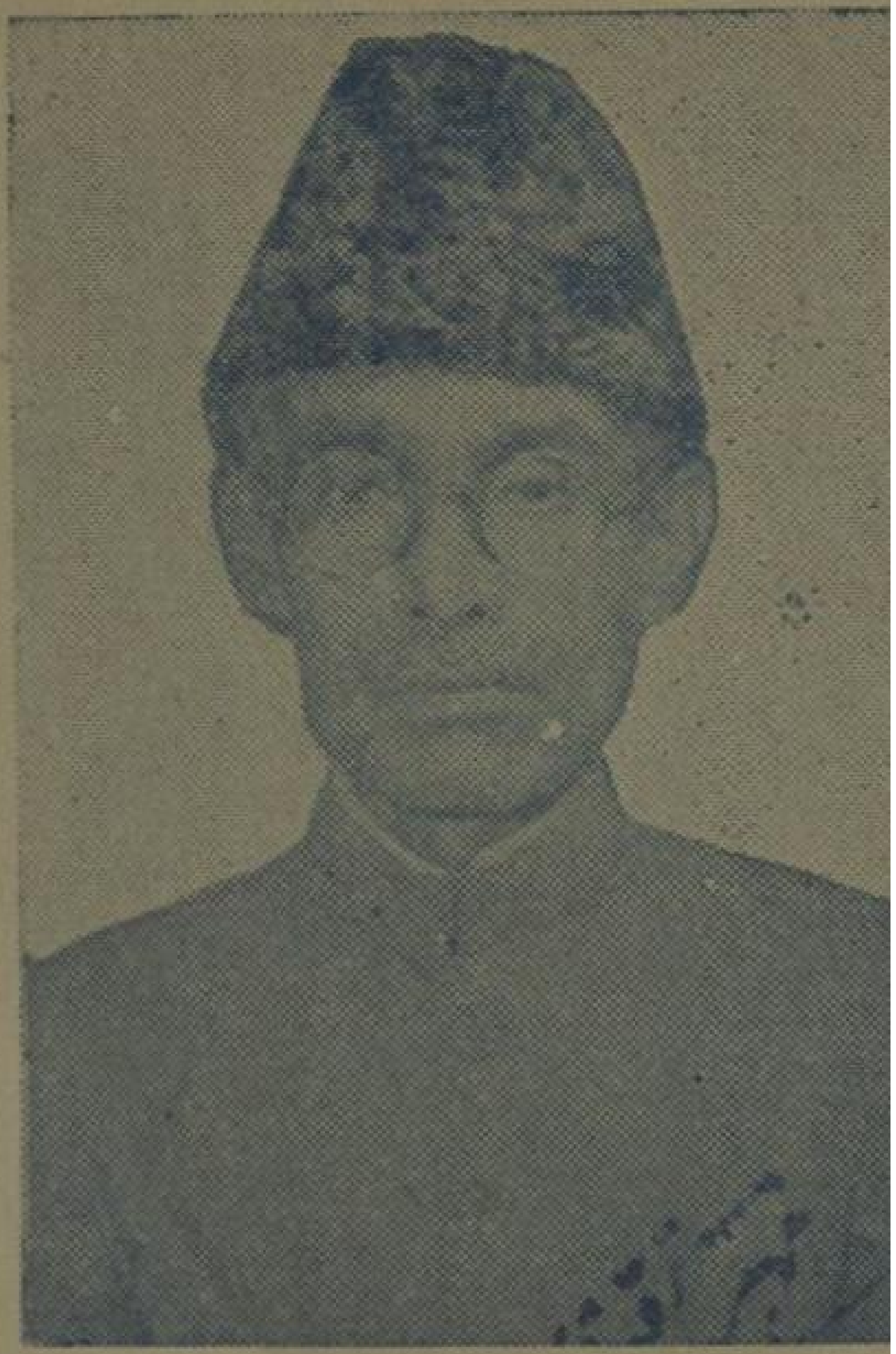


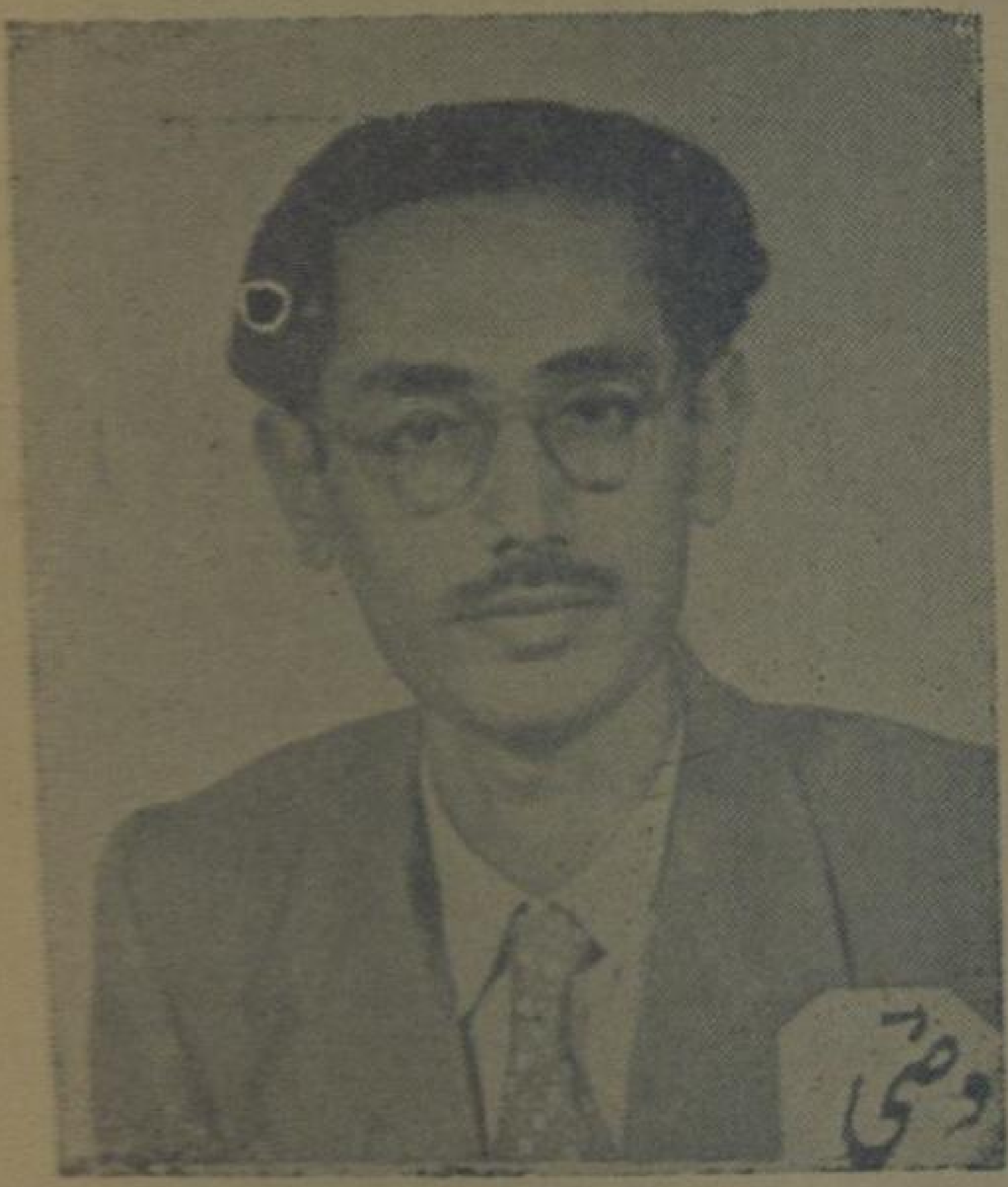


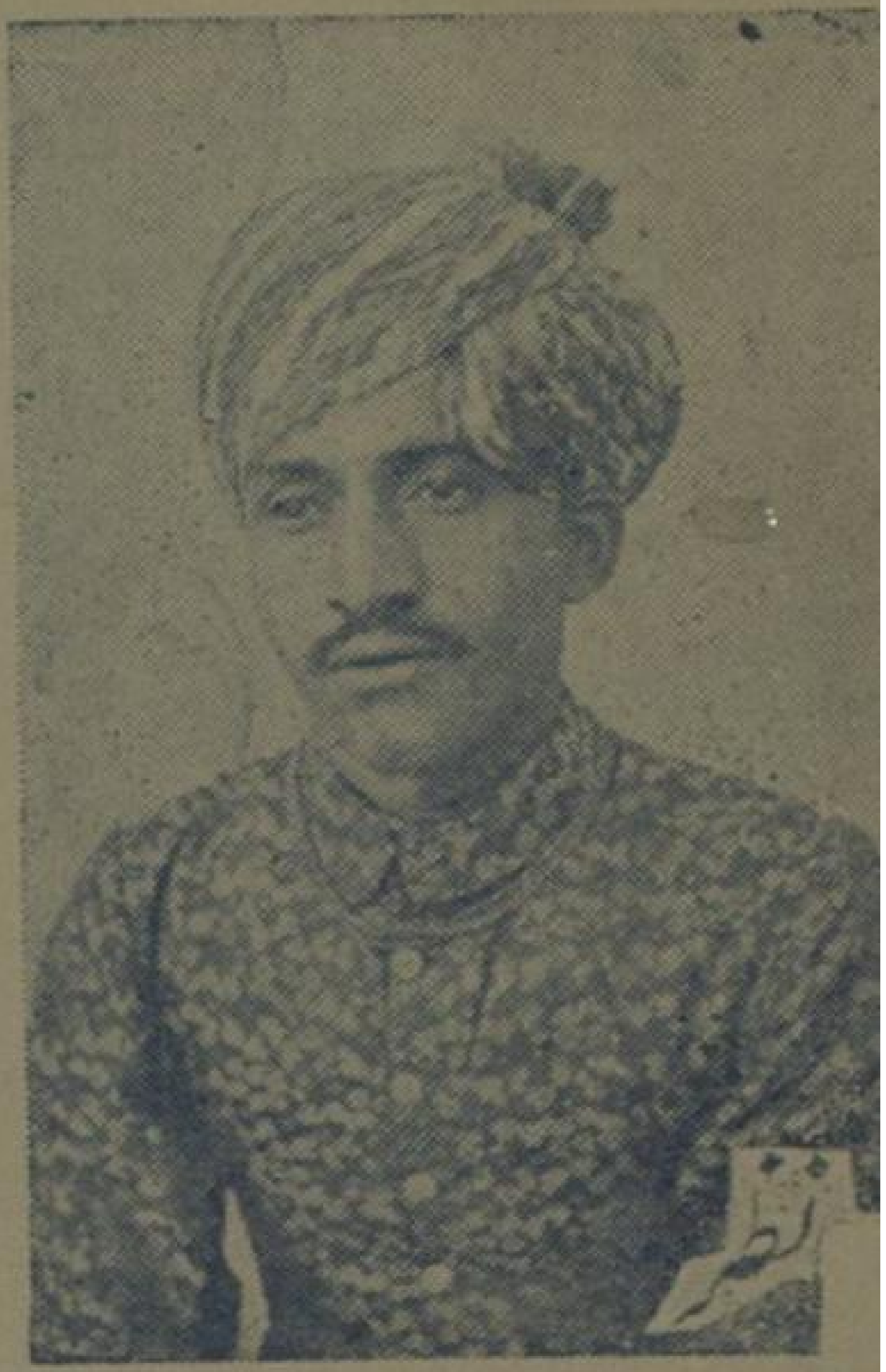


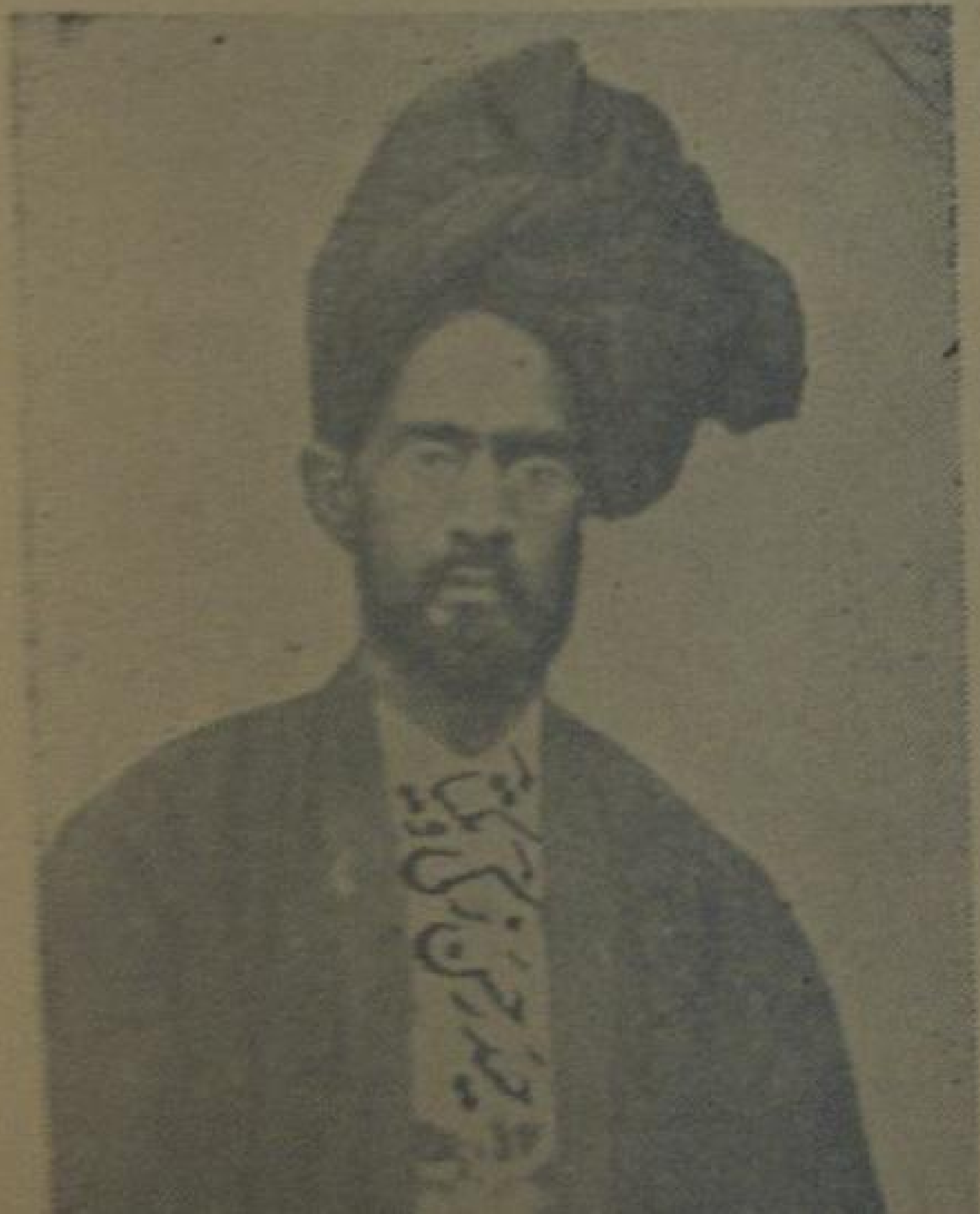


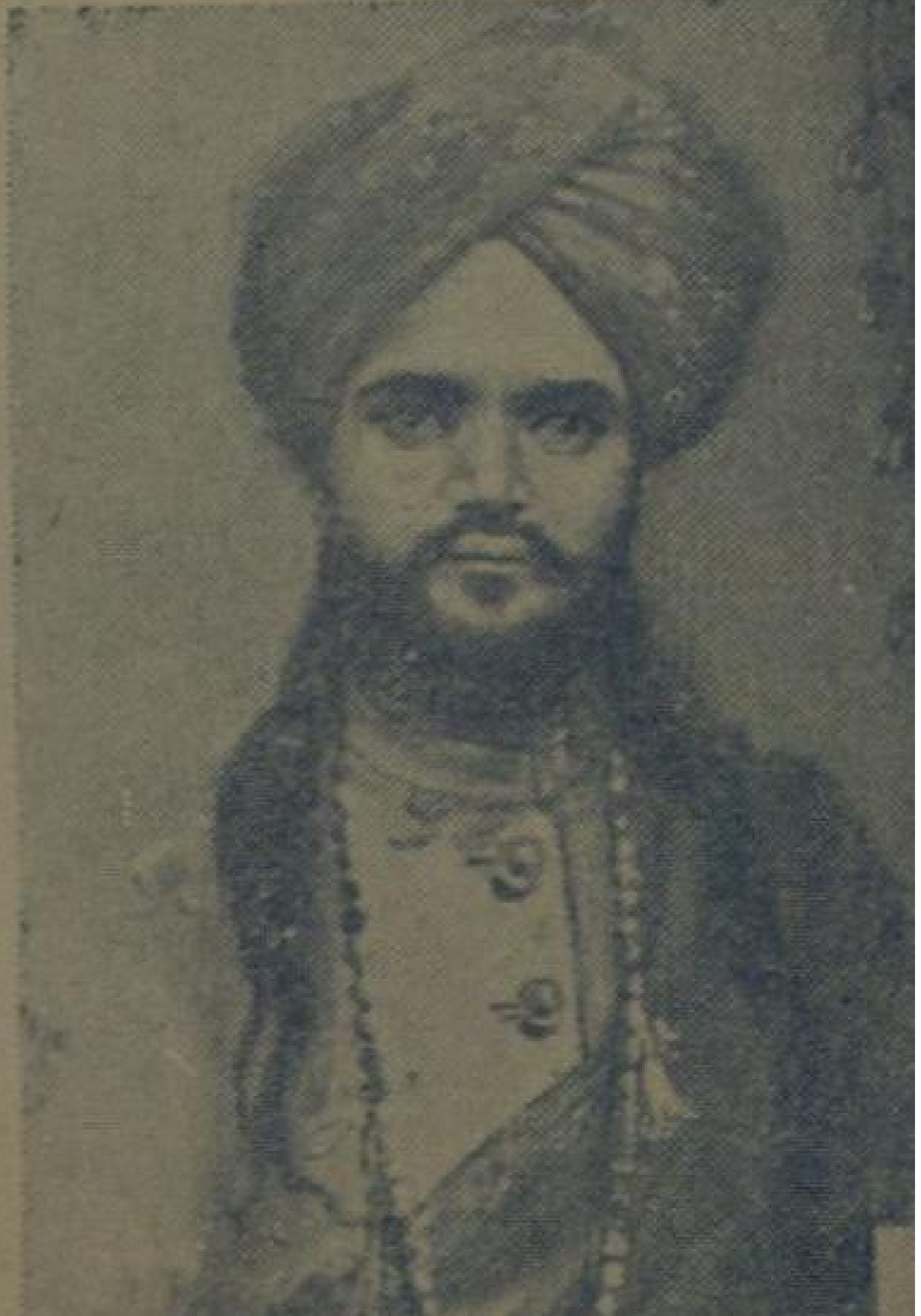

پیاّلال ناظم




وصفی







اُن کے مقابلہ اور جواب ہیں جو وصلیاں اِنھوں نے لکھی ہیں نہایت نفیس ہیں۔ باوجودیکہ دونوں صاحبان کی طرز بیضادی تھی مگر جوڑ بند۔ نوک پلک، کرسی و نشست۔ زورِ قلم اور رونقِ خط میں ہر دو خط میں شانِ انفرادیت نمایاں ہے۔ راقم الحروف نے دونوں کی وصلیاں دیکھی ہیں۔ اپنی اپنی شان کی دونوں بہترین ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانہ میں اَلْخَطُّ نِصْفُ الْعِلْمِ ایک حقیقت تھی۔ جے پور میں بکثرت خوشنویس تھے۔ اور اس فن کی ہر جگہ قدر تھی اُس زمانہ کے خوشنویسوں کا جواب تو یہ زمانہ کیا پیش کرے گا۔ بدخطوں کی مثال ملنا بھی محال ہے۔ سرکاری دفاتر میں ایسے ایسے عجیب لکھنے والے تھے کہ اُن کے نقوشِ قلم میسر آجائیں تو یقیناً عجائب خانہ میں جگہ پائیں۔ مثلاً منشی حشمت علی کاکوروی جو محکمہ گیرائی میں سررشتہ دار دورہ تھے اُن کا عجیب و غریب خط تھا نہ کہیں وصل نہ فصل۔ نہ نقطہ نہ شوشہ۔ نہ دائرہ نہ کشش نہ مرکز نہ شکل حرف۔ بے جوڑ اونچی نیچی ٹھہری ٹیڑھی چند لکیریں ہوتی تھیں جیسے انگریزی کا شارٹ ہینڈ ہو۔ ورق کے ورق لکھتے چلے جاتے تھے اور پڑھنے والے بھی یہ کمال کرتے تھے کہ اُس کو پڑھ لیتے تھے۔ اسی طرح بعض کے خط دیکھنے میں نہایت خوشنما تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چھپی ہوئی نستعلیق عبارت ہے مگر پڑھنے میں نہ آتے تھے۔ ایسے خطوں کو "موتیا بند" کہا جاتا تھا۔

حضرتِ مونس کاپی نویسی بھی کرتے تھے اور اُن کے خط کی چھپائی میں بھی شان قائم رہتی تھی۔ اُن کا "گھسیٹ خط" بھی جو بہت تیز لکھتے تھے۔ اور سرکاری کاموں کے لئے زود نویسی کی بھی خاص

ضرورت بھی، اپنی خاص شان رکھتا تھا۔ بلاشک اُن کے خواجہ تاشوں میں منشی شیخ امان علی نارنولی سررشتہ دار محکمہ اپیل کا خط رونق میں اُن سے بڑھا ہوا تھا۔ مگر پختگی میں یہ افضل تھے۔ مونس کے کمالِ خط کے نمونے آج بھی قدیم امراء و رؤسا کے طاق و محراب پر خال خال نظر آتے ہیں۔

ملازمت مونس کی ملازمت کا سلسلہ ۱۸۸۳ء سے شروع ہوا۔ وہ اوّل سرکاری مدرسہ میں مدرس ہوئے اور پھر دیگر محکمات میں اور عہدوں پر متعین رہے۔ آخر میں پنشن پاتے تھے۔

تصانیف مونس صاحبِ تصنیف و تالیف تھے اُن کی حسبِ ذیل تصانیف تو میرے علم میں ہیں ممکن ہے کہ اور بھی ہوں۔

(۱) اقوالِ صوفیہ۔ فارسی نثر۔ مطبوعہ۔

(۲) طغرائے نستعلیق۔ یہ $\frac{18\times22}{2}$ سائز پر خطِ توام خط معکوس اور خطِ مقابل میں نستعلیق طغروں کا مطبوعہ رسالہ ہے جس میں بزرگانِ دین کے ناموں کے طغروں اور ان میں سے بعض کی تصاویر کے علاوہ مہاراجگان جے پور اور دیگر مشاہیر کے ناموں کے طغرے اور تصویریں ہیں۔

(۳) اوپنشد۔ شاہزادہ داراشکوہ کی تصنیف "سرِ اکبر" کا اُردو نثر میں ترجمہ ہے۔

ذوقِ سخن اور کلام پر تبصرہ حضرت مونس کو طالب علمی ہی کے زمانے سے شعر و سخن کا ذوق تھا۔ کچھ عرصے کی مشق سے اچھا کہنے لگے۔ اُن کے یہاں مضمون آفرینی اور جدتِ تخئیل کے نمونے ملتے ہیں۔

نمونۂ کلام نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

آتا نظر نہیں یہ قصورِ نگاہ ہے ۔۔۔ گُل جلوہ گر ہے ورنہ ہر اک نوکِ خار میں

تکیہ ہمارا فضلِ خدا ہو عصا نہ ہو — ڈرتے ہیں ہم کہ آخرِ کار اژدھا نہ ہو

سنتے ہیں جو سنا ہیں وہ کہتے ہیں جو ہیں — بیکس ہیں ایسے جیسے ہمارا خدا نہ ہو

وعدہ تو استوار تھا لیکن نہیں ملے — شاید کہ یاد بندشِ بندِ قبا نہ ہو

اُسی بیخود کو جانو تم غریقِ بحرِ اُلفت ہے — فلک کو جو زمیں سمجھے زمیں کو آسماں سمجھے

پئے تفریحِ یاراں وقتیں کیا کیا اُٹھائی ہیں — جو اس پل بیٹھنے کا لطف سمجھے چاند خاں[۱] سمجھے

آنکھیں پتھرائی ہیں تیرے عشق میں شیریں مقال — کم نہیں ہے اشک کا لانا بھی جوئے شیر سے

جو انکار کرتے ہو کیجے مگر — کہ مجھیں نہیں پر نہیں ہے تو ہاں ہے

جو کچھ مجھکو حاصل ہے عشقِ بتاں سے — وہ زاہد کو یادِ خدا سے کہاں ہے

مجھے کیا ربط ہے شعر و سخن سے ان دنوں یونس — ضرورت آپڑی بزمِ سخن کے خیر مقدم[۲] کی

جو بادِ فنا ہیں سوزنِ ساعت کی طرح وہ — پھر آکے ملتے ہیں جو گھڑی پر جدا ہوئے

دل کو تبہ کیا ہے انہی تین چار نے — غمزے ہوئے کرشمہ و ناز و ادا ہوئے

مہجور تخلص، شیو پرشاد نام، نسباً کشمیری پنڈت، دہلی کے رہنے والے غدر کے زمانے میں رزیڈنٹ راجپوتانہ کے میر منشی تھے۔ جے پور بھی قیام رہا ہے۔ اور مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ یہ اشعار آپ کے ہیں:-

نظر آتا ہے پیچ و تاب میں سانپ — ہے وہ گیسوئے مرحساب میں سانپ

کس کی زُلفِ سیاہ دیکھی ہے — رشک سے ہے جو پیچ و تاب میں سانپ

میکشی کا یہ رنگ ہے اُس بن — موج ہے ساغرِ شراب میں سانپ

کب چین خاک میں ہے دل بیقرار سے
ہے برق جلوہ گر مری مُشتِ غبار سے

---

۱ چاند خاں عطا ۱۲

۲ فروری ۱۹۱۴ء میں آپ کے یہاں مشاعرہ ہوا تھا۔ یہ اُس غزل کا مقطع ہے۔ کیونکہ عرصہ سے آپ مشاعروں سے کنارہ کش تھے ۱۲

مہدی بھی تخلص ہے۔ اور سیف بھی۔ مہدی حسن نام نسباً شیخ عباسی وطن امروہہ۔ جے پور کے مشہور اطبّا میں تھے۔ فنِ موسیقی کے متعلق آپنے ایک مضمون بھی لکھا تھا جو ماہ نامہ "شادماں" جے پور ماہ جنوری سنہ ۶۲۵ میں طبع ہوا ہے۔ وہ حقیقتاً ایک شرح ترجمہ ہے اُس عبارت کا جو صاحب "غیاث اللغات" نے بذیل لفظ موسیقی لکھی ہے۔ میں نے حضرت مہدی کے حالات، ادبی کارنامے اور کلام ان کے صاحبزادے نور الحسن صاحب پنشنر ناظم ریاست جے پور سے مانگے مگر وہ بوجہ عدیم الفرصتی کچھ نہ دے سکے۔ اس لئے بطور یادگار حسبِ ذیل اشعار درج ذیل کرتا ہوں :-

جلا فرقت میں دل ایسا مرا اندوہگیں ہو کر ۔۔۔ کہ دم نکلا مرے سینہ سے آہِ آتشیں ہو کر

فشارِ قبر سے بھولا ہوں اب میں جورِ گردوں کو ۔۔۔ زمیں نے پیس ڈالا ہے مجھے چرخِ بریں ہو کر

ہم اس ناکامیِ قسمت کو کب تک روئیں گے مہدی ۔۔۔ نہ نکلی وقتِ وعدہ اُنکے منہ سے ہاں نہیں ہو کر

مہر تخلص۔ چاند نراین نام۔ ٹکّو اعزاز نسبی۔ نسباً کشمیری پنڈت۔ والدِ بزرگوار کا نام پنڈت سورج نراین ٹکو ہے۔ جو ریاست جے پور میں تحصیلدار تھے۔ اور بفضلہٖ حیات ہیں۔ مہر کے جد بزرگوار اسی ریاست میں فوج کے کپتان تھے۔ مہر نے مہاراجہ کالج جے پور سے بی۔ اے پاس کر کے جے پور ریلوے میں ملازمت شروع کی اور آج کل ٹریفک انسپکٹر ہیں۔ اصل وطن کشمیر ہے۔ اور کئی پشت سے مستقل سکونت جے پور۔ ان کا خاندان جے پور کے معزز گھرانوں میں سے ہے۔ مہر کو شعر و سخن کا چسکا زمانۂ طالب علمی ہی سے ہے۔ کچھ دنوں جناب صبا کو کلام دکھایا۔ پھر مولانا کوثر کے شاگرد ہوئے۔ اُنھوں نے مولانا اطہر کی طرف دھکیل دیا مگر انھوں نے پیچھا حضرتِ کوثر کا بھی نہ چھوڑا۔ اس طرح دونوں اُستادوں کے فیض نے

اُن پر مے دو آتشہ کا اثر کیا۔ اب بھی اگرچہ مولانا اطہر پاکستان چلے گئے ہیں، اور مولانا کوثر ہی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مگر جب بھی موقع ملتا ہی مولانا اطہر سے استفاضہ کرتے رہتے ہیں۔

ایک غلطی کی اصلاح "سرنوشتِ مرزا مائل" مرتبہ راقم میں جنابِ مہر کو حضرتِ مائل کا تلمیذ غلط چھپ گیا ہے۔ مہر نے اُن سے کوئی اصلاح نہیں لی اگرچہ یہ سب کچھ فیضُ انھیں کا کہا جاسکتا ہے کیونکہ صبا و کوثر ان کے شاگرد ہیں۔

اخلاق و عادات اور طرزِ غزل سرائی مہر نہایت خلیق و مہذب ہیں۔ اگرچہ طرح کی پابندی سے بہت گھبراتے ہیں مگر احباب کے اِصرار اور ضرورتِ خاص پر طرح میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں۔ طرزِ غزل سرائی نہایت اچھا ہے اُن کی ذاتی وجاہت۔ ترنم کی دل کشی اور ساتھ ہی موسیقیت کی سحر کاری۔ نیز کلام کی خوبی اپنا ایسا رنگ جماتی ہے کہ بزم بھی مسحور ہوجاتی ہے۔ اور خود بھی نشۂ کلام سے مزید مخمور۔

کلام پر تبصرہ مہر غزل گو شاعر ہیں اس لئے غزل ہی کی زبان استعمال کرتے ہیں جو نہایت صاف و شستہ اور پاکیزہ ہوتی ہے تشبیہ و استعارے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ مضمون آفرینی و بلندی و ندرتِ تخئیل کی دُھن میں دامنِ تاثیر کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ دیوان مکمل ہے۔

شکوۂ مخلصانہ راقم الحروف نے جناب مہر سے اپنے تفصیلی حالات اور اپنی کچھ غزلیات عنایت کرنے کی استدعا کی۔ اور پھر خط اور رقعے بھی بھیجے ایک بار اُنھوں نے اقرار بھی کیا مگر وہ شرمندۂ ایفا نہ ہوا۔ اس لئے حالات کے سلسلے میں مجھے اپنی معلومات پر اکتفا کرنا پڑا۔

نمونۂ کلام کلام کا نمونہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے :-

جی چاہتا ہے دعوتِ ذوقِ نظر کریں
موسےٰ کی طرح طور کا عزم سفر کریں

وہ لطف وہ مزہ ہمیں آیا گناہ میں
عمرِ خضر بھی پائیں تو ہم عمر بھر کریں

وعدہ خلاف، عہد شکن، دشمن آشنا
ہم اعتبار آپ کا کس بات پر کریں

بیاں ہوتے ہیں مجھ میکش سے قصے آبِ حیواں کے
نہ جانے لوگ کیوں پیچھے پڑے ہیں میرا یماں کے

نہیں گے ایک ن رونق یہی صحن گلستاں کے
وہ ٹکڑے ہوں گے دامن کے یا پرزے گریباں کے

ڈھنڈورہ پیٹتے پھرتے ہو اب اپنی سخاوت کا
میں صدقے ایسے احساں کے میں قرباں ایسے احساں کے

رہے گا بول بالا تیرے میخانے کا اے ساقی
یہیں قائم رہے جھگڑے اگر گبر و مسلماں کے

یہ اے شیخ و برہمن کوئی کعبہ ہے نہ بتخانہ
یہ میخانہ ہے جوہر تو یہیں کھلتے ہیں انساں کے

مہر تخلص. محمد خورشید علی ~~۱۳۲۲ھ~~ تاریخی نام. تخلص کے ساتھ لفظ "تقوی" اپنے استاد میرزا محمد تقی بیگ کی نسبت سے لکھتے ہیں. نسباً سید مذہباً سنی حنفی۔

ولادت، وطن اور تعلیم مہر ۴ ر اگست سنہ ۱۹۰۴ء مطابق ۲۱ ر جمادی الاول سنہ ۱۳۲۲ھ یوم پنجشنبہ کو بمقام جے پور محلہ موتی کٹرہ بر مکان عبد الرحمٰن جمعدار متصل مکان میر ثناء اللہ ناظر مصحفی پیدا ہوئے. بزرگوں کا وطن قصبہ سانبھر تھا. مگر آپ کے والد ماجد مستقلاً جے پور میں رہتے تھے اس لئے آپ کو بجائے سانبھری جے پوری کہنا زیادہ صحیح ہے. ابتدائی تعلیم اپنے نانا سید رحمت علی سے حاصل کی. نو برس کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا. دس سال کی عمر میں گلستاں. بوستاں اور انوار سہیلی ختم کیں. کچھ روز سانبھر اسکول میں بھی تعلیم حاصل کی. سنہ ۱۹۱۹ء میں جے پور آکر مولوی اساس الدین احمد تسنیم سے عربی کی ابتدائی تعلیم شروع کی مگر تھوڑے دنوں بعد بوجہ

ملازمت یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

۱۹۲۶ء میں "طبیہ کالج جے پور" میں طب کی تعلیم شروع کی۔ ۱۹۲۹ء میں "طبیب فاضل" کی سند حاصل کی اور ۱۹۳۲ء میں اسی کالج سے "عمدۃ الحکماء" کا امتحان پاس کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے "منشی" کا امتحان فرسٹ ڈویژن پاس کیا۔ پھر میٹرک کے امتحان میں کامیابی حاصل کی ۱۹۳۵ء میں "پولس ٹریننگ اسکول جے پور" کے امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کرنے کے صلہ میں انعام و سند حاصل کی۔ کثرتِ مطالعہ کے ذریعہ مبلغِ علم بہت بلند کرلیا ہے۔

ملازمت اور ترکِ وطن | ۱۹۲۰ء میں جنرل سپرنٹنڈنٹ پولس جے پور کے دفتر میں متفرقات کے اہلمد مقرر ہوئے۔ دیگر مختلف عہدوں پر بھی مامور رہے اور ہیڈ کلرکی کے عہدہ پر ترقی یاب ہوگئے۔ ۱۹۴۷ء میں سپرنٹنڈنٹ پولس شیخاواٹی کے دفتر میں ہیڈ کلرک تھے کہ انقلابی خونی ہنگاموں سے مجبور ہوکر اپنی کامیاب ملازمت اور عزیز وطن کو خیرباد کہا اور پاکستان چلے گئے جہاں ایڈوکیٹ جنرل سندھ کے دفتر واقع کراچی میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں۔

ذوقِ سخن و خدماتِ ادب | آخر ۱۹۱۶ء یا شروع ۱۹۱۷ء میں آپ نے پہلا شعر موزوں کیا اور ۱۹۲۰ء میں حضرتِ مائل سے باقاعدہ شرفِ تلمذ حاصل کرکے اصلاح لینے لگے۔ اور اُن کی وفات (۱۹۳۱ء) تک برابر استفادہ و استفاضہ کیا۔ ادبی خدمات کا جذبہ ہونے کے باعث ملازمتی اور تعلیمی مصروفیات کے باوجود کچھ نہ کچھ خدمتِ ادب ضرور کرتے رہے۔

تصانیف | آپ کو تصانیف کے سلسلہ میں دیدہ ریزی و جفاکشی کا بھی اچھا ملکہ ہے۔ چنانچہ پاکستان جانے سے پہلے آپ کی حسب ذیل تصانیف تھیں۔

(۱) بیاضِ کلام۔ جس میں غزلیات کے علاوہ رباعیاں قطعات اور مختصر نظمیں وغیرہ تھیں جن کے اشعار کی تعداد دو ہزار سے زیادہ تھی۔ وہ مجموعہ پاکستان جاتے وقت ہندوستان ہی میں رہ گیا اور اب بے پتہ ہے۔

(۲) سنہ ۱۹۴۰ء میں ایک رسالہ "واحد و جمع" مرتب کیا جس میں بارہ سو سے زیادہ واحد الفاظ کے معنے اور ہر ایک کی ایک یا زائد جمع درج کی ہیں۔ طلبہ کے لئے یہ رسالہ بہت مفید ہے اور ترتیب اچھی ہے۔

(۳) ایک رسالہ الفاظِ متفق الصوت و مختلف المعانی و ہجا کا مرتب کیا جس میں پانچ سو سے زیادہ الفاظ ہیں اور اُس کا نام "تجنیسِ مضارع" ہے۔

(۴) "نقشۂ عروض" جو اپنی نوعیتِ ترتیب کے لحاظ سے بہت آسان اور نفع رساں ہے۔

پاکستان پہنچنے کے بعد سنہ ۱۹۵۱ء میں "ترجمانِ بے خودی" کے نام سے علامہ اقبال کی مثنوی "رموزِ بے خودی" کا اردو مثنوی میں ترجمہ کیا جس کے ایک ہزار چھتیس ۱۰۳۶ اشعار ہیں۔

ایک اور رسالہ مرتب کیا ہے جس میں موجودہ سنہ ہجری سے آئندہ پچیس ۲۵ برس تک کے لڑکے اور لڑکیوں کے تاریخی نام نکال کر جمع کئے ہیں۔ اور ہر سنہ میں کئی کئی سو نام ہیں۔ جن میں بعض نہایت

خوبصورت اور سماعت نواز ہیں۔

کلام پر تبصرہ قواعدِ زبان و عروض کی پابندی آپ کی طبع ثانیہ بن گئی ہے۔ محاسن سے پہلے شعر کے معائب پر نظر پڑتی ہے۔ کلام میں زور ہے۔ روانی ہے۔ چست بندشوں اور خوبصورت ترکیبوں پر زیادہ توجہ کرتے ہیں۔ ندرتِ تخئیل بھی ہے اور مضمون آفرینی و بلند پروازی بھی۔ زبان صاف و شستہ استعمال کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام کلام کا نمونہ حسبِ ذیل ہے :۔

غم ملا، رنج ملا، درد ملا، داغ ملے
اک ستم ہو گیا انساں کا انساں ہونا

دیوانہ جان کر نہ کوئی ہم سخن ہوا
اپنا تو پردہ پوش یہ دیوانہ پن ہوا

اُٹھا نہ آستاں سے ترے سر تمام عمر
آیا نہ عرش سامنے لاکھوں ہی بار کیا

محبت میں کہاں یہ اضطرابِ دل نہیں ہوتا
نہیں ہوتا تو زیرِ خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

غمِ الفت میں جینا شاہکارِ زندگانی ہے
فرشتہ بن کے جی لینا تو کچھ مشکل نہیں ہوتا

تنکے چن کر کیوں کروں توہینِ حُسنِ انتخاب
پھول جب موجود ہیں میرے نشیمن کے قریب

امتیاز اتنا کہاں منزل رسی کے شوق میں
جان کر رہبر چلا جاتا ہوں رہزن کے قریب

غم نے ایسا شکستہ حال کیا
جیسے آدم کے وقت کی تصویر

لے دیا کیوں اپنے دلسوزوں میں پروانہ کا نام
سوچ کر لینا تھا تم کو اپنے بیگانے کا نام

لبِ اشک آہ و فغاں اور بھی ہیں
غمِ عشق کے ترجماں اور بھی ہیں

نہیں ختم کعبہ ہی پہ ذوقِ سجدہ
ابھی اے جبیں آستاں اور بھی ہیں

کہیں ماورا عالمِ رنگ و بو سے
محبت کے رنگیں جہاں اور بھی ہیں

ابھی تو مری داستاں ہی سُنی ہے
ابھی سعئی داستاں اور بھی ہیں

گر نشاطِ غمِ حیات نہ ہو
آدمی حُسنِ کائنات نہ ہو

ابھی ہیں دیر میں ایسے ہزاروں افسانے / کہ جن کو سن کے حرم لاجواب ہو جائے

کس کی محفل ہے یہ جہاں یارب / آنکھ اپنی نظر پرائی ہے

کسی کے حسن کی اللہ رے پاکدامانی / تصورات سے بھی پارسائی جاتی ہے

ہم نے جو تجھے دیکھ کے دل تھام لیا ہے / آدابِ محبت کا بڑا کام کیا ہے

دو جہاں کے غم سے ملتی ہے نجات / تیرے غم میں یہ بڑا آرام ہے

بنا ہے یہ جہاں کیا اس غرض سے آئینہ خانہ / کہ دنیا کو تمہیں پہچاننا دشوار ہو جائے

اک جنبشِ لب میں ہی نکل آتے ہیں آنسو / ہم اپنا فسانہ بھی تو دہرا نہیں سکتے

ادھر تو دیکھئے چشمِ حسیں سے / چھپا رکھا ہے منہ کیوں آستیں سے

نگاہیں کیوں نہیں اٹھتیں زمیں سے / نہیں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے

نقشِ حبیب — شعرِ اوّل

پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

مہمل تخلص۔ غلام نبی نام نسباً شیخ فاروقی۔ جھنجھنوں کے پیرزادوں میں سے تھے اور ریاست جے پور میں اہلکار۔ حضرت ذہین سے تلمذ تھا۔ مزاحیہ شعر کہتے تھے مگر ان میں طنز کے نشتر مضمر ہوتے تھے۔ کلام تو مہمل نہیں ہوتا تھا پھر یہ تخلص شاید اس لئے پسند کیا تھا کہ شعر کے پردے میں بے نقط سنائیں۔ ۱۹۴۷ء میں نیم کے تھانہ میں متعین تھے۔ وہاں کے خونی انقلاب میں شہید ہو کر زندۂ جاوید ہوئے۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:-

بڑھے جاتے ہیں بچے بھی بڑھے جاتے ہیں قرضے بھی / ملیں گی ڈگریاں لیکن ملیں گی ڈگریاں ہو کر

اللہ اللہ یہ خداوندانِ پرمٹ کا غرور / کیا خبر تھی آدمی اللہ میاں ہو جائے گا

دعا اہلِ غرض کی۔ یا سلام اربابِ حاجت کا / ملے کیا اہلکاروں کو جہاں حکام لیتے ہیں

قطعہ

خریدا ہے ملا نے دبلا سا بکرا / کہاں پل صراط اور کہاں یہ سواری

مگر کیا کرے تین مجبوریاں تھیں — بخیلی، غریبی، کفایت شعاری

ترے کمالِ سیاست کی داد ہے بیوی — محاذِ جنگ مرا گھر بنا دیا تو نے
مرے خلاف اُبھارا ہے میرے بچوں کو — مری ہی فوج کو مجھ سے لڑا دیا تو نے

یہی کپڑے کی گرانی ہی تو ڈر ہے ہم کو — جن گھروں میں نہیں پردہ کہیں پردہ ہو جائے

اے کاش اہلکار کہیں گھاس کھودتے — اب ہولڈر سے بڑھ گیا کُھرپا کہیں جسے
گاندھی سے شکوہ ہے نہ شکایت جناح سے — اپنا تو روٹیوں سے ہی جھگڑا کہیں جسے

نازش تخلص۔ بھنور سنگھ نام۔ نسباً تنور راجپوت۔ موضع ماونڈہ علاقہ توراواٹی وطن۔ صوبہ دار رام ناتھ سنگھ آنجہانی کے فرزند اکبر ہیں اور راجستھان پولس میں سب انسپکٹر۔ موجودہ دور کے آپ واحد راجپوت شاعر ہیں۔ ابتداءً حضرتِ نفیس سے تلمذ اختیار کیا جو آپ کے پرائیویٹ معلم تھے۔ اور پھر اُن کے توسط سے حضرتِ نفیس کے چچا مولانا کوثر اور اُستاد مولانا اطہر تک پہنچکر اُن کے شاگرد ہوئے۔ اول بتوسط حضرتِ نفیس مولانا کوثر سے اصلاح لینی شروع کی اور ایک غزل روزانہ لانے لگے۔ تو اُنھوں نے اس دردسری سے بچنے کے لئے مولانا اطہر کے پاس بھیجدیا۔ مگر آپ نے پیچھا اُن کا بھی نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ بقول نازش "مولانا کوثر راتوں کو قبرستان میں چلے جایا کرتے تھے۔ میں وہاں بھی پہنچ جاتا اور اصلاح لے کر آتا تھا"۔ پہلی غزل آپ نے سنہ ۱۹۴۷ء میں اسکاٹش مشن ہائی اسکول جے پور کے مشاعرے میں پڑھی تھی۔

تعلیم نازش نے میٹرک تک اُردو فارسی پڑھی ہے اور بی اے تک انگریزی کی تعلیم پائی ہے۔ اُردو سے خاص دلچسپی ہے اور اس کی حمایت میں اکثر لڑ پڑتے ہیں۔

اخلاق و عادات ...رکس کی محبت اطبعاً بہت ہی بیباک و حاضر جواب ہیں۔ اعتراض و طنز کرنے میں بھی نہیں جھجکتے۔ حالانکہ آپ کے اساتذہ رد کیتے رہتے ہیں۔ میں سرمو... ر دو جبلت نگردد" بعض دفعہ حد سے بھی گزر جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک بار مولانا اطہر کے ساتھ حضرت سائل کی خدمت میں حاضر ہوئے بعد تعارف جب نواب سائل نے کچھ سنانے کی فرمائش کی تو کہنے لگے "حضور! مجھے ڈوموں کی طرح گانا تو آتا نہیں فرمائیے تو تحت اللفظ کچھ عرض کروں۔" نواب صاحب تو بہتیرے دریا تھے۔ مسکرا کر فرمایا "بھئی یہ ترنم کی بدعت دلی میں میری ہی پھیلائی ہوئی ہے۔ کیونکہ لکھنؤ والے اس کے سبب سے پھسپھسے شعروں کی بھی داد پا جاتے تھے اور دلی والوں کے اچھے شعر بھی بلا داد رہ جاتے تھے۔"

کلام پر تبصرہ صاف اور شیریں زبان استعمال کرتے ہیں۔ اور طرزِ بیان میں رنگینی و دل کشی کی سعی کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:-

آج تک نامہ بر نہیں آیا
کیا کروں گا اگر نہیں آیا

عیادت کو جو وہ تشریف لائے مہرباں ہو کر
مزا دینے لگا دردِ جگر آرامِ جاں ہو کر

غضب ہے چھین لیتے ہیں وہ ہر انداز سے دل کو
خفا ہو کر، بگڑ کر، مسکرا کر، مہرباں ہو کر

جب تم نہیں تو مجھ کو غرض کیا بہار سے
میری طرف سے آگ لگا دو بہار میں

تو چاہے تلچھٹ ہی دیدے لیکن یہ گزارش ہے میری
میخانے میں آ کر اے ساقی سب رند برابر ہوتے ہیں

آتے ہی فصلِ گُل مرا دامن
خود بخود تار تار ہوتا ہے

آگیا جس پہ آگیا ناصح!
دل پہ کیا اختیار ہوتا ہے

بادہ خواری کا مگر اُس کو بھی چسکا پڑ گیا | پارسا[1] کی دوستی اور نازشِ ہمخوار سے
انوکھے ڈھنگ ہیں دیوانگانِ حُسنِ جاناں کے | کہ گھر گھر بانٹتے پھرتے ہیں ٹکڑے جیب و داماں کے
کڑیں آخر نہ شیخ و برہمن کیونکر کہ ڈالے ہیں | تمھیں نے تو یہ پڑے اُنکے دل پر کفر و ایماں کے
یہاں تک بات پہنچی ہے وہاں تک بات پہنچی ہے | کہاں کی بات تھی لیکن کہاں تک بات پہنچی ہے
نکل کر دل سے جب کوئی زباں تک بات پہنچی ہے | سمجھ لیجے کہ پھر سارے جہاں تک بات پہنچی ہے
کسی کے حُسن کے چرچے ہیں حوروں میں فرشتوں میں | زمیں والوں کی اب آسماں تک بات پہنچی ہے

چھڑا احباب میں جب بھی کبھی ذکرِ سخن نازش
تو آخر اپنے ہی طرزِ بیاں تک بات پہنچی ہے

نازک تخلص۔ محمد اللہ یار خاں نام۔ دہلی کے باشندے۔ اور حضرت داغ کے شاگرد۔ جے پور میں وکالت کرتے تھے اور یہیں انتقال کیا آخر تاجدارِ دہلی کا دربار دیکھا تھا۔ جب اُس کا ذکر کرتے تھے تو اکثر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ یہ شعر آپ کا ہے:-

تری خاطر بنایا دشمنِ جاں اک زمانے کو | ہمارے حال پر کچھ تو کرم اے دلربا کرنا

ناطِق تخلص۔ اشتیاق حسین نام۔ نسباً سید۔ بریلی کے رہنے والے اور حضرت امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ بتلاشِ معاش جے پور آئے اور یہاں "شیو پول" اسکول میں مدرس ہو گئے۔ یہیں انتقال کیا۔ عربی فارسی کے منتہی تھے۔ جے پور میں آپ سے بہت لوگوں نے تعلیم حاصل کی اور متعدد اصحاب شعر و سخن کی اصلاح بھی لیتے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ اُردو۔ اور کسی قدر ہندی میں بھی آپ کا کلام تھا۔ مگر اب ناپید ہے۔ آپ کے دیکھنے والے تو اب بھی جے پور میں موجود ہیں مگر کلام کسی کو یاد نہیں۔

---

[1] نازش کے خواجہ تاش جن کا ذکر تذکرہ ہذا میں ہے ۱۲

ایک پرانے نعت خواں محمد نصیر الدین قریشی سے نعت کے دو شعر مخلوط زبان میں میسر آسکے مجبوراً انھیں پر اکتفا کرنا پڑا۔

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کا تاج ترے سر سو ہے تجھ کو شہِ ہر دو سرا جانا
اَلْمَوْجُ عَلَا وَالْبَحْرُ طَغَا من بیکس و طوفاں ہوش رُبا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہی ہوا موری نیا پار لگا جانا

ناطق تخلص۔ سعید اللہ خاں نام۔ باعلم شخص تھے اور جے پور میں کہیں ملازم تھے۔ یہ اشعار اُن کے ہیں:۔

ہیں سب ہوائیں گلشنِ عالم کی سرسری
جو بندھ گئی ہوا وہ نسیم بہار ہے
حسرت نہیں کہ داغِ جگر شمعِ طور ہے
گر مر گئے تو واں بھی چراغِ مزار ہے

ناظم پہلے غنیؔ تخلص کرتے تھے۔ پھر ناظمؔ اختیار کیا۔ پنا لال نام۔ نسباً بہار گو۔ وطنِ قدیم کوٹقاسم۔ منشی رام جیون لال کے خلفِ اکبر اور منشی ہیرا لال ہونس کے برادر کلاں۔

ولادت، تعلیم اور ملازمت ناظم سمت ۱۹۰۷ بکرمی میں بمقام جے پور پیدا ہوئے مولانا محمد رشید الدین فائز نارنولی سے فارسی اور کسی قدر عربی کی تعلیم حاصل کی۔ اور منشی بہاری لال شاگردِ میر پنجہ کش سے خطِ نستعلیق کی مشق کرکے کمال حاصل کیا۔ روشِ خط آفتابی تھی اور کمال یہ تھا کہ بلا مسطر و جدول بر داشتہ قلم لکھتے تھے مگر مجال ہے کہ کسی حرف کی کرسی یا کشش و دائرے میں کوئی فرق آجائے یا کوئی حرف جدول سے بڑھ یا گھٹ جائے۔ فارسی استعداد نہایت اچھی تھی۔ اردو تو گھر کی زبان تھی ہی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر اول سرکاری مدرسہ میں مدرس ہوئے۔ پھر ترقی کرکے محکمہ

محتشمہ عالیہ کونسل جے پور میں سررشتہ دار ہو گئے۔ اور وہاں سے ترقی یاب ہو کر اوّل منصف ہوئے پھر مختار عدالت اور وہاں سے منتظم خبر۔ اور پھر ناظم یعنی کلکٹر ہو گئے اور اسی عہدے سے پنشن لی۔ اغلباً ناظم ہونے کے بعد تخلص تبدیل کیا۔ آپ سے فنِ خطاطی میں بہت لوگوں نے فیض اُٹھایا اور شعر و سخن میں بھی آپ کے کئی شاگرد تھے۔ جے پور ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔

تصانیف حضرتِ ناظمؔ نے اپنی یادگار متعدد تصانیف چھوڑیں مثلاً :۔

(۱) مظہر المعرفت سمت ۱۹۶۶ب ۔ اُردو مثنوی۔ جو سری سوامی چرن داس جی کی سوانحعمری ہے۔ اس کی ایک مطبوعہ جلد کا ٹائٹل پیج اور پہلا ورق حضرتِ ناظم کا قلمی ہے۔ خط ایسا روشن کہ نظر مستنیز ہو۔ ٹائٹل پیج پر آپ کی اور سوامی جی کی بہترین قلمی تصویر ہے۔ جن کے رو برو آپ دست بستہ کھڑے ہیں۔ یہ نسخہ آپ کے صاحبزادے کے پاس محفوظ ہے۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۰۱ء

(۲) قواعد صرف و نحو فارسی۔ اردو کی مثنوی میں فارسی صرف و نحو کے قواعد سمجھائے ہیں۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۲ء

(۳) سری بھگوت گیتا۔ اردو مثنوی مطبوعہ سنہ ۱۹۱۷ء

(۴) جوتش پرکاش۔ اس کے تین حصے (۱) متعلق مہورت (۲) متعلق گنت (۳) متعلق پھلت۔ طبع ہو چکے ہیں۔ اور چوتھا جو جنم پتر بنانے کے متعلق تھا نہ چھپا۔ ہر سہ حصص آسان اُردو زبان میں مرتب کئے گئے ہیں۔

ذوقِ سخن اور کلام پر تبصرہ | شعر و سخن کا ذوق زمانہ طالب علمی ہی سے تھا حضرتِ فائز سے اصلاح لیتے رہے۔ کثرتِ مشق نے صفِ اساتذہ میں جگہ دی۔ کلام میں زور اور بلند پروازی ہے۔ مضمون بھی نئے تلاش کرتے ہیں اور اندازِ بیان بھی دلکش و آسان ہوتا ہے۔ فارسی کی خوبصورت ترکیبیں استعمال کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام | کلام کا نمونہ ذیل میں ملاحظہ کیجئے :۔

کرم کرنا ستم کرنا وفا کرنا جفا کرنا
روا ہے آپ کو سب کچھ روا و ناروا کرنا

اندوہ و یاس و حسرت و ارمان و رنج و درد
تنہائی میں بھی ساتھ مرے اک جہاں رہا

امیدِ وصل کبھی ناامیدیٔ ہجراں
بلا نہ ہم کو خداوندِ دو جہاں کیا کیا

چھپ چھپ کے جو روتے ہو غنی پا گئے ہم بھی
کھو بیٹھے ہو دل اپنا کسی پردہ نشیں پر

افشائے راز ہو نہ کہیں باعثِ عتاب
کہتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کچھ نامہ بر سے ہم

جور و ستم تمہارے دکھانے کو روزِ حشر
دل کے ورق پہ لکھتے ہیں خونِ جگر سے ہم

دردِ فراق ساتھ رہے گا مزار میں
ہوگا ہمارا ایک ہی یارِ غار میں

جز مرگ کون اپنی عیادت کو آئے ہے
آ کر پلٹ گئی جو یہاں سے قضا نہ ہو

جور و جفا کی حد ہی نہ ہو جب زمانے میں
کیونکر کہیں ستم ترے حد سے سوا ہوئے

نظر آتی ہی ہم کو ایک ہی ہر نام میں عظمت
ضرورت ہی نہیں رکھتے تلاشِ اسمِ اعظم کی

شبِ وصال کی ہونے نہ دوں سحر ہرگز
غنی جو دورِ فلک پر ہو اختیار مجھے

آج کل شہرت وہ ہے میرے سخن کی کیا عجب
آئے سننے کو غنی روحِ غنی کشمیر سے

ناظم | تخلص۔ مظہر حسین اصل اور منظر حسین تاریخی نام۔ والدِ بزرگوار کا نام شیخ امیر حسین۔ وطن سنبھل۔ آپ کے بزرگ حضرت سید سالار مسعودؒ کے ساتھ ہندوستان آئے اور یہیں کے ہو رہے۔

(منظر حسین = ۱۲۱۸ھ)

ولادت تعلیم اور قیام جے پور | ناظم ۱۲ ستمبر ۱۹۰۰ء کو سنبھل میں پیدا ہوئے گھر پر اُردو فارسی کی تعلیم پائی۔ ۱۹۱۷ء میں اپنے والدِ ماجد کے ساتھ جے پور آ گئے پنجاب یونیورسٹی سے "منشی" کا امتحان پاس کیا۔ اور مسلسل مطالعہ سے بقیہ کمی کو پورا کر لیا۔

اخلاق و عادات | طبیعت میں انکسار اور میل ملاپ کا پورا مادہ ہے۔ قدح کشانِ پاک طینت کی زندہ مثال ہیں۔

ذوقِ سخن | آپ کی شاعری کا آغاز ۱۹۱۸ء سے ہوا۔ اول حضرت تنویر سے تلمذ اختیار کیا۔ اور ۱۹۲۴ء تک اُن سے اصلاح لیتے رہے۔ پھر حضرت عزیز کے شاگرد ہوئے۔ اور کچھ عرصہ کی اصلاح کے بعد فارغ الاصلاح ہو گئے۔ اب آپ سے کئی شعرا اصلاح لیتے ہیں۔ بزم میں نہایت بلند آہنگی اور جوش سے ایسا پڑھتے ہیں کہ لذت کشانِ خواب خرگوش بیدار ہو جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ دیوان مکمل ہے جس میں علاوہ غزلیات دیگر اصنافِ سخن بھی ہیں۔

کلام پر تبصرہ | کلام میں زور ہے مضمون آفرینی اور بلند پروازی طبیعت مائل ہے نشستِ الفاظ مضبوط۔ طرزِ بیان دل کش و صاف ہوتا ہے صحتِ محاورات و زبان کا خیال رکھتے ہیں۔

نمونۂ کلام | کلام کا نمونہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:۔

رباعی

یہ عیش و مسرت بھی اُنھیں کو دیجے | یہ دولت و عزت بھی اُنھیں کو دیجے
دُنیا میں جنھیں آپ نے دُنیا دی تھی | یہ کوثر و جنت بھی اُنھیں کو دیجے

قطعہ

کیوں نہیں ہے کبھی مجھ بندۂ ناچیز کو چین | کچھ بتائیں تو ذرا کبھی مشیت مجکو
ہیں نبی ہوں نہ علی ہوں نہ حسن ہوں نہ حسین | امتحاں کیوں مرا ایک ایک قدم ہے ستو ستو

متفرق اشعار

فطرت کا یہ لطیف توازن تو دیکھئے
کم نہیں کچھ برق گرنے سے اسیروں کیلئے
زندگی جرمِ محبت میں سزا کی تکمیل
اتنا نہیں کوئی جو انھیں بڑھ کے روک لے
میں کس قدر ہلاکِ نیرنگیٔ جہاں ہوں
سرور اپنی جگہ محسوس ہوتا ہی خمار اب تو
جہاں تو مسکرایا اور شگفتہ ہو گئی دنیا
آہ کیا کیجے سنبھالے سے سنبھلتے ہی نہیں
گئے وہ سمجھے کہ پہلی کرن کی تاب نہ تھی
اُس شمع کے جلووں سے تاریکیاں بہتر ہیں
یہ انقلابِ زمانہ توبہ نہیں ہے وہ صبح و شامِ گلشن
تیور تو بدل لیتے ہیں وہ دیکھ کے مجھکو

مجھکو نگاہ دی انھیں عالمِ شباب کا
سامنے ہو کر گزرنا طائرِ آزاد کا
موت اسی قید میں تبدیلیِ زنداں ہونا
وہ جا رہے ہے درد کا درماں کیے بغیر
ہر شئے سے مطمئن ہوں ہر شے سے بدگماں ہوں
بہت بے کیف ہو کر رہ گئے لیل و نہار اب تو
اشاروں پر ترے چلنے لگی فصلِ بہار اب تو
ایسے برہم وہ ہوئے ہیں کہ الٰہی توبہ
اب آفتاب سے اونچا مقامِ شبنم ہے
جس شمع سے محفل میں بیزار ہوں پروانے
اب آشیاں میں پناہ لینا قفس میں جانے سے کم نہیں ہے
اتنا ہی سہارا دلِ ناکام بہت ہے

نسیم

تخلص۔ کرشن کنوار نام۔ وطن جے پور۔ نسباً کایستھ۔ آپ کے بزرگ جے پور میں معزز عہدوں پر مامور رہے۔ گھر میں علم و ادب اور اُردو فارسی کا چرچا تھا۔ اسی سے متاثر ہو کر سنِ شعور سے شعر کہنے لگے۔ اوّل حضرتِ مائل سے اصلاح لی۔ اب جنابِ کوثر کو کلام دکھاتے ہیں منکسر المزاج و حلیم الطبع ہیں۔ طرزِ قدیم کے دلدادہ ہیں۔ یہ اشعار آپ کے ہیں :-

دولتِ حسن پا کے دنیا میں — کونسا بُت ہے جو خدا نہ ہوا
خودی دل سے نکلی خدا ہو گیا — خودی دل میں آئی جُدا ہو گیا

نسیم آتے رہے قیدِ قفس میں بارہا مجھکو
ستانے کو مرے جھونکے ہوائے کوئے جاناں کے

نسیم تخلص۔ ابوالفیضان کنیت۔ مجاہد الدین احمد نام۔ وطن نارنول۔ مولانا مفتی غلام مبارز الدین کے فرزند دوم اور حضرت تسنیم کے برادر خرد۔ نسباً شیخ عثمانی۔ مذہباً سنی حنفی بسلکاً چشتی نظامی۔

ولادت۔ تعلیم۔ اور ملازمت نسیم ۱۴ صفر ۱۳۰۶ھ کو نارنول میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوں سے پائی۔ عربی فارسی کی تکمیل اپنے عم نامدار مولانا مبین سے جے پور آکر کی۔ ۱۹۰۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے "منشی فاضل" کا امتحان پاس کیا۔ طب حکیم عبدالحفیظ نارنولی سے جے پور میں پڑھ کر سند لی۔ ۱۹۰۸ء میں بزمرۂ اہلکاران ریاست جے پور میں ملازم ہوئے۔ اور ۲۸ جون ۱۹۳۶ء مطابق ۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ تک کہ یہی آپکی تاریخ وفات ہے مختلف عہدوں پر ریاست میں مامور رہے۔ عرصہ دراز تک صدر فوجداری میں جنرل ناظر رہے۔ بیرونجات میں جانا کسی قیمت پر پسند نہ کیا۔ اس لئے متعدد بار ترقیوں سے انکار کر دیا۔ فرائض منصبی کی انجامدہی میں دیانتداری میں نہایت سخت تھے۔ درویشانہ زندگی بسر کرنا پسند خاطر تھا کم آمیز اور عزلت پسند طبیعت تھی۔

ذوق سخن خاندانی علمی و ادبی روایات اور گھرانے میں شعروسخن کے چرچوں نے ایسا متاثر کیا کہ دس بارہ سال کی عمر میں پہلی غزل ۱۹۰۲ء میں کہی۔ حضرت نائل سے تلمذ اختیار کیا۔ مشاعروں میں بشوق تمام شریک ہونے لگے۔ شعر بہت جلد اور بہت زیادہ کہتے تھے۔ جوں جوں عمر بڑھی دنیا سے دل سرد ہو گیا۔ شعروسخن کی طرف بھی راغب نہ رہے۔ ورد و وظائف میں دل زیادہ لگنے لگا۔ اکل حلال کی غرض سے صناعی بھی سیکھی اور نہایت احتیاط

سے تجارت بھی کی۔ مولانا تسنیم کے انتقال کے بعد محافلِ میلاد و مجالسِ عزاخوانی کی خدمت بھی آپ کو مجبوراً قبول کرنی پڑی۔ مگر بیان میں بہت ہی احتیاط اور کمالِ صداقت کی پابندی کرتے تھے۔ واعظانہ رنگین بیانی سے بہت دور تھے اسی زمانے سے شعر گوئی ترک کردی تھی اور اپنے مجموعۂ اشعار کی جانب سے ایسی بے اعتنائی برتی کہ آخر وہ تمام و کمال دیمک کی غذا بن گیا۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء میں جب "بزمِ ادب جے پور" کے ارکان نے جس کے آپ بھی رکن تھے اپنا سالانہ مشاعرہ کیا کہ جو بطور تذکرہ "بہترین تذکرہ" کے نام سے شائع ہوا ہے اور آپ سے تازہ طرحی کلام کی پُرزور درخواست کی تو مجبوراً آپ نے ایک مسلسل غزل عنایت کی جس کے تین شعر یہ ہیں :-

نہ اپنی طبع کو ہم شعر پر مائل سمجھتے ہیں ۔۔۔ نہ اپنی قابلیت شعر کے قابل سمجھتے ہیں
نہ ہم سعدی نہ ہم حافظ نہ ہم جامی نہ ہم فیضی ۔۔۔ نہ ہم عرفی نہ اپنے آپ کو بیدل سمجھتے ہیں
نہ ہم صوفی نہ ہم واعظ نہ ہم عاشق نہ ہم ناصح ۔۔۔ ہمیں پھر کس لئے سب شعر پر مائل سمجھتے ہیں

تصانیف | حضرتِ نسیم نے حسبِ ذیل کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں :-

(۱) ہادی الاخلاق ۔ اخلاق میں مختصر رسالہ ۔ مطبوعہ

(۲) ریاض رسول ۔ ایک عید میلاد کی روداد مع انتخاب مشاعرہ ۔ مطبوعہ

(۳) جمیل ۔ ایک اخلاقی ناول غیر مطبوعہ (۴) تاریخ المساجد غیر مطبوعہ

نمونۂ کلام | بطور یادگار چند اشعار جو دستیاب ہو سکے ذیل میں درج ہیں :-

نعتیہ غزل

نبی کے روضہ پہ جا رہا ہوں قدم قدم پر ہوں آہ کرتا
جو قیس بھی مجکو دیکھ لیتا تو چشم دل فرشِ راہ کرتا
تمہاری فرقت ہے اور زاری بنی ہے حالت عجب ہماری
جو دن کو نالہ تو شب کو زاری فغاں ہوں شام و پگاہ کرتا

غرورِ حسن تو دیکھو کہ وہ کشتوں سے کہتے ہیں ۔۔۔ کہ جا کر دادِ محشر سے فریادِ جفا کرنا

اسی غزل

جو محو ہو یادِ صنمِ ہوش رُبا میں ۔۔۔ کس طرح وہ مصروف ہو پھر یادِ خدا میں

داغِ دل رکھتے ہیں اور داغِ جگر رکھتے ہیں ۔۔۔ اے فلک سینہ میں ہم شمس و قمر رکھتے ہیں

لائے اور انجمنِ غیر سے لائے اُس کو ۔۔۔ میرے نالے بھی قیامت کا اثر رکھتے ہیں

حقیقت پوچھتے ہیں چلتے چلتے چشمِ پُرنم کی ۔۔۔ بہت ہی مختصر سمجھے ہوئے ہیں داستاں غم کی

نطق تخلص عظیم اللہ خاں نام۔ حضرت آگاہ کے شاگرد تھے اور جے پور میں وکالت کرتے تھے۔ اغلباً ۱۹۳۵ء میں یہیں انتقال کیا مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ یہ شعر اُن کے ہیں :-

نہ اُٹھے گا مرا سر آستانِ بے نیازی سے ۔۔۔ مقدر ہو گیا ہے نقشِ پائے یار ہو جانا

ترے وعدے میں او ظالم خیالِ غیر حائل تھا ۔۔۔ کہ ہر اقرار کے پہلو میں اک انکار شامل تھا

تصوّر میں تصویرِ جاناں جو آئے ۔۔۔ یقیں چوم لے پاؤں بڑھ کر گماں کے

نظر تخلص۔ رام چند نام نسباً بہار گو۔ والدِ بزرگوار کا نام منشی گوردھن لال۔ آپ جے پور کے آخری خوشنویس ہیں۔ "انجمن ترقی اردو ہند" شاخ جے پور نے آپ کو "جواہر رقم" کا خطاب دیا ہے۔ فنِ خطاطی صنفِ نستعلیق میں آج جے پور میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اوّل منشی پنا لال ناظم سے اصلاحِ خط لی۔ پھر تکمیل منشی ہیرا لال مونس سے کی۔ روشِ خط بیضاوی ہے۔

آپ نے محکمہ رجسٹری اور سب ججی میں سررشتہ دار رہ کر پنشن لی۔ نہایت خلیق دوست نواز۔ قانع اور اہلِ کمال کے استغنا کے حامل ہیں۔

شعر و سخن کا ذوق ۱۹۱۴ء سے ہے۔ حضرت ناظم ہی سے اس فن میں بھی تلمذ ہے۔

اشعارِ ذیل آپ کے فکر کا نتیجہ ہیں :-

ہمیں کہنا نہیں آتا مگر سننے کو آتے ہیں ہمارا کام ہے بزمِ سخن میں واہ وا کرنا
نظرؔ ہر ملت و مذہب کا ہی دارومدار اس پر روا کرنا روا ہی ناروا ہی ناروا کرنا

نظرؔ تخلص۔ نذر حسن نام۔ نسباً سید۔ وطن نارنول۔ بتلاشِ معاش جے پور آئے۔ اور یہاں محکمہ سائرات (کسٹم) میں اہلکار ہو گئے۔ اردو فارسی کی استعداد خاصی تھی۔ حضرتِ سائل دہلوی کے ترنم سے متاثر ہو کر شعر کی جانب متوجہ ہوئے۔ حضرتِ تنویر سے قرابت قریبہ تھی۔ اُنھیں کے شاگرد ہوئے اور مشق شروع کی۔ ذہین و طباع ہونے کے باعث بہت جلد اچھا شعر کہنے لگے۔ ان کی عام غزلیں تو حضرتِ تنویر بنا ہی دیتے تھے۔ مگر مشاعروں کی غزلیں۔ شعرا کی "ٹربیونل" میں سماعت ہو کر منفصل ہوتی تھیں۔ جس کا نام حضرتِ اطہر نے "شعر فیکٹری" رکھ دیا تھا۔ یعنی روزانہ بعد مغرب سے رات گئے تک حضرتِ تسنیم کے یہاں اہلِ ذوق حضرات جمع ہوا کرتے تھے وہاں ان کی غزل مولانا تسنیم و کوثر و تنویر بیک وقت بناتے تھے۔ جو دراصل اُن صاحبان کی وصلی مشق ہوتی تھی۔ اصل غزل کو بنانے کے بعد ایک ایک قافیہ پر طبع آزمائی ہوتی تھی اور اس طرح جس قدر بھی شعر ہو جاتے وہ انھیں کا حق ہوتا تھا۔ خواہ کیسا ہی گرم و پرتاثیر شعر ہو جائے۔ بعض دفعہ کئی کئی قافیہ بند غزلیں ہو جاتی تھیں اور کبھی مصرعِ طرح کے ہر لفظ کو قافیہ قرار دے کر شعر کہے جاتے تھے۔ اس طرح نظرؔ کے پاس اپنا اور ان صاحبان کا عطیہ کلام بہت کافی ہو گیا تھا۔ چونکہ ترنم سے بہت اچھا پڑھتے تھے اور نقل کو اصل کر دکھاتے تھے اس لئے اہلِ مشاعرہ ان کی طویل غزلوں سے اُکتاتے نہ تھے۔ مگر افسوس کہ ان کا یہ تمام سرمایہ ضائع ہو گیا۔ ان کے ورثا نے ان کے

کلام کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ خدا جانے وہ بیاض ردّی میں بِکی یا دیمک کی خوراک بنی۔ میرے متفرق کاغذوں میں محض اتفاق سے اُن کی ایک غیر اصلاح شدہ غزل نکل آئی جس کے دو شعر آخر میں درج کرتا ہوں۔

شاعرانہ عملی جواب ایک بار مولانا جوہرؔ کے یہاں مشاعرہ تھا۔ جس کے منتظم منشی محمد ایوب خاں فضاؔ تھے۔ عین مشاعرے میں اُنھوں نے منجانب صاحبِ بزم اعلان کیا کہ نومشق صرف سات شعر پڑھیں۔ مشاق شعرا پندرہ۔ اور اساتذہ جس قدر چاہیں پڑھیں۔ مگر جب جنابِ فضاؔ کے پڑھنے کا نمبر آیا تو اُنھوں نے پندرہ سے زیادہ اشعار پڑھے حالانکہ وہ اساتذہ میں ہرگز نہ تھے چونکہ حضرتِ تنویرؔ کے تلامذہ کی کثرت تھی۔ اُنھوں نے بالخصوص اور دیگر اصحاب نے بالعموم اس کو محسوس کیا اور مولانا جوہرؔ سے شکوہ کیا کہ فضاؔ نے ایسا کیوں کیا۔ تو مولانا نے کہا "بھئی جو بھی جتنے شعر لکھ کر لائے پڑھے"۔ حضرتِ تنویرؔ بہت اچھا کہہ کر خاموش ہو گئے کچھ دنوں بعد مولانا کے یہاں پھر مشاعرہ ہوا تو اصحاب مندرجہ صدر نے تین غزلیں جناب نظرؔ کی تیار کیں۔ ہر غزل کے سَو سَو شعر تھے۔ جب مشاعرے میں اُنھوں نے ترنم سے پڑھنا شروع کیا اور داد ملنے پر اشعار دوہرانے شروع کئے تو کافی وقت لگ گیا۔ پھر دوسری غزل شروع کی تو مولانا جوہرؔ نے حضرتِ تنویرؔ سے کہا "حضرت یہ کیا ہو رہا ہے" اُنھوں نے کہا کہ "آپ کے ارشاد کی تعمیل"۔ آخر مولانا نے کہا "معاف کیجئے میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں"۔ لہٰذا حضرتِ تنویرؔ نے جنابِ نظرؔ سے کہا اور اُنھوں نے مقطع پڑھ کر دوسری غزل ادھوری ہی ختم کر دی۔ تیسری کی نوبت ہی نہ آئی۔

ہمیں کہنا...

نظر جنابِ نظر کا جے پور ہی میں انتقال ہوا۔ اُن کے شعر یہ ہیں:-

رہتا ہی نہیں فصلِ بہار آتے ہی بس میں ۔۔۔ کس طرح سنبھالوں دلِ ناداں کو قفس میں
میں رہروِ کعبہ ہوں مگر ہے یہ قیامت ۔۔۔ ناقوس کی آتی ہے صدا بانگِ جرس میں

نظمی تخلص۔ چھوٹے لال پانڈے نام۔ وطن جے پور، شعر و سخن سے خاص دل چسپی تھی۔ اور حضرتِ بیدلؔ اجمیری سے تلمذ تھا۔ مشاعرے بھی کرتے تھے۔ نومشقوں میں اچھا کہنے والے تھے۔ بسنہ ۱۹۳۰ء میں بعالمِ شباب یہیں انتقال کیا۔ یہ شعر آپ کے ہیں:-

بہت خراب رہا میں بہت خراب ہوا ۔۔۔ کسی کی بزم میں پھر بھی نہ باریاب ہوا
زمانہ بھر سے نرالا ہے عشق کا انصاف ۔۔۔ جو بے گناہ تھا وہ موردِ عتاب ہوا

اُسے ہم کس لئے چاہیں کہ عالم جس پہ شیدا ہو
ہماری جان وہ کیوں ہو کہ جو ہو جانِ عالم کی

نظیر تخلص۔ نظیر حسین خاں نام۔ وطن جے پور تھا۔ اور یہیں انتقال ہوا۔ شعر و سخن سے خاص دل چسپی تھی۔ اوّل حضرتِ راقمؔ سے مشورۂ سخن کرتے تھے اور اُن کے بعد فارسی میں مولانا مبینؔ سے اور اُردو میں حضرتِ مائلؔ سے۔ فارسی کے منتہی تھے اور کچھ عربی بھی جانتے تھے۔ اردو۔ فارسی دونوں زبانوں میں بے تکلف شعر کہتے تھے طبعاً نہایت خوددار اور بے حد نزاکت پسند تھے۔ اس درجہ کہ ناواقف شخص تصنع پر محمول کر سکے۔

لطیفہ ایک بار سانبھر میں کسی صحبت میں شریک تھے۔ حاضرین میں سے کسی نے پانی مانگا۔ مرزا محتشم بیگ نے پلا دیا۔ آپ نے فرمایا "میاں مجھے بھی دو گھونٹ۔ بس دو ہی گھونٹ ہوں۔ زیادہ نہ ہو" مرزا صاحب نے

کہا "حضرت کے تولہ کا گھونٹ نوش فرماتے ہیں؟"

اردو۔ فارسی کا کلام ایک ضخیم جلد میں جدا جدا مدون تھا۔ جس کو میں نے بھی دیکھا تھا۔ مگر اب کچھ پتہ نہیں۔ آپ کے خاندان میں سے اب کوئی صاحب یہاں نہیں سب پاکستان جا چکے۔ بطور یادگار ایک فارسی قطعۂ تاریخ کے چند شعر درج ذیل کرتا ہوں۔

حضرتِ نظیر جے پور کی متعدد نظامتوں میں سررشتہ دار رہے اور مشہور و معروف اہلِ کار مانے جاتے تھے۔ اغلباً ۲۵ یا ۱۹۲۴ء میں انتقال ہوا۔ اشعار یہ ہیں:۔

گرامی لقب خواجۂ نامور | خردمند فرزانہ، رعنا جواں
سخن سنج و دانشورِ خوش کلام | برنگی بیانی و شیریں زباں
سخنور، سخن فہم، و عالی نسب | ز دہلی نژاد و ز نسلِ کیاں
جگر گوشۂ غالبِ دہلوی | چراغِ شبستانِ ہندوستاں
خوشا عرف آں خواجۂ میرزا | مہیں پورِ دلبندِ خواجہ اماں
تخلص بہ راقم پئے نظم و نثر | سزاوارِ تحسین بہ لطفِ زباں
زگفتارش آمد سخنہائے نغز | چو شہوار گوہر بہ ارزِ گراں
یکے آں فسانہ زبستانِ خیال | چناں ترجمہ کرد زاں داستاں
کہ ہر یک پسند یدہ اہلِ خرد | بامصار و اکنافِ ہندوستاں الخ

نفیس تخلص۔ محمد اطہر نام۔ قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی وطن۔ نسباً شیخ۔ والد بزرگوار کا نام شیخ محمد اصغر۔ اصغر۔ مولوی ولایت احمد مترجم "قدیم ہندوستان کی تہذیب" کے حقیقی نواسے ہیں اور مولانا کوثر کے رشتے کے بھتیجے۔

قیام جے پور اور تعلیم و ذوقِ سخن | جناب نفیس ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۹ء تک جے پور رہے اور تعلیم حاصل کی۔ آپ "منشی کامل" اور ایف۔ اے پاس ہیں اور "اردو اعلیٰ قابلیت" کا بھی امتحان پاس کیا ہے۔ زمانۂ طالب علمی سے شعر و سخن کا ذوق ہے۔ اور اس کا آغاز جے پور ہی سے ہوا۔ مولانا اظہر سے تلمذ اختیار کیا۔ اور رفتارِ مشق تیز کردی۔ کچھ ہی عرصہ بعد مولانا نے آپ کو فارغ الاصلاح کر دیا۔ کہتے بھی خوب ہیں اور ترنم سے پڑھتے بھی بہت اچھا ہیں۔

اخلاق و عادات | آپ کا تخلص آپ کی طبیعت کا آئینہ ہے۔ طبیعت میں بے حد نفاست ہے۔ خوش خلق۔ خوش وضع۔ خوش پوش اور خوش نویس ہیں آجکل "سندیلہ الثقافات انٹر کالج" میں اُردو ادبیات کے اُستاد ہیں۔

کلام پر تبصرہ | زبان کی صحت و صفائی اور بیان کی روانی و خوش اسلوبی کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ مضمون آفرینی اور بلند پروازی کی سعی بھی کافی پائی جاتی ہے۔ کلام میں حلاوت و پاکیزگی ہے۔

نمونۂ کلام | کلام کا نمونہ ذیل میں درج ہے :۔

حریمِ ناز تک اپنا گزر کیا | جہاں تو ہے وہاں پہنچے نظر کیا
کروں تو کچھ نہ کچھ کوشش مگر کیوں | کہوں تو کچھ نہ کچھ اُن سے مگر کیا
زبانی، حالِ محویت کہا ہے | خدا جانے کہے گا نامہ بر کیا
نفیس ایسی ہے یہ راہِ محبت | فرشتے چوک جاتے ہیں بشر کیا

راحت نہ ملی دُنیا میں کہیں کوشش سے اے دل کچھ نہ ہوا
تقدیر کا لکھا مٹ نہ سکا تدبیر سے حاصل کچھ نہ ہوا
تھا بحرِ محبت بے پایاں۔ ہیں عقل کا دشمن یہ سمجھا

اب پار کیا۔ اب پار کیا۔ اندازۂ ساحل کچھ نہ ہوا
تھی راہِ محبت صبر طلب میں زورِ طلب میں تیز قدم
ہر گام پہ ٹھوکر کھا کر بھی طے جادۂ منزل کچھ نہ ہوا
اے پیرِ مغاں اے پیرِ مغاں ہو خیر ترے میخانے کی
مجھ سے بھی گدا پر ایک نظر خیرات ملے پیمانے کی
تو آگ میں اپنی خود ہی جل ہے سوزِ محبت تجھ میں نہاں
غیرت ہے اگر اے دل کچھ بھی تقلید نہ کر پروانے کی
پینا ہی پڑے گی تلخ سہی جب پیرِ مغاں نے دی زاہد
اب منھ نہ بنا۔ انکار نہ کر توہین ہے یہ میخانے کی

نواب

تخلص۔ شعور احمد نام۔ نسباً شیخ صدیقی۔ قاضی محمد نور احمد تنویرؔ کے فرزند دوم تھے۔ وطن آبائی نرہڑ ضلع شیخاواٹی تھا آپ سنہ ۱۹۱۱ء میں جے پور میں پیدا ہوئے۔ یہیں اُردو فارسی اپنے والدِ بزرگوار سے پڑھی۔ سرکاری اسکول میں تعلیم پا کر میٹرک پاس کیا اور جے پور ریلوے میں گارڈ ہو گئے۔ اسی زمانہ سے شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا۔ حضرتِ تنویرؔ ہی سے تلمذ اختیار کیا۔ مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں سے متاثر ہو کر پاکستان چلے گئے جہاں سے ۳۰ جولائی سنہ ۱۹۴۹ء کو رہگرائے عالمِ بقا ہوئے۔ آپ کے انتقال کا حضرتِ تنویرؔ کو ایسا صدمہ ہوا کہ انھوں نے شعر کہنا ہی ترک کر دیا۔

یہ شعر نوابؔ کا نتیجۂ فکر ہیں:-

سمجھتے ہیں ہر اک مشکل کو آساں صاحبِ ہمت | جو کم ہمت ہیں وہ ہر کام کو مشکل سمجھتے ہیں
تقدیر سے مل جائے اگر رہبرِ کامل | کہتے ہیں عدم جس کو وہی راہِ قدم ہے

واقف پہلے ہوس تخلص کرتے تھے اب واقف ہے۔ بلرام نام ہے کھوسا بنسبت نسبی۔ لاہور میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم پائی سنہ ۱۹۴۶ء سے شعر و سخن کا ذوق ہے۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں سے متاثر ہو کر وطن کو خیرباد کہا۔ اول دہلی وغیرہ رہے۔ جون سنہ ۱۹۵۰ء سے مستقلاً جے پور میں ہستوطن ہیں اور چارٹرا اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے انکم ٹیکس وغیرہ کی پریکٹس کر رہے ہیں۔ اشعارِ ذیل آپ کے فکر کا نتیجہ ہیں۔ مشاعروں میں بشوقِ دلی شرکت کرتے ہیں:-

مانا کہ مجکو تاب تری دید کی کہاں — لیکن تجھے بھی جرأتِ جلوہ ہوئی کہاں
آپ مشقِ جفا کئے جائیں — ہم طریقِ وفا سمجھتے ہیں
گریباں عاشقوں کا آئنہ ہے حالتِ دل کا — بقدرِ جراحت چاک ہوتے ہیں گریباں کے
گلشنوں میں نہ لگا جی تو یہاں آیا تھا — اب کہاں جاؤں خدایا میں بیابانوں سے

وحید تخلص۔ عبدالمجید نام۔ بغرضِ ملازمت جے پور آئے اور محکمۂ پولس جے پور میں محرر تھانہ ہو گئے۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں بے تکلف شعر کہتے تھے اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ کلیات مرتب تھا جس میں شاید ہی کوئی صنفِ سخن نہ ہو۔ مگر اب نہ یہاں کسی کلام کا پتہ ہے نہ پاکستان میں آپ کے صاحبزادوں اور اعزہ کے پاس ہے۔ صرف ایک شعر بمشکل دستیاب ہوا۔ اسی پر اکتفا کرنا پڑا۔

ہماری جان لینے کو تمہارا نام کافی ہے — تبسم کیا، ادا کیا، ناز کیا ہم تو یہ کہتے ہیں

وزیر پہلے رنگینؔ تخلص کرتے تھے پھر وزیر اختیار کیا۔ شہاب الدین نام نسباً سید۔ اصل وطن دہلی تھا۔ بعدِ غدر آپ کے بزرگ جے پور آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ آپ پہلے ذریعہ نگینہ سازی معاش

پیدا کرتے تھے۔ آخر عمر میں کتابت کو ذریعہ معاش بنا لیا تھا۔ حضرت تنویر سے تلمذ تھا۔ یہ شعر آپ کا ہے۔

ہوتی ہے بسر اس کی بدولت ہی ہماری پیری میں سہارے کو عصا اپنا قلم ہے

وزیر تخلص۔ محمد وزیر خاں نام۔ وطن جے پور۔ حضرت بیدل سے تلمذ تھا۔ معمولی اردو خواندہ تھے مگر اہلِ علم کی صحبت نے ادبی ذوق اور بصیرتِ شعری پیدا کر دی تھی۔ ذریعۂ معاش خیاطی تھا۔ آپکی دوکان واقع گھاٹ دروازہ بازار پر نوشق شعرا کا مجمع رہتا تھا بہت بوڑھے ہو کر انتقال کیا۔ جوانی کے آغاز سے شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ آخرِ عمر میں عاشقانہ رنگ ترک کر دیا اور صرف نعت کہتے تھے بمشاعروں میں باوجود عوارضِ جسمانی ضرور شریک ہوتے تھے۔ یہ شعر آپ کا ہے:۔

ادھر بھی چلتے پھرتے اے نگاہِ یار ہو جانا مری مونس، مری ہمدم، مری غمخوار ہو جانا

وصی تخلص۔ وصی احمد نام۔ حضرتِ تنویر کے فرزند چہارم ہیں۔ جے پور میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کی۔ مہاراجہ کالج جے پور سے۔ فرسٹ ڈویژن فرسٹ بی۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کر کے وظیفۂ تعلیم حاصل کیا۔ ایم۔ ایس۔ سی میں تعلیم پا رہے تھے کہ سنہ ۱۹۴۷ء کے طوفانی فسادات سے متاثر ہو کر پاکستان چلے گئے۔ جہاں ریڈیو اسٹیشن کراچی میں اسسٹنٹ انجینئر ہیں۔ حضرت تنویر ہی سے تلمذ ہے۔

یہ اشعار آپ کے ہیں:۔

مرا شوقِ جبیں سائی عجب تاثیر رکھتا ہے کہ جس پتھر پہ سر رکھ دوں درِ دلدار ہو جائے

کمال اتنا تو حاصل ہے وصی مجکو بھی وحشت میں
قدم رکھ دوں جو صحرا میں تو وہ گلزار ہو جائے

وفا تخلص۔ حمید الحسن نام۔ نسباً سید وطنِ آبائی شکوہ آباد۔ والد بزرگوار کا نام سید سعید الحسن جو جے پور پولس میں سب انسپکٹر تھے۔ وفا جے پور ہی میں پیدا ہوئے یہیں تعلیم پائی۔ اوّل پولس جے پور میں ملازم ہوئے بعد میں وکالت شروع کر دی۔ حضرت تنویر سے تلمذ تھا۔ ترکِ سکونت کر کے پاکستان چلے گئے۔ حیدرآباد سندھ میں انتقال ہوا۔ یہ شعر آپکا ہے مزید کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

یہ حالت ہے کہ صحرائے جنوں میں تیرے دیوانے بگولے کا بھی سایہ سایۂ محمل سمجھتے ہیں

وفا تخلص۔ محمد ذوالفقار علی ۱۳۳۰ھ تاریخی نام ہے۔ اصل وطن کاکوری نسباً شیخ۔ مذہباً سُنی حنفی۔

مختصر خاندانی حالات وفا کے پردادا شیخ صفدر علی مرحوم۔ مہاراجہ رام سنگھ کے عہد میں جے پور آئے اور اپنی خداداد قابلیت کے باعث ریاست کے اہم معاملات میں حصّہ لینے لگے۔ جن کے صلہ میں ایک سالم موضع "کنور پورہ" انعام میں ملا۔ آپ کے جدامجد شیخ مشتاق علی نہایت متقی و پرہیزگار اور شب بیدار بزرگ تھے۔ آپ کے والدِ بزرگوار الحاج شیخ عاشق علی سرکاری روزینہ دار بھی تھے اور عمائدین شہر میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کا خاندان ہمیشہ سے علم و ادب دوست رہا ہے۔

ولادت تعلیم و تربیت اور ذوق سخن وفا ۵ نومبر سنہ ۱۹۰۱ع کو جے پور میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گھر پر پا کر مہاراجہ ہائی اسکول جے پور میں داخلہ لیا اور مہاراجہ کالج جے پور سے بی۔ اے۔ پاس کرنے تک اپنے رشتے کے نانا مولانا کوثر سے اردو، فارسی پڑھتے رہے۔ اور اب بھی جناب وفا کا کچھ نہ کچھ وقت مولانائے موصوف کی خدمت میں گزرتا ہے مولانا کے علاوہ

برسوں حضرتِ مائلؔ کی خدمت میں بھی مستقلاً حاضر رہ کر استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ ایک غزل میں کہتے ہیں :-

شرف ہم کو بھی ان کی کفش برداری کا حاصل ہو
نہیں ہم بھی ہیں طرزِ حضرتِ مائلؔ سے بیگانے

دونوں ہی صاحبان نے آپ کو بجائے خود کہنے کے شعر کو سمجھنے کی ہمیشہ ہدایت فرمائی۔ اسی وجہ سے آپ نے بہت کم کہا ہے اور جو کچھ کہا وہ بھی محفوظ نہ رکھا۔ مولانا کوثرؔ فی زمانہ آپ کو سخن فہموں کی صفِ اول میں جگہ دیتے ہیں۔

اصلاحِ سخن | آپ نے ایک تضمین پر مرزا مائلؔ مرحوم سے اصلاح لی۔ باقی کلام زیادہ تر مولانا کوثرؔ کا دیکھا ہوا ہے یا چند غزلوں پر مولانا اطہرؔ کی اصلاح ہے۔

ادبی خدمات | حضرتِ مائلؔ کا دیوان طبع کرانے کے محرکِ اول آپ ہی تھے۔ مگر ان کی زندگی میں یہ تکمیل نہ ہو سکی تو بعدِ وفات پھر کوشش کی اور اب تک اسی فکر میں ہیں۔ مرحوم کا معتدبہ کلام آپ کے پاس محفوظ بھی ہے۔

ملازمت | بی۔ اے پاس کرنے کے بعد آپ کی ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اول آپ میونسپل بورڈ جے پور میں جوائنٹ سکریٹری ہوئے تقریباً چھ ماہ اسسٹنٹ کمشنر بھی رہے ہے۔ آج کل ریونیو آفیسر ہیں۔ بہت ہوشیار افسروں میں آپ کا شمار ہے۔ اور فرائض شناسی آپ کا طرۂ امتیاز۔ راست گوئی میں بے باک ہیں اور غیر جانبداری میں مشہور۔

کلام پر تبصرہ | آپ کے کلام میں شستگی و صفائی کے علاوہ برجستگی و متانت ہی اور تاثیر بلا کی پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام | کلام کا نمونہ ذیل میں ملاحظہ کیجئے:۔

اثرؔ عثمانی جے پوری کی غزل پر تضمین کے دو بند

ترا جلوہ جہاں میں چار سُو ہی — ہر اک شی میں ترا ہی رنگ و بُو ہی
جسے دیکھا وہ تو ہی ہُو بہ ہُو ہی — کوئی ہو سامنے تو روبرو ہے
کسی سے ہو تجھی سے گفتگو ہے

وفاؔ! کیا اس کو ننگ و نام سے کام — چلا ہی میکدے سے لے کے انعام
زباں پر شعر ہی مستانہ ہر گام — اثرؔ کی دھج تو دیکھو ہاتھ میں جام
بغل میں شیشہ کاندھے پر سبو ہے

نمونۂ اشعار

اُٹھو اور قیامت نہ ڈھاؤ تو جانیں — چلو اور نہ فتنے اُٹھاؤ تو جانیں
کبھی پاس بیٹھو ہمارے تو دیکھیں — کبھی گھر عدو کے نہ جاؤ تو جانیں
یہ ہی میکدہ شیخ مسجد نہیں ہی — یہاں اپنی دھر پد سُناؤ تو جانیں
کرو گے ہمیں قتل اس ناز کی پر — یہ رکھا ہی خنجر اُٹھاؤ تو جانیں
وہی اہلِ ہوس ہیں کوچہ قاتل سے بیگانے — نہیں جو جان سے سر سے جگر سے دل سے بیگانے
یہ اے شیخ و برہمن ہی صدائے قلقلِ مینا — کہ اب اُٹھ کر چلے جائیں مری محفل سے بیگانے
جو پہنچے بھی وہاں تو کیا اُمیدِ التفات اُس سے — اُٹھائے جائیں گے جب تک نہ اس محفل سے بیگانے
رہِ الفت میں رکھا ہی قدم جب سے وفاؔ ہم نے — ہوا دل ہم سے بیگانہ ہوئے ہم دل سے بیگانے
بے حجاب آج اُسے بزمِ عدو میں دیکھا — اور دکھلائے گی کیا حسرتِ دیدار مجھے
کبھی آجاتا ہوں کعبہ میں جو زمزم کی طرف — یاد آجاتے ہیں رندانِ قدح خوار مجھے
جو ستم چاہو جفا چاہو وفاؔ پر کر لو — پھر نہ کہنا نہ بلا کوئی وفادار مجھے

ولی تخلص۔ شاہ محمد ولی الرحمٰن نام نسباً شیخ نعمانی۔ از اولادِ چہار قطب ہانسوی بسلکاً جمالی النظامی حضرت شاہ محمد خلیل الرحمٰن جمالی کے فرزندِ اکبر و سجادہ نشین۔ وطن قصبہ سرساوہ ضلع سہارن پور۔

ولادت و تعلیم آپ کی ولادت یکم محرم ۱۳۰۳ھ کو سرساوہ میں ہوئی مرزا مائل مرحوم نے آپ کا تاریخی نام "پیرِ مغاں" ۱۳۰۳ھ تجویز کیا۔ قابلِ تعلیم عمر ہونے پر اپنے والدِ بزرگوار کی خدمتِ سراپا برکت میں تعلیم شروع کی۔ دس بارہ برس کی عمر ہوگی کہ تعلیم و تربیت کی غرض سے حضرت مولانا مُبین کی خدمت میں آپ کو بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ دس پندرہ سال رہے اور علومِ عقلی و نقلی کی تکمیل کر کے باقاعدہ دستارِ فضیلت حاصل کی۔ علومِ ظاہری سے فارغ ہوئے تو علمِ باطن کی تکمیل اپنے والدِ ماجد سے کرتے رہے۔ حتیٰ کہ حسبِ طریق صوفیائے کرام خرقۂ خلافت و سندِ اجازت حاصل کی۔

خدمتِ خلق اور جے پور سے تعلق حضرت شاہ محمد خلیل الرحمٰن جمالی کے وصال پر آپ کو بالاتفاق موصوف کا سجادہ نشین تسلیم کیا گیا۔ اور وہ خدمتِ رشد و ہدایت آپ اُسی شان اور آن بان سے انجام دے رہے ہیں اور وہی فیوض آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے خلق اللہ کو پہنچ رہے ہیں۔ فقیری میں شانِ شاہی نظر آتی ہے۔ جے پور میں ایک کثیر جماعت جمالیوں کی تھی اور اب بھی کافی لوگ ہیں لہٰذا اُن کی ہدایت و اصلاحِ حال کے لئے آپ اکثر یہاں تشریف لاتے رہتے ہیں اور مجبوراً مہینوں قیام کرنا پڑتا ہے۔

اخلاق و عادات کسی باقاعدہ صاحبِ سلسلہ درویش کے لئے توصیفاً یہ کہنا کہ وہ پابندِ صوم و صلوٰۃ اور متبعِ شریعت و پابندِ رہِ طریقت ہے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں ہے تو ع او خویشتن گم ست کرا رہبری کمند کا مصداق ہے۔

لہٰذا ان جملہ امور کے علاوہ سفر و حضر۔ اور صحت و علالت میں معمولات کی پابندی اور ورد و وظائف کی مداومت۔ خیر خواہی و نفع رسانی خلق اللہ کا جذبہ عمل جو ایک درویش ممتاز و مرتاض میں ہونا چاہیئے۔ آپ میں بدرجہ اتم ہے خوش اخلاقی شفقت و رافت۔ تواضع و انکسار۔ اومحبّت و اخلاص آپ کے صحیفۂ اخلاق کے روشن الواب ہیں۔ آپ کی مجلسِ ہدایت سراپا خیر و برکت ہوتی ہے۔ جس میں علمی و ادبی نکات بھی نہایت آسان و دلنشیں انداز میں آپ بیان فرماتے ہیں۔ اور مسائلِ تصوّف کا ذکر بھی نہایت خوبی سے عام فہم انداز میں ہوتا ہے۔ کشف و کرامت کے اظہار سے بے حد اجتناب ہے۔ اور پابندیِ شریعت و طریقت پر زور دیتے ہیں۔

ایک واقعہ | مجھے یہاں آپ کے درویشانہ فضائل و مناقب بیان کرنے مقصود نہیں۔ اگر توفیق رفیق ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ جداگانہ کچھ قلمبند کروں گا۔ البتّہ صرف ایک واقعہ درج ذیل کرتا ہوں جو ایک بڑے شاعر کے متعلق ہے یہ واقعہ نہ تو بربنائے کشف و الہام میں لکھ رہا ہوں نہ جذبۂ خوش اعتقادی کے ماتحت۔ بلکہ بعدِ تحقیق واقعی سپردِ قلم کرتا ہوں وھو ہذا :-

میرزا مائل مرحوم کے وصال کے زمانے میں حضرت شاہ صاحب کا قیام جے پور میں تھا۔ مرزا صاحب وصال سے ایک روز قبل آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ حضرت شاہ محمد خلیل الرحمٰن رح سے بیعت تھے اس لئے آپ کا ادب و احترام بھی ویسا ہی کرتے تھے کہ جیسا ایک راسخ الاعتقاد مُرید کو کرنا چاہیئے۔ مرزا صاحب بہت دیر بیٹھے رہے۔ اور اپنی ایک غزل بھی سُنائی۔ آپ داد دیتے رہے۔ جب غزل ختم ہوئی تو مرزا صاحب نے آپ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ اس کی اصلاح فرما دیجئے۔ آپ نے کہا

حضرت آپ یہ کیا فرما رہے ہیں، آپ کی غزل اور میں اصلاح کروں یہ اُلٹی گنگا کیا معنی!" آپ نے بے حد انکار کیا مگر مرزا صاحب مُصر رہے اور آخر کہنے لگے کہ "دراصل حصولِ سعادت کی غرض سے میں ایسا چاہتا ہوں۔" مجبوراً آپنے کوئی ایک آدھ لفظ مقدم موخر کرکے اُن کی استدعا پوری کی۔ مرزا صاحب ٹھیرے رہے اور جب جملہ حاضرین رخصت ہوگئے تو آپنے دریافت کیا "مرزا صاحب کوئی خاص بات ہے؟" انھوں نے کہا "جی ہاں اسی لئے ٹھیرا ہوں۔ بات یہ ہے کہ کئی دن سے کیفیتِ قلبی کی وہ حالت نہیں ہے جو پہلے تھی۔ انقباض ہے۔ اس لئے طبیعت رنجیدہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا حصّہ مجھے مل جائے۔ کہ اب نوبتِ اخیر ہے۔" آپنے تھوڑی دیر مراقبہ کیا۔ اور فرمایا کہ "آپ وہی کیفیت چاہتے ہیں یا تمام وکمال" انہوں نے کہا کہ "اب تو جو کچھ دینا ہے۔ سب ہی کچھ عطا کردیجے۔" آپ نے فرمایا "بہت اچھا مگر تیار ہو جائیے۔" مرزا صاحب نے کہا "تیار ہوں بسم اللہ" آپ نے کچھ تلقین فرما کر بعد تہجّد پڑھنے کی ہدایت کی۔ اور مرزا صاحب رخصت ہوگئے۔

دوسرے دن بہت اوّل وقت خلافِ معمول مرزا صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "میری دلی تمنا پوری ہوئی اب کوئی آرزو باقی نہیں" آپنے مُبارکباد دی۔ اُس کے بعد لوگوں کی آمد شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد مرزا صاحب رخصت ہوئے تو آپ نے معانقہ کیا۔ دونوں صاحبان آبدیدہ تھے۔ اور ایک آہِ سرد بھر کہا۔ ع بسفر رفتنت مبارک باد۔ اسی روز مرزا صاحب کا وصال ہوگیا جس کی تفصیل اُن کے حال میں درج ہے۔

ذوقِ سخن | آپ کو زمانۂ طالب علمی ہی سے تھا اور مشاعروں میں

شریک ہو کر نعتیہ غزل پڑھا کرتے تھے۔ میرزا کی مولانا مُبین کے یہاں روزانہ تشریف لاتے تھے۔ ایک روز انھوں نے بغرضِ امتحان آپ کو ایک مصرع طرح دے کر کہا کہ اس پر ابھی ہمارے سامنے شعر کہو۔ آپ وہیں بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر میں چند شعر کہہ کر سُنائے تو اُنھیں یقین ہوا کہ خود کہتے ہیں اور بہت حوصلہ افزا داد دی۔

کلام پر تبصرہ اگرچہ آپ ایسے قصبہ میں متوطن ہیں جس کی مقامی زبان کافی سخت اور کھڑی ہے۔ مگر آپ ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جو اہلِ زبان کی ہے۔ بیان میں دلکشی و ندرت ہے اور زبان میں شیرینی و صفائی اور دل آویزی ہمیشہ حمد و نعت یا تصوف و سلوک میں شعر کہتے ہیں جو زیادہ تر قال کی بجائے حال ہوتا ہے اسی لئے تاثیر سے لبریز ہوتا ہے۔

نمونۂ کلام چند اشعار بطور نمونۂ کلام ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اُردو، فارسی دونوں زبانوں میں بہت کافی غزلیں بھی ہیں اور دیگر اصنافِ سخن بھی۔

اُردو کے اشعار یہ ہیں :-

نعتیہ غزل

حُسنِ بشر سے حُسنِ خدا ساز کُھل گیا — لو آئنہ سے آئنہ کا راز کُھل گیا

بن گیا میں خود نما سے حق نما حق بیں ولی — پالیا اللہ سے انعامِ عشقِ مصطفےٰ

محبوب کو ہم اُس کے حیران ہیں کہیں کیا — بُت جس کے گھر میں رہ کر کہلا گئے خدا تک

عاشقوں سے کچھ نہ پوچھو اُنکو فرطِ عشق میں — ہے خدا پر بھی گمانِ رحمۃٌ للعالمیں

شیفتہ ہے حضرتِ احمد کے رُخ پر آئنہ — ہر گھڑی رہتا ہے یوں حیران و ششدر آئنہ

روئے پاکِ مصطفےٰ سے بڑھ کے ہو سکتا نہیں — طاق پر رکھ دے اُٹھا کر اب سکندر آئنہ

ذاتِ خدائے پاک ہو جسکی نظر کے سامنے — غیب ہی کس شمار میں ایسے بشر کے سامنے

اُمت کے حوصلے نہ ہوں کیونکر بڑھے ہوئے — دوزخ کی سمت ہیں ترے تیور چڑھے ہوئے

وہ قطرہ ہوں کہ حاملِ حسن کا دریا ہو نہیں سکتا — وہ دریا ہوں جو ہر گز قطرہ قطرا ہو نہیں سکتا

اپنے جانبازوں میں اور اپنے وفاداروں میں — آپ لائیں تو کوئی مدِمقابل ہیرا

حضرتِ عشق کے سبب ہو گیا اور بھی غضب — کچھ تو عجیب تھا ہی حُسن اور عجیب ہو گیا

سچ تو یہ بات ہے ولی عشق عجیب چیز ہے — جس کو نصیب ہو گیا اس کو نصیب ہو گیا

الٰہی کر دیا مجبور مجھ کو — دیا قلبِ محبت آشنا کیا

حسیں ہونا غضب ہے اور ستم ہے — حسینوں پر گماں ہوتا ہی کیا کیا

مے جو پی شیخ نے میں نے کہا یہ کیا حضرت — ہنس کے کہنے لگا ہیں تو اسے پانی سمجھا

تم وہاں ہو کہ جہاں وہم کا جانا ہے محال — اب کوئی تم کو پکارے تو پکارے کیونکر

ہم سے بیکار کہاں اور کہاں عشقِ خدا — لکھ دیا اس کو مقدر میں ہمارے کیونکر

قیودِ بزمِ عدم سے نکل رہا ہوں میں — فنا کو حسنِ بقا سے بدل رہا ہوں میں

جو تری طلب میں نکل گیا اُسے خانماں سے غرض نہیں — جو تری تلاش میں چل دیا اسے کارواں سے غرض نہیں

میں ولی ہوں صاحبِ حال ہوں میں غلامِ قطبِ جمال ہوں — گُلِ لازوالِ وصال ہوں مجھے کچھ خزاں سے غرض نہیں

ہے مجکو عشق کی دیوانگی مذاق نہیں — کسی پہ جان کا دینا کوئی مذاق نہیں

ولی کے زُہد پہ سب متفق نہیں نہ سہی — خدا کی ذات پہ بھی سب کو اتفاق نہیں

وہ کہتے جا رہے ہیں لن ترانی — مگر ہم ہیں کہ دیکھے جا رہے ہیں

مجھی کو آئنہ اپنا بنا کر — مجھی کو آئنہ دکھلا رہے ہیں

رہے کیا خاک دل پر اپنے قابو — ہمیں قابو سے نکلے جا رہے ہیں

جنابِ شیخ پی کر ایک ہی جام — زمیں کو آسماں بتلا رہے ہیں

وارفتگانِ عشق کا دیکھا نہ گھر کہیں — دن بھر کہیں رہے تو رہے رات بھر کہیں

ہیں پلے بندِ عشق ہوں تم پائے بندِ حسن — میری نظر کہیں ہے تمہاری نظر کہیں

پیری میں شباب دیکھتا ہوں — بھولا ہوا خواب دیکھتا ہوں

اعمال سے بے خبر ہوں اپنے — دُنیا کا حساب دیکھتا ہوں

جوں جوں میں اُنکی ذات میں ہوتا گیا فنا — وہ پردۂ صفات اُٹھاتے چلے گئے

تو ہی بتا دے اے جنوں پھر کہیں سر جھکائیں کیوں — یار کا پائے ناز ہو جب مرے سر کے سامنے

خوب سمجھتے ہیں ولی اہلِ نظر کو اہلِ دل
اہلِ نظر ہی جمتے ہیں اہلِ نظر کے سامنے

ہاتف بھی تخلص ہے اور ہاتفی بھی اور کچھ عرصہ مضطر بھی کیا ہے منسا رام نام۔ وطن ریواڑی ضلع گوڑگانوہ۔ نسباً بہار گو تھے۔ بتلاشِ معاش جے پور آئے۔ فارسی کی تکمیل مولانا محمد رشید الدین فائز سے کی اور انھیں سے شعر و سخن میں تلمذ اختیار کیا۔ تاریخگوئی کا خاص ذوق تھا۔ اس فن میں میر محمد علی جویا کے شاگرد ہوئے۔ جے پور میں بزمرۂ اہلکارانِ عدالت ملازم ہوئے۔ اور مختلف مقامات اور عدالتوں میں مامور رہے۔ آخری زمانے میں "محکمہ اپیل جے پور" میں محافظ دفتر تھے۔ "فرحت الشعرا" میں بھی آپ کی تاریخی غزلیں ملتی ہیں۔ اور جو کتابیں اہلِ جے پور کی آپ کے زمانے میں چھپیں اُن میں بھی قطعاتِ تاریخ وغیرہ آپکے طبعزاد اکثر پائے جاتے ہیں۔ بعد ختمِ ملازمت پنشن لی اور اسّی برس سے زیادہ عمر پا کر سنہ ۱۹۲۳ء میں جے پور ہی میں انتقال کیا۔

آپکے پوتے بابو ترلوکی ناتھ ٹیچر "مہاراجہ ہائی اسکول جے پور" سے میں نے آپ کے تفصیلی حالات اور کلام و تصانیف کے متعلق گفتگو کی تو وہ بالکل بے خبر نکلے۔ اُردو نہ جاننے کے باعث اپنے جدِ امجد کا ایک شعر بھی نہ سُنا سکے۔ حضرتِ ہاتف کو تاریخ گوئی میں خاص ملکہ ہے۔ اور کلام میں بھی پختگی ہے۔ قدیم طرز کا شعر اچھا

کہتے ہیں۔ چند اشعار بطور نمونۂ کلام درج ذیل ہیں :-

مشفق رہا، شفیق رہا، مہرباں رہا — پر ہم کو کیا رہا کہ رہا تو جہاں رہا
سارے زمانے کی تو نظر میں سُبک ہوں میں — کیا جانے کیوں نگاہ میں تیری گراں رہا

طلب میں مدعا کی ہم نے کھویا آپ کو ورنہ — دلِ بے مدعا جس نے کہ پایا مدعا پایا
طریقِ دستگیری دشمنوں کو دوست کرتا ہے — کہ موسیٰ نے اُٹھا کر اژدہے کو بھی عصا پایا
بہت دیکھا نہ ہم نے زاہدوں میں سادگی پائی — مگر اک بے ریا پایا تو نقشِ بوریا پایا

شیخ کو ایک درِ کعبہ پہ نازاں دیکھا — ہم نے دیر و حرم و کوچۂ جاناں دیکھا

دیکھیں گے بہت کچھ جو یہ وحشت ہے سلامت — صحرا کوئی چھوڑیں گے نہ ہم روئے زمیں پر

درد و غم شور و فغاں نالہ و آہ و زاری — تیرے کوچے میں یہی آٹھ پہر دیکھتے ہیں

ہم عاصیوں کو روزِ قیامت کا خوف کیا — ہے ہی شبِ فراق کی اپنے سحر کہاں
کچھ رحم آگیا کہ وہ بے رحم آگیا — ورنہ ہماری آہ میں اتنا اثر کہاں

اک دو تارِ گریباں تو جنوں رہنے دے — دوش پہ بندۂ اصنام ہیں زنار تو ہو

نہ آئیں گے در پر تمہارے بخیلو — فقیروں کی جاگیر سارا جہاں ہے

تاریخی غزلوں کے تین شعر

جب دل ہی جا کے تابعِ حکمِ بتاں رہا ۱۲۸۸ھ		یار و ہی جائے غور بھلا میں کہاں رہا ۱۸۷۲ع
شاہد ہے خدا آپ کو معلوم نہیں کچھ ۱۲۸۸ھ		گزرے ہیں جو آفت کی صنم جانِ حزیں پر ۱۲۸۸ھ
اب تک لحاظ و پاسِ وفا حیف کیا رکھا ۱۸۷۲ع		آئندہ جو امید رکھیں فتنہ گر سے ہم ۱۲۸۹ھ

ہلال تخلص۔ پہلے ہلالی تھا۔ عابد علی نام۔ نسباً سید۔ اصل وطن دہلی تھا اور مستقل سکونت جے پور میں تھی۔ یہاں وکالت کرتے تھے۔ شعر و سخن اور ادبیات سے خاص دلچسپی تھی۔ اول حضرت آگاہ سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد حضرت عزیز سے مشورہ کرتے رہے۔ اردو۔

فارسی کی تعلیم پرائیوٹ حاصل کی تھی۔ کہنہ مشق شعرا میں شمار ہوتے تھے ملنسار اور خوش اخلاق تھے۔ "بزمِ ادب جے پور" کی مجلسِ منتظمہ کے رُکن تھے کلام میں صفائی اور زور پایا جاتا ہے۔ جے پور ہی میں ستمبر ۱۹۴۷ء میں انتقال ہوا۔ اشعارِ ذیل بطور نمونۂ کلام درج ہیں:۔

ترے مٹنے کا کچھ بھی غم نہیں ہے اے تنِ خاکی
مگر مٹ کر غبارِ کوچۂ دلدار ہو جانا

جو آبرو کی تمنا ہے گوشہ گیری کر
کہ قطرہ کُنجِ صدف میں دُرِ خوش آب ہوا

ہوئے دست و گریباں شوق میں کیا کیا بہم دونوں
کبھی بسمل پہ خنجر تھا کبھی خنجر پہ بسمل تھا

حیران ہے ششدر ہے وہ کچھ کہہ نہیں سکتا
آئینہ کی تم نے کبھی صورت نہیں دیکھی

جراحت میں کہاں سے آئی یہ سوزش جہنم کی
کہ خاکستر ہوئی ہیں پٹیاں جل جل کے مرہم کی

ترا بیمارِ غم اور حضرتِ عیسےٰ سے اچھا ہو
مسیحائی ہمیں بھی دیکھنی ہے ابنِ مریم کی

لڑا کر آنکھ ساقی سے کیا اتنا اثر پیدا
نظر جس گُل پہ ڈالوں ساغرِ سرشار ہو جائے

یکتا تخلص۔ آغا حسین نام۔ نسباً سید۔ مستقل سکونت جے پور۔ آپ یہاں کے مشہور و کامیاب وکلا میں ہیں۔ علم دوستی اور ادب نوازی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے متعدد مسالمے اپنے یہاں کر چکے ہیں۔ تحت اللفظ بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ میونسپل کونسلر جے پور بھی رہے ہیں۔ سرکاری و جمہوری تقریبات کے موقع پر آپ اکثر اپنا کلام سُناتے ہیں جو عام طور پر پسند کیا جاتا ہے۔ خوش اخلاق و بامذاق ہستی ہیں۔ شعر بہت جلد کہتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

پیمبر بن کے رہبر بن گئے وہ راہِ ایماں کے
زمیں پر جو گرے قطرے رُخِ محبوبِ یزداں کے

ازل سے نور اُن کا تا قیامت ہے ظہور اُن کا
یہی مطلع یہی مقطع بنے دیوانِ امکاں کے

اگر ہے حمد دُنیا میں تو لازم ہے محمدؐ بھی
حقیقت آشنا یہ راز ہے خالق کے عرفاں کے

یکتا | اور زکی تخلص، ابتدائً زکی مرغوب تھا اور پھر یکتا پسند خاطر ہوا۔
حیدر حسن نام نسباً سیّد، اور مذہباً شیعہ۔ وطن دہلی اور مستقل مسکن جے پور۔ اور یہی مدفن ہے۔ "میرزکی" عرف عام تھا۔ چنانچہ جے پور میں آپ کے نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں اور "میر زکی" سے پہچاننے والے ابھی کافی اصحاب پائے جاتے ہیں۔ محلہ نالہ نیل گراں میں کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔

فضیلت علمی اور اخلاق وعادات | عربی و فارسی کے زبردست عالم تھے۔ اور اپنے علم و فضل پر ناز بھی تھا۔ مولانا تسلیم کے سوا کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ حالانکہ اُن کے معاصرین میں جیّد علماء بھی تھے اور باکمال شعرا بھی۔ صاحبِ فن خوشنویس بھی تھے اور بہترین نثار بھی۔ طبیعت میں نہایت درجہ نفاست تھی اور بے انتہا نزاکت۔ کوئی شے بے قرینہ یا کوئی بات خلافِ مزاج برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اعتراض کرنے اور غلطی کی گرفت کرنے میں بہت بے باک تھے۔ حاضر جوابی اور وہ بھی ترکی بہ ترکی، میں بڑا کمال تھا۔ اپنی فضیلت منوانے میں احتراز نہ تھا۔

ملک الشعرا مرزا سنجر طہرانی کو فارسی ادب میں شکست دینا آپ کی فارسی دانی کی کھلی دلیل ہے۔ افسوس کہ اُس معرکہ کے تفصیلی اور صحیح حالات بتانے والا اب کوئی نہ رہا۔ صرف ماہنامہ "روشنی جے پور" بابتہ ماہ اگست سنہ ۱۹۴۰ء کے صفحہ ۲ پر ایک عبارت ملی جس کا اقتباس یہ ہے :۔

"جے پور کی پرانی علمی صحبت میں آغا سنجر تہرانی کا آ کر شریک ہونا بہت خوش گوار یاد ہے۔ حضرت مولانا سلیم الدین رحمۃ اللہ علیہ۔ مولوی جلال الدین احمد مرحوم۔ قاضی فرزند علی مرحوم۔ میر حیدر حسن زکی دیکتا کا عہد ہے۔ آغا سنجر کے آنے سے

اس علمی اجتماع میں اور رونق ہو گئی اور مولانا تسلیم کا دولتکدہ تہران کا ایک محلہ معلوم ہونے لگا۔ لیکن تھوڑے ہی دن میں میرزنگی مرحوم اور آغا سنجر میں چل گئی۔ اور نظم و نثر میں طرفین سے لطیف چشمکیں ہونے لگیں۔"

مرزا سنجر کی کسی تحریر کے جواب میں میر صاحب نے ایک مستقل کتاب "تیغ دودم" فارسی میں لکھ کر اُن کو دنداں شکن جواب دیا۔ کہتے ہیں کہ میر صاحب کی فتح و فضیلت کا مرزا صاحب کے مقابلہ میں تمام ادبائے عصر نے اعتراف کیا تھا۔ یہ تصنیف چھپ نہ سکی۔ خود میر صاحب کی قلمی بہترین خط نستعلیق میں لکھی ہوئی آپ کے صاحبزادے جناب فاضل مقبل مرحوم کے پاس میں نے لاہور میں دیکھی تھی۔

منشی محمد اکرام الدین پنشنر نائب تحصیلدار ریاست جے پور راوی ہیں کہ "میر جعفر حسین ممبر "رائل کونسل جے پور" کے یہاں بموقع محرم مجالس عزا ہوا کرتی تھیں۔ میر صاحب بھی شریک ہوتے تھے۔ میں بھی اکثر اُنکے ساتھ ہوتا تھا، اس لئے کہ میں میر صاحب ہی سے پڑھتا تھا اور انہیں سے خط کی مشق کرتا تھا۔ ایک مجلس کے بعد میر جعفر حسین نے میرزنگی کو ایک فارسی مطبوعہ کتاب دے کر کہا کہ یہ شیعہ سُنی نزاع پر ایک فیصلہ کُن کتاب میرے پاس تہران سے آئی ہے۔ آپ اس کو ملاحظہ کریں اور اس کا ترجمہ کر دیں۔ میرزنگی نے سرسری طور پر دیکھ کر کتاب کو پسند کیا۔ جب چلنے لگے تو میر جعفر حسین نے کہا کہ جب آپ ترجمہ کر لیں تو چھپنے سے پہلے ترجمہ مجھے دکھا لیں۔ میرزنگی نے وہاں تو اس کا کوئی جواب نہ دیا اور کتاب میرے سپرد کر دی۔ مگر یہ بات ناگوار گزری۔ راستہ میں آگر آسمان

کی طرف منھ کر کے کہنے لگے "اے تری شان زگی ترجمہ کرے اور جعفر حسین اسکو دیکھے" لہٰذا وہ کتاب گھر لاکر طاقِ بے اعتنائی پر ایسی رکھی کہ میر جعفر حسین کے بیسیوں تقاضے آئے مگر ترجمہ کیا ہی نہیں۔ آخر انہوں نے مجبور ہو کر جب کتاب واپس منگوائی تو بھیج دی۔

خطاطی | میر صاحب کو اپنے خط پر بھی بے حد ناز تھا۔ شاہ ایران کو جو قطعات تعزیت و مبارکباد اُنہوں نے بھیجے اُس میں اپنے کو ہفت قلم تحریر کیا ہے۔ مگر اپنے مقدر کی شکایت اس طرح کرتے ہیں:-

دُر ہیں غلطاں مری تحریر میں تحریر تو دیکھ
میں نے موتی نہیں دیکھے مری تقدیر تو دیکھ

میر صاحب کا نستعلیق خط آفتابی تھا۔ اور اُس کو یہاں بہت پسند کیا جاتا تھا۔ اکثر لکھے پڑھے خاندانوں میں اُن کی وصلیاں بطور یادگار رکھی جاتی تھیں۔ کاغذ کے علاوہ دیوار پر ایسا اچھا لکھتے تھے کہ بایدو شاید، اُن کا ایک نہایت شاندار کتبہ سابق "میو ہاسپٹل جے پور" حال ہائی کورٹ واقع بیرونِ سانگانیر دروازہ کے صدر دروازہ پر نہایت جلی بہت بلندی پر ثبت تھا:-

"خداش خیر دہاد ہر کہ ایں عمارت کرد"

مگر اب یہ مٹا دیا گیا ہے۔ البتہ "جے پور میوزیم" کی دیواروں پر بہت سی تصاویر و مناظر کی تعارفی عبارت میر صاحب کی قلمی ابھی موجود ہے ایک کتبہ منشی رام جی داس کی حویلی واقع گنگاپول کے دیوان خانے کی غربی دیوار پر اُن کے نام کا نستعلیق طغرا ابھی بدستور ہے۔ کمال یہ تھا کہ دیوار پر تحریر کردہ الفاظ میں بھی وہی نوک پلک کی نزاکت وہی جوڑ بند

کی مضبوطی۔ وہی شان کشش ودائرہ وہی گرسی الفاظ قائم رہتی تھی کہ جو کاغذ پر ہوتی ہے۔ میر صاحب کی قلمی کچھ وصلیاں "جے پور میوزم" میں ابھی کس مپرسی کے عالم میں ہیں۔ کچھ الور کے عجائب خانہ میں تھیں جو خدا جانے اب کسی کونے کھدرے میں پڑی بھی ہیں یا نہیں۔

میر صاحب کو چونکہ کسی اور شخص کا خط بالکل پسند نہ تھا اس لئے اپنی جو تصنیف چھپواتے تھے اس کی کاپی خود ہی لکھتے تھے۔ نقاشی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے کہ جو لازمۂ خوش نویسی ہے۔

خوش نویسی میں میر صاحب سے بہت لوگوں نے استفادہ کیا مگر افسوس اُن کا جانشین کوئی نہ ہوا۔

ملازمت واستغنا میر صاحب "اورنٹیل کالج جے پور" میں پندرہ (عـــہ ۱۵) روپیہ ماہوار کے مدرس تھے۔ سواری کے لئے سرکاری طویلے (آطش) سے گھوڑا مقرر تھا اُس پر مدرسہ جایا کرتے تھے۔ ایک روپیہ روز (بنے ۳۰ ماہوار) بطور وظیفہ منشی رام جی داس میر منشی کی سرکار سے مقرر تھا یہی کل مستقل آمدنی تھی۔ آخر زمانے میں پانچ روپیہ کی ترقی ہو کر بیس (۲۰) روپیہ ماہانہ تنخواہ مدرسی ملنے لگی تھی۔

۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں جب ناصر الدین شاہ قاچار۔ بادشاہِ ایران شہید ہوئے اور مظفر الدین شاہ قاچار سریر آرائے سلطنتِ ایران ہوئے تو میر صاحب نے چھ قطعات اور ایک مرثیہ شاہِ شہید کی تعزیت میں اور تین رباعی اور گیارہ قطعات تہنیت شاہِ وقت میں تاریخی لکھے، اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے جانے کی غرض سے اُن کی مُطلا وصلی نہایت نفیس قلمی تیار کی جس پر بہترین قسم کی نقاشی کی تھی۔ اور عام طور پر تقسیم کرنے کے لئے بھی خود کاپی لکھ کر فلس کیپ سائز کے چار اوراق پر یہ کلام

طبع کرایا تھا۔ گُل کاری اُن اوراق پر بھی خوب کی ہے۔ تمام اشعار و عبارت فارسی میں ہے۔ اُس کا پہلا شعر یہ ہے :-

در حضورِ فخرِ شاہانِ سلف — گر قبول افتد زہے عز و شرف

پھر لکھتے ہیں۔ "ایں یک تاریخست کہ در دو رباعی بہ تبدیل قوافی و تغیر بعض الفاظ منظوم شدہ"۔

چوں ناصرِ دیں برحمتِ حق پیوست — اوّل بر تختِ عجم مظفر الدیں بنشست
تاریخِ جلوسِ شاہ خود نامِ شہ است — یعنی سرِ باغیانِ بے دیں بشکست
۱۳۱۵ھ

صد شکر کہ بعدِ ناصر الدین شہید دوم — سلطانِ عجم مظفر الدیں گردید
۱۳۱۵ھ
تاریخِ جلوس از نامش پیداست — یعنی سرِ باغیانِ بے دیں ببرید

ایک قطعہ تہنیت جس کے اُنیس ۱۹ شعر ہیں۔ اُس کے دو ابتدائی اور دو آخری شعر ملاحظہ ہوں۔ اٹھارویں شعر میں یہ بھی ظاہر کر گئے ہیں کہ کسی صلہ کی تمنا نہیں ہے :-

دوش خضرم مژدۂ جشنِ جلوسِ شاہ داد — ابتدائی اشعار — وز رہِ فرمائش و فہمائش و تفہیم گفت
اے کہ روز و شب دعائے شہ کنی از صدقِ دل — بایدت زیں جشن چیزے لائقِ ترقیم گفت
مشربِ یکتا پسندیدم کہ ایں مدح و ثنا — اٹھارواں شعر — ہر چہ گفت از حبِ ایمان نہ ز امید و بیم گفت
خواستم سالِ مسیحائیِ جشنِ جانفزا — آخری شعر — عقل بشاہنشاہِ ایراں شاہِ ہفت اقلیم گفت
۱۸۹۶ء

قطعاتِ تعزیت میں سے ایک قطعہ یہ ہے :-

شہنشہ ناصر الدیں کشتہ گردید — کہ باشد گریہ بر وے واجب العین
بسالش نینوا زد، نالۂ زار — شہیدِ راہِ حق بین الصلاتین
۱۳۱۳ھ

مرثیہ کے کُل انچاس ۴۹ اشعار ہیں۔ جن میں سے دو ابتدائی اور

یتیں آ[illegible]ری یہ ہیں :—

[illegible]ین ازیں اے ابلقِ گردوں کرو واکثر مناز | بعد ازیں اے گنبدِ گرداں بریں گردش مناز
مومناں را مُہرہ درششدر فگندی ناگہاں | زیں سپس اے آسماں با راستبازاں کج مباز
از رہ غایت گشتہ شد شاہے کہ بازوئے علیؑ | مسلکِ صلحِ حسنؑ بر روئے عالم کرد باز
مصرعِ تاریخ جامع جستم از یکتائے ہند | گفت ہاتف پیش ازیں گفت است با این جملہ راز

۱ ۲ ۳ ۴ ۵
خمسہ سال و مہ و تاریخ و روز و وقت اوست
ہفتدہ و ذیقعدہ بود و جمعہ و بعد از نماز
تاریخ ماہ روز وقت

سال ۱۳ ۱۳ ہجری

یہ قطعات اور دو قصیدے بمدح مہاراجہ سرسوائی مادھو سنگھ والی ریاست جے پور. منشی محمد اکرام الدین پنشنر نائب تحصیلدار کی مہربانی سے دیکھنے کو مل سکے۔ قصائد کا ذکر آئندہ کیا جاتا ہے۔

منشی صاحب راوی ہیں کہ "شاہِ ایران کی خدمت میں جب یہ قطعات پیش ہوئے تو انھوں نے معرفت حکومتِ ہند شکریہ بھیجکر خواہش کی کہ اگر میر صاحب ایران آجائیں تو ان کو آٹھ سو روپیہ ۸۰۰ ماہوار تنخواہ اور "ملک الشعراء" کا خطاب دیا جائے گا۔ لہذا رزیڈنٹ جے پور نے معرفت ریاست جے پور آپ کو بلایا۔ بابو کانتی چندر مکرجی وزیر اعظم جے پور تھے انھوں نے آپ کو رزیڈنٹ سے ملنے کو کہا تو جواب دیا کہ "اس طرح نہیں جاتا۔ اگر سرکاری بگی اور جھنڈی والے دو سوار (اُس زمانے میں ایسے اردلی معززین خاص ہی رکھ سکتے تھے) اردلی میں دئے جائیں تو جا[کر] ملتا ہوں"۔ چنانچہ یہ انتظام کیا گیا تو رزیڈنٹ سے جاکر ملے۔ وہ بھی فارسی جانتا تھا۔ بہت پُرلطف گفتگو ہوئی۔ اس نے تمام حال سے آپ کو باخبر کیا۔ اور

جب یہ دریافت کیا کہ آپ کو یہاں کیا تنخواہ ملتی ہے تو جواب دیا کہ ہم لوگ ریاست کے نمک خوار ہیں بقدرِ مصارفِ نمک تنخواہ مِل جاتی ہے۔ ایران جانے نہ جانے کے متعلق مہلتِ جواب لے کر واپس ہوئے اور دوسرے دن یہ شعر لکھ کر ریزیڈنٹ کو بھیج دیا:-

"قرارے کردہ ام من خود، نہ خواہم رفت زیں درگہ
سر اینجا سجدہ اینجا بندگی ایں جا قرار ایں جا
فقیر زکی"

اس طرح میر صاحب نے اپنے اٹھارویں شعر مندرجہ صدر کی صداقت بھی ثابت کر دی۔

سنہ ۱۸۹۴ء میں مہاراجہ سرسوائی مادھو سنگھ والیِ جے پور نے شیر کا شکار کیا تو میر صاحب نے دو مدحی قصیدے پیش کیے۔ اُن کو بھی خود لکھ کر سرخ کاغذ پر چھپوایا تھا اور مہاراجہ کی خدمت میں اپنا قلمی مُذہب کتبہ پیش کیا تھا۔ ایک قصیدے کے چار شعر یہ ہیں۔ سینتیس ۳۷ اشعار کا قصیدہ ہے:-

یہ شیر وہ ہے کہ شیروں پہ اس کا نام ہے شیر　　(بعدِ چند اشعار) یہ شیر وہ ہے کہ ہم شیر و ہم بکف شمشیر

بعدِ چند اشعار یقیں ہے شیر، شتر شیر کی طرح بھاگیں　　شتر پہ چڑھ کے اگر وہ کرے تعاقبِ شیر

" شکارِ شیر کی کثرت ہے کثرتِ الطا　　کہ چار شعر میں اک قافیہ ضرور ہے شیر

سُنی زکی نے جو بندوق کی صدا دو بار　　کہا کہ آہ وہ مارا جہاں پناہ نے شیر

۹۴۷
۹۴۷ در صنعتِ تکرار۔
۱۸۹۴ء

یہ قصیدے پیش کرتے وقت بابو جی موصوف الصدر (وزیر اعظم) نے

مہاراجہ سے آپ کی نسبت کہا کہ "یہ جے پور کا کبیر داس ہے" مہاراجہ نے یہ قدر افزائی کی کہ اُس چوکٹے کو اپنے محل میں لٹکا دینے کا حکم دے دیا۔ مگر بابو جی نے تنخواہ میں پانچ روپیہ کا اضافہ کرکے پندرہ سے بیس روپیہ ماہوار کر دئے۔

تصانیف | میر صاحب کی تصانیف تو متعدد بتائی جاتی ہیں مگر روایات میں اس قدر اختلاف ہے کہ اُن کی تطبیق دشوار ہے۔ اگرچہ ایسی قابل ہستی کی دس بیس تصانیف ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں تاہم صحت لازمی امر ہے۔ بہرحال ایک تصنیف "تیغِ دودم" کا مختصر حال اوپر درج ہو چکا ہے۔

دوسری تصنیف "قواعدِ صرف و نحو" فارسی۔ تھی جو کچھ عرصے پہلے کسی فارسی نصاب میں بھی داخل رہی ہے۔ راقم الحروف نے اُسے زمانۂ طالب علمی میں دیکھا تھا۔ مگر اب کہیں نہیں ملتی۔

تیسری تصنیف "اتمامِ حجت" کا پتہ منشی اکرام الدین سے اس طرح چلا کہ انہوں نے حسب ذیل اشعار اپنے حافظہ کی بدولت سنائے۔ یہ تصنیف حقیقتاً ترجمہ ہے جو شیعہ سُنی نزاع کے متعلق ہے۔ اس کے آخر میں اپنے دو صاحبزادوں کو یوں مخاطب فرماتے ہیں:—

لو میاں میر ذوالفقار حسین	اور کاظم حسینِ نور العین
حق تمہیں دولت و سعادت دے	علم دے فضل دے سخاوت دے
ترجمہ ہے "مناشدیٔ" کا تمام	رکھئے اتمام حجت اس کا نام
سالِ اتمام اوست از رہِ دیں	ہمہ اتمام حجت بشرِ دیں
سلخ ذی قعدہ کو کیا تھا شروع	کئی جھگڑے ہوئے مُخلِ رجوع

ہے یہ تاریخ پانچ ذی الحجہ کی | کہ خدا کے کرم سے ختم ہوئی
کیوں نہ ہو جائے پانچ دن میں تمام | تھا یہ بے شبہ پنجتن کا کام
پنجتن کے جو نام یاد آئے | ہاتھ میں نے دعا کو پھیلائے
اے خدا صدقہ کبریائی کا | صدقہ اس شانِ مصطفائی کا

اس کے بعد بھی کافی اشعار ہیں مگر وہ یاد نہ رہے۔

چوتھی تصنیف۔ منشی صاحب موصوف ہی کی عنایت سے ایک سولہ[۱۶] صفحہ کا رسالہ مجھے ملا۔ اس کے ابتدائی آٹھ صفحے غائب تھے بقیہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوا کہ سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق سنہ ۱۹۹۳ء میں بابو ہری داس ایم۔ اے پرنسپل مہاراجہ کالج کی وفات پر مرتب کر کے مطبع "سراج الفیض جے پور" میں چھپوایا تھا۔ اس رسالہ میں میر صاحب کی نثر کا بھی نمونہ ملا جو درج ذیل کیا جاتا ہے :۔

"حق یہ ہے کہ جناب مرحوم کا تیس بتیس برس کے سن یعنی عین عالمِ شباب میں اُس سخت بیماری سے جس نے اُن کو ہفتہ بھر سے زیادہ جینے کی مہلت نہ دی اور ٹھیک اُس فصل میں جو اُن کی بوئی ہوئی کھیتی سے حاصل لینے اور اپنے لگائے ہوئے باغ سے میوے چُننے اور پھول توڑنے کا وقت تھا ہزاروں ارمان اور لاکھوں امیدیں دل میں لئے ہوئے دو ننھے ننھے بچّوں کو یتیم و غریب اور ایک کمسن بیوہ کو بے صبر و بے نصیب علم کو بے وقر اور اہلِ علم کو بے قدر چھوڑ کر کشت زارِ فنا اور مزرعِ رنج و عنا سے چمن روحانی اور گلشنِ

جاودانی کی طرف انتقال کرنا اور نہ صرف اہلِ مدرسہ بلکہ تمام مُنصف مزاج علم و ہنر کے قدردانوں کو ایسا داغ دینا جس کا علاج کسی حکیم سے اور جس کا مرہم کسی ڈاکٹر سے نہیں مل سکتا۔ فقط آں ممدوح کا دنیا سے جانا نہیں بلکہ مدرسہ کی اس حالت پر جس نے ابھی ابھی اکثر انھیں کی ذات سے اور بیشتر انھیں کے ہاتھ سے کمال حاصل کیا تھا یک بیک زوال آتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ عقلمندوں کو اس وقت کس مصیبت پر زیادہ رونا چاہیئے۔ آیا اُن کے جوان مرنے کے ملال پر یا اس دار العلوم کے ناگہاں زوال پر۔ مگر کہا جائے کہ دونوں آنکھوں سے روئیں۔ ایک سے اُن کے حال پر اور ایک سے مدرسے کے حال پر"

اُردو کا قطعہ تاریخ انتقال لکھتے ہیں :-

مجھ سے بے جوہر کو کیا ہو گوہرِ یکتا کی قدر — قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری
آہ کاسد ہو گیا بازارِ عقل و علم و فن — کیوں نہ روئیں سنسکرت اور شاستر کے مشتری
علم و فن کے جوہری بابو ہری داس آہ آہ — جن سے تھی اس فصل میں ہر جنس کی کھیتی ہری
یک بیک دُنیا سے راہی ہو گئے اُس فصل میں — جس میں اُنکی سب زراعت یا ہری تھی یا بھری
عقلمندی حق پسندی کی طرح تھی اُن پہ ختم — قدردانی، مہربانی، اور عدالت مظہری
کج کلاہی۔ خوش نگاہی کی طرح اُن پر تمام — نیک ذاتی۔ خوش صفاتی، اور والا گوہری
کیا عجب اس نظم میں گر میں کروں اظہارِ عجز — دنگ ہیں ان کی ثنا میں زہری و اشہری
اوّلِ عمر جوانی میں کیا دُنیا کو مات — جیت لی آخر کی بازی مُنھ سے کہہ کہہ کر ہری
میں نے پوچھی عیسوی تاریخ۔ ہاتف نے کہا — روز یکشنبہ شروعِ شب ہی۔ نافِ جنوری

۱۸۹۳ء

اس کے بعد دو قطعات فارسی اور ہیں پہلا دو قافیتین ہے جس کے گیارہ شعر ہیں دوسرے کے ۸۷ اشعار۔ جس میں مدرسے کی تاریخ اور ہر چہار سنین (عیسوی ہجری۔ فصلی اور بکرمی) کے مادہ ہائے تاریخ ہیں۔

شاعری | اگرچہ میر صاحب کسی کے تلمذ کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں مرزا مائل مرحوم سے نوک جھوک ہوتی ہی رہتی تھی۔ تاہم یہ امر بھی تحقیق نہ ہو سکا کہ اُن کی شاعری کا آغاز کب اور کس طرح ہوا۔ اور اس فن میں کمال حاصل کرنے تک کے مراحل کس طرح طے کئے۔

کلام پر تبصرہ | میر صاحب کے یہاں زور و جوش بھی انتہائی پایا جاتا ہے اور روانی و صفائیِ زبان بھی۔ اسلوبِ بیان بھی بہت دلکش ہوتا ہے۔ اور بلندیِ تخیل و نازک خیالی کے باوجود سہل الفہم بھی۔ ہر صنفِ سخن کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے مناسب الفاظ استعمال کرنے پر پوری قدرت ہے۔ مناظر کشی و محاکات نگاری پر بھی پورا قابو ہے۔ اور کلام میں تاثیر بھی بلا کی ہے۔

نمونۂ کلام | نمونۂ کلام ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

مولانا مُبین کی ایک نعت کی تضمین کے پانچ بند ہیں:۔

ترا جلوہ عینِ معانی کی صورت — تری شان خود بے نشانی کی صورت
نمایاں ہے کیا مہربانی کی صورت — ہمارے لئے مَن رَاٰنِی کی صورت
وہی ہے جو تھی لَن تَرَانِی کی صورت

سمجھتے ہیں نکتہ جو ہیں فن کے ماہر — کہ اک جوہرِ کُل ہے کانِ جواہر
تری ذات ہے نورِ عینِ مظاہر — مکین و مکاں پر ترے دم سے ظاہر
ہوئی جلوہ لامکانی کی صورت

اگر لاکھ صنعت کی تصویر کھینچیں — وہ کیا صنعِ قدرت کی تصویر کھینچیں

خود اپنی ندامت کی تصویر کھینچیں　　بنے کب جو حضرت کی تصویر کھینچیں
بگڑ جائے بہزاد و مانی کی صورت

غضب گر کرے عیش پر حکمرانی　　تو عیشِ ابد ہو غمِ جاودانی
دو عالم میں نافذ ہی حکم زبانی　　اگر غم پہ ہو آپ کی مہربانی
تو بن جائے غم شادمانی کی صورت

سخن سنج یکتا کی ہم مشربی میں　　بڑا کبر رکھتے تھے طبعِ غبی میں
مگر شب کو بزمِ مہِ یثربی میں　　بیانِ مبیں سن کے نعتِ نبی میں
نظر آگئی نکتہ دانی کی صورت

ایک مرثیہ کے پانچ بند اور ملاحظہ ہوں جو حضرت تنویر کے حافظہ کی بدولت میسر آسکے۔ مگر چوتھے بند کا چوتھا مصرع پھر بھی معلوم نہ ہو سکا۔

دعویٰ نہیں مجھے کہ فصیح اللساں ہوں میں　　میں مدعی نہیں کہ بلیغ البیاں ہوں میں
نکلا نہیں زباں سے کہ صاحب زباں ہوں میں　　میں نے یہ کب کہا کہ وحید الزماں ہوں میں
پھر کہیے کیا سبب مرے حسنِ کلام کا
مداح ہوں امام علیہ السلام کا

دعویٰ بھی اب ہو مجکو تو بیجا ہو یا بجا　　ہاتف یہ کہہ رہا ہے کہ زیبا۔ روا۔ بجا
نوبت مرے سخن کی جو پہنچی تو جا بجا　　نقارہ کی صدا ہے کہ بیشک بجا۔ بجا
اب کوئی نکتہ چیں بھی اگر ہو زمانے میں
طوطی کی کون سنتا ہے نقار خانے میں

اَلحمدُ لِلّٰہِ الّذی عن نطق فی اللساں　　میری زباں ہے کس کی ثنا میں گہر فشاں
تائید ہے ادھر سے کہ کرتا ہوں کچھ بیاں　　ورنہ مری زبان کہاں یہ بیاں کہاں
طاقت کسے حضور کی مدح و ثنا کی ہے

گویا ہوں کس کے وصف میں! قدرت خدا کی ہے!!

پتّھر کو لعل، لعل کو پتّھر بنائے وہ — قطرے کو بحر۔ بحر کو قطرہ بنائے وہ
ذرّے کو مہر۔ مہر کو اختر بنائے وہ

دریا پہ ملتفت ہو تو باغِ جناں بنے
جس سرزمیں پہ مہر کرے آسماں بنے

ہیں ہیں، یہ کیا کہا کہ زمیں آسماں بنے — چاہے تو مُشتِ خاک سے سارا جہاں بنے
اِک حکم کی ہے دیر جو کہدے کہ ہاں، بنے — ذرّہ دو نصف ہو کے زمین و زماں بنے

دوزخ بنے شرارِ جمادِ کنشت کا
اِک پھول سے ظہور ہو آٹھوں بہشت کا

چند متفرق اشعار اور ملاحظہ فرمایئے جن میں سے زیادہ حضرتِ قمر واحدی سے سُن کر درج کئے جاتے ہیں اور باقی دیگر ذرائع سے حاصل شدہ ہیں۔

زکی طعنہ نہ دے غیروں سے اُن کو دل لگانے کا — بشر کو چاہیئے اپنا سا سمجھے دل زمانے کا
کہیں ہے دل تو اُس کا والہ و شیدا نہ بن جانا — بُتوں کا ایک ادنیٰ ناز ہے بیگانہ بن جانا
خرابی پر مری مت جاؤ آؤ تم کو دکھلا دوں — مرے غم خانے کو آتا ہے عشرت خانہ بن جانا
جو اُس گُل کے دہانِ تنگ کا چرچا نکل آیا — چمن میں آج مُنہ غنچوں کا اتنا سا نکل آیا
رقیب رو سیہ نے اُن پہ ظاہر کی مری چاہت — بیانِ مُدّعی سے مُدّعا اپنا نکل آیا
تمہارے عارضِ شفاف سے تشبیہ دیتا میں — مگر اندھیر ہے اس ماہ میں دھبّا نکل آیا
سرو بااِیں قد و قامت ترا ہمسر نہ ہوا — بڑھ گیا تجھ سے مگر تیرے برابر نہ ہوا
ایک ہی ہاتھ میں کاٹا مرا سر واہ رے ہاتھ — دوسرا دوش پہ اس وقت مرے سر نہ ہوا

دکھلا رہے ہیں میرزکی اس غزل میں خوب
سودا کا زور میر کی نازک خیالیاں

یوسف تخلص۔ محمد یوسف نام۔ یوسف میاں عرف۔ الہ آباد کے رہنے والے تھے اور جے پور میں وکالت کرتے تھے۔ نہایت ضعیف لقیہ اور بہت منکسر المزاج تھے۔ حکام وقت کی نوازش و پرورش سے وکالت چلتی تھی۔ شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ مشاعروں میں شریک ہوتے اور ہر غزل میں دو ایک شعر مزاحیہ بھی ضرور لکھتے تھے۔ جے پور ہی میں ۱۹۱۹ء یا ۱۹۲۰ء میں انتقال ہوا۔

مندرجہ ذیل اشعار آپ کے فکر کا نتیجہ ہیں:-

تمنا دل کی بر آئی کہ وہ آئے عیادت کو
مبارک تندرستی سے ہوا بیمار ہو جانا

شاعری کا یہ عجب وصف ہے یوسف دیکھو
شعر گو جھوٹے ہوں پر دل میں اثر رکھتے ہیں

صد حیف زندگی میں بھی تکلیف دہ رہے
لاشہ اب اپنا دوش عزیزاں پہ بار ہے

یوسف تخلص۔ یوسف علی نام نسباً شیخ۔ وطن قدیم کاکوری۔ والد بزرگوار کا نام شیخ مشتاق علی۔ تین پشت سے جے پور میں متوطن تھے۔ یہیں تعلیم پائی اردو اور فارسی جانتے تھے۔ اوّل گراس فارم جے پور میں ملازم ہوئے۔ پھر جنگلات میں رینج آفیسر ہو گئے تھے۔ حضرت مائل سے تلمذ تھا۔ اور ان کے بعد مولانا کوثر سے اصلاح لیتے رہے۔ سہرے لکھنے کا زیادہ شوق تھا۔ جے پور ہی میں ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کو انتقال کیا۔ شعر و سخن کا ذوق نوجوانی سے تھا جو تادم واپسیں برقرار رہا۔

حسب ذیل اشعار آپ کے طبعزاد ہیں:-

باد صبا جو لائی ہے مژدہ بہار کا
اب دیکھنا ہے رنگ دل بیقرار کا

سو بار اس کے کوچہ میں جا کر ہوا ذلیل
پھر بھی وہی ہے ڈھنگ دل بیقرار کا

تمام شد

کتبہٗ احقر الزمن سید لئیق حسن نجف امروہوی

بعد میں وصول شدہ تصویر



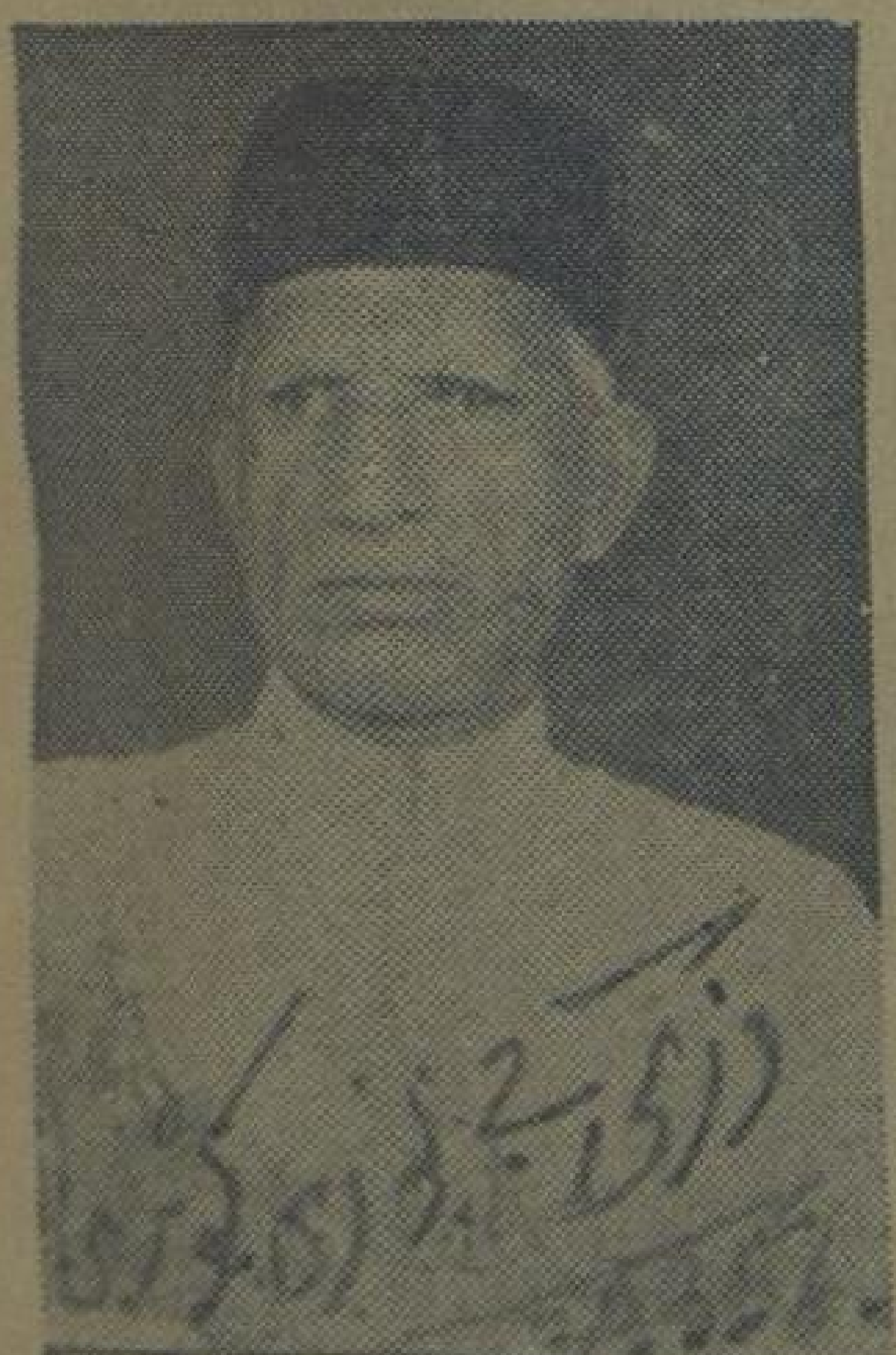




بعد میں وصول شدہ بلاک

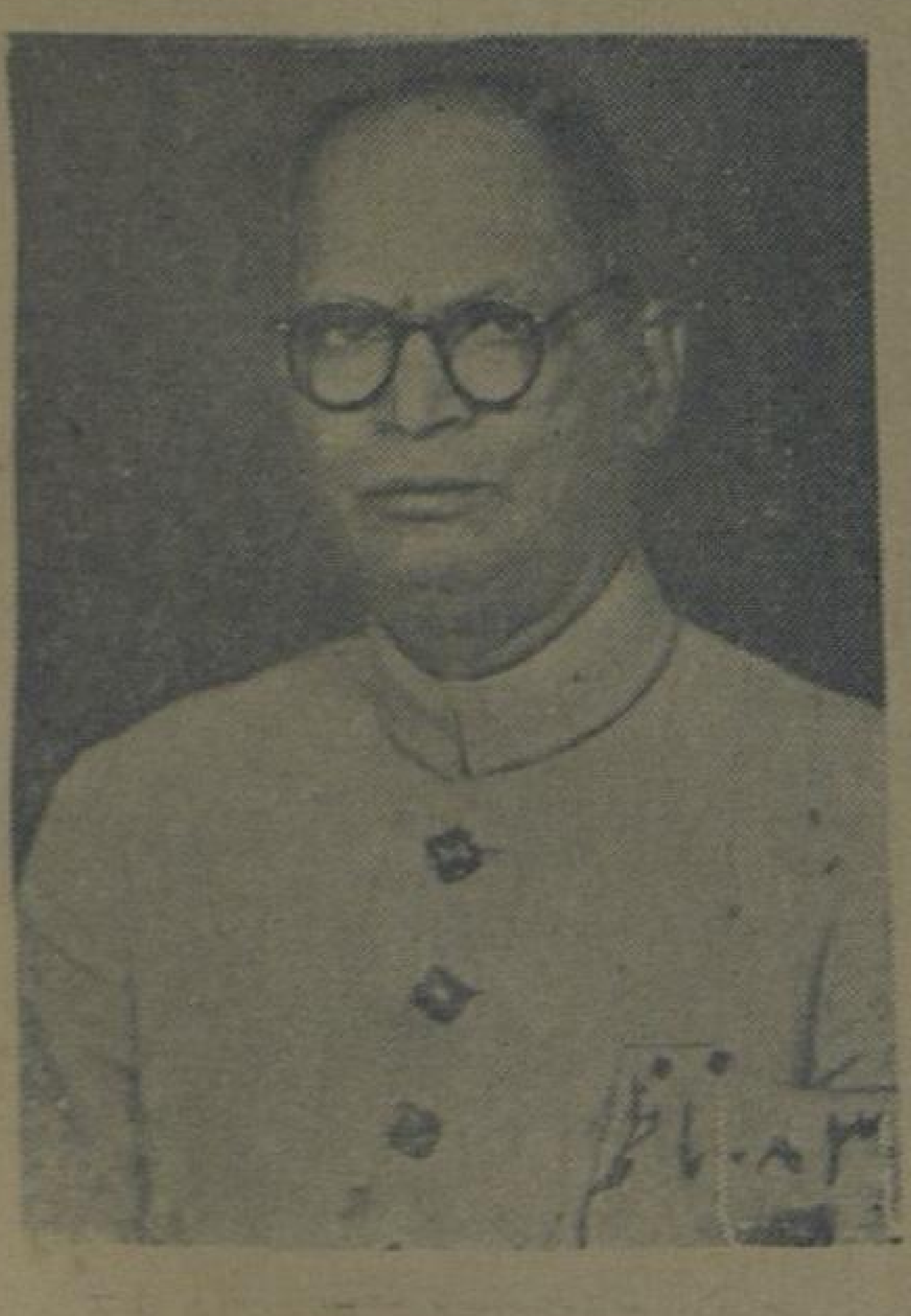


امین الدین





ماٹن نرائن



مظفر حسین

قطعۂ تاریخ طباعت تذکرۂ شعرائے جے پور

از

حضرت [illegible] ولانا حافظ محمد ایوب خاں صاحب قمرؔ واحدی پرنسپل اُردو کالج جے پور

جناب [illegible] احترام الدین احمد ۔۔۔ مُرتّب کرد چوں ایں جامِ شاغل

ہمہ عا[illegible]م جزاک اللہ می گفت ۔۔۔ بریں کوشش بریں اقدامِ شاغل

بخواہد ماند زندہ نام اسلاف ۔۔۔ ز سعیِ فرخ و فرجامِ شاغل

ہمہ اخلاف دائم نفع گیرند ۔۔۔ ز لطفِ خاص و فیضِ عامِ شاغل

مدام ایں جام می نوشیدہ باشند ۔۔۔ ہمہ رندان و مے آشامِ شاغل

سزد الحق اگر از فخر گویم ۔۔۔ کہ شہکار است ایں ارقامِ شاغل

قمرؔ ایں نقش اگر صورت نہ بستے

بماند تا ابد کے نامِ شاغل

۱۹ ۶ ۵۷

:- یونین پرنٹنگ پریس دہلی :-